مرتب، نظر ثانی و اضافہ عنوانات والا نسخہ

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (القرآن)

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اشرف الہدایہ

شرح اردو

ھدایۃ

جلد پنجم

باب طلاق المریض
تا
باب العبد یعتق بعضه

تالیف: مولانا جمیل احمد سکروڈھوی
مدرس دارالعلوم دیوبند

اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظمت اللہ
رفیق دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

مکمل اعراب، نظر ثانی وتصحیح، مزید اضافہ عنوانات

مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا محمد یامین صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

جلد پنجم

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر 15039

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی

طباعت : ستمبر ۲۰۰۱ء علمی گرافکس

ضخامت : 291 صفحات

کمپوزنگ : منظور احمد

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

﴿........ملنے کے پتے........﴾

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

﴿انگلینڈ میں ملنے کے پتے﴾

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

فہرست عنوانات

باب الظهار ۹۳

فصل فی الکفارة ۱۰۲

باب العبد يعتق بعضه ۲۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب طلاق المریض

ترجمہ...... (یہ) باب بیمار کی طلاق کے (احکام کے بیان میں) ہے

تشریح...... سابقہ ابواب میں مصنف علیہ الرحمہ تندرست کی طلاق کو اس کے تمام اقسام کے ساتھ بیان فرما چکے ہیں اس باب میں بیمار کی طلاق کے احکام بیان فرمائیں گے چونکہ مرض عارض ہے اور عدم مرض یعنی تندرستی اصل اور اصل مقدم ہوتا ہے عارض پر اس لیے ترتیب میں تندرست کی طلاق کے احکام پہلے بیان کیے گئے اور مریض کی طلاق کے احکام بعد میں۔

مرض الموت میں طلاق بائن دینے کا حکم

إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ طَلَاقًا بَائِنًا فَمَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَرِثَتْهُ وَإِنْ مَاتَ بَعْدَ إِنْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَلَا مِيْرَاثَ لَهَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَرِثُ فِي الْوَجْهَيْنِ لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَدْ بَطَلَتْ بِهٰذَا الْعَارِضِ وَهِيَ السَّبَبُ وَلِهٰذَا لَا يَرِثُهَا إِذَا مَاتَتْ وَلَنَا أَنَّ الزَّوْجِيَّةَ سَبَبُ إِرْثِهَا فِيْ مَرَضِ مَوْتِهِ وَ الزَّوْجُ قَصَدَ إِبْطَالَهُ فَيُرَدُّ عَلَيْهِ قَصْدُهُ بِتَاخِيْرِ عَمَلِهِ إِلَى زَمَانِ إِنْقِضَاءِ الْعِدَّةِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا وَقَدْ أَمْكَنَ لِأَنَّ النِّكَاحَ فِي الْعِدَّةِ يَبْقَى فِيْ حَقِّ بَعْضِ الْآثَارِ فَجَازَ أَنْ يَبْقَى فِيْ حَقِّ إِرْثِهَا عَنْهُ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْإِنْقِضَاءِ لِأَنَّهُ لَا إِمْكَانَ وَالزَّوْجِيَّةُ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ لَيْسَتْ بِسَبَبٍ لِإِرْثِهِ عَنْهَا فَيَبْطُلُ فِيْ حَقِّهِ خُصُوصًا إِذَا رَضِيَ بِهِ

شوہر نے عورت کو مرض موت میں کہا کہ میں نے تجھے حالت صحت میں تین طلاقیں دیں اور تیری عدت گذر چکی عورت نے تصدیق کی پھر عورت کے لیے دین کا اقرار کیا یا وصیت

بائے۔ پھر اس کا حق زیادہ ہو جائے اور شوہر بیوی کبھی دونوں فرقت کے اقرار اور عدت کے گذر جانے پر اتفاق کر لیتے ہیں، تا کہ شوہر اس پر اپنے ل کے ساتھ اس کے حصہ میراث پر بڑھا کر تبرع کرے اور یہ تہمت (صرف) زیادتی میں ہے اس وجہ سے ہم نے زیادتی کو رد کر دیا اور میراث کی مقدار میں کوئی تہمت نہیں لہٰذا ہم نے (میراث کی مقدار کو) صحیح رکھا اور عادتاً زکوٰۃ اور تزوج اور گواہی کے حق میں اتفاق نہیں کیا جاتا۔ پس ان حکام کے حق میں تہمت (معتبر) نہیں۔

تشریح ..... اس عبارت میں دو مسئلے زیر بحث ہیں:

) شوہر نے اپنی بیوی سے کہا میں صحت کے زمانے میں تجھے طلاقیں دے چکا اور تیری عدت بھی پوری ہو گئی۔ عورت نے اپنے شوہر کی تصدیق کر دی پھر اس کے بعد شوہر نے اس عورت کے لیے کچھ قرضہ کا اقرار کیا، مثلاً کہا کہ میرے ذمہ اس کا ایک ہزار روپیہ ہے۔ یا اس عورت کے لیے اپنے مال متروکہ میں سے کچھ مال کی وصیت کر دی۔

دونوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تہمت موجود ہے۔ دوسرے مسئلہ میں بالاتفاق تہمت موجود ہے۔ اور اول میں اگر واقعی طلاق مان لی جائے تب بھی تہمت موجود ہے کیونکہ عورت کبھی اس غرض سے طلاق کو اختیار کر لیتی ہے تا کہ اقرار اور وصیت کا دروازہ اس پر کھل جائے۔ پھر اس کا حق اقرار یا وصیت کے ذریعہ میراث سے بڑھا دیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ شوہر نے اس کو اس وجہ سے طلاق نہیں دی کہ اس کو جدائی کی ضرورت تھی۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ عورت کو زیادہ مال مل جائے، جو ترکہ سے نہیں ملتا تھا اور اس میں وارثوں کا نقصان اظہر من الشمس ہے پس یہی تہمت ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ واقع میں طلاق ہی نہ ہو، بلکہ زوجین نے اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ طلاق بھی واقع ہوگئی اور عدت بھی گذر گئی اور اس اتفاق سے مقصد یہ ہے کہ شوہر اپنی اس بیوی کو اس کے حصہ میراث سے زیادہ دے کر اس پر تبرع اور احسان کرنا چاہتا ہے۔ بایں طور کہ اس کے لیے قرضہ کا اقرار کرے یا وصیت کر دے۔ حاصل یہ کہ یہ تہمت صرف زیادتی میں ہے۔ لہٰذا ہم نے زیادتی کو رد کر دیا اور میراث کی مقدار میں کوئی تہمت نہیں اس وجہ سے ہم نے میراث کی مقدار کو صحیح رکھا اور حکم دیا کہ اقرار اور وصیت سے اور میراث کی مقدار سے جو کم ہو عورت کو وہ دلایا جائے۔ یعنی اگر میراث کی مقدار، اقرار اور وصیت سے کم ہے تو میراث کی مقدار دلائی جائے گی اور اگر مال مقربہ اور وصیت کی مقدار کم ہے تو چونکہ وہ اپنے حق میں اس پر راضی ہو چکی اس واسطے اس کو یہی دلایا جائیگا۔

ولا مواضعة عادة سے صاحبین کا قول **الا تریٰ انهٗ تقبل شهادتهٗ لها** کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ میراث کے حق میں یہ اتفاق عادتاً جاری ہے تو اس میں تہمت ہے مگر دوسرے احکام میں عادتاً یہ اتفاق جاری نہیں ہے بلکہ ایک گونہ حماقت ہے۔ کیونکہ یہ کون سی

ترجمہ ......اور جو شخص (قلعہ) میں محصور ہو یا وہ لڑائی کی صف میں ہو۔ پس اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں۔ (پھر مرد مارا گیا) تو عورت اس کی وارث نہ ہوگی اور اگر وہ شخص کسی مرد سے مقابلہ کے لیے نکلا، یا پیش کیا گیا تا کہ قصاص یا رجم میں قتل کیا جائے۔ پس اگر وہ اس وجہ سے مرا یا قتل کیا گیا تو عورت وارث ہوگی اور اس کی اصل وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ (طلاق دے کر میراث سے) بھاگنے والے کی بیوی وارث ہوگی استحساناً اور بھگوڑے ہونے کا حکم اسی وقت ثابت ہوگا (جبکہ) عورت کا حق اس کے مال کے ساتھ متعلق ہو جائے اور (عورت کا حق شوہر کے مال کے ساتھ) ایسے مرض سے متعلق ہوگا جس سے ہلاکت کا خوف غالب ہو جیسا کہ جب وہ صاحب فراش ہو۔ (اور جس مرض سے ہلاکت کا خوف غالب ہو)۔ وہ مریض ہے جو ایسی حالت میں ہو کہ تندرستوں کی طرح عادتاً اپنی ضروریات پوری نہیں کر سکتا اور کبھی فرار کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ اس چیز سے جو غالب ہلاکت میں مرض الموت کے معنی میں ہو اور وہ امر جس سے سلامتی غالب ہے، اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔ پس جو شخص (قلعہ) میں محصور ہو اور لڑائی کی صف میں ہو اس سے سلامتی غالب ہے۔ کیونکہ قلعہ تو دشمن کا ضرر دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور ایسے ہی لشکر۔ پس اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا اور جو شخص مقابلہ کے لیے نکلا یا آگے بڑھایا گیا تا کہ قتل کیا جائے تو اس سے ہلاکت غالب ہے۔ لہٰذا اس سے فرار (کا حکم) متحقق ہوگا اور اس مسئلہ کے اور بھی نظائر ہیں جو اسی اصل پر نکالے جائیں گے اور امام محمدؒ کا قول **اذا مات فی ذالك الوجه او قتل** اس بات پر دلیل ہے کہ کوئی فرق نہیں کہ اس سبب سے مرے یا دوسرے سبب سے مرے۔ جیسا کہ مرض کی وجہ سے صاحبِ فراش جب قتل کر دیا گیا۔

تشریح ......صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قلعہ میں محصور ہے اور دشمنوں نے قلعہ کو گھیر رکھا ہے یا لڑائی کی صف میں ہے۔ ایسی حالت میں اس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اس شخص کی وفات ہوگئی تو اس کی یہ بیوی وارث نہیں ہوگی اور اگر کوئی شخص لڑائی کی صف سے نکل کر قتال کے لیے دشمن کے سامنے آیا یا کسی کو قصاص یا رجم کی وجہ سے قتل کرنے کے لیے آگے بڑھایا گیا۔ پس اگر وہ اسی سبب سے مر گیا یا دوسرے سبب سے قتل کیا گیا تو اس کی بیوی وارث ہوگی۔

اس مسئلہ کی اصل ہم سابق میں بیان کر چکے کہ امر اۃ فار استحساناً وارث ہوگی نہ کہ قیاساً۔

سے فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ مثلاً کشتی میں بحری سفر پر ہے اور پانی میں اس قدر طغیانی پیدا ہوگئی کہ ڈوبنے کا اندیشہ غالب ہوگیا۔ پس ایسی حالت میں اگر اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی تو فرار کا حکم ثابت ہو جائے گا۔

اور اگر ایسا عارض ہے کہ جس کے پیش آنے کے بعد سلامتی غالب ہے تو اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔

پس چونکہ جو شخص قلعہ میں محصور ہے اور جو لڑائی کی صف میں ہے اس سے سلامتی غالب ہے۔ اس لیے اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا سلامتی کے غالب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قلعہ دشمن کے ضرر کو دور کرنے کے لیے ہوتا ہے اور یہی حکم لشکر کا ہے۔

اور وہ شخص جو مقابلہ کے لیے صف سے باہر نکل کر آیا یا قتل کے لیے پیش کیا گیا تو اس سے ہلاکت غالب ہے۔ لہٰذا اس سے فرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔

اور اس مسئلے کے اور بہت سے نظائر ہیں جو اسی اصول پر تخریج کیے جائیں گے مثلاً حاملہ عورت تندرست کے مرتبہ میں ہے۔ پس اگر درد زہ شروع ہوگیا تو وہ مریض کے مانند ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کا قول [illegible] في ذالك الوجه او قتل [illegible] دلیل ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں [illegible]

بِخِلَافِ مَا اِذَا طَاوَعَتْ فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ لِاَنَّهَا تُثْبِتُ الْفُرْقَةَ فَتَكُوْنُ رَاضِيَةً بِبُطْلَانِ السَّبَبِ وَبَعْدَ الطَّلَقَاتِ الثَّلٰثِ لَاتَثْبُتُ الْحُرْمَةُ بِالْمُطَاوَعَةِ لِتَقَدُّمِهَا عَلَيْهَا فَافْتَرَقَا

ترجمہ..... اور جس شخص نے تندرستی کی حالت میں اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی اور مرض الموت میں لعان کیا، تو عورت وارث ہوگی اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ عورت وارث نہیں ہوگی اور اگر تہمت لگانا مرض الموت میں ہوا تو باتفاق ائمہ ثلاثہ عورت اس کی وارث ہوگی اور یہ صورت ملحق ہے ایسے فعل کی تعلیق کے ساتھ کہ عورت کے لیے اس سے چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عورت لاچار خصومت پر مجبور ہوئی اپنے اوپر سے زنا کی عار کو دور کرنے کے لیے اور ہم اس میں وجہ بیان کر چکے ہیں۔

تشریح..... مسئلہ، اگر کسی شخص نے بحالت صحت اپنی بیوی کو زنا کے ساتھ متہم کیا اور لعان کیا مرض الموت میں پھر حاکم نے ان دونوں میں تفریق کر دی۔ اس کے بعد شوہر عورت کی عدت ہی میں مر گیا تو یہ عورت وارث ہوگی۔ یہ شیخینؒ کا مذہب ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وارث نہیں ہوگی۔

اور اگر زنا کی تہمت لگانا بھی مرض الموت میں پایا گیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ عورت وارث ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم لاحق ہے ایسی تعلیق کے ساتھ جس میں طلاق کو عورت کے ایسے فعل پر معلق کیا ہے۔ جس کے نہ کرنے کی

۵) عدت موجود ہو۔

رجعت کا ثبوت کتاب اللہ، حدیث اور اجماع تینوں سے ہے۔ اس لیے اس کی مشروعیت میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کتاب سے ثبوت کی مثال وَ بُعُولَتُهنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ ای بِرجعتهن اور حدیث سے ثبوت کی مثال حضرت عمرؓ سے آپ ﷺ کا قول مر ابنك فليراجعها اور آپ ﷺ نے حضرت سودہؓ سے مراجعت فرمائی اور رجعت کی صحت پر اجماع بھی منعقد ہوا ہے۔ (عینی شرح کنز)

مرد نے بیوی کو ایک طلاق یا دو طلاقیں رجعی دیں شوہر عدت میں رجوع کر سکتا ہے عورت رضامند ہو یا نہ ہو

وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ تَطْلِيْقَةً رَجْعِيَّةً اَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ فَلَهُ اَنْ يُرَاجِعَهَا فِيْ عِدَّتِهَا رَضِيَتْ بِذٰلِكَ اَوْ لَمْ تَرْضَ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ وَلَابُدَّ مِنْ قِيَامِ الْعِدَّةِ لِاَنَّ الرَّجْعَةَ اِسْتِدَامَةُ الْمِلْكِ اَلَا تَرٰى اَنَّهُ سُمِّيَ اِمْسَاكًا وَهُوَ الْاِبْقَاءُ وَاِنَّمَا يَتَحَقَّقُ الْاِسْتِدَامَةُ فِي الْعِدَّةِ لِاَنَّهُ لَا مِلْكَ بَعْدَ اِنْقِضَائِهَا

ترجمہ..... اور جب مرد نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دیں تو مرد کو اختیار ہے کہ عدت میں عورت سے مراجعت کر لے (خواہ) اس پر عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ باری تعالیٰ کے قول فامسکوهن بمعروف کی وجہ سے (روک لو ان کو دستور شرع کے مطابق) بغیر کسی تفصیل کے اور عدت کا موجود ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ رجعت (کے معنی) ملک کو برقرار رکھنا ہے۔ کیا نہیں دیکھتا کہ اس کا نام امساک رکھا گیا ہے اور امساک باقی رکھنا ہے اور برابر باقی رکھنا تو عدت ہی میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عدت گذر جانے کے بعد ملک نکاح نہیں رہتی۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی مدخول بہا بیوی کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دے دیں تو مرد کو اختیار ہے کہ وہ اس سے اس کی عدت میں مراجعت کر لے۔ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔ یعنی جب عورتوں کی عدت قریب الختم ہو جائے تو تم کو اختیار ہے۔ اگر رجعت کو اختیار کرنا چاہو تو بغیر ضرر پہنچائے ان کو روک لو اور اگر جدا کرنے کا ارادہ ہو تو بغیر ضرر پہنچائے ان کو جدا کر دو۔ اس آیت میں مطلقاً مراجعت کا ذکر ہے۔ عورت کی رضاء یا عدمِ رضاء کی تفصیل نہیں ہے۔ اس وجہ سے رجعت کا حکم مطلق رکھا گیا۔

دوسری دلیل ابوداود کی روایت ہے: عن عمر رضی الله تعالیٰ عنه ان النبی ﷺ طلق حفصة رضی الله تعالیٰ عنها ثم راجعها اور حدیث ابن عمرؓ میں ہے انه علیه السلام قال له مر ابنك فليراجعها ...... الحديث ۔ (متفق علیہ)

اور رجعت کے لیے عدت کا موجود ہونا ضروری ہے۔ دلیل یہ ہے کہ رجعت نام ہے ملکِ نکاح کو برقرار رکھنا۔ چنانچہ آپ دیکھئے کہ قرآن پاک میں رجعت کا نام امساک ہے اور امساک کے معنی ہیں باقی رکھنا اور ملکِ نکاح کو برابر باقی رکھنا عدت میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ عدت گذر جانے کے بعد ملکِ نکاح ہی نہیں رہتی تو باقی رکھنا کہاں سے ہوگا۔ پس جب عدت پوری ہوگئی تو محل امساک نہیں رہے گا۔

رجوع قولی اور فعلی

وَالرَّجْعَةُ اَنْ يَّقُوْلَ رَاجَعْتُكِ اَوْ رَاجَعْتُ اِمْرَاَتِيْ وَهٰذَا صَرِيْحٌ فِي الرَّجْعَةِ وَلَاخِلَافَ بَيْنَ الْاَئِمَّةِ قَالَ اَوْ يَطَأُهَا اَوْ يُقَبِّلُهَا اَوْ يَلْمِسُهَا بِشَهْوَةٍ اَوْ يَنْظُرُ اِلٰى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ وَهٰذَا عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَاتَصِحُّ الرَّجْعَةُ اِلَّا بِالْقَوْلِ مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهِ لِاَنَّ الرَّجْعَةَ بِمَنْزِلَةِ اِبْتِدَاءِ النِّكَاحِ حَتّٰى يَحْرُمَ وَطْيُهَا وَعِنْدَنَا هُوَ اِسْتِدَامَةُ النِّكَاحِ عَلٰى

مَـا بَيَّنَّـاهُ وَ سَنُقَرِّرُهُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالفِعْلُ قَدْيَقَعُ دَلَالَةً عَلَى الْاِسْتِدَامَةِ كَمَا فِي اِسْقَاطِ الْخِيَارِ وَالدَّلَالَةُ فِعْلٌ يُخْتَصُّ بِالنِّكَاحِ وَهٰذِهِ الْاَفَاعِيْلُ تُخْتَصُّ بِه خُصُوْصًا فِي حَقِّ الْحُرَّةِ بِخِلَافِ الْمَسِّ وَالنَّظْرِ بِغَيْرِ شَهْوَةٍ لِاَنَّـهُ قَدْيَحِلُّ بِدُوْنِ النِّكَاحِ كَمَافِي الْقَابِلَةِ وَالطَّبِيْبِ وَغَيْرِهِمَا وَالنَّظْرُ اِلٰى غَيْرِ الْفَرْجِ قَدْيَقَعُ بَيْنَ الْمُسَاكِنَيْنِ وَالزَّوْجُ يُسَاكِنُهَا فِي الْعِدَّةِ فَلَوْ كَانَ رَجْعَةً لَطَلَّقَهَا فَيَطُوْلُ الْعِدَّةُ عَلَيْهَا

ترجمہ...... اور رجعت یہ ہے کہ عورت کوخطاب کر کے یوں کہے کہ میں نے تم سے رجعت کرلی۔ یالوگوں کے سامنے کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی۔ اور رجعت کے مسئلہ میں یہ صریح لفظ ہے اس میں چاروں ائمہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یااس سے ہمبستری کرلے یااس کا بوسہ لے لے یاشہوت کے ساتھ اسے ہاتھ لگادے یااس کی شرم گاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھ لے۔ یہ حکم ہمارے نزدیک ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر بولنے کی اُسے قدرت ہوتو زبان سے کہے بغیر رجعت نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ رجعت ابتدائی نکاح کرنے کے حکم میں ہے۔ یہاں تک کہ اس عورت سے ہمبستری کرنا بھی حرام ہے۔ اور ہمارے نزدیک رجعت کے معنی ہیں۔ نکاح کے تعلق کو برابر باقی رکھنا۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہم بیان کرچکے ہیں۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ ہم اسے مزید بیان کریں گے۔ اور فعل بھی برابر باقی رکھنے پر دلیل واقع ہوتا ہے۔ جیسے اختیار کو ساقط کرنے میں ہوتا ہے۔ اور فعل کا رجعت کے لیے دلیل ہونا ایسے فعل سے ہوتا ہے جو کہ نکاح کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور ابھی بیان کیے گئے افعال نکاح کے ساتھ مخصوص ہیں۔ خاص کر آزاد عورت کے بارے میں۔ بخلاف ہاتھ لگانے اور بغیر شہوت کے شرم گاہ کی طرف دیکھنے کے۔ کیونکہ یہ تو کبھی بغیر نکاح بھی جائز ہوجاتے ہیں جیسے دایہ اور حکیم معالج وغیرہ کو حلال ہوتے ہیں۔ اور شرمگاہ کے سوا دوسرے اعضاء کو دیکھنا تو کبھی ایک جگہ رہنے والوں میں بھی ہوجایا کرتا ہے۔ اور شوہر بھی عدت کے دنوں میں اس کے ساتھ رہتا ہے۔ پس اگر بغیر شہوت اور کہیں سے دیکھنا بھی رجعت ہوجائے پھر اس کو طلاق دے گا تو اس طرح عورت کے حق میں عدت بہت طویل ہوجائے گی۔

تشریح...... **والرجعة ان يقول راجعتك اوراجعت امرأتي وهذا صريح في الرجعة ولاخلاف بين الائمة**...... الخ رجعت یہ ہے کہ اپنی عورت کو خطاب کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں نے تم سے رجعت کرلی۔ یا گواہوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجعت کرلی۔ ف۔ خواہ وہ عورت خود اس وقت موجود ہو یا کسی طرح اسے خبر کردے۔

وهذا صريح...... الخ اور یہ طریقہ رجعت میں صریح ہوتا ہے۔ اور چاروں اماموں میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فائدہ...... اور قول صحیح یہ ہے کہ کسی کے نزدیک گواہ شرط نہیں ہے البتہ گواہ کے ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ سے رجعت نہیں کی تو وہ مرد گواہوں سے اسے ثابت کرسکے گا۔ الحاصل یہ قول رجعت بلا اختلاف صریح ہے۔

قالا ويطأها او يقبلها اويلمسها بشهوة اوينظرالى فرجها بشهوة وهذاعندنا...... الخ رجعت کی عملی صورت یہ ہے کہ اس عورت سے وطی کرلے یا اس کا بوسہ لے۔ یا اس عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگائے، یعنی چھووے۔ یا شہوت کے ساتھ اس کی شرم گاہ کو دیکھے، یعنی اندر کی گول جگہ کو۔ اور عینیؒ نے بوسہ لینے کے ساتھ بھی شہوت کی قید لگائی ہے۔ مبسوط و ذخیرہ اور خلاصہ میں تو اس قید کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شیخ محققؒ نے کہا ہے کہ فعل بھی رجعت کرنے کی دلیل ہے مگر ایسے افعال سے ہوگی جو نکاح کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس میں یہ دلیل مفید ہے کہ بوسہ میں شہوت کی قید نہیں ہونی چاہئے۔ جیسا کہ کتاب کی عبارت سے ظاہر ہے۔ کیونکہ بوسہ مطلقاً ایسی چیز ہے جس کا حکم نکاح کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف چھونے اور دیکھنے کے کہ یہ کام نکاح کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں البتہ اسی صورت میں جبکہ شہوت کے ساتھ ہوں اور مقعد (پاخانہ کے مقام) کی طرف نظر کرنے سے امام محمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے قیاس کے مطابق رجعت نہیں ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ بوسہ اور ہاتھ لگانا اور فرج

کی طرف دیکھنا خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے ہو کسی فرق کے بغیر ہر ایک سے رجعت ثابت ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ عورت کی طرف سے نظر کرنے کی مرد کو بھی خبر ہو اور وہ اسے منع نہ کرے خاموش رہ جائے۔ پس اس صورت میں اتفاق ہے۔ جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں اس کی تصریح کر دی ہے۔

اور اگر عورت کی طرف سے اس طرح ہو کہ مثلاً اس نے مرد کے سوتے ہوئے اس کا بوسہ لے لیا۔ یا شہوت کے ساتھ مرد کو ہاتھ لگایا یا اس کی طرف دیکھا۔ یا جاگنے کی حالت میں بھی اچانک شہوت کے ساتھ بوسہ لے لیا یا زبردستی ایسا کیا تو شیخ الاسلام اور شمس الائمہؒ نے ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام محمدؒ کے نزدیک رجعت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ اور اگر مرد کے سوتے ہوئے یا زبردستی عورت نے اس کے آلہ تناسل کو اپنی شرم گاہ میں داخل کر لیا تو بالاتفاق رجعت ثابت ہو جائے گی۔ پھر یہ جاننا چاہئے کہ اگر شہوت کے ہونے اور نہ ہونے میں دونوں میں اختلاف ہو جائے تو چونکہ یہ شہوت ایک مخفی کیفیت ہے اس لئے اس پر گواہ قبول نہیں کئے جائیں گے۔ جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ لیکن اگر شہوت ہونے کا کسی کے سامنے اقرار کیا ہو اور اس کے گواہ موجود ہوں تو ان کی گواہی مقبول ہوگی۔ فاحفظہ۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ان تمام کاموں سے رجعت ہو جاتی ہے۔ وھذا عندنا یہ حکم ہمارے نزدیک ہے۔

وقال الشافعیؒ لاتصح الرجعة الابالقول مع القدرة علیه لان الرجعة بمنزلة ابتداء ......الخ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اگر مرد زبان سے کہہ سکتا ہو تو بغیر کہے ہوئے کسی حرکت سے رجعت صحیح نہیں ہوگی۔ ف۔ اسی لئے گونگے کی رجعت جو اشارہ سے ہی ہوتی ہے وہ صحیح ہوتی ہے۔ لان الرجعة الخ کیونکہ رجعت کرنا تو بالکل نئے نکاح کرنے کے حکم میں ہے اس لئے اس سے پہلے وطی کرنا حرام ہے۔ جب تک کہ رجعت نہ کرلے۔ جواب یہ ہے کہ مومن تو حرام کام نہیں کرتا ہے اس لئے وہ وطی کیوں کرتا۔ جب کہ رجعت کر کے اسے حلال کر سکتا ہے۔ اسی لئے وطی رجعت کی دلیل ہوئی۔ اور رجعت نیا نکاح نہیں ہے۔ کیونکہ نکاح میں شہادت کا ہونا شرط ہے جبکہ اس کے لیے شرط نہیں ہے۔ اسی طرح اس میں نیا مہر لازم نہیں آتا ہے۔ بس وطی کا حرام ہونا تو طلاق کی وجہ سے ہے اس وقت تک کے لیے کہ اس سے رجعت کا پورا ارادہ نہ کر لیا ہو۔

وعندنا ھو استدامة النکاح علی مابیناہ وسنقررہ ان شاء اللہ تعالیٰ......الخ اور ہمارے نزدیک رجعت کے معنی ہیں نکاح پہلے کی طرح باقی رکھنا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور بعد میں بھی انشاء اللہ ہم اس کی وضاحت کریں گے۔ ف۔ اور شافعیؒ کے قول کی موافقت ابوثور اور ظاہریہ نے کی ہے۔ جبکہ ہمارا مذہب حضرت سعید بن المسیبؒ و حسن بصریؒ و ابن سیرینؒ وغیرہم تابعین اور اوزاعیؒ اور ثوریؒ وغیرہم فقہاء کی جماعت کا قول ہے۔ ابن المنذرؒ نے یہ بات بیان کی ہے۔ واضح ہو کہ اگر یوں کہا کہ تم میری بی بی جیسی تھی ویسی ہو۔ یا تم میری عورت ہو اگر اس کہنے سے رجعت کرنے سے کنایہ کیا ہو تو کنائی رجعت ہے۔ (الذخیرہ) اور امام مالکؒ و اسحٰقؒ نے کہا ہے کہ اگر وطی کرنے سے رجعت کرنے کا ارادہ ہو تب رجعت ہوگی۔

والفعل قدیقع دلالة علی الاستدامة کما فی اسقاط الخیار والدلالة فعل یخص بالنکاح......الخ اور انسان کا کوئی کام کبھی ہمیشہ باقی رکھنے پر دلیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ خیار ساقط کرنے میں ہے۔ مثلاً کسی نے ایک گھوڑا اس شرط پر خریدا کہ مجھے تین دنوں تک اس کے واپس کرنے کا اختیار رہے گا۔ پھر اس پر سوار ہو کر اپنے کام میں چلا گیا تو اس کا اس طرح لے جانا اس اختیار کو ساقط کرنے کی دلیل ہوگی۔ اور وہ بیع ہمیشہ کیلئے لازم ہو جائے گی۔ یا ایک باندی اس شرط پر فروخت کی کہ مجھے تین دن تک اس بات کا اختیار ہوگا کہ اسے فروخت نہ کروں۔ اس کے بعد اسی عرصہ میں اس نے اس باندی سے صحبت کر لی تو وہ بیع ختم ہوگئی۔ اور اصلی حالت واپس آگئی۔ پس یہ بات صاف ظاہر ہوئی کہ جب رجعت کے معنی یہ ہیں کہ ملک نکاح کی موجودہ حالت کو پہلے کی طرح باقی رکھنا ہے۔ اور ہم نے یہ دیکھ لیا کہ شریعت نے بھی ان کاموں کو اس معنی کی دلیل رکھا ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان افعال سے رجعت صحیح ہے۔

والدلالة ......الخ اور فعل و عمل سے رجعت کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ فعل ایسا ہی ہو جو نکاح کے ساتھ یا میاں بیوی کے

درمیان مخصوص ہوتا ہے۔

فائدہ..... یعنی ہر فعل رجعت کی دلیل نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ وہی فعل دلیل ہوگا جو خاص نکاح کے بعد ہی جائز ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ دلیل ہوئی کہ اس شخص نے اپنے نکاحی پرانے تعلق کو باقی رکھ لیا ہے۔ اسی کو رجعت کہتے ہیں۔

وهذه الافاعيل تختص به خصوصًا في حق الحرة بخلاف المس والنظر بغير شهوة..... الخ اور یہ مذکورہ افعال یعنی شہوت کے ساتھ شرم گاہ کے اندرونی حصہ کو دیکھنا، عورت کو ہاتھ لگانا اور بوس وکنار سب ایسے افعال ہیں کہ نکاح کے بعد ہی جائز ہوتے ہیں۔ اور نکاح کے ساتھ مخصوص ہیں۔ یعنی صرف نکاح سے ہی یہ سب کام جائز ہوتے ہیں بشرطیکہ شہوت کے ساتھ ہوں۔

خصوصًا ......الخ خاص کر آزاد عورت کے حق میں۔ف۔ کہ وہ تو بغیر نکاح کسی طرح بھی حلال نہیں ہوتی ہے۔ بخلاف باندی کے کہ وہ کبھی مملوکہ ہونے کی وجہ سے حلال ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ملک حلال ہونے پر دلیل ضرور ہیں تو وہ آزاد یا منکوحہ یا باندی میں دلیل ملک نکاح میں اس شرط کے ساتھ کہ شہوت کے ساتھ ہوں۔

بخلاف المس..... الخ برخلاف شہوت کے بغیر دیکھنے اور چھونے کے۔ لانہ قد الخ کیونکہ شہوت کے بغیر چھونا اور دیکھنا کبھی بغیر نکاح کے بھی جائز ہو جاتا ہے جیسے کہ دائی جنائی کو اور علاج کرنے والے حکیم کو۔ اور کچھ دوسروں کو۔ف۔ جیسے سفر کی حالت میں عورت کو جانور پر سوار کر اور زنا کے گواہ کو۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہم نے ان کاموں کے ساتھ شہوت کی قید اس وجہ سے لگائی ہے کہ بغیر شہوت کے چھونا اور شرم گاہ کو دیکھنا طبیب وغیرہ کے لیے جائز ہے۔ لیکن شہوت کے ساتھ اسی وقت جائز ہوگا جبکہ نکاح ہو چکا ہو۔ نیز دیکھنے سے فرج کا اندرونی حصہ مراد ہے اور اوپر کا حصہ نہیں۔

والنظر الى غير الفرج قد يقع بين المساكنين والزوج يساكنها في العدة..... الخ اور فرج کے سوا بدن کے دوسرے حصہ کو دیکھنا اکثر ایک ساتھ رہنے والوں میں ہو جاتا ہے۔ اور عدت کی حالت میں شوہر بھی اس کے ساتھ رہتا ہے۔ **فلو كان** ...... الخ پس اگر شہوت کے بغیر بھی دوسری جگہوں کے دیکھنے سے بھی رجعت ثابت ہو جائے گی تو اس کا شوہر خاص کر پھر طلاق دے گا۔ کیونکہ اس کا پختہ ارادہ اس کو علیحدہ کر دینے کا ہو چکا ہے۔ جبکہ یہ رجعت تو غیر اختیاری طور پر ہوگئی ہے اس لئے پھر طلاق دے گا۔

فيطول العدة ......الخ اس طرح اس عورت کی عدت بڑھتی جائے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے اور معروف طریقہ سے رخصت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہوت کے بغیر اور شرم گاہ کے علاوہ دوسرے اعضاء کو چھونے اور دیکھنے سے رجعت نہیں ہوتی ہے۔ شیخ محققؒ نے لکھا ہے کہ اگر عورت کی مقعد کو دیکھا تو رجعت نہیں ہوگی۔ زیادات میں اس مسئلہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اور اگر اسی مقعد میں وطی کر لی تو قدوریؒ نے اشارہ کیا ہے کہ رجعت نہیں ہوگی۔ لیکن رجعت ہونے پر ہی فتویٰ ہے۔ کیونکہ اس حرکت میں شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانے کے علاوہ کچھ اور بھی پایا جاتا ہے۔ اور دیوانہ کی رجعت فعل سے ہی ہوتی ہے اس کے زبان سے کہنے کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ اگر شوہر نے خلوت کے بعد طلاق دی اور کہا کہ میں اس سے صحبت کر چکا ہوں لیکن عورت نے انکار کیا تو شوہر کو اس سے رجعت کا اختیار رہ ہوگا۔ اور بغیر صحبت کے نہیں ہوگا۔ رجعت کو کسی شرط پر معلق کرنا مثلاً فلاں شخص آئے تو میں نے رجعت کی یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح آنے والے زمانہ کی طرف اضافت کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔

رجوع پر دو گواہ بنانا مستحب ہے اور بغیر گواہوں کے بھی رجوع درست ہے، اقوال فقہاء

قَالَ وَيُسْتَحَبُّ اَنْ يُّشْهِدَ عَلَى الرَّجْعَةِ شَاهِدَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُشْهِدْ صَحَّتِ الرَّجْعَةُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيْ اَحَدِ قَوْلَيْهِ لَايَصِحُّ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَالْاَمْرُ لِلْاِيْجَابِ وَلَنَا اِطْلَاقُ النُّصُوْصِ عَنْ

قَیدِ الْاِشْھَادِ وَلِاَنَّہٗ اِسْتِدَامَۃٌ لِلنِّکَاحِ وَالشَّھَادَۃُ لَیْسَتْ شَرْطًافِیْہِ فِیْ حَالَۃِ الْبَقَاءِ کَمَافِی الْفَیْءِ فِی الْاِیْلَاءِ اِلَّااَنَّھَا تُسْتَحَبُّ لِزِیَادَۃِ الْاِحْتِیَاطِ کَیْلَایَجْرِیَ التَّنَاکُرُفِیْھَا وَمَاتَلَاہُ مَحْمُوْلٌ عَلَیْہِ اَلَا تَرٰی اَنَّہٗ قَرَنَھَا بِالْمُفَارَقَۃِ وَھُوَفِیْھَا مُسْتَحَبٌّ وَیُسْتَحَبُّ اَنْ یُّعْلِمَھَا کَیْلَاتَقَعَ فِی الْمَعْصِیَۃِ

ترجمہ......(قدوری) نے کہا کہ مستحب ہے کہ رجعت پر دو گواہ بنالے۔ پس اگر گواہ نہ بنایا تو بھی رجعت صحیح ہے اور امام شافعیؒ نے اپنے دو قولوں میں سے ایک میں فرمایا کہ صحیح نہیں ہے اور یہ قول ہے امام مالکؒ کا باری تعالیٰ کے قول و اشھدوا ذوی عدل منکم کی وجہ سے۔ یعنی تم لوگ اپنے میں سے دو عادل گواہ کرلو اور امر ایجاب کے لیے ہے اور ہماری دلیل قید الشہادۃ سے نصوص کا مطلق ہونا ہے اور اس لیے کہ رجعت بقاء نکاح کا نام ہے اور نکاح میں حالتِ بقاء میں شہادت شرط نہیں ہے۔ جیسے ایلاء میں رجوع کرنے میں (گواہ کرنے شرط نہیں) مگر یہ کہ شہادت مستحب ہے۔ زیادتی احتیاط کی وجہ سے تاکہ رجعت میں انکار جاری نہ ہوسکے اور امام شافعیؒ نے جو آیت تلاوت کی ہے وہ اسی پر محمول ہے۔ کیا نہیں دیکھتا تو کہ شہادت کو مفارقت کے ساتھ ملا دیا ہے۔ حالانکہ مفارقت میں گواہ بنانا مستحب ہے اور مستحب ہے کہ عورت کو آگاہ کردے۔ تاکہ وہ معصیت میں نہ پڑ جائے۔

تشریح......صاحبِ قدوری نے بیان فرمایا کہ ہمارے نزدیک رجعت پر شاہدین کو گواہ بنانا مستحب ہے۔ یعنی دو مسلمان مردوں سے کہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنی بیوی سے مراجعت کرلی ہے اور اگر گواہ نہیں بنایا ہے تو بھی رجعت صحیح ہے۔

اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ بغیر شہادت شاہدین کے رجعت صحیح نہیں ہے، اور یہی قول ہے امام مالکؒ کا۔ صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے کہ مالکیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بغیر شہادتِ شاہدین کے رجعت صحیح ہے۔ البتہ گواہ بنانا مندوب ہے۔ ایسا ہی شرح طحاوی میں ہے۔ پس صاحبِ ہدایہ کا ذکر کردہ قول امام مالکؒ کی ایک روایت ہوگی۔

حاصل یہ کہ امام شافعیؒ کی ایک روایت اور امام مالکؒ کی ایک روایت کے مطابق رجعت میں شہادت واجب ہے۔ مگر اس روایت کے مطابق امام مالکؒ پر تعجب ہے کہ نکاح میں شہادت کو شرط قرار نہیں دیا اور رجعت پر شہادت کو شرط قرار دیا ہے۔

(عینی شرح کنز، فتح القدیر مع الکفایہ)

ان دونوں حضرات کی طرف سے وجوبِ رجعت پر دلیل یہ آیت ہے **فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف و اشھدوا ذوی عدل منکم** یعنی جب ان کی عدت کا وقت قریب الختم ہوجائے تو ان کو روک لو، بغیر ضرر پہنچائے یا ان کو جدا کردو، بغیر ضرر پہنچائے اور اپنے میں سے دو عادل گواہوں کو شاہد بنالو آیت میں **اشھدوا** صیغہ امر ہے اور امر کو موجب وجوب ہے۔ اس وجہ سے رجعت میں گواہ بنانا واجب ہے۔

ہماری دلیل......یہ ہے کہ رجعت کے سلسلہ میں جو نصوص منقول ہیں وہ تمام قید اشہاد سے مطلق ہیں۔ مثلاً

۱) **فامسکوھن بمعروف**

۲) **الطلاق مرتان فامساك بمعروف**

۳) **و بعولتھن احق بردھن**

۴) **فلا جناح علیھما ان یتراجعا**

۵) حضور ﷺ کا قول **مر ابنك فلیراجعھا**

اب اگر رجعت میں شہادت کو واجب قرار دیا گیا تو نصوصِ مطلقہ پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو نا جائز ہے۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ رجعت بقاء نکاح کا نام ہے اور بقاء نکاح کے لیے شہادت شرط نہیں ہے۔ لہٰذا رجعت کے لیے بھی شہادت شرط نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ایلاء میں رجوع کرنے کے لیے شہادت شرط نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بھی نکاح کی حالتِ بقاء ہے۔ مگر زیادتی احتیاط کی وجہ سے رجعت میں شہادت مستحب ہے۔ تاکہ عدت گذر جانے کے بعد لاعلمی کی وجہ سے لوگوں میں بدگوئی نہ پھیل جائے کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور پھر عدت گذر جانے کے بعد اس کو اپنے پاس رکھتا ہے۔

اور رہی وہ آیت جس کو امام شافعیؒ نے پیش کیا ہے سو وہ بھی استحباب پر محمول ہے اور دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کو مفارقت کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے **او فارقوھن بمعروف و اشھدوا ذوی عدل منکم** اور مفارقت میں شہادت بالاتفاق مستحب ہے۔ اس وجہ سے رجعت اور امساک میں بھی شہادت مستحب ہونی چاہئے۔

صاحبِ ہدایہ نے فرمایا ہے کہ عورت کو رجعت کی اطلاع کرنا بھی مستحب ہے تاکہ وہ معصیت میں نہ پڑ جائے۔ کیونکہ عورت کبھی یہ سمجھ کر کہ میرے شوہر نے رجعت نہیں کی اور عدت گذر گئی دوسری شادی کر لیتی ہے اور دوسرے شوہر سے وطی بھی کر سکتی ہے تو اس صورت میں یہ عورت گنہگار ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود اگر عورت کو رجعت سے آگاہ نہیں کیا ہے تو بھی رجعت صحیح ہو جائے گی۔

عورت کی عدت گذر گئی شوہر نے کہا میں نے عدت میں رجوع کیا تھا عورت نے تصدیق کردی رجوع درست ہے اور اگر عورت نے تکذیب کردی عورت کا قول معتبر مانا جائے گا

وَاِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ فَقَالَ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا فِي الْعِدَّةِ فَصَدَّقَتْهُ فَهِيَ رَجْعَةٌ وَاِنْ كَذَّبَتْهُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا لِاَنَّهُ اَخْبَرَ عَمَّا لَايَمْلِكُ اِنْشَاءَهُ فِي الْحَالِ فَكَانَ مُتَّهَمًا اِلَّا اَنَّ بِالتَّصْدِيْقِ تَرْتَفِعُ التُّهْمَةُ وَلَايَمِيْنَ عَلَيْهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهِيَ مَسْاَلَةُ الْاِسْتِحْلَافِ فِي الْاَشْيَاءِ السِّتَّةِ وَقَدْ مَرَّ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ

ترجمہ ...... اور اگر عدت گذر گئی پس مرد نے کہا میں نے اس کی عدت میں رجوع کر لیا تھا۔ پس عورت نے اس کی تصدیق کر دی تو یہ رجعت ہے اور اگر عورت نے اس کی تکذیب کی تو عورت ہی کا قول (معتبر) ہوگا۔ کیونکہ شوہر نے اس کو ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کا وہ فی الحال مالک نہیں۔ اگر وہ اس کو (پیدا کرنا) چاہے تو متہم ہوگا۔ مگر (عورت کی) تصدیق کرنے سے تہمت مرتفع ہو جائے گی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت پر قسم نہیں ہے اور چھ چیزوں میں یہ مسئلہ استحلاف ہے اور کتاب النکاح میں گذر چکا۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ عدت گذر جانے کے بعد شوہر نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے عدت میں مراجعت کر چکا۔ پس عورت نے اس میں اپنے شوہر کی تصدیق کر دی تو یہ رجعت ہے اور اگر عورت نے تکذیب کی تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ شوہر نے ایسی چیز کی خبر دی ہے جس کو وہ فی الحال پیدا نہیں کر سکتا۔ تو وہ اس میں متہم ہوگا۔ مگر چونکہ عورت کے تصدیق کر دینے سے تہمت دور ہو جاتی ہے۔ اس لیے تصدیق کی صورت میں رجعت ثابت ہو جائے گی۔

صاحبِ ہدایہ نے فرمایا وقد مر فی کتاب النکاح ۔ حالانکہ کتاب النکاح میں اس مسئلہ کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ دعویٰ سکوت علی البکر کے مسئلہ میں صرف اتنا کہا ہے **فلا یمین علیھا عند ابی حنیفة و ھی مسئلة الاستحلاف فی الاشیاء الستة** پھر کہا **وسیأتیک فی الدعوٰی** اور اس طرح کے بیان کو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ مسئلہ گذر چکا۔ کیونکہ وہاں رجعت کا ذکر تک نہیں آیا ہے۔ واللہ اعلم

مرد نے کہا میں رجوع کر چکا عورت کہتی ہے میری عدت گذر چکی تھی رجوع معتبر ہے یا نہیں اقوالِ فقہاء

وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ قَدْ رَاجَعْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ لَمْ تَصِحُّ الرَّجْعَةُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا تَصِحُّ لِاَنَّهَا صَادَفَتِ الْعِدَّةَ اِذْ هِيَ بَاقِيَةٌ ظَاهِرًا اِلٰى اَنْ تُخْبِرَ وَقَدْ سَبَقَتْهُ الرَّجْعَةُ وَلِهٰذَا لَوْ قَالَ لَهَا طَلَّقْتُكِ فَقَالَتْ مُجِيْبَةً لَهُ قَدْ اِنْقَضَتْ عِدَّتِيْ يَقَعُ الطَّلَاقُ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهَا صَادَفَتْ حَالَةَ الْاِنْقِضَاءِ لِاَنَّهَا اَمِيْنَةٌ فِي الْاِخْبَارِ عَنِ الْاِنْقِضَاءِ فَاِذَا اَخْبَرَتْ دَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى سَبْقِ الْاِنْقِضَاءِ وَاَقْرَبُ اَحْوَالِهِ حَالُ قَوْلِ الزَّوْجِ وَمَسْاَلَةُ الطَّلَاقِ عَلَى الْخِلَافِ وَلَوْ كَانَتْ عَلَى الْاِتِّفَاقِ فَالطَّلَاقُ يَقَعُ بِاِقْرَارِهٖ بَعْدَ الْاِنْقِضَاءِ وَ الْمُرَاجَعَةُ لَايَثْبُتُ بِهٖ

ترجمہ...... اور اگر شوہر نے کہا کہ میں تجھ سے رجعت کر چکا ہوں۔ پس عورت نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت تو گذر گئی ہے۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجعت صحیح نہیں ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ صحیح ہے۔ کیونکہ رجعت نے عدت کو پالیا۔ اس لیے کہ بظاہر عدت باقی ہے۔ یہاں تک کہ عورت (عدت گذر جانے کی) خبر دے اور رجعت خبر دینے سے سابق ہے اور اسی وجہ سے اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ کو طلاق دے چکا۔ پس عورت نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری عدت گذر گئی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت نے عدت گذرنے کی حالت کو پالیا ہے۔ اس لئے کہ عورت عدت گذرنے کی خبر دینے میں امین ہے۔ پس جب عورت نے خبر دی (عدت گذر جانے کی) تو دلالت کی کہ گذر جانا پہلے ہو چکا اور انقضاء کے احوال میں سب سے قریب ترین شوہر کے قول کا حال ہے اور طلاق کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اگر بالاتفاق ہے تو طلاق واقع ہوگی۔ انقضاء کے بعد اس کے اقرار سے اور مراجعت اقرار سے ثابت نہیں ہوتی ہے۔

تشریح...... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا میں تجھ سے عدت میں رجعت کر چکا ہوں۔ عورت نے اپنے شوہر کو متصلاً جواب دیتے ہوئے کہا کہ میری تو عدت بھی گذر چکی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجعت صحیح نہیں ہوگی۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ رجعت صحیح ہو جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ رجعت نے عدت کے زمانے کو پالیا ہے۔ کیونکہ استصحاب حال پر عمل کرتے ہوئے بظاہر عدت باقی ہے۔ تاوقتیکہ عدت گذرنے کی خبر نہ دے دے پس معلوم ہوا کہ رجعت کا قول پہلے ہے اور عدت گذرنے کی خبر دینا بعد میں اور عدت کے زمانے میں رجعت کرنا صحیح ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ہم نے کہا کہ رجعت صحیح ہوگئی اور چونکہ رجعت کا قول انقضاء عدت کی خبر سے پہلے ہے۔ اسی وجہ سے اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا۔ میں تجھ کو طلاق دے چکا ہوں۔ عورت نے اس کو جواب دیتے ہوئے کہا میری عدت تو گذر چکی ہے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طلاق کا قول انقضاء عدت کی خبر دینے سے مقدم ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت کا قول عدت گذر جانے کے بعد پایا گیا ہے۔ جو اس کے رحم میں ہے اور جو چیز رحم میں ہے اس کی خبر دینے والا امین ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری ہے و لا یحل لهن ان یکتمن ما خلق الله فی ارحامهن۔ یعنی عورت کے لیے حلال نہیں یہ کہ چھپائیں اس چیز کو جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے۔ بہر حال جب عورت نے عدت گذر جانے کی خبر دی تو یہ خبر دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عدت کا گذرنا خبر دینے سے مقدم ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کتنا مقدم ہے تو جواب یہ ہوگا کہ انقضاء عدت کے احوال میں سب سے قریب تر شوہر کا قول ہے۔ لہٰذا عورت کا خبر دینا شوہر کے قول قد راجعتك سے مقدم ہوگا۔ تو اب حاصل یہ ہوگا کہ انقضاء عدت کے احوال میں سب سے قریب تر شوہر کا قول ہے۔ لہٰذا عورت کا خبر دینا شوہر کے قول قد راجعتك سے مقدم ہوگا۔ تو اب حاصل یہ ہوگا کہ عدت پہلے گذر گئی اور رجعت بعد میں ہوئی اور جو رجعت عدت گذر جانے کے بعد ہوتی ہے وہ صحیح نہیں

ہوتی۔ اس لیے امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ رجعت صحیح نہیں ہے۔

و مسئلة الطلاق سے صاحبینؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ طلاق بھی مسئلہ رجعت کی طرح مختلف فیہ ہے۔ لہٰذا اس پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ مسئلہ طلاق متفق علیہ تو جواب یہ ہوگا کہ عدت گذر جانے کے بعد شوہر کے اقرار سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ مگر عدت کے بعد شوہر کے اقرار سے مراجعت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں حق غیر پر تصرف کی وجہ سے تہمت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان دونوں مسئلوں میں فارق موجود ہے اور قیاس مع الفارق درست نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ قیاس درست نہیں ہوگا۔

باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذرنے کے بعد کہا میں رجوع کر چکا تھا مولیٰ نے شوہر کی تصدیق کردی باندی تکذیب کرتی ہے قول کس کا معتبر ہوگا، اقوال فقہاء

وَ اِذَا قَالَ زَوْجُ الْاَمَةِ بَعْدَ انْقِضَاءِ عِدَّتِهَا قَدْ كُنْتُ رَاجَعْتُهَا وَصَدَّقَهُ الْمَوْلٰى وَكَذَّبَتْهُ الْاَمَةُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا اَلْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلٰى لِاَنَّ بُضْعَهَا مَمْلُوْكٌ لَهُ فَقَدْ اَقَرَّ بِمَا هُوَ خَالِصُ حَقِّهِ لِلزَّوْجِ فَشَابَهَ الْاِقْرَارُ عَلَيْهَا بِالنِّكَاحِ وَهُوَ يَقُوْلُ حُكْمُ الرَّجْعَةِ يُبْتَنٰى عَلَى الْعِدَّةِ وَالْقَوْلُ فِى الْعِدَّةِ قَوْلُهَا فَكَذَا فِيْمَا يُبْتَنٰى عَلَيْهَا وَلَوْ كَانَ عَلَى الْقَلْبِ فَعِنْدَهُمَا اَلْقَوْلُ قَوْلُ الْمَوْلٰى وَكَذَا عِنْدَهُ فِى الصَّحِيْحِ لِاَنَّهَا مُنْقَضِيَّةُ الْعِدَّةِ فِى الْحَالِ وَقَدْ ظَهَرَ مِلْكُ الْمُتْعَةِ لِلْمَوْلٰى وَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهَا فِىْ اِبْطَالِهِ بِخِلَافِ الْوَجْهِ الْاَوَّلِ لِاَنَّ الْمَوْلٰى بِالتَّصْدِيْقِ فِى الرَّجْعَةِ مُقِرٌّ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ عِنْدَهَا وَلَا يَظْهَرُ مِلْكُهُ مَعَ الْعِدَّةِ وَاِنْ قَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِىْ وَقَالَ الزَّوْجُ وَالْمَوْلٰى لَمْ تَنْقَضِ عِدَّتُكِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا لِاَنَّهَا اَمِيْنَةٌ فِىْ ذٰلِكَ اِذْ هِىَ الْعَالِمَةُ بِهٖ

ترجمہ...... اور جب باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذر جانے کے بعد کہا میں اس کو (عدت میں) رجوع کر چکا تھا اور مولیٰ نے اس کی تصدیق کی اور باندی نے اس کو جھٹلایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا قول (معتبر) ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مولیٰ کا قول (قبول) ہوگا۔ کیونکہ باندی کا بضع مولیٰ کا مملوک ہے۔ پس مولیٰ نے شوہر کے لیے ایسی چیز کا اقرار کیا ہے۔ جو خالص مولیٰ کا مملوک ہے۔ پس مشابہ ہوگیا (مولیٰ کے) باندی پر نکاح کا اقرار کرنے کے اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ رجعت کا حکم عدت پر مبنی ہے اور عدت میں عورت کا قول (قبول) ہوتا ہے۔ پس ایسے ہی اس چیز میں جو عدت پر مبنی ہو اور اگر معاملہ برعکس ہوجائے تو صاحبین کے نزدیک مولیٰ کا قول (معتبر) ہوگا اور ایسے ہی امام صاحبؒ کے نزدیک صحیح روایت میں۔ کیونکہ باندی فی الحال عدت کو پورا کرنے والی ہے اور مولیٰ کے لیے ملکِ متعہ ظاہر ہوگئی ہے۔ پس باندی کا قول مولیٰ کے (حق کو) باطل کرنے میں قبول نہیں کیا جائے گا بخلاف وجہِ اول کے۔ کیونکہ مولیٰ رجعت میں تصدیق کرنے کی وجہ سے رجعت کے وقت وجودِ عدت کا اقرار کرنے والا ہے اور مولیٰ کی ملک عدت کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتی (پس مولیٰ کا قول معتبر نہیں ہوگا) اور اگر باندی نے کہا کہ میری عدت گذر گئی ہے اور شوہر اور مولیٰ نے کہا کہ تیری عدت نہیں گذری تو باندی کا قول (معتبر) ہوگا۔ کیونکہ باندی اپنے اس قول (انقضت عدتی) میں امین ہے۔ اس لئے کہ باندی ہی انقضاء عدت کو جاننے والی ہے۔

تشریح...... اگر باندی کے شوہر نے اس کی عدت گذرنے کے بعد کہا کہ میں تجھ سے عدت میں مراجعت کر چکا ہوں۔ تو اس کی چار صورتیں ہیں۔

۱) مولیٰ اور باندی دونوں اس کی تصدیق کردیں۔

۲) یا دونوں اس کی تکذیب کردیں۔

۳) یا مولیٰ تصدیق کرے اور باندی تکذیب کرے۔

۴) برعکس یعنی مولیٰ تکذیب کرے اور باندی تصدیق کرے۔

صورت اوّل میں بالاتفاق رجعت صحیح ہے اور صورت ثانی میں بالاتفاق رجعت صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ شوہر بینہ پیش کردے اور تیسری صورت میں اگر شوہر کے پاس بینہ نہ ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باندی کا قول معتبر ہوگا اور اسی کے قائل امام زفر، امام شافعی، امام مالک اور امام احمدؒ ہیں اور صاحبین کے نزدیک مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت گزر جانے کے بعد منافع بضع مولیٰ کے مملوک ہیں۔ پس شوہر کے لیے منافع بضع کا اقرار خالص اپنے حق کا اقرار کرنا ہے۔ لہٰذا اس کو رد نہیں کیا جا سکتا اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ مولیٰ نے اپنی باندی پر نکاح کا اقرار کیا ہو۔ مثلاً کہا کہ میں نے اپنی باندی کا فلاں سے نکاح کر دیا تو اس اقرار میں مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔ پس ایسے ہی یہاں بھی مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ رجعت کا حکم بقاء عدت اور انقضاء عدت پر مبنی ہے۔ (یعنی اگر عدت باقی ہے تو رجعت ثابت ہو جائے گی اور اگر عدت گزر گئی تو حکم رجعت ثابت نہیں ہوگا) اور عدت کی بقاء اور عدم بقاء میں عورت کا قول معتبر ہے۔ پس جو چیز عدت پر مبنی ہوگی یعنی رجعت اس میں بھی عورت ہی کا قول معتبر ہوگا۔

اور چوتھی صورت جس کو مصنف ہدایہ نے ولو کان علی القلب سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی باندی نے شوہر کی تصدیق کی اور مولیٰ نے تکذیب کی تو اس صورت میں صاحبین کے نزدیک مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ منافع بضع خالص مولیٰ کا حق ہیں اور شوہر مولیٰ پر ان کا مدعی ہے اور مولیٰ منکر ہے اور چونکہ مفروض یہ ہے کہ مدعی کے پاس بینہ موجود نہیں لہٰذا منکر یعنی مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی بھی صحیح روایت یہ ہے کہ مولیٰ کا قول معتبر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ بالفعل تو یہ باندی ایسی حالت میں ہے کہ ایام عدت گزر چکے ہیں اور مولیٰ کے واسطے اپنی باندی سے تمتع حاصل کرنے کی ملک بظاہر ثابت ہو چکی۔ پس اگر باندی اور اس کے شوہر کے قول سے رجعت ثابت ہو جائے تو مولیٰ کی ملک تمتع باطل ہو جائے گی۔ حالانکہ محض کسی کا اقرار حق غیر کو باطل کرنے میں قابل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہاں بھی باندی کا قول مولیٰ کے حق کو باطل کرنے میں قبول نہیں کیا جائے گا۔

برخلاف پہلی صورت کے یعنی وہ صورت جس میں مولیٰ نے شوہر کی تصدیق کی ہے اور باندی نے تکذیب، تو امام صاحب کے نزدیک اس صورت میں باندی کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ مولیٰ نے جب رجعت میں شوہر کی تصدیق کی تو اس سے مولیٰ اس بات مقر ہو گیا کہ رجعت کے وقت عدت موجود تھی اور عدت کے ہوتے ہوئے مولیٰ کے لیے ملک تمتع حاصل نہیں ہو سکتی۔ پس چونکہ اس صورت میں باندی کا قول قبول کرنے میں مولیٰ نے حق کو باطل کرنا لازم نہیں آتا۔ اس لئے اس صورت میں باندی کا قول معتبر ہوگا نہ کہ مولیٰ کا۔

اور اگر باندی نے کہا کہ میری عدت گزر چکی اور ایام اتنے ہیں کہ عدت گزرنا ممکن ہے اور شوہر اور مولیٰ نے کہا کہ تیری عدت نہیں گزری تو باندی ہی کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ باندی انقضاء عدت کے سلسلہ میں امین ہے۔ اس لئے کہ باندی ہی عدت کے گزرنے کا علم رکھتی ہے۔ واللہ اعلم۔

رجوع کا حق کون سے حیض کے بعد ختم تصور کیا جائے گا

وَاِذَا انْقَطَعَ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ لِعَشْرَةِ اَيَّامٍ اِنْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ لَمْ تَغْتَسِلْ وَاِنِ انْقَطَعَ لِاَقَلَّ مِنْ عَشْرَةِ اَيَّامٍ لَمْ يَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ حَتّٰى تَغْتَسِلَ اَوْيَمْضِىَ عَلَيْهَا وَقْتُ صَلٰوةٍ كَامِلٍ لِاَنَّ الْحَيْضَ لَامَزِيْدَ لَهٗ عَلَى الْعَشْرَةِ فَبِمُجَرَّدِ الْاِنْقِطَاعِ خَرَجَتْ مِنَ الْحَيْضِ فَانْقَضَتِ الْعِدَّةُ وَانْقَطَعَتِ الرَّجْعَةُ وَفِيْمَا دُوْنَ الْعَشْرَةِ يُحْتَمَلُ عَوْدُ الدَّمِ فَلَابُدَّاَنْ يَعْتَضِدَ الْاِنْقِطَاعُ بِحَقِيْقَةِ الْاِغْتِسَالِ اَوْبِلُزُوْمِ حُكْمٍ مِّنْ اَحْكَامِ الطَّاهِرَاتِ بِمُضِىِّ وَقْتِ الصَّلٰوةِ

بِخِلَافِ مَا اِذَا كَانَتْ كِتَابِيَّةً لِاَنَّهُ لَايَتَوَقَّعُ فِي حَقِّهَا اَمَارَةٌ زَائِدَةٌ فَاكْتُفِيَ بِالْاِنْقِطَاعِ وَتَنْقَطِعُ اِذَا تَيَمَّمَتْ وَصَلَّتْ عِنْدَ اَبِي حَنِيْفَةَ وَاَبِي يُوْسُفَ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا تَيَمَّمَتْ اِنْقَطَعَتْ وَهٰذَا قِيَاسٌ لِاَنَّ التَّيَمُّمَ حَالَ عَدَمِ الْمَاءِ طَهَارَةٌ مُطْلَقَةٌ حَتّٰى يَثْبُتَ بِهِ مِنَ الْاَحْكَامِ مَا يَثْبُتُ بِالْاِغْتِسَالِ فَكَانَ بِمَنْزِلَتِهِ وَلَهُمَا اَنَّهُ مُلَوِّثٌ غَيْرُ مُطَهِّرٍ وَاِنَّمَا اُعْتُبِرَ طَهَارَةً ضَرُوْرَةَ اَنْ لَاتَتَضَاعَفَ الْوَاجِبَاتُ وَهٰذِهِ الضَّرُوْرَةُ تَتَحَقَّقُ حَالَ اَدَاءِ الصَّلٰوةِ لَافِيْمَا قَبْلَهَا مِنَ الْاَوْقَاتِ وَالْاَحْكَامُ الثَّابِتَةُ اَيْضًا ضَرُوْرِيَّةٌ اِقْتِضَائِيَّةٌ ثُمَّ قِيْلَ تَنْقَطِعُ بِنَفْسِ الشُّرُوْعِ عِنْدَهُمَا وَقِيْلَ بَعْدَ الْفَرَاغِ لِيَتَقَرَّرَ حُكْمُ جَوَازِ الصَّلٰوةِ

ترجمہ......اور جب تیسرے حیض سے خون بند ہوا پورے دس یوم پر تو رجعت منقطع ہوگئی اگر عورت نے غسل نہیں کیا اور دس روز سے کم میں (خون) منقطع ہوا ہو تو رجعت منقطع نہ ہوگی، یہاں تک کہ عورت غسل کر لے۔ یا اس پر نماز کا پورا وقت گزر جائے کیونکہ حیض کے واسطے دس روز پر زیادتی (متصور) نہیں۔ تو (خون منقطع ہوتے ہی وہ حیض سے نکل گئی پھر عدت گزر گئی اور رجعت منقطع ہوگئی اور دس روز سے کم میں احتمال ہے خون کے لوٹ آنے کا۔ پس ضروری ہوا کہ منقطع ہو جانے کے احتمال کو قوت دی جائے حقیقت اغتسال کے ساتھ۔ یا پاک عورتوں کے احکام میں سے کوئی حکم (اس پر) لازم ہونے کے ساتھ نماز کا وقت گزر جانے کی وجہ سے۔ برخلاف اس کے جب عورت کتابیہ ہو۔ کیونکہ اس کے حق میں کسی زائد علامت کی امید نہیں تو (صرف خون) منقطع ہونے پر اکتفا کیا گیا اور (رجعت) منقطع ہو جائے گی جب تیمم کر کے نماز پڑھے ابو حنیفہ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اور یہ استحسان ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ جب اس نے تیمم کیا تو (عدت در جعت) منقطع ہوگئی اور یہ قیاس ہے۔ کیونکہ تیمم پانی نہ ہونے کی حالت میں مطلقاً طہارت ہے۔ حتیٰ کہ جو احکام غسل کرنے سے ثابت ہوتے ہیں، تیمم کرنے سے ثابت ہو جائیں گے۔ پس تیمم کرنا بمنزلہ غسل کر لینے کے ہوا۔

اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمم ملوث کرنے والا ہے نہ کہ پاک کرنے والا اور تیمم کو طہارت اس ضرورت سے معتبر مانا گیا ہے کہ واجبات کئی گو نہ نہ ہو جاویں اور یہ ضرورت نماز ادا کرنے کی حالت میں متحقق ہوگی نہ کہ اس سے پہلے اوقات میں اور احکام جو ثابت ہوئے ہیں وہ بھی (نماز کے) مقتضی ہونے کی ضرورت سے ثابت ہوئے ہیں۔ پھر کہا گیا کہ شیخین کے نزدیک نماز شروع کرتے ہی حکم رجعت منقطع ہو جائے گا اور کہا گیا کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد (منقطع ہوگا) تا کہ جواز صلوٰۃ کا حکم متقرر ہو جائے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر پورے دس روز پر تیسرے حیض سے خون منقطع ہو گیا تو رجعت منقطع ہوگئی۔ اگرچہ عورت نے غسل نہیں کیا اور اگر دس روز سے کم میں خون منقطع ہوا ہے تو محض خون منقطع ہونے سے رجعت منقطع نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ عورت غسل کر لے یا اس پر نماز کا ایک پورا وقت گزر جائے۔

دلیل یہ ہے کہ رجعت کا منقطع ہونا موقوف ہے عدت کے گزر جانے پر اور عدت کا گزر جانا موقوف ہے تیسرے حیض سے فارغ ہونے پر اور تیسرے حیض سے فارغ ہونا موقوف ہے حصول طہارت پر۔ پس اگر ایام حیض پورے دس دن ہیں تو طہارت محض انقطاع دم سے حاصل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ حیض دس دن سے زیادتی کا احتمال نہیں رکھتا۔ لہٰذا دس دن پورے ہونے کی صورت میں خون کے منقطع ہونے سے اس عورت کو حیض سے فراغت ہوگئی اور اس کی عدت بھی گزر گئی اور رجعت کا حکم بھی منقطع ہو گیا، خواہ یہ عورت غسل کرے یا نہ کرے۔

اور دس دن سے کم میں اگر تیسرے حیض کا خون منقطع ہو گیا تو چونکہ اس صورت میں خون کے لوٹ آنے کا احتمال ہے اس لئے ضروری ہے کہ انقطاع دم کو قوت دی جائے یا حقیقت میں غسل کر لینے کے ساتھ اور یا پاک عورتوں کے احکام میں سے کوئی حکم اس پر لازم ہونے کے ساتھ مثلاً جب اس عورت پر نماز کا کامل وقت گزر گیا تو نماز اس کے ذمہ میں دین ہوگئی اور یہ پاک عورتوں کے احکام میں سے ہے۔

اس کے برخلاف اگر عورت کتابیہ (یہودیہ یا نصرانیہ) ہے اور دس دن سے کم میں خون منقطع ہو گیا تو بغیر غسل کئے اور بغیر نماز کا وقت گزرے صرف انقطاع دم سے اس کی رجعت منقطع ہو گئی اس لئے کہ اس کے حق میں انقطاع حیض پر کسی علامت زائدہ کی توقع نہیں ہے۔ کیونکہ کتابیہ پر نہ نماز واجب ہے اور نہ غسل اس وجہ سے محض انقطاع پر اکتفا کیا گیا ہے۔

اور اگر معتدہ رجعیہ کے تیسرے حیض کا خون دس دن سے کم میں منقطع ہو گیا پھر اس عورت نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی فرض یا نفل تو شیخین کے نزدیک رجعت منقطع ہو گئی۔ یعنی انقطاع رجعت تیمم اور نماز دونوں سے ہو گا اور یہ حکم استحسانا ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر تیمم کر لیا تو محض تیمم کر لینے سے رجعت منقطع ہو گئی۔ اسی کے قائل امام زفرؒ اور امام احمدؒ ہیں اور یہی قیاس بھی ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ پانی پر قدرت نہ ہونے کے وقت تیمم طہارت مطلقہ ہے چنانچہ تیمم سے وہ تمام احکامات ثابت ہو جاتے ہیں جو غسل سے ثابت ہوتے ہیں۔ جیسے مسجد میں داخل ہونا، قراءت قرآن کرنا، قرآن پاک کو چھونا اور نماز ادا کرنا اور سجدہ تلاوت کرنا پس تیمم غسل کے مرتبہ میں ہو گیا۔ لہٰذا جو حکم تھا غسل کا وہی حکم تیمم کا ہو گا۔

اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حقیقۃً تیمم ملوث ہے نہ کہ مطہر لیکن شریعت نے ضرورۃً اس کے مطہر ہونے کا اعتبار کیا ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ اگر کچھ روز پانی پر قدرت حاصل نہ ہو اور شریعت کی جانب سے تیمم کی اجازت بھی نہ ہو تو اس شخص کے ذمہ واجبات و فرائض کئی گونہ ہو جائیں گے جن کی ادائیگی اس کے لیے دشوار ہو گی پس اس ضرورت کی وجہ سے تیمم مشروع کیا گیا ہے اور ضرورت اداء صلوٰۃ کے وقت متحقق ہو گی نہ کہ اس سے پہلے پس معلوم ہوا کہ اگر تیمم کے بعد نماز پڑھی گئی تو تیمم کی وجہ سے طہارت حاصل ہو گی ورنہ نہیں۔ اس لئے ہم نے کہا کہ اگر تیمم کر کے نماز پڑھ لی تو طہارت حاصل ہو جانے کی وجہ سے رجعت کا حکم منقطع ہو گیا اور اگر نماز نہیں پڑھی تو طہارت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے رجعت کا حکم منقطع نہیں ہو گا۔

والاحکام الثابتة سے امام محمدؒ کی اصل (کہ جو احکام غسل سے ثابت ہوتے ہیں وہ تیمم سے بھی ثابت ہو جائیں گے) کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ تیمم سے ان احکام کا ثبوت جواز صلوٰۃ کی ضرورت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ جواز صلوٰۃ کے لیے قراءت قرآن تو اس لئے ضروری ہے کہ قرآن کا پڑھنا نماز کا رکن ہے اور مسجد اس لئے کہ وہ مکان صلوٰۃ ہے اور سجدۂ تلاوت اس لئے کہ وہ قراءت کے توابع میں سے ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ نمازی نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کر دے اور قرآن کا چھونا اس لئے ضروری ہے کہ اگر ما یجوز بہ الصلوٰۃ قراءت کرنے سے پہلے بھول گیا تو یہ شخص قرآن کھول کر دیکھنے کی طرف محتاج ہو گا اور ظاہر ہے کہ یہ بغیر مس مصحف کے نہیں ہو سکتا۔

بعض حضرات نے شیخین کی دلیل پر اشکال کیا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور ضرورت متحقق ہوتی ہے اداء صلوٰۃ کے وقت نہ کہ اس سے پہلے اور یہ اصول بھی ثابت شدہ ہے کہ الثابت بالضرورۃ لایتعدی موضعھا یعنی جو چیز ضرورۃً ثابت ہوتی ہے وہ اپنی جگہ سے متجاوز نہیں ہوتی ہے۔ پس اس اصول کا تقاضا تو یہ تھا کہ تیمم سے رجعت کا حکم منقطع نہ ہوا گرچہ وہ عورت تیمم کے بعد نماز بھی پڑھ لے تاوقتیکہ وہ غسل نہ کر لے یا اس پر نماز کا وقت نہ گزر جائے۔

جواب..... بلاشبہ الثابت بالضرورۃ لایتعدیٰ موضعھا اصول ہے لیکن یہ بھی اصول ہے کہ الضروری متیٰ ماثبت ثبت لجمیع لوازمہ۔ یعنی جو چیز ضرورتاً ثابت ہو وہ جب ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور اداء صلوٰۃ کے وقت ثبوت طہارت کے لوازم سے حیض کا منقطع ہو جانا ہے اور مدت عدت کے لوازم میں سے رجعت کا منقطع ہونا ہے اور قاعدہ لازم الازم لازم" یعنی لازم کا لازم لازم ہوتا ہے۔ اس لئے اداء صلوٰۃ کے وقت ثبوت طہارت سے انقطاع رجعت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ (عنایہ عینی شرح ہدایہ)

پھر شیخین کے نزدیک بعض حضرات کہتے ہیں کہ نماز شروع کرتے ہی رجعت کا حکم منقطع ہو جائے گا اور بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز سے

فارغ ہونے کے بعد منقطع ہوگا تا کہ جواز نماز کا حکم ثابت ہو جائے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ نماز شروع کرنے کے بعد کی حالت ایسی ہے جیسے شروع کرنے سے پہلے تھی۔ چنانچہ اگر دوران نماز پانی دیکھ لیا اور اس کے استعمال پر قدرت بھی ہے تو تیمم کا اثر باقی نہیں رہتا۔ برخلاف نماز سے فارغ ہونے کے۔

عورت نے غسل کرلیا اور بدن کے کسی عضو پر پانی پہنچانا بھول گئی اگر عضو کامل یا ایک عضو سے زیادہ پر پانی نہیں پہنچا رجوع کا حق منقطع نہیں ہوگا اور اگر ایک عضو سے کم ہے منقطع ہو جائے گا

وَاِذَا اغْتَسَلَتْ وَنَسِيَتْ شَيْئًا مِنْ بَدَنِهَا لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَاِنْ كَانَ عُضْوًا فَمَا فَوْقَهُ لَمْ تَنْقَطِعِ الرَّجْعَةُ وَاِنْ كَانَ اَقَلَّ مِنْ عُضْوٍ اِنْقَطَعَتْ قَالَ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ فِي الْعُضْوِ الْكَامِلِ اَنْ لَاتَبْقَى الرَّجْعَةُ لِاَنَّهَا غَسَلَتِ الْاَكْثَرَ وَالْقِيَاسُ فِيْمَا دُوْنَ الْعُضْوِ اَنْ تَبْقٰى لِاَنَّ حُكْمَ الْجَنَابَةِ وَالْحَيْضِ لَايَتَجَزّٰى وَوَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ وَهُوَ الْفَرْقُ اَنَّ مَادُوْنَ الْعُضْوِ يَتَسَارَعُ اِلَيْهِ الْجَفَافُ لِقِلَّتِهٖ فَلَايُتَيَقَّنُ بِعَدَمِ وُصُوْلِ الْمَاءِ اِلَيْهِ فَقُلْنَا اِنَّهٗ تَنْقَطِعُ الرَّجْعَةُ وَلَاتَحِلُّ لَهَا التَّزَوُّجُ اَخْذًا بِالْاِحْتِيَاطِ فِيْهِمَا بِخِلَافِ الْعُضْوِ الْكَامِلِ لِاَنَّهٗ لَا يَتَسَارَعُ اِلَيْهِ الْجَفَافُ وَلَا يُغْفَلُ عَنْهُ عَادَةً فَافْتَرَقَا وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَؒ اَنَّ تَرْكَ الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ كَتَرْكِ عُضْوٍ كَامِلٍ وَعَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍؒ بِمَنْزِلَةِ مَادُوْنَ الْعُضْوِ لِاَنَّ فِيْ فَرْضِيَّتِهٖ اِخْتِلَافًا بِخِلَافِ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَعْضَاءِ

ترجمہ......اور اگر عورت نے غسل کیا، حالانکہ اپنے بدن میں سے ایسا کوئی جزء بھول گئی جس کو پانی نہیں پہنچا ہے۔ پس اگر وہ جز ایک عضو ہے یا اس سے زائد تو رجعت منقطع نہیں ہوگی اور اگر ایک عضو سے کم چھوٹا ہے تو رجعت منقطع ہوگی۔ مصنف نے کہا کہ یہ استحسان ہے اور پورے عضو میں قیاس یہ ہے کہ رجعت (کا حکم) باقی نہ رہے۔ کیونکہ اس نے (بدن کا) اکثر (حصہ) دھولیا ہے اور اگر عضو سے کم میں قیاس یہ ہے کہ (رجعت کا حکم) باقی رہے کیونکہ جنابت اور حیض کا حکم متجزی اور ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا ہے اور وجہ استحسان اور وہی فرق ہے یہ ہے کہ عضو سے کم کو اس کی قلت کی وجہ سے خشکی بہت جلد آجاتی ہے۔ پس اس تک پانی نہ پہنچنے کا یقین نہیں ہوسکتا ہے تو ہم نے حکم دیا کہ رجعت منقطع ہو جائے گی اور اس عورت کے لیے (دوسرے شوہر سے) نکاح کرنا بھی حلال نہیں ہے۔ دونوں میں احتیاط پر عمل کرتے ہوئے۔ برخلاف پورے عضو کے۔ کیونکہ اس کی طرف خشکی جلدی نہیں آتی اور اس سے عادتاً غافل بھی نہیں رہتا۔ (پس عضو کامل اور جزء عضو میں) فرق واضح ہوگیا اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا چھوٹ جانا ایسا ہے جیسے پورے عضو کا چھوٹ جانا اور ابو یوسفؒ سے ایک روایت اور یہی امام محمدؒ کا قول ہے کہ عضو سے کم کے مرتبہ میں ہے۔ کیونکہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی فرضیت میں اختلاف ہے۔ برخلاف دیگر اعضاء کے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دس روز سے کم میں خون منقطع ہونے کے بعد عورت نے غسل کیا۔ حالانکہ بدن میں سے کوئی ایسا جز بھول گئی جس کو پانی نہیں پہنچا تو اگر وہ جزء ایک عضو یا اس سے بڑھ کر ہے تو رجعت منقطع نہیں ہوگی۔ یعنی غسل نہ ہونے کی وجہ سے عدت باقی ہے۔ پس اگر ایسی حالت میں مراجعت کرلی تو صحیح ہوگی اور اگر وہ جزء ایک عضو سے کم ہے تو رجعت منقطع ہو جائے گی۔ یعنی ایسی حالت میں رجعت صحیح نہیں ہوگی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم استحساناً ہے اور قیاس کا تقاضا اس کے برعکس ہے یعنی عضو کامل میں رجعت باقی نہ رہنی چاہیے اور مادون العضو میں رجعت باقی رہنی چاہیے۔

صاحب عنایہ نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے اپنی کتابوں میں یہ ذکر نہیں کیا کہ محل قیاس کیا ہے عضو کامل ہے یا مادون العضو ہے۔البتہ یہ روایت کیا گیا ہے کہ ابو یوسفؒ کے نزدیک محل قیاس عضو اور مافوق العضو ہے چنانچہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عضو کامل میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رجعت باقی نہ رہے۔دلیل یہ ہے کہ عورت نے اپنے اکثر بدن کو دھولیا ہے اور قاعدہ ہے للاکثر حکم الکل یعنی اکثر کل کے حکم میں ہوتا ہے۔تو گویا پانی جمیع بدن کو پہنچ گیا ہے اور جب پانی جمیع بدن کو پہنچ گیا ہے تو عدت گزر گئی اور عدت کے گزر جانے کے بعد رجعت کا حکم باقی نہیں رہتا اس لئے قیاس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اس صورت میں رجعت باقی نہ رہے اور استحسان یہ ہے کہ عضو یا مافوق العضو خشک رہ جانے کی صورت میں رجعت منقطع نہ ہو۔کیونکہ عدم طہارت کی وجہ سے عدت باقی ہے اور عدت میں رجعت کا حکم باقی رہتا ہے۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک محل قیاس مادون العضو ہے۔چنانچہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مادون العضو میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ رجعت باقی رہے۔ دلیل یہ ہے کہ مادون العضو خشک رہنے کی صورت میں بھی حدث باقی ہے۔اس لئے کہ جنابت اور حیض کا حکم متجزی اور ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہوتا پس جب ایک جزء میں حدث باقی ہے اگر چہ مادون العضو ہے تو ہم کہیں گے کہ پورے بدن میں حدث ہے اور جب پورے بدن میں حدث (حیض) باقی ہے تو عدت باقی ہے اور جب عدت باقی ہے تو رجعت کا حکم بھی باقی ہے۔

اور وجہ استحسان اور یہی عضو کامل اور یا دون العضو میں وجہ فرق ہے کہ عضو سے کم قلت کی وجہ سے بہت جلد خشک ہو جاتا ہے تو اس حصہ تک پانی نہ پہنچنے کا یقین نہیں ہو سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس حصہ کو دھویا ہو مگر جلد ہی خشک ہو گیا اس لئے ہم نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے کہا کہ رجعت کا حکم منقطع ہو گیا اور احتیاط ہی کے پیش نظر یہ حکم ہے کہ یہ عورت ایسی حالت میں دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اگر کر لیا تو حلال نہیں ہوگا۔کیونکہ ممکن ہے کہ اس حصہ تک حقیقتاً پانی نہ پہنچا ہو اور حدث باقی رہنے کی وجہ سے عدت باقی ہو تو ایسی صورت میں یہ نکاح معتدۃ الغیر کے ساتھ ہوگا اور یہ ناجائز ہے۔

اس کے برخلاف اگر عضو کامل خشک رہا تو رجعت کا حکم منقطع نہیں ہوگا۔کیونکہ عضو کامل بہت جلد خشک نہیں ہوتا اور عادتاً عضو کامل سے انسان غافل بھی نہیں رہتا۔لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ ابھی تک اس حصہ کو دھویا نہیں گیا اور جب ایسا ہے تو غسل نامکمل ہونے کی وجہ سے عدت باقی ہے اور عدت میں رجعت کا حکم باقی رہتا ہے۔اس وجہ سے اس صورت میں حکم رجعت منقطع نہیں ہوگا۔پس عضو کامل اور مادون العضو میں فرق واضح ہو گیا۔

اور اگر دس روز سے کم میں کوئی عورت تیسرے حیض سے فارغ ہوئی اور غسل کر لیا لیکن کلی کرنا یا ناک میں پانی ڈالنا چھوڑ دیا تو اس میں امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ رجعت منقطع نہیں ہوگی۔جیسا کہ عضو کامل کو چھوڑنے سے رجعت منقطع نہیں ہوتی۔اس روایت کے مطابق کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ان میں سے ہر ایک عضو کامل کے مرتبہ میں ہے۔امام ابو یوسفؒ سے اس کو ہشام نے روایت کیا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت جس کو امام کرخیؒ نے روایت کیا یہ ہے کہ رجعت منقطع ہو جائے گی اور کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے کو چھوڑنا مادون العضو کو چھوڑنے کے مانند ہے۔کیونکہ غسل میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی فرضیت میں اختلاف ہے۔چنانچہ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل اور وضو دونوں میں سنت ہے اور ہمارے نزدیک غسل میں فرض اور وضو میں سنت ہے۔اس کے برخلاف دوسرے اعضاء کہ ان کی فرضیت میں کسی کا اختلاف نہیں۔یہ دوسری روایت امام محمدؒ کا بھی قول ہے۔

حاملہ بیوی کو طلاق دی یا اس نے اس مرد سے بچہ جنا اور شوہر نے کہا میں نے اس سے جماع نہیں کیا شوہر کے لیے رجوع کا حق ہے

وَمَنْ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ وَهِيَ حَامِلٌ اَوْوَلَدَتْ مِنْهُ وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا فَلَهُ الرَّجْعَةُ لِاَنَّ الْحَبَلَ مَتٰى ظَهَرَ فِيْ مُدَّةٍ يُتَصَوَّرُاَنْ يَّكُوْنَ مِنْهُ جُعِلَ مِنْهُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْوَلَدُلِلْفِرَاشِ وَذٰلِكَ دَلِيْلُ الْوَطْئِ مِنْهُ كَذَا اِذَاثَبَتَ نَسَبُ

الْوَلَدِ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِيًا وَاِذَا ثَبَتَ الْوَطْئُ تَاَكَّدَ الْمِلْكُ وَالطَّلَاقُ فِيْ مِلْكٍ مُتَاَكِّدٍ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ وَيَبْطُلُ زَعْمُهٗ بِتَكْذِيْبِ الشَّرْعِ اَلَاتَرٰى اَنَّهٗ يَثْبُتُ بِهٰذَا الْوَطْئِ الْاِحْصَانُ فَلَاَنْ تَثْبُتَ بِهِ الرَّجْعَةُ اَوْلٰى وَتَاوِيْلُ مَسْاَلَةِ الْوِلَادَةِ اَنْ تَلِدَ قَبْلَ الطَّلَاقِ لِاَنَّهٗ لَوْ وَلَدَتْ بَعْدَهٗ تَنْقَضِي الْعِدَّةُ بِالْوِلَادَةِ فَلَا تُتَصَوَّرُ الرَّجْعَةُ

ترجمہ...... اور جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی حالانکہ وہ حاملہ ہے یا اس نے اس سے بچہ جنا اور اس شخص نے کہا کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا ہے تو اس شخص کو رجعت کا اختیار ہے۔ کیونکہ حمل جب اتنی مدت میں ظاہر ہوا کہ شوہر سے ہونا ممکن ہے تو وہ شوہر ہی کا قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بچہ تو فراش کا ہے اور یہ اس مرد سے وطی کی دلیل ہے اور ایسے ہی جب بچہ کا نسب اس شوہر سے ثابت ہوا تو اس کو وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا اور جب وطی ثابت ہوئی تو ملک مؤکد ہوگئی اور ملک مؤکد میں طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے اور اس کا قول (کہ میں نے جماع نہیں کیا) شریعت کے جھٹلانے سے باطل ہو جائے گا۔ کیا نہیں دیکھتا کہ اس وطی سے احصان ثابت ہو جاتا ہے تو اس سے رجعت بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گی اور ولادت کے مسئلہ کی تاویل یہ ہے کہ طلاق دینے سے پہلے اس نے بچہ جنا۔ کیونکہ اگر طلاق کے بعد جنا تو ولادت سے عدت گزر گئی پھر رجعت ممکن نہ رہی۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی حالانکہ اس کی یہ بیوی حاملہ ہے یا اس نے قبل الطلاق نکاح میں رہتے ہوئے بچہ جنا اور یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اپنی اس بیوی کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے اس کے باوجود اگر یہ شخص رجعت کرنا چاہے تو شریعت کی جانب سے اس کو رجعت کا پورا پورا اختیار ہے اور اس کا قول کہ میں نے جماع نہیں کیا شرعاً غیر معتبر ہے۔

دلیل یہ ہے کہ حمل جب اتنی مدت میں ظاہر ہو گیا کہ اس کو شوہر کا قرار دینا ممکن ہے تو اس حمل کو شوہر کا قرار دے دیا جائے گا۔ مثلاً طلاق دینے کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو گیا تو اس بچہ کا نسب اسی طلاق دینے والے شخص سے ثابت ہوگا۔ کیونکہ ثابت ہو گیا کہ یہ عورت طلاق کے دن حاملہ تھی اور اس بچہ کا نسب اس شخص سے اس لئے ثابت ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ الولد للفراش یعنی بچہ تو فراش کا ہے اور ایک حدیث میں ہے الولد للفراش وللعاہر الحجر یعنی بچہ تو فراش کا ہے اور زنا کار کے لیے پتھر ہے۔ بہر حال اس حمل کو اس شخص کا قرار دینا وطی کرنے کی دلیل ہے اور زنا کار کے لیے پتھر ہے۔ بہر حال اس حمل کو اس شخص کا قرار دینا وطی کرنے کی دلیل ہے اور اسی طرح اگر بچہ کا اس سے نسب ثابت ہو جائے تو اس شخص کو وطی کرنے والا قرار دیں گے۔ کیونکہ بغیر وطی کے بچے ممکن ہی نہیں ہے۔

پس جب شوہر کی جانب سے وطی ثابت ہو گئی تو ملک مؤکد ہو گئی۔ یعنی عورت کا مدخول بہا ہونا ثابت ہو گیا اور ملک مؤکد میں اگر طلاق دی جائے یعنی مدخول بہا کو اگر طلاق دی جائے تو اس سے مراجعت کرنا صحیح ہے۔ اس لئے یہاں شوہر کو رجعت کا اختیار دیا گیا اور رہا اس کا یہ کہنا کہ میں نے جماع نہیں کیا ہے سو یہ قول شریعت کے جھٹلانے کی وجہ سے باطل ہو جائے گا۔

علامہ عینی شارح ہدایہ نے یہاں ایک اعتراض اور اس کا جواب نقل کیا ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ اس جگہ ثبوت نسب دلالۃً ہے اور اس کا قول لم اجامعها صراحتاً اور صریح فائق اور راجح ہوتا ہے دلالت سے۔ لہٰذا شوہر کا قول لم اجامعها معتبر ہونا چاہیے اور اس کو رجعت کا اختیار نہ ملنا چاہیے۔

جواب...... دلالت شارع علیہ السلام کی طرف سے ہے اور صریح بندے کی جانب سے دلالت بندے کی صراحت سے اقویٰ ہوگی اور اعتبار اقویٰ کا ہوتا ہے نہ کہ غیر اقویٰ کا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ طلاق ملک متاکد میں رجعت کو ثابت کر دیتی ہے۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس وطی سے احصان ثابت ہو جاتا ہے درانحالیکہ احصان کو عقوبت اور سزا واجب کرنے میں دخل ہے۔ پس اس وطی سے وہ رجعت جس میں جہت عقوبت کو کوئی دخل نہیں بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گی اور مسئلہ ولادت کی تاویل یہ ہے کہ وہ عورت طلاق دیئے جانے سے پہلے بچہ جنے کیونکہ اگر اس نے طلاق کے بعد بچہ جنا ہے تو بچہ جنتے

ہی اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ پس محل کے فوت ہونے سے رجعت کا امکان ہی باقی نہ رہا۔

عورت کے ساتھ خلوت کی اور دروازہ بند کر لیا اور پردہ لٹکا دیا اور کہا لم اجامعہا پھر طلاق دیدی رجوع کا اختیار نہیں ہے

فَاِنْ خَلَابِهَا وَاَغْلَقَ بَابًا اَوْاَرْخٰى سِتْرًا وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا ثُمَّ طَلَّقَهَا لَمْ يَمْلِكِ الرَّجْعَةَ لِاَنَّ تَاكُّدَ الْمِلْكِ بِالْوَطْيِ وَقَدْ اَقَرَّ بِعَدَمِهٖ فَيُصَدَّقُ فِيْ حَقِّ نَفْسِهٖ وَالرَّجْعَةُ حَقُّهٗ وَلَمْ يَصِرْ مُكَذَّبًا شَرْعًا بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِاَنَّ تَاكُّدَ الْمَهْرِ الْمُسَمّٰى يُبْتَنٰى عَلٰى تَسْلِيْمِ الْمُبْدَلِ لَا عَلَى الْقَبْضِ بِخِلَافِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ فَاِنْ رَاجَعَهَا مَعْنَاهُ بَعْدَ مَاخَلَابِهَا وَقَالَ لَمْ اُجَامِعْهَا ثُمَّ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بِيَوْمٍ صَحَّتْ تِلْكَ الرَّجْعَةُ لِاَنَّهٗ ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْهُ اِذْهِيَ لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَالْوَلَدُ يَبْقٰى فِي الْبَطْنِ هٰذِهِ الْمُدَّةَ فَاُنْزِلَ وَاطِيًا قَبْلَ الطَّلَاقِ دُوْنَ مَابَعْدَهٗ لِاَنَّ عَلٰى اِعْتِبَارِ الثَّانِيْ يَزُوْلُ الْمِلْكُ بِنَفْسِ الطَّلَاقِ لِعَدَمِ الْوَطْيِ قَبْلَهٗ فَيَحْرُمُ الْوَطْيُ وَالْمُسْلِمُ لَا يَفْعَلُ الْحَرَامَ

ترجمہ...... اور اگر شوہر نے عورت کے ساتھ خلوت کی اور دروازہ بند کر لیا یا پردہ چھوڑ لیا اور کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا۔ پھر اس کو طلاق دیدی تو (اس سے) رجعت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ملک متاکد ہونا وطی سے ہوتا ہے، حالانکہ وہ وطی نہ ہونے کا اقرار کر چکا تو شوہر کی ذات کے حق میں تصدیق کی جائے گی اور رجعت شوہر کا حق ہے اور شریعت کی جانب سے اس کی تکذیب بھی نہیں کی گئی ہے۔ بخلاف مہر کے، کیونکہ مہر مسمّی کا مؤکد ہونا مبدل سپرد کرنے پر مبنی ہے نہ کہ قبضہ پر۔ برخلاف پہلی صورت کے۔ پھر اگر اس سے رجعت کر لی۔ یعنی خلوت صحیح کے بعد یہ کہہ کر کہ میں نے اس سے جماع نہیں کیا پھر دو سال سے ایک روز کم پر وہ بچہ لائی تو وہ رجعت صحیح ہوگی۔ کیونکہ (اس بچہ کا) نسب اسی مرد سے ثابت ہوا ہے۔ اس لئے کہ عورت نے اپنی عدت گزر جانے کا اقرار نہیں کیا ہے اور بچہ اتنی مدت پیٹ میں رہ سکتا ہے۔ پس طلاق سے پہلے ہی وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا نہ کہ طلاق کے بعد۔ کیونکہ دوسرے احتمال پر ملک نکاح نفس طلاق سے زائد ہو جاتی ہے۔ طلاق سے پہلے وطی نہ پائے جانے کی وجہ سے لہٰذا وطی حرام ہوگی اور مسلم فعل حرام نہیں کرتا۔

تشریح...... عبارت میں مبسوط کی کتاب الطلاق کی روایت کے مطابق واغلق بابا اوا رخی سترا کلمہ او کے ساتھ ہے اور جامع صغیر کی روایت کے مطابق وارخی سترا کلمہ واو کے ساتھ ہے۔ مبسوط کی کتاب الطلاق کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

اب صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی اور دروازہ بند کر لیا یا پردہ ڈال لیا اور کہنے لگا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا ہے۔ پھر اس کو طلاق دے دی تو یہ رجعت کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ غیر مدخول بہا طلاق کے بعد بغیر عدت کے بائنہ ہو جاتی ہے اس وجہ سے رجعت نہیں کر سکتا۔

دلیل یہ ہے کہ ملک نکاح کا مؤکد ہونا وطی سے ہوتا ہے حالانکہ وہ وطی نہ کرنے کا اقرار کر چکا ہے۔ پس اس کے حق میں اس کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی اور رجعت اسی کا حق ہے لہٰذا رجعت کا حق باطل کرنے میں اس کا قول معتبر ہوگا۔

ولم یصر مکذبا شرعا سے اعتراض کا جواب ہے۔ **اعتراض** یہ ہے کہ شریعت کی جانب سے اس شخص کی بھی تکذیب کی گئی ہے۔ اس لئے کہ اس پر شریعت نے مہر کامل واجب کیا ہے اور مہر کامل طلاق بعد الدخول کی صورت میں واجب ہوتا ہے نہ کہ طلاق قبل الدخول کی صورت میں پس اس شخص پر مہر کامل کا واجب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ شریعت نے اس کے قول لم اجامعہا کا اعتبار نہیں کیا بلکہ اس قول میں اس کی تکذیب کی ہے اور جب یہ شخص اپنے اس قول میں شرعاً جھوٹا ہے تو گویا طلاق جماع کے بعد واقع کی گئی اور جماع کے بعد طلاق کی صورت میں رجعت کا اختیار

رہتا ہے لہٰذا اس کو اس صورت میں رجعت کا اختیار ہونا چاہیے۔

جواب..... مہر مسمیٰ کا مؤکد ہونا مبدل یعنی بضع کے سپرد کرنے پر موقوف ہے نہ کہ قبضہ (وطی) کرنے پر پس خلوت صحیح کے ذریعہ مہر مسمیٰ کا موکد ہونا اس مرد کے واطی ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ لہٰذا شوہر پر مہر کامل کے واجب ہونے سے اس کا واطی ہونا لازم نہیں آتا۔ پس ثابت ہو گیا کہ شریعت کی جانب سے اس کے قول لم اجامعہا میں اس کی تکذیب نہیں کی گئی۔

اس کے برخلاف پہلی صورت کہ حمل اور ثبوت نسب بغیر وطی کے نہیں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں اس کا مکذب ہونا ثابت ہو جائے گا۔

فرماتے ہیں کہ اگر خلوت صحیح کے بعد یہ کہہ کر کہ میں نے جماع نہیں کیا اپنی اس بیوی سے مراجعت کر لی پھر اس عورت نے دو سال سے ایک روز کم میں بچہ جنا تو یہ رجعت صحیح ہو گی، دو سال کا اعتبار یوم طلاق سے ہو گا نہ کہ یوم رجعت سے، رجعت کے درست ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اس بچہ کا نسب اسی سے ثابت ہو گا نہ کہ دوسرے سے۔ کیونکہ عورت نے عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا ہے اور بچہ دو سال تک ماں کے پیٹ میں باقی رہ سکتا ہے۔ پس نسب کا ثابت ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص جس نے لم اجامعہا کہا ہے اپنی بیوی سے وطی کر چکا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ یہ وطی طلاق سے پہلے ہے یا بعد میں تو اگرچہ احتمال دونوں ہیں مگر ہم اس کو وطی قبل الطلاق پر محمول کریں گے۔ اس لئے اگر وطی بعد الطلاق پر محمول کریں تو یہ وطی حرام ہو گی۔ کیونکہ جب طلاق سے پہلے وطی نہیں پائی گئی تو یہ عورت بغیر عدت کے نفس طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور اس کے بعد وطی کرنا حرام ہو گا اور مسلمان فعل حرام کا ارتکاب نہیں کرتا۔ اس وجہ سے اس وطی کو قبل الطلاق پر محمول کریں گے۔ تاکہ مسلمان کے فعل کو صلاح پر محمول کیا جا سکے۔

عورت کو کہا اذا ولدت فانت طالق عورت نے بچہ جنا پھر دوسرا بچہ لائی تو یہ ولادت ثانیہ رجوع ہے

فَاِنْ قَالَ لَهَا اِذَا وَلَدْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثُمَّ اَتَتْ بِوَلَدٍ اٰخَرَ فَهِيَ رَجْعَةٌ مَعْنَاهُ مِنْ بَطْنٍ اٰخَرَ وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَاِنْ كَانَ اَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ اِذَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ لِاَنَّهُ وَقَعَ الطَّلَاقُ عَلَيْهَا بِالْوَلَدِ الْاَوَّلِ وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ فَيَكُوْنُ الْوَلَدُ الثَّانِيْ مِنْ عُلُوْقٍ حَادِثٍ مِنْهُ فِي الْعِدَّةِ لِاَنَّهَا لَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَيَصِيْرُ مُرَاجِعًا

ترجمہ..... پس اگر مرد نے اپنی بیوی سے کہا اذا ولدت فانت طالق۔ پھر اس نے بچہ جنا پھر دوسرا بچہ لائی تو یہ ولادت ثانیہ رجعت ہے۔ اس کی مراد یہ ہے کہ (دوسرا بچہ) بطن آخر سے ہو اور بطن آخر یہ ہے کہ چھ ماہ کے بعد ہو۔ اگرچہ دو سال سے زیادہ ہو جب تک کہ عورت نے عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اس پر ولد اول سے طلاق واقع ہو گئی اور عدت واجب ہو گئی۔ پس ولد ثانی ایسے علوق سے ہو گا جو شوہر سے عورت کی عدت میں پیدا ہوا۔ کیونکہ عورت نے عدت گزرنے کا اقرار نہیں کیا ہے۔ پس وہ (شوہر) رجعت کرنے والا ہو گا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا اذا ولدت فانت طالق۔ پس اس سے ایک بچہ پیدا ہوا۔ پھر دوسرا بچہ چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا تو یہ دوسرے بچہ کا پیدا ہونا رجعت ہے۔

حاصل یہ کہ دونوں بچوں کے درمیان چھ ماہ کا فاصلہ ہے برابر ہے کہ ولادت ثانیہ دو سال سے کم میں ہو یا دو سال سے زیادہ میں دونوں صورتوں میں رجعت ثابت ہو جائے گی۔

دلیل یہ ہے کہ پہلے بچہ کی ولادت سے اس عورت پر طلاق ہوئی اور عدت واجب ہو گئی۔ پس دوسرے بچہ کی ولادت کے بارے میں کہا جائے

گا کہ شوہر نے عدت کے زمانے میں اس عورت سے جماع کیا تھا اس کے نتیجے میں یہ دوسرا بچہ پیدا ہوا ہے اور عورت نے عدت گزرنے کا اقرار بھی نہیں کیا ہے۔ پس یہ شخص مطلقہ رجعیہ کے ساتھ اس کی عدت میں جماع کرنے کی وجہ سے رجعت کرنے والا شمار ہوگا۔

مرد نے کہا کلما ولدت ولداً فانت طالق عورت نے تین بچے جنے پہلا بچہ طلاق ہے اور دوسرا اور تیسرا بچہ رجعت ہے

وَاِنْ قَالَ كُلَّمَا وَلَدْتِ وَلَدًا فَاَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ ثَلٰثَةَ اَوْلَادٍ فِيْ بُطُوْنٍ مُخْتَلِفَةٍ فَالْوَلَدُ الْاَوَّلُ طَلَاقٌ وَ الْوَلَدُ الثَّانِيْ رَجْعَةٌ وَكَذَا الثَّالِثُ لِاَنَّهَا اِذَا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ الْاَوَّلِ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَصَارَتْ مُعْتَدَّةً وَبِالثَّانِيْ صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا بَيَّنَّا اَنَّهٗ يُجْعَلُ الْعُلُوْقُ بِوَطْيٍ حَادِثٍ فِي الْعِدَّةِ وَيَقَعُ الطَّلَاقُ الثَّانِيْ بِوِلَادَةِ الْوَلَدِ الثَّانِيْ لِاَنَّ الْيَمِيْنَ مَعْقُوْدَةٌ بِكَلِمَةِ كُلَّمَا وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ وَبِالْوَلَدِ الثَّالِثِ صَارَ مُرَاجِعًا لِمَا ذَكَرْنَا وَتَقَعُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ بِوِلَادَةِ الثَّالِثِ وَوَجَبَتِ الْعِدَّةُ بِالْاَقْرَاءِ لِاَنَّهَا حَامِلٌ مِنْ ذَوَاتِ الْحَيْضِ حِيْنَ وَقَعَ الطَّلَاقُ

ترجمہ...... اور اگر مرد نے کہا جب جب تو نے بچہ جنا تو تو طالقہ ہے۔ پس اس نے مختلف تین بطون میں تین بچے جنے تو پہلا بچہ طلاق ہے اور دوسرا بچہ رجعت ہے اور ایسے ہی تیسرا بچہ۔ کیونکہ وہ جب پہلا بچہ لائی تو طلاق واقع ہوگئی اور معتدہ ہوگئی اور دوسرے بچہ سے وہ رجعت کرنے والا ہوگیا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے کہ علوق ایسی وطی سے قرار پائے گا جو عدت کے اندر واقع ہوئی اور دوسرے بچہ کی ولادت سے دوسری طلاق واقع ہوگی کیونکہ یمین کلمہ کلما کے ساتھ منعقد کی گئی ہے اور عدت واجب ہوگئی اور تیسرے بچے کے ساتھ وہ مراجعہ کرنے والا ہوگیا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور تیسرے بچہ کی ولادت سے تیسری طلاق واقع ہوگی اور عدت واجب ہوئی حیضوں کے ساتھ کیونکہ یہ عورت حاملہ وقوع طلاق کے وقت ذوات الحیض میں سے ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کلما ولدت ولدا فانت طالق۔ پھر اس عورت نے الگ الگ تین پیٹ سے تین بچے جنے۔ یعنی دو بچوں کی ولادت کے درمیان چھ ماہ یا زائد کا فاصلہ ہے۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ پہلے بچہ کی ولادت سے طلاق واقع ہو جائے گی اور دوسرے بچہ کی ولادت سے پہلے رجعت ثابت ہوگی۔ اس کے فوراً بعد دوسری طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح تیسرے بچہ کی ولادت سے پہلے رجعت ہوگی اور پھر تیسری طلاق واقع ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ جب پہلا بچہ پیدا ہوا تو ولادت پر طلاق کے معلق ہونے کی وجہ سے طلاق واقع ہوگئی اور عورت معتدہ ہوگئی۔ اس کے بعد جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو رجعت ثابت ہوگی۔ کیونکہ چھ ماہ بعد دوسرے بچہ کی ولادت اس بات کی دلیل ہے کہ اس عورت سے عدت میں وطی کی گئی ہے اور عدت میں وطی رجعت کو ثابت کر دیتی ہے اس وجہ سے رجعت ثابت ہوگئی اور دوسرے بچہ کی ولادت سے دوسری طلاق اس لئے واقع ہوگی کہ لفظ کلما کے ساتھ یمین کا منعقد کرنا تکرار شرط کے وقت تکرار جزاء کا تقاضا کرتا ہے اور دوسری طلاق کے بعد پھر عدت واجب ہوگئی۔ اس کے بعد جب تیسرے بچہ کی ولادت اس بات کی علامت ہے کہ اس عورت سے عدت میں وطی کی گئی ہے اور معتدہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا رجعت کو ثابت کر دیتا ہے۔

اور اس تیسرے بچہ کی ولادت سے تیسری طلاق واقع ہوگی کیونکہ لفظ کلما تکرار کا تقاضا کرتا ہے اور اب اس عورت پر حیض کے ساتھ عدت واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ عورت تیسری طلاق کے واقع ہونے کے وقت ذوات الحیض میں سے ہے۔

مطلقہ رجعیہ کے لیے زیب وزینت کا حکم

وَالْمُطَلَّقَةُ الرَّجْعِيَّةُ تَتَشَوَّفُ وَتَتَزَيَّنُ لِاَنَّهَا حَلَالٌ لِلزَّوْجِ اِذِالنِّكَاحُ قَائِمٌ بَيْنَهُمَا ثُمَّ الرَّجْعَةُ مُسْتَحَبَّةٌ وَالتَّزَيُّنُ حَامِلٌ عَلَيْهَا فَيَكُوْنُ مَشْرُوْعًا وَيُسْتَحَبُّ لِزَوْجِهَا اَنْ لَايَدْخُلَ عَلَيْهَا حَتّٰى يُؤْذِنَهَا اَوْ يُسْمِعَهَا خَفْقَ نَعْلَيْهِ مَعْنَاهُ اِذَالَمْ تَكُنْ مِنْ قَصْدِهِ الْمُرَاجَعَةُ لِاَنَّهَا رُبَّمَاتَكُوْنُ مُتَجَرِّدَةً فَيَقَعُ بَصَرُهٗ عَلٰى مَوْضِعٍ يَصِيْرُبِهٖ مُرَاجِعًا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا فَتَطُوْلُ عَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يُسَافِرَبِهَا حَتّٰى يُشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا وَقَالَ زُفَرُ لَهٗ ذٰلِكَ لِقِيَامِ النِّكَاحِ وَلِهٰذَالَهٗ اَنْ يَغْشَاهَا عِنْدَنَا وَلَنَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَلَاتُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ اَلْاٰيَةَ وَلِاَنَّ تَرَاخِيَ عَمَلِ الْمُبْطِلِ لِحَاجَتِهٖ اِلَى الْمُرَاجَعَةِ فَاِذَا لَمْ يُرَاجِعْهَا حَتَّى انْقَضَتِ الْمُدَّةُ ظَهَرَ اَنَّهٗ لَاحَاجَةَ فَتَبَيَّنَ اَنَّ الْمُبْطِلَ عَمِلَ عَمَلَهٗ مِنْ وَقْتِ وُجُوْدِهٖ وَ لِهٰذَا تُحْتَسَبُ الْاَقْرَاءُ مِنَ الْعِدَّةِ وَ يَتَقَرَّرُ مِلْكُ الزَّوْجِ وَقَوْلُهٗ حَتّٰى يُشْهِدَ عَلٰى رَجْعَتِهَا مَعْنَاهُ الْاِسْتِحْبَابُ عَلٰى مَاقَدَّمْنَاهُ

ترجمہ ...... اور مطلقہ رجعیہ (اپنے آپ کو) آراستہ کرے اور مزین کرے کیونکہ یہ عورت اپنے شوہر کے واسطے حلال ہے۔ اس لئے کہ نکاح دونوں میں قائم ہے۔

پھر رجعت کرنا مستحب ہے اور عورت کا سنگار اس پر آمادہ کرنے والا ہے۔ اس لیے سنگار مشروع ہوگا اور اس کے شوہر کے لیے مستحب ہے کہ اس کے پاس نہ جائے یہاں تک کہ اس کو باخبر کردے یا اس کو اپنے جوتوں کی آہٹ سنادے قدوری کے کلام کی مراد یہ ہے کہ جب اس کا ارادہ مراجعت کا نہ ہو۔ کیونکہ عورت بسا اوقات ننگی ہوتی ہے تو (ہوسکتا ہے کہ) اس کی نظر ایسی جگہ پر پڑ جائے جس سے وہ رجعت کرنے والا ہو۔ پھر وہ اس کو طلاق دے گا تو عورت پر زمانہ عدت دراز ہو جائے گا اور رجعت کرنے پر گواہ بنالے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ اس کے لیے یہ جائز ہے۔ نکاح کے قائم ہونے کی وجہ سے اور اسی وجہ سے شوہر کے لیے جائز ہے کہ اس کے ساتھ وطی کرے ہمارے نزدیک اور ہماری دلیل باری تعالیٰ کا قول ولا تخرجوھن ...... الأیة ہے۔ یعنی ان کو ان کے مسکن سے مت نکالو اور اس لئے کہ مبطل (طلاق) کے عمل کا مؤخر ہونا شوہر کے مراجعت کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس جب شوہر نے اس سے مراجعت نہیں کی۔ حتیٰ کہ (عدت کی) مدت گزر گئی تو ظاہر ہوگیا کہ اس کو (رجعت کی) ضرورت ہی نہیں تھی۔ پس واضح ہوگیا کہ مبطل نے اپنا عمل اس کے پائے جانے کے وقت سے کیا ہے اور اسی وجہ سے وہ جو حیض آچکے وہ عدت میں محسوب ہوں گے۔ پس شوہر باہر لے جانے کا مالک نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ شوہر اس سے رجعت کرنے پر گواہ بنالے تو عدت باطل ہو جائے گی اور شوہر کی ملک ثابت ہو جائے گی اور امام محمدؒ کے قول حتیٰ یشھد علیٰ رجعتھا کے معنی مستحب ہونا ہے۔ چنانچہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تشریح ...... صاحب قدوری نے فرمایا کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو آراستہ اور مزین کرے۔ یعنی اپنے چہرے اور رخساروں کو صاف ستھرا رکھے۔ دلیل یہ ہے کہ مطلقہ رجعیہ اپنے شوہر کے واسطے حلال ہے۔ اس لئے کہ دونوں کے درمیان نکاح قائم ہے۔ چنانچہ طلاق رجعی کی صورت میں توارث اور تمام احکام نکاح قائم رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے اگر اس شخص نے کہا کل امراۃ لی طالق تو اس حکم میں یہ مطلقہ بھی داخل ہوگی اور اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

اور اگر کوئی یہ اشکال کردے کہ جب طلاق رجعی کے بعد نکاح موجود ہے تو اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہونا چاہیے۔ جیسا کہ منکوحہ غیر مطلقہ کو ساتھ لے کر سفر کرنا جائز ہے۔ حالانکہ آپ جواز مسافرت کے قائل نہیں ہیں۔ جواب۔ مطلقہ رجعیہ کو ساتھ لے کر سفر کرنے کی ممانعت نص سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لاتخرجوھن من بیوتھن یعنی مطلقات رجعیہ کو ان کے مسکن سے نہ نکالو اور یہ آیت مطلقہ رجعیہ کے بارے

میں نازل ہوئی ہے۔ پس اسی نص کی وجہ سے مطلقہ رجعیہ کو ساتھ لے کر سفر کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص اعتراض کر دے کہ نفس مسافرت کو رجعت کی دلیل کیوں نہیں بنایا گیا تو جواب ہوگا کہ اخراج من البیت یعنی مطلقہ رجعیہ کو گھر سے باہر لے جانا منہی عنہ ہے اور رجعت مندوب الیہا ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے اور جن دو چیزوں کے درمیان منافات ہو ان میں سے ایک کو دوسرے کے لیے دلیل نہیں بنایا جا سکتا اس لئے نفس مسافرت رجعت کی دلیل نہیں بن سکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رجعت مستحب ہے اور مزین کرنا رجعت پر شوہر کو آمادہ کرنے والا ہے اس وجہ سے مطلقہ رجعیہ کا اپنے آپ کو مزین کرنا اور آراستہ کرنا مشروع ہے اور مطلقہ رجعیہ کے شوہر کے واسطے مستحب یہ ہے کہ وہ بغیر اطلاع کے اس کے پاس نہ جائے یہ حکم اس وقت ہے جب کہ شوہر کا ارادہ رجعت کرنے کا نہ ہو۔ دلیل یہ ہے کہ عورت بسا اوقات گھر میں برہنہ ہو جاتی ہے۔ پس بغیر اطلاع داخل ہونے کی صورت میں شوہر کی نظر ایسے بدن پر پڑ سکتی ہے جس سے رجعت ثابت ہو جائے اور چونکہ اس شخص کا ارادہ رجعت کرنے کا نہیں ہے۔ اس لئے یہ اس کو طلاق دے گا اور طلاق دینے کی صورت میں عورت کی عدت خواہ مخواہ دراز ہوگی۔ اس وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ عورت کے پاس جانے سے پہلے اس کو باخبر کر دے۔ یا اپنے جوتوں کی آہٹ سنا دے یا کھنکار کر داخل ہو۔

رہی یہ بات کہ شوہر اپنی مطلقہ رجعیہ کو ساتھ لے کر سفر کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ہے کہ شوہر کے لیے مطلقہ رجعیہ کو ساتھ لے کر سفر کرنا جائز نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس سے مراجعت کرنے پر گواہ بنا لے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ شوہر کے لیے اس کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد عدت پوری ہونے سے پہلے پہلے نکاح قائم رہتا ہے اور اسی قیام نکاح کی وجہ سے ہمارے نزدیک اس سے وطی کرنا جائز ہے پس جس طرح منکوحہ کے ساتھ سفر کرنا شرعاً درست ہے اسی طرح اس کے ساتھ بھی سفر کرنا درست ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ خداوند قدوس نے فرمایا ہے **ولا تخرجوھن من بیوتھن** اس آیت کے بارے میں ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ یہ آیت طلاق رجعی کے سلسلہ میں اتری ہے ترجمہ ہوگا نہ نکالو ان عورتوں کو جن کو طلاق رجعی دی گئی ہے ان کے مسکن سے پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ شوہر کے لیے ان عورتوں کو نکالنا جائز نہیں ہے۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ طلاق ملک نکاح کو باطل کرنے والی ہے۔ لہٰذا مناسب تو یہ تھا کہ وجود طلاق کے وقت ہی نکاح باطل ہو جائے مگر اس کا حکم انقضاء عدت تک کے لیے موخر ہو گیا۔ تاکہ شوہر اگر رجعت کرنا چاہے تو رجعت کر سکے۔ پس جب شوہر نے رجعت نہیں کی اور عدت گزر گئی تو معلوم ہو گیا کہ شوہر کو رجعت کی حاجت نہیں تھی اور جب رجعت کی حاجت نہیں ہے تو ظاہر ہو گیا کہ مبطل نکاح یعنی طلاق کا عمل اسی وقت سے ہے جس وقت سے طلاق پائی گئی اور اسی وجہ سے وہ حیض جو عدت گزرنے سے پہلے گزر چکے عدت میں محسوب ہوں گے۔

پس جب وجود طلاق کے وقت ہی نکاح منقطع ہو گیا تو یہ عورت بائنہ کے مانند ہو گئی۔ لہٰذا جس طرح مطلقہ بائنہ کو ساتھ لے کر سفر کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح اس عورت کو ساتھ لے کر سفر کرنا ممنوع ہوگا۔ ہاں اگر شوہر نے اس سے رجعت کر لی اور گواہ بنا لئے تو عدت باطل ہو جائے گی اور اس عورت کو ساتھ لے کر سفر کرنا درست ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کے قول **حتیٰ یشھد علیٰ رجعتھا** سے استحباب رجعت مراد ہے نہ کہ وجوب رجعت۔ جیسا کہ شروع باب میں گزر چکا۔

طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی، امام شافعیؒ کا نقطہ نظر

وَالطَّلَاقُ الرَّجْعِیُّ لَایُحَرِّمُ الْوَطْیَ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ یُحَرِّمُهُ لِاَنَّ الزَّوْجِیَّةَ زَائِلَةٌ لِوُجُوْدِ الْقَاطِعِ وَهُوَ الطَّلَاقُ وَلَنَا اَنَّهَا قَائِمَةٌ حَتّٰی یَمْلِكُ مُرَاجَعَتَهَا مِنْ غَیْرِ رِضَاهَا لِاَنَّ حَقَّ الرَّجْعَةِ ثَبَتَ نَظْرًا لِلزَّوْجِ لِیُمْكِنَهُ التَّدَارُكُ عِنْدَ اِعْتِرَاضِ النَّدَمِ وَهٰذَا الْمَعْنٰی یُوْجِبُ اِسْتِبْدَادَهُ بِهٖ وَذٰلِكَ یُؤْذِنُ بِكَوْنِهٖ اِسْتِدَامَةً لَا اِنْشَاءً اِذِ الدَّلِیْلُ یُنَافِیْهِ

وَالْقَاطِعُ اٰخَرَ عَمَلَهٗ اِلٰى مُدَّةٍ اِجْمَاعًا اَوْ نَظْرًا لَهٗ عَلٰى مَاتَقَدَّمَ

ترجمہ......اور طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کو حرام کر دیتی ہے۔ کیونکہ زوجیت زائل ہوگئی قاطع کے پائے جانے کی وجہ سے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ زوجیت موجود ہے۔ حتیٰ کہ اس سے مراجعت کا مالک ہے۔ بغیر اس کی رضامندی کے کیونکہ رجعت کا حق شوہر کے لحاظ سے ثابت ہوا ہے۔ تاکہ ندامت پیش آنے کے وقت شوہر کو تدارک کرنا ممکن ہو اور یہ معنی حق رجعت کے ساتھ شوہر کے مستقل ہونے کو واجب کرتے ہیں اور شوہر کا خود مستقل ہونا آگاہ کرتا ہے کہ رجعت ملک نکاح کو برابر باقی رکھنا ہے نہ کہ از سر نو پیدا کرنا۔ کیونکہ دلیل اس کی منافی ہے اور قاطع نے اپنا عمل ایک مدت تک کے لیے بالا جماع مؤخر کر دیا یا شوہر پر نظر کرتے ہوئے اس بناء پر جو پہلے گزر چکی ہے۔

تشریح......اس حکم میں اختلاف ہے کہ طلاق رجعی وطی کو حرام کر دیتی ہے یا نہیں۔ احناف کے نزدیک طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ شوہر کا وطی کرنا حرام ہے اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رشتہ زوجیت کی وجہ سے وطی حلال تھی اور قاطع زوجیت یعنی طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ شوہر کا وطی کرنا حرام ہے اور یہی امام احمد سے ایک روایت ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ رشتہ زوجیت کی وجہ سے حلال تھی اور قاطع زوجیت یعنی طلاق کے پائے جانے کی وجہ سے زوجیت ختم ہوگئی اس وجہ سے مطلقہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا حرام ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کے پائے جانے کے بعد بھی زوجیت قائم ہے اور اسی وجہ سے بغیر عورت کی رضامندی کے بالاتفاق اس سے مراجعت کرنے کا اختیار ہے۔ چنانچہ اگر زوجیت ختم ہوگئی ہوتی تو یہ عورت اجنبیہ ہوتی اور بغیر اس کی رضامندی کے رجعت درست نہ ہوتی۔

صاحب ہدایہ نے قیام زوجیت پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ شوہر کو رجعت کا حق اس لئے دیا گیا ہے تاکہ وہ ندامت اور شرمندگی کے وقت اپنی غلطی کا تدارک کر سکے۔ حاصل یہ کہ شوہر کو رجعت کا حق دینے میں شریعت نے اس کا لحاظ رکھا ہے اور شوہر کے ساتھ شفقت کا معاملہ کیا ہے اور شوہر کو رجعت کا حق دینے میں اس کا لحاظ رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر رجعت کے سلسلہ میں مستقل ہے۔ کیونکہ اگر شوہر رجعت کے حق میں مستقل نہ ہوتا تو اس پر نظر و شفقت مکمل نہ ہوتی۔ اس لئے کہ کبھی عورت رجعت پر راضی نہیں ہوتی۔ پس حق رجعت، رجعت کرنے میں شوہر کے مستقل ہونے کو ثابت کرتا ہے اور رجعت کرنے میں شوہر کا مستقل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ رجعت بقاء نکاح کا نام ہے نہ کہ ابتداء نکاح کا۔ اس لئے کہ جو دلیل شوہر کے رجعت کرنے میں مستقل ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ رجعت کے ابتداء نکاح ہونے کے منافی ہے۔ کیونکہ شوہر ابتداء نکاح میں منفرد اور مستقل نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہوگیا کہ رجعت بقاء نکاح کا نام ہے اور بقاء نکاح کے لیے قیام نکاح ضروری ہے اور قیام نکاح اور وجود نکاح کی صورت میں وطی حرام نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے ہمارا مذہب یہ ہے کہ طلاق رجعی وطی کو حرام نہیں کرتی۔

والقاطع اخر......الخ سے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب ہے جواب یہ ہے کہ قاطع یعنی طلاق کا پایا جانا قیام زوجیت کے منافی ہے۔ کیونکہ قاطع یعنی طلاق کا عمل بالا جماع انقضاء عدت تک کے لیے مؤخر ہوگیا ہے۔ یا شوہر پر نظر کرتے ہوئے قاطع کا عمل مؤخر ہوگیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فصل فیما تحل به المطلقة

ترجمہ......(یہ) فصل ایسے امور کے بیان میں ہے جن سے مطلقہ حلال ہو جاتی ہے

مطلقہ بائنہ سے جبکہ طلاقیں تین سے کم ہوں عدت اور عدت کے بعد تجدید نکاح کر سکتا ہے

اِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا دُوْنَ الثَّلٰثِ فَلَهٗ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا فِی الْعِدَّةِ وَبَعْدَ اِنْقِضَائِهَا لِاَنَّ حِلَّ الْمَحَلِّيَّةِ بَاقٍ لِاَنَّ زَوَالَهٗ مُعَلَّقٌ

بِالطَّلْقَةِ الثَّالِثَةِ فَيَنْعَدِمُ قَبْلَهُ وَ مَنْعُ الْغَيْرِ فِي الْعِدَّةِ لِاشْتِبَاهِ النَّسَبِ وَ لَا اشْتِبَاهَ فِي اِطْلَاقِه

ترجمہ...... اور جب تین سے کم طلاق بائن ہوں تو شوہر کو اختیار ہے کہ اس عورت سے عدت میں اور عدت گزر جانے کے بعد نکاح کر لے۔ کیونکہ محل کا حلال ہونا باقی ہے۔ اس لئے کہ حلت کا زائل ہونا تیسری طلاق پر معلق ہے اور عدت میں غیر (سے نکاح) کا ممنوع ہونا نسب کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے ہے اور شوہر سے نکاح کو جائز قرار دینے میں کوئی اشتباہ نہیں ہے۔

تشریح...... مصنفؒ نے سابق میں ان صورتوں کو بیان فرمایا ہے جن سے طلاق رجعی کا تدارک کیا جا سکتا ہے اور اس علیحدہ فصل میں ان صورتوں کو بیان فرمایا ہے جن کے ذریعہ طلاق رجعی کے علاوہ دوسری طلاقوں کا تدارک کیا جا سکے۔

چنانچہ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر تین سے کم طلاق بائن ہوں، مثلاً ایک بائنہ یا دو بائنہ تو شوہر کو اختیار ہے کہ وہ اپنی اس معتدہ سے عدت میں نکاح کرے یا عدت کے بعد دونوں صورتیں صحیح ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ محل (عورت کا بنات آدم میں سے ہونا اور محرمات میں سے نہ ہونا) کا حلال ہونا باقی ہے کیونکہ حلت کا زائل ہونا تیسری طلاق پر معلق ہے باری تعالیٰ کے قول فان طلقها فلا تحل له کی وجہ سے اور معلق بالشرط وجود شرط سے پہلے معدوم ہوتا ہے۔ لہٰذا تیسری طلاق سے پہلے حلت کا زوال معدوم ہوگا۔ پس جب محل کا حلال ہونا ثابت ہے تو شوہر کیلئے عدت میں نکاح کرنا بھی حلال ہوگا۔

و منع الغیر سے اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ آپ نے معتدہ سے نکاح کرنے کی جو علت بیان کی ہے وہ نص کے مقابلہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا تعزموا عقدة النكاح حتىٰ يبلغ الكتاب اجله۔ اس آیت میں معتدہ کے ساتھ نکاح کا ارادہ کرنے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے اور نص کے مقابلہ میں علت قابل قبول نہیں ہوتی، لہٰذا شوہر کے لیے بھی معتدہ کے ساتھ نکاح کرنا ممنوع ہونا چاہئے۔

جواب...... آیت میں معتدہ کے ساتھ نکاح کا ارادہ کرنے سے شوہر کے علاوہ کو منع کیا گیا ہے نہ کہ شوہر کو اس پر قرینہ یہ ہے کہ معتدہ کے ساتھ نکاح کی ممانعت اشتباہ نسب کی وجہ سے ہے اور شوہر کے واسطے معتدہ کے ساتھ نکاح کو جائز رکھنے میں کوئی اشتباہ نہیں ہے اس لئے کہ مختلف پانیوں کے جمع ہونے سے اشتباہ نسب متحقق ہوگا اور مختلف پانیوں کا جمع ہونا اس وقت ہوگا جب کہ معتدۃ الغیر کے ساتھ نکاح کیا جائے پس معلوم ہوگا کہ اپنی معتدہ کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

حرہ کو تین طلاقیں یا باندی کو دو طلاقیں دیدیں حلالہ شرعیہ کے بغیر پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی زوج آخر اور دخول کے بعد طلاق دیدے یا فوت ہو جائے تو پہلے شوہر کے لیے عورت حلال ہو جائے گی

وَاِنْ كَانَ الطَّلَاقُ ثَلٰثًا فِي الْحُرَّةِ اَوْثِنْتَيْنِ فِي الْاَمَةِ لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ نِكَاحًا صَحِيْحًا وَيَدْخُلَ بِهَا ثُمَّ يُطَلِّقَهَا اَوْيَمُوْتَ عَنْهَا وَالْاَصْلُ فِيْهِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَاتَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًاغَيْرَهٗ وَالْمُرَادُ الطَّلْقَةُ الثَّالِثَةُ وَالثِّنْتَانِ فِيْ حَقِّ الْاَمَةِ كَالثَّلٰثِ فِيْ حَقِّ الْحُرَّةِ لِاَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ لِحِلِّ الْمَحَلِّيَّةِ عَلٰى مَاعُرِفَ ثُمَّ الْغَايَةُ نِكَاحُ الزَّوْجِ مُطْلَقًا وَالزَّوْجِيَّةُ الْمُطْلَقَةُ اِنَّمَا تَثْبُتُ بِنِكَاحٍ صَحِيْحٍ وَشَرْطُ الدُّخُوْلِ ثَبَتَ بِاِشَارَةِ النَّصِّ وَ هُوَ اَنْ يُحْمَلَ النِّكَاحُ عَلَى الْوَطْئِ حَمْلًا لِلْكَلَامِ عَلَى الْاِفَادَةِ دُوْنَ الْاِعَادَةِ اِذِالْعَقْدُ اُسْتُفِيْدَ بِاِطْلَاقِ اِسْمِ الزَّوْجِ اَوْيُزَادُ عَلَى النَّصِّ بِالْحَدِيْثِ الْمَشْهُوْرِ وَهُوَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَام لَاتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَذُوْقَ عُسَيْلَةَ الْاٰخَرِ رُوِيَ بِرِوَايَاتٍ وَلَا خِلَافَ لِاَحَدٍ فِيْهِ سِوٰى سَعِيْدِبْنِ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَوْلُهٗ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ

حَتّٰی لَوْقَضٰی بِهِ الْقَاضِی لَایَنْفُذُ وَالشَّرْطُ الْاِیْلَاجُ دُوْنَ الْاِنْزَالِ لِاَنَّهٗ كَمَالٌ وَمُبَالَغَةٌ فِيْهِ وَالْكَمَالُ قَيْدٌ زَائِدٌ

ترجمہ..... اور اگر آزاد عورت میں تین طلاقیں ہیں یا باندی میں دو ہیں تو شوہر کے لیے حلال نہیں رہی یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح صحیح کرے اور اس کے ساتھ وہ دخول بھی کرے۔ پھر اس کو طلاق دیدے، یا اس کو (چھوڑ کر) مرجائے اور دلیل اس مسئلہ میں باری تعالیٰ کا قول ہے یعنی اگر اس کو طلاق دے تو شوہر کے لیے وہ تیسری طلاق کے بعد حلال نہیں رہی یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور (آیت میں) تیسری طلاق مراد ہے اور باندی کے حق میں دو ایسی ہیں جیسی آزاد کے حق میں تین۔ کیونکہ رقیق ہونا محل کے حلال ہونے کو نصف کرتا ہے۔ جیسا کہ اصول میں معلوم ہوا ہے۔ پھر انتہا غایت مطلقاً دوسرے شوہر کا نکاح ہے اور مطلق زوجیت نکاح صحیح سے ثابت ہوگی اور دخول کی شرط اشارۃ النص سے ثابت ہے اور اشارۃ النص یہ ہے کہ نکاح کو وطی پر محمول کیا جائے کلام کو افادہ پر محمول کرتے ہوئے نہ کہ اعادہ پر۔ کیونکہ عقد تو لفظ زوج کے بولنے سے مستفاد ہے۔ یا حدیث مشہور سے نص پر زیادتی کی جائے گی اور حدیث مشہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول لا تحل للاول الحدیث ہے یعنی مطلقہ ثلاثہ شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ دوسرے کا مزہ نہ چکھ لے (یہ حدیث) متعدد روایات سے مروی ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں علاوہ سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کے اور سعید بن المسیب کا قول غیر معتبر ہے۔ حتیٰ کہ اگر قاضی نے اس پر فیصلہ دے دیا تو نافذ نہیں ہوگا اور شرط ادخال ہے نہ کہ انزال کیونکہ انزال دخول میں کمال اور مبالغہ ہے اور کمال قید زائد ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیں یا منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دیں تو یہ عورت شوہر کے لیے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح صحیح کرے اور دوسرا شوہر اس کے ساتھ دخول بھی کرلے پھر وہ اس کو طلاق دیدے یا مرجائے۔

اس مسئلہ میں دلیل قرآن پاک کی آیت فان طلقها فلا تحل له من بعد حتیٰ تنكح زوجا غيره ہے اور اس آیت میں اکثر مفسرین کے نزدیک تیسری طلاق مراد ہے اور باندی کے حق میں دو طلاقیں ایسی ہیں جیسے آزاد عورت کے حق میں تین طلاقیں یعنی جس طرح آزاد عورت میں تین طلاقوں سے حرمت غلیظہ ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح باندی میں دو طلاقوں سے حرمت غلیظہ ثابت ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ رقیق ہونے کی وجہ سے عذاب نصف رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے فان اتين بفاحشة فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب۔ یعنی اگر وہ باندیاں زنا کا ارتکاب کریں تو ان پر اس عذاب یعنی سزا کا نصف ہوگا جو آزاد عورتوں پر ہے۔ پس جس طرح رقیق ہونا عذاب اور سزا کو نصف کر دینے کا سبب ہے۔ اسی طرح رقیق ہونا نعمت کو آدھا کر دینے کا بھی سبب ہے اور محل کا حلال ہونا نعمت ہے۔ لہٰذا باندی کے لیے صرف ایک اور آدھی طلاق دینے سے حرمت غلیظہ ثابت ہونی چاہیے تھی۔ مگر چونکہ طلاق متجزی نہیں ہوتی اس لئے وہ آدھی بھی پوری ہو جائے گی اور باندی کا شوہر دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ زوج ثانی کے ساتھ نکاح صحیح کا ہونا اس لئے ضروری ہے آیت حتیٰ تنكح زوجا غيره میں غایت یعنی نکاح زوج ثانی مطلق ہے صحت یا فساد کے ساتھ مقید نہیں ہے اور مطلق جب بولا جاتا ہے تو اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے لہٰذا یہاں زوجیت مطلقہ سے زوجیت کاملہ مراد ہوگی اور زوجیت کاملہ نکاح صحیح سے ثابت ہوتی ہے اس وجہ سے ہم نے حلالہ کے لیے نکاح صحیح کو شرط قرار دیا۔

اور زوج ثانی کا اس عورت کے ساتھ وطی کرنا شرط قرار دیا گیا ہے اشارۃ النص سے یا حدیث مشہور سے اشارۃ النص کی صورت میں تقریر یہ ہوگی کہ آیت حتیٰ تنكح زوجا غيره میں لفظ نکاح کو وطی کے معنی پر محمول کیا جائے نہ کہ عقد کے معنی پر کیونکہ آیت میں عقد کے معنی زوجا غيره سے مستفاد ہیں۔ اس لئے کہ کوئی شخص بغیر عقد کے زوج نہیں ہوسکتا۔ پس اگر لفظ تنكح میں نکاح سے عقد کے معنی مراد لئے جائیں تو کلام میں تاکید ہوگی اور اگر نکاح کو وطی پر محمول کریں تو کلام میں تاسیس ہوگی اور قاعدہ ہے الافادة خير من الاعادة یعنی تاسیس بہتر ہے تاکید سے اس لئے آیت میں نکاح کو وطی کے معنی پر محمول کریں گے پس اس تقریر پر زوج ثانی کا وطی کرنا ثابت ہو جائے گا۔

اور حدیث سے شرط دخول اس طرح ثابت ہوگی کہ رفاعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی بیوی کو تین طلاق دیں۔ پھر اس نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے شادی رچالی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگی کہ اے اللہ کے رسول رفاعہ نے مجھ کو تین طلاقیں دیں پھر میں نے عبدالرحمٰن سے نکاح کر لیا مگر میں نے عبدالرحمٰن کو نامرد پایا۔ آپؐ نے فرمایا اتریدین ان تعودی الیٰ رفاعة ۔ اس نے کہا جی! ہاں میرا ارادہ یہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا لا حتیٰ تذوقی عسیلته و یذوق عسیلتك یعنی نہیں۔ یہاں تک کہ تو اس کا مزہ چکھ لے اور وہ تیرا مزہ چکھ لے۔ اس سے کنایۃً وطی مراد ہے پس اس حدیث سے ثابت ہو گیا ہے کہ حلالہ کے لیے زوج ثانی کا وطی کرنا شرط ہے اور یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز ہے۔ لہٰذا اگر آیت حتی تنکح میں نکاح سے وطی کے معنی مراد نہ لئے جائیں تو اس آیت کو اس حدیث مشہور کے ساتھ مقید کر دیا جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ دخول کی شرط لگانے میں علاوہ سعید بن المسیب کے کسی کا اختلاف نہیں ہے اور حدیث مشہور کی وجہ سے سعید بن المسیب کا قول غیر معتبر ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی قاضی نے سعید بن المسیب کے قول پر فیصلہ صادر کیا تو اس فیصلہ کو نافذ نہیں کیا جائے گا اور اگر کسی مفتی نے اس پر فتویٰ دیا تو اس پر اللہ کی لعنت، ملائکہ کی لعنت اور تمام لوگوں کی لعنت۔ (عینی شرح ہدایہ)

اور زوج اول کے واسطے مطلقہ ثلاثہ کے حلال ہونے کی شرط زوج ثانی کا عورت کی شرمگاہ میں حشفہ کا داخل کرنا ہے انزال یعنی منی کا ٹپکانا شرط نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ انزال ادخال میں کمال اور مبالغہ ہے اور کمال قید زائد ہے بغیر دلیل کے ثابت نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صبی مراہق تحلیل میں بالغ کی طرح ہے

وَالصَّبِيُّ الْمُرَاهِقُ فِي التَّحْلِيْلِ كَالْبَالِغِ لِوُجُوْدِ الدُّخُوْلِ فِيْ نِكَاحٍ صَحِيْحٍ وَهُوَ شَرْطٌ بِالنَّصِّ وَمَالِكٌ يُخَالِفُنَا فِيْهِ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَابَيَّنَّاهُ وَفَسَّرَهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ وَقَالَ غُلَامٌ لَمْ يَبْلُغْ وَمِثْلُهُ يُجَامِعُ جَامَعَ اِمْرَأَةً وَجَبَ عَلَيْهَا الْغُسْلُ وَ اَحَلَّهَا عَلَى الزَّوْجِ الْاَوَّلِ وَمَعْنٰى هٰذَا الْكَلَامِ اَنْ يَّتَحَرَّكَ اٰلَتُهٗ وَيَشْتَهِيْ وَاِنَّمَا وَجَبَ الْغُسْلُ عَلَيْهَا لِاِلْتِقَاءِ الْخِتَانَيْنِ وَهُوَ سَبَبٌ لِنُزُوْلِ مَائِهَا وَالْحَاجَةُ اِلَى الْاِيْجَابِ فِيْ حَقِّهَا وَ اَمَّا الْغُسْلُ عَلَى الصَّبِيِّ وَاِنْ كَانَ يُؤْمَرُ بِهٖ تَخَلُّقًا

ترجمہ ...... اور جو بچہ قریب البلوغ ہو وہ حلالہ کرنے میں بالغ کی طرح ہے۔ نکاح صحیح میں دخول کے پائے جانے کی وجہ سے اور یہی شرط ہے نص حدیث سے اور مراہق کے مسئلہ میں امام مالک ہمارے مخالف ہیں اور ان کے خلاف حجت وہی دلیل ہے جو ہم بیان کر چکے اور امام محمدؒ نے جامع صغیر میں مراہق کی تفسیر کی اور کہا کہ لڑکا جو بالغ نہیں ہوا حالانکہ ایسا لڑکا جماع کر سکتا ہے۔ اس نے کسی عورت سے جماع کیا تو اس عورت پر غسل واجب ہوگا اور اس عورت کو پہلے شوہر پر حلال کر دیا اور (امام محمدؒ کے) اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ اس کا عضو تناسل حرکت کرتا اور خواہش کرتا ہو اور عورت ہی پر غسل واجب ہوا دونوں ختان کے مل جانے کی وجہ سے اور یہی عورت کی منی اترنے کا سبب ہے اور (غسل) واجب کرنے کی ضرورت صرف عورت کے حق میں ہے لیکن (مراہق) لڑکے پر غسل (واجب) نہیں ہے۔ اگرچہ اس کو عادت ڈالنے کے لیے حکم دیا جائے گا۔

تشریح ...... فرماتے ہیں کہ مراہق لڑکا مطلقہ ثلاثہ کو زوج اول کے واسطے حلال کرنے میں بالغ کے حکم میں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ نکاح صحیح میں دخول پایا گیا اور تحلیل کے لیے نص یعنی حتیٰ تنکح زوجا غیرہ سے یہی شرط ہے اور مراہق کے مسئلہ میں امام مالکؒ ہماری مخالفت کرتے ہیں یعنی امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مراہق کا حلالہ کرنا معتبر نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک حلالہ میں ادخال کافی نہیں بلکہ انزال شرط ہے اور انزال مراہق سے متصور نہیں۔ اس لئے حلالہ کرنے میں مراہق لڑکا بالغ کے حکم میں نہیں ہوگا مگر امام مالکؒ کے خلاف وہ دلیل حجت ہوگی جو ہم سابق میں بیان کر چکے۔ دلیل سابق سے مراد مصنفؒ کا قول لانه کمال و مبالغة اور اترازی نے کہا کہ امام مالکؒ کے خلاف حجت آیت حتیٰ تنکح زوجا غیرہ ہے اور کاکیؒ نے فرمایا کہ امام مالکؒ کے خلاف حجت حدیث عسیلہ ہے۔

جامع صغیر میں امام محمدؒ نے مراہق کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ لڑکا جو ابھی تک بلوغ کو نہیں پہنچا، حالانکہ اس جیسا لڑکا جماع کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر مراہق نے کسی عورت سے جماع کیا تو اس عورت پر غسل واجب ہوگا اور اگر وہ کسی کی مطلقہ ثلاثہ تھی تو مراہق کے جماع کے بعد زوج اول کے لیے حلال ہو جائے گی بشرطیکہ مراہق کی طرف سے اس پر طلاق واقع ہو جائے اور یہ عورت عدت پوری کر لے مراہق کی تفسیر میں حضرت امام محمدؒ کے قول کے معنی یہ ہیں کہ مراہق کا عضو تناسل حرکت کرتا اور جماع کی طرف راغب ہوتا ہو اور یہ شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرف سے ذوق کی شرط لگائی ہے اور ذوق (چکھنا) بغیر اشتہا اور رغبت کے نہیں ہو سکتا۔

اور عورت پر خاص طور سے غسل واجب ہوگا۔ کیونکہ التقاء ختانین پایا گیا اور یہ سب ہی سبب ہے عورت کی منی کے اترنے کا۔ پس سبب ظاہر (التقاء ختانین) کو سبب باطن (انزال) کے قائم مقام بنا کر غسل کا حکم لگا دیا گیا۔

اور غسل واجب کرنے کی ضرورت عورت کے حق میں ہے اور رہا مراہق تو اس پر غسل واجب نہیں۔ کیونکہ وہ احکام شرع کا مخاطب نہیں ہے اگرچہ اس کو غسل کا حکم دیا جائے گا تاکہ اس کو غسل کرنے کی عادت پڑے۔

مولیٰ کا اپنی باندی سے وطی تحلیل کے لیے ناکافی ہے

قَالَ وَوَطْئُ الْمَوْلٰی اَمَتَهٗ لَايُحِلُّهَا لِاَنَّ الْغَايَةَ نِكَاحُ الزَّوْجِ وَاِذَاتَزَوَّجَهَا بِشَرْطِ التَّحْلِيْلِ فَالنِّكَاحُ مَكْرُوْهٌ بِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ وَهٰذَا هُوَمَحْمَلُهٗ فَاِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطْيِهَا حَلَّتْ لِلْاَوَّلِ لِوُجُوْدِ الدُّخُوْلِ فِيْ نِكَاحٍ صَحِيْحٍ اِذِالنِّكَاحُ لَايَبْطُلُ بِالشَّرْطِ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهٗ يُفْسِدُ النِّكَاحَ لِاَنَّهٗ فِيْ مَعْنَى الْمُوَقَّتِ بِهٖ وَلَايُحِلُّهَا عَلَى الْاَوَّلِ لِفَسَادِهٖ وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ يَصِحُّ النِّكَاحُ لِمَابَيَّنَّا وَلَايُحِلُّهَا عَلَى الْاَوَّلِ لِاَنَّهٗ اِسْتَعْجَلَ مَا اَخَّرَهُ الشَّرْعُ فَيُجَازٰى بِمَنْعِ مَقْصُوْدِهٖ كَمَا فِيْ قَتْلِ الْمُوْرِثِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے فرمایا کہ مولیٰ کا اپنی باندی سے وطی کرنا اس کو حلال نہیں کرے گا، کیونکہ غایت نکاح زوج ہے اور اگر کسی عورت کو تحلیل کی شرط کے ساتھ نکاح میں لیا تو (یہ) نکاح مکروہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان لعن اللہ ..... الحدیث کی وجہ سے یعنی اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے والے کو اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا اور یہی اس حدیث کا محمل ہے۔ پھر اگر اس نے وطی کے بعد اس عورت کو طلاق دیدی تو اول شوہر کے واسطے حلال ہو جائے گی کیونکہ دخول کرنا نکاح صحیح میں پایا گیا اس لئے کہ شرط سے نکاح باطل نہیں ہوتا اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ یہ نکاح موقت کے معنی میں ہے اور اس کو حلال نہیں کرے گا اول پر نکاح کے فاسد ہونے کی وجہ سے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ نکاح تو صحیح ہو جائے گا اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور زوج اول پر اس کو حلال نہیں کرے گا۔ کیونکہ شریعت نے جس چیز کو مؤخر کیا تھا اس نے اس کو جلدی کر لیا پس اس کو بدلہ دیا جائے گا۔ اس کے مقصود کو روک کر، جیسا کہ مورث کو قتل کرنے میں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی (جو دوسرے کی باندی ہو) کو دو طلاقیں دیدیں۔ پھر عدت گزر جانے کے بعد اس باندی کے مولیٰ نے اس سے وطی کر لی تو یہ عورت زوج اول کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ آیت حتیٰ تنکح زوجاً غیرہ میں حرمت کی غایت انتہاء نکاح زوج ہے اور مولیٰ کو زوج نہیں کہا جاتا۔ اس وجہ سے وطی کرنا زوج اول کے لیے حلت ثابت نہیں کرے گا ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اسی بارے میں دریافت کیا گیا کہ مولیٰ کا اپنی باندی سے وطی کرنا زوج اول کے لیے حلت کو ثابت کرنا کر دے گا یا نہیں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دیدی اور دونوں نے کہا کہ مولیٰ بھی زوج ہی ہے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کی بات پر ناراضگی اور

ثانی حرمت کی انتہاء ہے بنص قرآنی۔ پس زوج ثانی حرمت غلیظہ کو ختم کرنے والا ہوا اور حرمت کو ختم کرنا (حرمت غلیظ) کے ثبوت سے پہلے نہیں ہوسکتا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زوج ثانی کو حلالہ کرنے والا کہا اور حلالہ کرنے والا وہ ہے جو حلت کو ثابت کر دے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی آزاد بیوی کو ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دیں اور اس عورت کی عدت گزر گئی۔ پھر اس عورت نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کر لیا اور پھر دوسرے شوہر کی طلاق اور عدت سے فراغت پا کر پہلے شوہر کے پاس آ گئی تو یہ عورت پہلے شوہر کے پاس تین طلاقوں کے ساتھ واپس آئے گی یعنی زوج اول ازسرنو تین طلاقوں کا مالک ہوگا اور زوج ثانی تین طلاقوں سے کم ایک اور دو کو اسی طرح منہدم کر دیتا ہے جس طرح تین کو یہ مذہب شیخین کا ہے اور امام محمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ زوج ثانی تین طلاقوں سے کم کو منہدم نہیں کرتا بلکہ زوج اول ما بقی من الثلاث کا مالک رہے گا یعنی اگر پہلے ایک طلاق دے چکا تو اب باقی دو کا مالک ہوگا اور اگر پہلے نکاح میں دو طلاقیں دے چکا تو اب ایک کا مالک ہوگا یہی قول ہے امام زفر اور امام شافعیؒ کا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے قول فان طلقها فلا تحل له من بعد حتّٰى تنكح زوجًا غيره میں لا تحل له سے حرمت غلیظہ مراد ہے اور اس حرمت غلیظہ کی غایت اور نہایت زوج ثانی سے نکاح کرنا ہے۔ کیونکہ لفظ حتیٰ غایت کے لیے وضع کیا گیا ہے اور مغیا غایت کے ساتھ منتہی اور ختم ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ زوج ثانی سے نکاح کرنا حرمت غلیظہ کو ختم کرنے والا ہے اور حرمت غلیظہ کے ثبوت سے پہلے حرمت کو ختم کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ لہٰذا تین طلاقوں سے کم کی صورت میں زوج ثانی کا وطی کرنا غیر معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں حرمت غلیظہ ثابت نہیں ہے اور جب اس صورت میں حرمت غلیظہ ثابت نہیں ہے تو زوج ثانی کا وطی کرنا اس کے لیے غایت نہیں ہوسکتا۔ پس ثابت ہو گیا کہ زوج ثانی تین طلاقوں سے کم کو منہدم نہیں کرتا اور جب تین سے کم منہدم نہیں ہوتیں تو زوج اول نکاح ثانی کے بعد تین طلاقوں کا مالک نہیں ہوگا بلکہ پہلی بار طلاق دینے کے بعد جو باقی رہ گئی تھی اس کا مالک ہوگا ایک ہو یا دو ہوں۔

اور شیخینؒ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد لعن الله المحلل والمحلل له، اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ محدثین اس کو باب ماجاء في الزوج الثاني کے تحت بیان کرتے ہیں۔ پس محلل سے مراد زوج ثانی ہوگا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زوج ثانی کا نام محلل رکھا ہے اور محلل کے معنی مثبت للحل کے ہیں اب رہی یہ بات کہ زوج ثانی کی وجہ سے جو حلت ثابت ہوگی وہ حل سابق ہے یا حل جدید حل سابق تو ہو نہیں سکتی ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گا پس حل جدید کا ہونا متعین ہو گیا اور یہ بھی ضروری ہے کہ حل جدید اول کا غیر ہو اور اول حل ناقص ہے۔ لہٰذا حل جدید کامل ہوگی اور کامل حلت ہوتی ہے تین طلاقوں سے پس ثابت ہوا کہ زوج ثانی زوج اول کے لیے ازسرنو تین طلاقیں ثابت کر دیتا ہے خواہ زوج اول نے تین طلاقیں دی ہوں یا تین سے کم دی ہوں دونوں برابر ہیں۔

عورت کو تین طلاقیں دیں عورت نے کہا میری عدت گذر چکی اور دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور اس نے دخول کیا اور طلاق دیدی اور میری عدت گذر چکی اس سے شوہر اول کے لیے کب نکاح کرنا جائز ہے

وَاِذَا طَلَّقَهَا ثَلٰثًا فَقَالَتْ قَدِ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَتَزَوَّجْتُ وَدَخَلَ بِيَ الزَّوْجُ وَطَلَّقَنِيْ وَ انْقَضَتْ عِدَّتِيْ وَالْمُدَّةُ تَحْتَمِلُ ذٰلِكَ جَازَ لِلزَّوْجِ اَنْ يُّصَدِّقَهَا اِذَا كَانَ فِيْ غَالِبِ ظَنِّهٖ اَنَّهَا صَادِقَةٌ لِاَنَّهٗ مُعَامَلَةٌ اَوْ اَمْرٌ دِيْنِيٌّ لِتَعَلُّقِ الْحِلِّ بِهٖ وَقَوْلُ الْوَاحِدِ فِيْهِمَا مَقْبُوْلٌ وَهُوَ غَيْرُ مُسْتَنْكِرٍ اِذَا كَانَتِ الْمُدَّةُ تَحْتَمِلُهٗ وَ اخْتَلَفُوْا فِيْ اَدْنٰى هٰذِهِ الْمُدَّةِ وَسَنُبَيِّنُهَا فِيْ بَابِ الْعِدَّةِ

ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ لیس بزوج یعنی مولیٰ زوج نہیں ہے۔

اور اگر کسی شخص نے اس عورت کے ساتھ جس کے لیے حرمت غلیظہ ثابت ہے بشرط تحلیل نکاح کیا۔ مثلاً کہا کہ تزوجتك علی ان احللك. یعنی میں نے تجھ سے نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ تجھ کو زوج اول کے لیے حلال کردوں تو یہ نکاح مکروہ ہے۔ دلیل کراہت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ لعنت کرے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے اور اس حدیث کا محمل یہی ہے۔ اس لئے اگر شرط تحلیل کو دل میں چھپائے رکھا اور زبان سے کچھ نہ کہا تو مستحق لعنت نہیں ہوگا البتہ اگر کسی نے بشرط تحلیل نکاح کیا پھر وطی کرنے کے بعد اس عورت کو طلاق دیدی تو یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے کہ نکاح صحیح میں دخول پایا گیا اور یہی تحلیل کی شرط ہے۔ رہی یہ بات کہ بشرط تحلیل نکاح درست ہے یا نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ نکاح صحیح ہے۔ کیونکہ شروط فاسدہ کی وجہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ بشرط تحلیل نکاح فاسد ہے کیونکہ یہ نکاح مؤقت کے معنی میں ہے۔ گویا اس نے کہا تزوجتك الیٰ وقت کذا یعنی میں نے تجھ سے فلاں وقت تک کے لیے نکاح کیا اور نکاح مؤقت فاسد ہوتا ہے اس وجہ سے نکاح بشرط تحلیل بھی فاسد ہوگا اور جب یہ نکاح فاسد ہے تو یہ شخص زوج اول کے لیے محلل بھی نہیں ہوگا کیونکہ حلالہ کرنے کے لیے نکاح صحیح ہونا ضروری ہے اور امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ نکاح بشرط تحلیل صحیح تو ہے کیونکہ شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا مگر شوہر اول کے لیے یہ عورت حلال نہیں ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ شریعت نے جس کو مؤخر کیا تھا اس شخص نے اس کو جلدی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ نکاح زندگی بھر کے لیے منعقد ہوتا ہے۔ پس اس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ عورت زوج ثانی کی موت کے بعد زوج اول کے لیے حلال ہو مگر تحلیل کی شرط لگا کر حلت کو بعجلت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے اس کے مقصود کو روک کر زوج اول کو بدلہ دیا گیا۔ جیسا کہ اگر کسی شخص نے اپنے مورث کو قتل کر دیا تو وہ شخص میراث سے محروم کیا جائے گا۔ کیونکہ شریعت نے جس چیز کو مؤخر کیا تھا اس نے اس چیز کو جلد حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ سے روضۃ الزندویستی میں منقول ہے کہ بشرط تحلیل نکاح بھی جائز ہے اور شرط بھی جائز ہے حتیٰ کہ اگر زوج ثانی وطی کر لینے کے بعد طلاق نہ دے تو حاکم اس کو طلاق دینے پر مجبور کرے گا پس اگر زوج ثانی نے اس کو اپنی رائے سے طلاق دی یا قاضی اور حاکم کے حکم سے تو یہ عورت زوج اول کے لیے حلال ہو جائے گی۔ امام ظہیر الدین نے کہا کہ یہ بیان اس کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں موجود نہیں۔ لہٰذا یہ بیان قابل اعتماد نہیں ہے اور نہ اس کے مطابق فیصلہ دیا جائے گا۔ (عینی شرح ہدایہ، عنایہ)

حرہ کو ایک یا دو طلاقیں دیدیں عورت کی عدت گذر چکی اور دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا پھر پہلے شوہر کے پاس لوٹ آئی تو تین طلاق کے ساتھ لوٹے گی

وَاِذَا طَلَّقَ الْحُرَّةَ تَطْلِيْقَةً اَوْ تَطْلِيْقَتَيْنِ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَتَزَوَّجَتْ بِزَوْجٍ اٰخَرَ ثُمَّ عَادَتْ اِلَى الزَّوْجِ الْاَوَّلِ عَادَتْ بِثَلٰثِ تَطْلِيْقَاتٍ وَيَهْدِمُ الزَّوْجُ الثَّانِيْ مَادُوْنَ الثَّلٰثِ كَمَا يَهْدِمُ الثَّلٰثَ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَهْدِمُ مَادُوْنَ الثَّلٰثِ لِاَنَّهٗ غَايَةٌ لِلْحُرْمَةِ بِالنَّصِّ فَيَكُوْنُ مُنْهِيًا وَلَا اِنْهَاءَ لِلْحُرْمَةِ قَبْلَ الثُّبُوْتِ وَلَهُمَا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ سَمَّاهُ مُحَلِّلًا وَهُوَ الْمُثْبِتُ لِلْحِلِّ

ترجمہ......اور جب کسی مرد نے آزاد عورت کو ایک بار دو طلاقیں دیں اور اس کی عدت گزر گئی اور اس عورت نے کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا پھر یہ عورت پہلے شوہر کے پاس لوٹ آئی (تو یہ عورت) تین طلاقوں کے ساتھ لوٹے گی اور زوج ثانی تین سے کم (طلاقوں کو) اسی طرح منہدم کر دے گا جس طرح تین کو اور یہ حکم شیخینؒ کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ (دوسرا شوہر) تین سے کم کو منہدم نہیں کرتا۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ زوج

ترجمہ......اور اگر مرد نے اپنی (آزاد عورت) کو تین طلاقیں دیں (پھر کچھ مدت کے بعد) اس نے کہا کہ میری عدت گزر گئی اور میں نے (دوسرے شوہر کے ساتھ) نکاح کیا اور زوج ثانی نے میرے ساتھ دخول بھی کر لیا اور اس نے مجھے طلاق دیدی اور میری عدت گزر گئی اور حال یہ کہ مدت ان تمام باتوں کا احتمال بھی رکھتی ہے تو زوج اول کے لیے جائز ہے کہ اس کی تصدیق کرے جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ عورت سچی ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ یہ امر دینی اس کے ساتھ حلت کے متعلق ہونے کی وجہ سے اور ایک مسلمان کا قول ان دونوں میں قبول ہوتا ہے اور عورت کا یہ خبر دینا قابل انکار بھی نہیں جب کہ مدت اس کا احتمال بھی رکھتی ہے اور فقہاء نے اس مدت کی کمتر مقدار میں اختلاف کیا ہے اور ہم اس کو باب العدت میں بیان کریں گے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرد نے اپنی آزاد بیوی کو تین طلاقیں دیں کچھ وقت گزر جانے کے بعد عورت نے کہا کہ میری عدت گزر گئی اور میں نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا اس نے میرے ساتھ دخول کیا اور مجھ کو طلاق دیدی اور میری عدت پوری ہوگئی اور حال یہ کہ یہ عورت جو مدت بیان کرتی ہے یہ مدت ایسی ہے کہ ان سب باتوں کا احتمال بھی رکھتی ہے تو پہلے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت کی تصدیق کرے بشرطیکہ غالب گمان اس عورت کے سچا ہونے کا ہو۔ دلیل یہ ہے کہ نکاح معاملہ ہے یا امر دینی، معاملہ تو اس لئے ہے کہ بضع دخول کے وقت متقوم ہوتا ہے اور امر دینی اس لئے ہے کہ نکاح کے ساتھ حلت متعلق ہوتی ہے اور ان دونوں میں ایک مسلمان کا قول قبول کر لیا جاتا ہے۔

دیانات میں تو ایک مسلمان کا قول اس لئے قبول کر لیا جاتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک عادل کی خبر قبول فرمالیتے تھے بغیر اشتراط عدد کے اور معاملات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس میں الزام کے معنی نہ ہوں۔ جیسے وکالت اس میں ایک آدمی کی خبر معتبر ہوگی عادل ہو یا فاسق، صبی ہو یا بالغ مسلمان ہو یا کافر آزاد ہو یا غلام، مذکر ہو یا مؤنث، نہ عدد شرط ہے اور نہ عدالت، دوم وہ جس میں الزام کے معنی ہوں۔ جیسے حقوق العباد۔ اس میں عدد، عدالت اور لفظ شہادت ضروری ہے۔

بہر حال اس مسئلہ میں ایک عورت کا خبر دینا قابل انکار نہیں جب کہ مدت بھی اس کا احتمال رکھتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ یہ سارے امور کم از کم کتنی مدت میں ہو سکتے ہیں تو اس بارے میں فقہاء امت کا اختلاف ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس اختلاف کو باب العدت میں بیان کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کی طرف سے باب العدة میں یہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ وعدہ کر لینے کے بعد ذہول ہو گیا ہو۔ مگر شارحین ہدایہ نے اس اختلاف کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زوج اول اور زوج ثانی دونوں میں سے ہر ایک کے حق میں ادنیٰ مدت عدت ساٹھ دن ہیں اور صاحبین کے نزدیک انتالیس دن ہیں۔ صاحبینؒ کے قول کے مطابق صورت یہ ہوگی کہ شوہر نے اپنی بیوی کو طہر کے آخری حصہ میں طلاق دی تو اس عورت کی عدت دو طہر اور تین حیض ہوں گی اور طہر کی ادنیٰ مدت پندرہ دن ہیں اور حیض کی ادنیٰ مدت تین دن۔ لہٰذا دو طہر تیس دن کے ہوں گے اور تین حیض نو دن کے اس طرح دونوں مل کر انتالیس دن ہو جائیں گے۔

اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کی تخریج امام محمدؒ کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو اول طہر میں طلاق دی تو اس صورت میں عورت کی عدت تین طہر اور تین حیض ہوں گے اور طہر کی اقل مدت پندرہ دن ہیں اور حیض کی درمیانی مدت پانچ دن پس تین طہر کی مجموعی مدت پینتالیس دن ہوئے اور تین حیض کی مجموعی مدت پندرہ دن اس طرح دونوں کی مجموعی مدت ساٹھ دن ہوگی۔

اور حسن بن زیاد کی روایت کے مطابق تخریج یہ ہوگی کہ شوہر نے اپنی بیوی کو آخر طہر میں طلاق دی تو اس صورت میں اس عورت کی عدت دو طہر اور تین حیض ہوں گے اور طہر کی ادنیٰ مدت پندرہ دن اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں پس اس صورت میں دو طہر بھی تیس دن کے ہوں گے اور تین حیض بھی تیس دن کے اس طرح دونوں مل کر ساٹھ دن ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(عنایہ، الکفایہ، فتح القدیر، عینی شرح ہدایہ)

جمیل احمد عفی عنہ سکروڈھوی

بـــــاب الایـــلاء

ترجمہ......(یہ) باب ایلاء کے (بیان میں) ہے

تشریح......آلی یولی ایلاء ''قسم کھانا'' اور شریعت میں ایلاء کہتے ہیں چار ماہ یا زائد اپنی منکوحہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھانا اور اس کی شرط امام صاحب کے نزدیک طلاق کا اہل ہونا اور صاحبین کے نزدیک وجوب کفارہ کا اہل ہونا ہے اور اس کا رکن و اللہ اقربك اربعة اشهر کہنا ہے اور اس کا حکم عورت کے قریب جانے کی صورت میں کفارہ کا لازم ہونا اور مدت ایلاء گزر جانے کی صورت میں طلاق بائن کا واقع ہونا ہے۔

صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے کہ بیوی کی تحریم چار طریقوں سے ہوتی ہے۔(۱) طلاق۔(۲) ایلاء۔(۳) ظہار۔(۴) لعان۔ ان چاروں میں سب سے پہلے طلاق کو ذکر فرمایا کیونکہ طلاق طرق تحریم میں اصل ہے اور اپنے وقت میں مباح ہے پھر ایلاء کو ذکر کیا گیا اس لئے کہ ایلاء اباحت میں طلاق سے قریب تر ہے کیونکہ ایلاء یمین مشروع کا نام ہے۔ مگر اس میں عورت کے حق وطی کو روکنے کی وجہ سے ظلم کے معنی بھی ہیں۔ اس وجہ سے طلاق سے مؤخر کیا گیا۔

ایلاء کی تعریف

وَاِذَاقَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهٖ وَاللّٰهِ لَااَقْرَبُكِ اَوْقَالَ وَاللّٰهِ لَااَقْرَبُكِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَهُوَمُوْلٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اَلْاٰيَةَ

ترجمہ......اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ بخدا میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا۔ یا کہا بخدا میں تجھ سے چار ماہ قربت نہیں کروں گا۔ تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کے لیے چار ماہ کا انتظار ہے۔

تشریح......صورت مسئلہ اور اس کی دلیل ظاہر ہے۔

مگر واضح ہو کہ ایلاء کی دو صورتیں ہیں۔(۱) شوہر کا قول و اللہ لا اقربك ابدا ۔ اس صورت میں یہ شخص بالا جماع ایلاء کرنے والا ہے۔(۲) اس کا قول و اللہ اقربك اربعة اشهر ۔ اس صورت میں ہمارے نزدیک ایلاء کرنے والا ہوگا اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ چار ماہ سے زائد کی قسم نہ کھائے۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک چار ماہ بعد ایلاء رجوع کر سکتا ہے لہٰذا چار ماہ پر ایک مدت زائدہ کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ کے نزدیک کم از کم ایک دن زائد ہوگا اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک لحہ لیکن ان کا یہ قول ظاہر قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہوگا۔

چار مہینوں میں وطی کر لی قسم میں حانث ہو گیا اور کفارہ لازم ہے

فَاِنْ وَطِيَهَا فِي الْاَرْبَعَةِ الْاَشْهُرِ حَنِثَ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَلَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ لِاَنَّ الْكَفَّارَةَ مُوْجَبُ الْحِنْثِ وَ سَقَطَ الْاِيْلَاءُ لِاَنَّ الْيَمِيْنَ تَرْتَفِعُ بِالْحِنْثِ وَاِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا حَتّٰى مَضَتْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ بَانَتْ مِنْهُ بِتَطْلِيْقَةٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَبِيْنُ بِتَفْرِيْقِ الْقَاضِيْ لِاَنَّهٗ مَانِعٌ حَقَّهَا فِي الْجِمَاعِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهٗ فِي التَّسْرِيْحِ كَمَافِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ وَلَنَااَنَّهٗ ظَلَمَهَا بِمَنْعِ حَقِّهَا فَجَازَاهُ الشَّرْعُ بِزَوَالِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ عِنْدَمُضِيِّ هٰذِهِ الْمُدَّةِ وَهُوَالْمَأْثُوْرُ عَنْ عُثْمَانَ وَعَلِيٍّ

وَالْعَبَادِلَةِ الثَّلَاثَةِ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ وَكَفٰى بِهِمْ قُدْوَةً وَلِاَنَّهٗ كَانَ طَلَاقًا فِى الْجَاهِلِيَّةِ فَحَكَمَ الشَّرْعُ بِتَاجِيْلِهٖ اِلٰى اِنْقِضَاءِ الْمُدَّةِ

ترجمہ...... پس اگر چار ماہ میں عورت کے ساتھ وطی کر لی تو اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ کیونکہ کفارہ حانث ہونے کا موجب ہے اور ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ یمین حانث ہونے کی وجہ سے مرتفع ہو جاتی ہے اور اگر اس عورت سے قربت نہیں کی۔ حتیٰ کہ چار ماہ گزر گئے۔ تو اس سے ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہوگئی اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قاضی کے جدا کرنے سے بائنہ ہوگی۔ کیونکہ مرد اس عورت کے حق جماع کو روکنے والا ہے۔ پس قاضی چھٹکارا دینے میں اس مرد کے قائم مقام ہوگا، جیسے مقطوع الذکر اور عنین میں ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کا حق روک کر اس پر ظلم کیا ہے پس شریعت نے اس کو بدلہ دیا کہ اس مدت کے گزر جانے پر نکاح کی نعمت زائل ہو جائے گی اور یہی قول حضرت عثمان، علی، عبداللہ بن عمر، عبداللہ ابن عباس اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اور ان بزرگوں کا پیشوا ہونا کافی ہے اور اس لئے کہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء کرنا طلاق تھا تو شریعت نے اس کی حد اس مدت گزرنے تک مقرر کر دی۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے مدت ایلاء یعنی چار ماہ کے اندر اندر اس عورت سے وطی کر لی تو شوہر اپنی قسم میں حانث ہوگا اور اس پر کفارہ واجب ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شوہر اپنی قسم میں حانث تو ہو جائے گا مگر اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ حانث ہونے کا موجب ہے اور ایلاء قسم ہے اس میں حانث ہو چکا۔ اس وجہ سے اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ پوری آیت ایلاء یہ ہے **للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاء وا فان الله غفور رحيم و ان عزموا الطلاق فان الله سميع عليم** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت ایلاء میں رجوع کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے اور مغفور کے فعل پر کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اس شخص پر کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے آخرت میں اور کفارہ واجب ہوتا ہے دنیا میں اور مغفرت فی الآخرت وجوب کفارہ فی الدنیا کے منافی نہیں ہے۔ لیکن یہ امام شافعیؒ کا قول قدیم ہے۔ ورنہ قول جدید کی بناء پر ان کے نزدیک بھی کفارہ واجب ہوگا۔ جیسا کہ ہمارا مذہب ہے اور اسی کے قائل امام مالک اور امام احمدؒ ہیں۔ بہر حال مدت ایلاء میں وطی کر لینے کے بعد جب حانث ہو گیا اور کفارہ واجب ہو گیا تو ایلاء بھی ساقط ہو جائے گا ایلاء ساقط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر چار ماہ گزر جائیں تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ حانث ہونے کی وجہ سے یمین باقی نہیں رہتی اور یمین ہی کا نام ایلاء ہے پس جب یمین باقی نہ رہی تو ایلاء بھی باقی نہ رہے گا۔

اور اگر شوہر مدت ایلاء میں بیوی کے ساتھ وطی نہیں کر سکا حتیٰ کہ مدت ایلاء یعنی چار ماہ گزر گئے تو علماء احناف کے نزدیک یہ عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی اور سعید بن المسیب اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث کا قول یہ ہے کہ ایک طلاق رجعی واقع ہوگی۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ عورت مدت ایلاء گزر جانے کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے بائنہ ہوگی۔ یعنی مدت ایلاء گزر جانے کے بعد فرقت کا حکم موقوف رہے گا۔ چنانچہ اگر شوہر نے رجوع کرنے اور فرقت کرنے سے انکار کر دیا اور بیوی نے قاضی سے تفریق کا مطالبہ کیا تو قاضی کی تفریق طلاق رجعی ہوگی اور مبسوط میں یہ ہے کہ طلاق بائن ہوگی اور امام محمد نے فرمایا ہے کہ حکام کو اختیار ہے وہ اس عورت کو ایک طلاق رجعی دے یا بائنہ یا دو یا تین یا نکاح کو فسخ کر دے اور امام محمد کا مذہب مختار یہ ہے کہ حاکم اس عورت کو ایک طلاق رجعی دے جیسا کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا بھی یہ قول ہے۔ اصحاب ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ مدت ایلاء گزر جانے کے بعد حاکم اس عورت کو طلاق نہ دے، بلکہ اس کو کوڑے مار کر مجبور کرے اور قید میں ڈال دے یہاں تک کہ وہ رجوع کرے یا اس کو طلاق دے امام شافعیؒ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ (عینی شرح ہدایہ)

صاحب ہدایہ کے بیان کے مطابق امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نے چار ماہ یا زائد وطی نہ کرنے کی قسم کھا کر عورت کے حق جماع کو روک لیا

ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے شوہر کا ارادہ عورت کو ضرر پہنچانا اور ضیق میں مبتلا کرنا ہے۔ پس اصرار کی وجہ سے کیونکہ شوہر امساک بالمعروف سے رک گیا اس لئے قاضی تسریح بالاحسان میں شوہر کے قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کر دے گا اور قاضی کی یہ تفریق طلاق بائن ہوگی اور ایسا ہے جیسا کہ شوہر اگر مقطوع الذکر یا عنین ہو تو قاضی شوہر کے قائم مقام ہو کر دونوں میں تفریق کر دیتا ہے اور ان دونوں میں علت مشترکہ امساک بالمعروف فوت ہونے کے وقت عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر نے عورت کے حق جماع کو روک کر اس پر ظلم کیا ہے پس شریعت نے شوہر کو اس ظلم کا بدلہ اس طرح دیا کہ مدت ایلاء گزر جانے کے بعد نعمت نکاح کو زائل کر دیا تا کہ عورت متعلقہ ضرر سے چھٹکارا پا سکے اور ظاہر ہے کہ طلاق رجعی کے ذریعہ سے عورت چھٹکارا نہیں پا سکتی اس لئے یہ طلاق بائن ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب یعنی مدت ایلاء گزر جانے کے بعد بینونت کا واقع ہونا حضرت عثمان، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ ابن عمر اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اور ان حضرات صحابہ ؓ کا پیشوا ہونا ہمارے لئے کافی ہے۔

ہماری دوسری دلیل عقلی یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء طلاق بائن علی الفور تھا۔ یعنی ایلاء کے فوراً بعد سے شوہر دائمی طور پر اپنی بیوی ؓ سے وطی نہیں کر سکتا تھا پس شریعت نے اس حکم کو مدت ایلاء گزر جانے تک کے لیے مؤجل کر دیا ہے۔

لہٰذا اس حکم میں علاوہ تاجیل کے کوئی تصرف نہیں ہوگا۔ پس جس طرح ایلاء کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں طلاق بائن واقع ہوتی تھی اسی طرح اس وقت بھی طلاق بائن ہوگی مگر اتنا فرق ہے کہ پہلے بینونت علی الفور تھی اور اب بینونت علی التراخی ہے اور جس طرح زمانہ جاہلیت میں بینونت تفریق قاضی پر موقوف نہیں تھی اسی طرح اسلام کے بعد بھی تفریق قاضی پر موقوف نہیں رہے گی۔

چار مہینے کے ساتھ قسم کھائی قسم مدت کے گذر جانے سے ختم ہو جائے گی البتہ اگر مؤبد قسم اٹھائی تو وہ باقی رہے گی

فَإِنْ كَانَ حَلَفَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَقَدْ سَقَطَتِ الْيَمِيْنُ لِاَنَّهَا كَانَتْ مُوَقَّتَةً بِهٖ وَاِنْ كَانَ حَلَفَ عَلَى الْاَبَدِ فَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ لِاَنَّهَا مُطْلَقَةٌ وَلَمْ يُوْجَدِ الْحِنْثُ لِتَرْتَفِعَ بِهٖ اِلَّا اَنَّهٗ لَا يَتَكَرَّرُ الطَّلَاقُ قَبْلَ التَّزَوُّجِ لِاَنَّهٗ لَمْ يُوْجَدْ مَنْعُ الْحَقِّ بَعْدَ الْبَيْنُوْنَةِ فَاِنْ عَادَ فَتَزَوَّجَهَا عَادَ الْاِيْلَاءُ فَاِنْ وَطِئَهَا وَاِلَّا وَقَعَتْ بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ تَطْلِيْقَةٌ اُخْرٰى لِاَنَّ الْيَمِيْنَ بَاقِيَةٌ لِاِطْلَاقِهَا وَبِالتَّزَوُّجِ ثَبَتَ حَقُّهَا فَيَتَحَقَّقُ الظُّلْمُ وَيُعْتَبَرُ اِبْتِدَاءُ هٰذَا الْاِيْلَاءِ مِنْ وَقْتِ التَّزَوُّجِ فَاِنْ تَزَوَّجَهَا ثَالِثًا عَادَ الْاِيْلَاءُ وَوَقَعَتْ بِمُضِيِّ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ اُخْرٰى اِنْ لَمْ يَقْرَبْهَا لِمَا بَيَّنَّاهُ فَاِنْ تَزَوَّجَهَا بَعْدَ زَوْجٍ اٰخَرَ لَمْ يَقَعْ بِذٰلِكَ الْاِيْلَاءِ طَلَاقٌ لِتَقَيُّدِهٖ بِطَلَاقِ هٰذَا الْمِلْكِ وَهِيَ فَرْعُ مَسْاَلَةِ التَّنْجِيْزِ الْخِلَافِيَّةِ وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلُ وَالْيَمِيْنُ بَاقِيَةٌ لِاِطْلَاقِهَا وَعَدَمِ الْحِنْثِ فَاِنْ وَطِئَهَا كَفَّرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ لِوُجُوْدِ الْحِنْثِ

ترجمہ......پس اگر چار ماہ پر قسم کھائی تھی تو قسم ساقط ہوگئی۔ کیونکہ قسم اس مدت کے واسطے مؤقت تھی اور اگر اس نے ابدی (ہمیشہ کے لیے) قسم کھائی ہو تو قسم باقی ہے۔ کیونکہ قسم تو مطلق ہے اور حانث ہونا پایا نہیں گیا تا کہ حانث ہونے سے قسم دور ہو جاتی مگر یہ کہ نکاح میں لانے سے پہلے طلاق مکرر نہیں ہوگی۔ کیونکہ بائنہ ہو جانے کے بعد (عورت کا) حق روکنا نہیں پایا گیا پس اگر اس نے بائنہ ہو جانے کے بعد پھر اس عورت سے نکاح کر لیا تو ایلاء بھی لوٹ آیا پس اگر وطی کر لی (تو خیر قسم ٹوٹ گئی) ورنہ تو چار ماہ گزرنے پر دوسری طلاق ہوگی۔ کیونکہ قسم تو مطلق ہونے کی وجہ سے (ابھی)

باقی ہے اور نکاح کرنے کی وجہ سے عورت کا حق ثابت ہو گیا پس ظلم متحقق ہوگا اور اس ایلاء کی ابتداء (دوبارہ) نکاح میں لانے کے وقت معتبر ہوگی۔ پھر اگر تیسری بار اس سے نکاح کیا تو ایلاء لوٹ آئے گا اور چار ماہ گزرنے پر تیسری طلاق واقع ہوگی بشرطیکہ چار ماہ کے اندر عورت سے قربت نہ کی ہو۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے پھر اگر دوسرے شوہر کے بعد اس عورت سے نکاح کیا تو اس ایلاء کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی اس پہلی ملک کی طلاق کے ساتھ ایلاء کے مقید ہونے کی وجہ سے اور یہ اختلافی مسئلہ تنجیزی مسئلہ کی فرع ہے اور یہ مسئلہ پہلے گزر چکا اور قسم ابھی تک باقی ہے۔ قسم کے مطلق ہونے اور حانث ہونے کی وجہ سے پھر اگر اس عورت سے وطی کر لی تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ قسم توڑنے کے پائے جانے کی وجہ سے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب چار ماہ گزر گئے اور شوہر نے عورت کے ساتھ وطی نہیں کی تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چار ماہ عورت کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ دوم یہ کہ ہمیشہ کے لیے عورت کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی ہے۔ مثلاً کہا واللہ لا اقربك ابدًا یا کہا واللہ لا اقربك لفظ ابد ذکر کئے بغیر۔ پس صورت اولیٰ میں بغیر وطی کے چار ماہ گزر جانے پر قسم ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں قسم چار ماہ کی مدت کے ساتھ مؤقت ہے۔ لہٰذا اس مدت کے گزر جانے سے قسم ساقط ہو جائے گی۔

اور دوسری صورت میں اگر چار ماہ گزر گئے اور شوہر نے وطی نہیں کی تو اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور قسم باقی رہے گی دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں قسم کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے لہٰذا یمین مؤبد ہوگی اور موجب حنث یعنی وطی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مولی (شوہر) حانث بھی نہیں ہوا تاکہ یمین مرتفع ہو جاتی۔ اس وجہ سے یمین اپنے حال پر باقی رہے گی البتہ نکاح سے پہلے اگر دوسرے چار ماہ گزر گئے تو عامۃ المشائخ کے نزدیک دوسری طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ بینونت کے بعد عورت کے حق جماع کو روکنا نہیں پایا گیا اس لئے کہ بینونت کے بعد جماع کے سلسلہ میں عورت کا کوئی حق ہی نہیں رہا پس شوہر ظالم نہیں ہوگا اور جب شوہر ظالم نہیں ہے تو زوال نعمت نکاح کے ساتھ اس کو بدلہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

فقیہ ابو سہل اور صاحب محیط کی رائے یہ ہے کہ اگر انقضاء عدت سے پہلے پہلے چار ماہ گزر گئے تو دوسری طلاق واقع ہو جائے گی اور اسی طرح تیسری واقع ہوگی کیونکہ ایلاء طلاق کے حق میں شرط متکرر کے مرتبہ میں ہے گویا شوہر نے کہا تھا کلما مضت اربعة اشهر ولم اقربك فيها فانت طالق بائن اور اگر شوہر اس شرط متکرر کی صراحت کر دیتا تو حکم یہی ہوتا جو ہم نے بیان کیا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی یہی حکم ہوگا۔

اور اگر بینونت کے اور عدت گزر جانے کے بعد اس مولی (شوہر) نے پھر اس عورت سے نکاح کر لیا تو ایلاء بھی لوٹ آئے گا۔ پس اگر اس نے مدت ایلاء میں وطی کر لی تو قسم ٹوٹ گئی اور قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور وطی نہ کی تو چار ماہ گزر جانے پر دوسری طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ یمین مطلق عن الوقت ہونے کی وجہ سے ابھی باقی ہے اور نکاح کر لینے کی وجہ سے عورت کا حق ثابت ہو گیا تو ظلم متحقق ہوگا۔ پس طلاق بائن کے ذریعہ اس ظلم کو دور کیا جائے گا اور ایلاء ثانی کی مدت کی ابتداء دوبارہ نکاح میں لانے کے وقت سے ہوگی لیکن اگر دوبارہ نکاح عدت گزر جانے سے پہلے کیا ہے تو ایلاء ثانی کی مدت کی ابتداء طلاق کے وقت سے ہوگی نہ کہ نکاح میں لانے کے وقت سے (عنایہ) پھر اگر تیسری بار اس سے نکاح کیا تو ایلاء عود کرے گا اور چار ماہ گزرنے پر تیسری طلاق واقع ہوگی۔ بشرطیکہ اس مدت میں عورت سے وطی نہ کی ہو۔ دلیل سابق میں گزر چکی ہے کہ قسم مطلق عن الوقت ہونے کی وجہ سے ابھی باقی ہے اور نکاح کر لینے سے عورت کا حق ثابت ہو گیا لہٰذا ظلم متحقق ہوگا۔ (عنایہ)

مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جب تین طلاقوں سے اس عورت کے لیے حرمت غلیظہ ثابت ہو گئی تو اس عورت نے دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور وطی بھی پائی گئی پھر دوسرے شوہر نے اس عورت کو طلاق دی اور عورت کی عدت بھی گزر گئی۔ پس اب اگر پہلے شوہر یعنی مولی نے اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس ایلاء کی وجہ سے کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

کیونکہ یہ ایلاء صرف پہلی ملک کے ساتھ مقید تھا۔ اسلئے کہ ایلاء تعلیق طلاق کے مرتبہ میں ہے اور یہ مسئلہ فرع ہے مختلف فیہ تنجیزی مسئلہ کی جو باب الایمان فی الطلاق میں گزر چکا کہ امام زفرؒ کے نزدیک تعلیق باطل نہیں ہوتی اور ہمارے نزدیک باطل ہو جاتی ہے۔

مبسوط میں بیان کیا ہے کہ جس نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا کہ خدا کی قسم تجھ سے وطی نہیں کروں گا پھر اس کو تین طلاقیں منجز دیدیں تو ہمارے نزدیک ایلاء باطل ہو گیا اور امام زفرؒ کے نزدیک باطل نہیں ہوا ہماری دلیل یہ ہے کہ ایلاء طلاق مؤجل ہے مملوکہ تین طلاقوں پر منعقد ہوگا اور اس عورت پر تین واقع ہو جانے کے بعد کوئی طلاق باقی نہیں رہی لہٰذا ایلاء بھی باقی نہ رہا۔

اور اسی طرح اگر وہ اس ایلاء سے تین بار بائنہ ہوگئی پھر دوسرے شوہر کے بعد اس سے نکاح کیا تو بھی ہمارے نزدیک ایلاء باطل ہو گیا اور امام زفرؒ کے نزدیک باطل نہیں ہوا البتہ یمین باقی رہے گی۔ کیونکہ یمین مطلق عن الوقت ہے اور وطی نہ کرنے کی وجہ سے حانث ہونا بھی نہیں پایا گیا پھر اگر اس عورت سے اس نے وطی کرلی تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے کیونکہ اب قسم توڑنا پایا گیا۔ واللہ اعلم

چار مہینے سے کم میں قسم کھانے والا مولی نہیں ہے

فَاِنْ حَلَفَ عَلٰی اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا لِقَوْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا اِيْلَاءَ فِيْمَا دُوْنَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ وَلِاَنَّ الْاِمْتِنَاعَ عَنْ قُرْبَانِهَا فِيْ اَكْثَرِ الْمُدَّةِ بِلَا مَانِعٍ وَبِمِثْلِهٖ لَا يَثْبُتُ حُكْمُ الطَّلَاقِ فِيْهِ

ترجمہ ...... پس اگر چار ماہ سے کم پر قسم کھائی تو یہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہوتا اور اس لئے کہ (مولی) کا عورت کے قریب جانے سے اکثر میں رکنا بغیر مانع کے ہے اور اس جیسے امتناع سے طلاق کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے چار ماہ سے کم اپنی بیوی کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی تو یہ شخص مولی یعنی ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا مثلاً کہا واللہ **لا اقربك شهرا** یا کہا واللہ **لا اقربك شهرين** ۔ یا کہا واللہ **لا اقربك ثلاثة اشهر** اور ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ یہ شخص مولی ہے اگر چار ماہ تک اپنی اس بیوی سے وطی نہ کی تو یہ مطلقہ بائنہ ہو جائے گی حضرت امام ابوحنیفہؒ شروع میں یہی فرماتے تھے مگر جب ان کو ابن عباسؓ کا فتویٰ **لا ایلاء فیما دون اربعة اشهر** پہنچا تو حضرت امام صاحبؒ نے اپنے قول سے رجوع فرما لیا تھا۔

مگر ابن عباسؓ کا یہ فتویٰ ظاہر نص کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **للذين يؤلون من نسائهم تربص اربعة اشهر** ۔ اس آیت میں ایلاء مطلق ہے اور تربص چار ماہ کی مدت کے ساتھ مقید ہے۔ پس آیت کا مقتضی یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ ایلاء کیا اگرچہ مدت قلیلہ کے ساتھ ہو مثلاً ایک دن کا یا اس سے بھی کم کا تو اس شخص پر چار ماہ کا تربص (انتظار کرنا، رکنا) لازم ہوگا۔ پس ایلاء کو چار ماہ کی مدت کے ساتھ مقید کرنا نص پر زیادتی کرنا ہے اور ابن عباسؓ کے فتویٰ سے نص پر زیادتی کرنا ناجائز ہے۔ پس ابوحنیفہؒ نے اپنے قول سے کس لئے رجوع فرمایا۔

جواب:۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فتویٰ مقدرات میں واقع ہوا ہے اور مقدرات شرعیہ میں رائے کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر یہ فتویٰ دیا ہے اور کسی سے اختلاف بھی منقول نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس فتویٰ کو نص کی تفسیر قرار دیں گے۔ نہ کہ تقلید اور آیت کی تقدیری عبارت ہوگی **للذين يؤلون من نسائهم اربعة اشهر تربص اربعة اشهر** یعنی ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں سے چار ماہ کا ایلاء کرتے ہیں چار ماہ تک کی مہلت ہے۔ پس آیت میں اول اربعة اشهر کو ثانی کے دلالت کرنے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ جس شخص نے چار ماہ سے کم قسم کھائی۔ مثلاً کہا کہ خدا کی قسم میں ایک ماہ اپنی بیوی کے ساتھ قربت یعنی وطی نہیں کروں گا۔ تو اب اس شخص کا ایک ماہ سے زائد مدت میں یعنی دوسرے تیسرے اور چوتھے ماہ میں وطی اور قربت سے رکنا بغیر مانع کے ہوگا کیونکہ بعد کے تین ماہ

میں عدم قربانی کی قسم نہیں پائی گئی ہے اور ایسی قسم جو چار ماہ سے کم پر منعقد ہو اس سے چار ماہ گزرنے پر طلاق کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک شخص بغیر یمین کے چار ماہ یا اس سے زائد اپنی بیوی سے وطی نہیں کر سکا۔ تو اس صورت میں چار ماہ گزر جانے پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (عنایہ)

فوائد...... فیہ کی ضمیر کے مرجع میں تین احتمال ہیں (۱) اس ضمیر کا مرجع امتناع کو قرار دیا جائے (۲) اس حلف کو مرجع بنائیں جو بمسئلہ سے مفہوم ہے (۳) اکثر مدت کو مرجع قرار دیا جائے۔

واضح ہو کہ صاحب ہدایہ اگر ولان الامتناع عن قربانها في بعض المدة فرمادیتے بجائے اکثر مدت کے، تو عبارت زیادہ واضح ہو جاتی واللہ اعلم بالصواب

ان الفاظ سے قسم کھائی لا اقربك شهرين وشهرين بعد هذين الشهرين تو مولی ہوگا

وَلَوْ قَالَ وَاللهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ وَشَهْرَيْنِ بَعْدَ هٰذَيْنِ الشَّهْرَيْنِ فَهُوَ مُوْلٍ لِأَنَّهُ جَمَعَ بَيْنَهُمَا بِحَرْفِ الْجَمْعِ فَصَارَ كَجَمْعِهِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ

ترجمہ...... اور اگر کہا خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا دو ماہ اور دو ماہ ان دو ماہ کے بعد تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو گیا۔ کیونکہ اس نے دونوں کو حرف جمع کے ساتھ جمع کر دیا تو لفظ جمع کے ساتھ جمع کرنے کے مانند ہو گیا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی منکوحہ سے کہا واللہ لا اقربك شهرين و شهرين بعد هذين الشهرين تو یہ شخص مولی (ایلاء کرنے والا) ہوگا دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے دونوں کو حرف جمع (واؤ) کے ساتھ جمع کر دیا۔ پس ایسا ہو گیا جیسا کہ اس نے صیغہ جمع کے ساتھ جمع کیا ہے گویا اس نے کہا واللہ لا اقربك اربعة اشهر۔ پس یہ یمین واحد ہوگی اور اگر اس مدت میں بیوی سے وطی کر لی تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

شوہر واللہ لا اقربك شهرين کہہ کر ایک دن خاموش رہا پھر کہا واللہ لا اقربك شهرين بعد شهرين الاولين مولی نہیں ہوگا

وَلَوْ مَكَثَ يَوْمًا ثُمَّ قَالَ وَاللهِ لَا أَقْرَبُكِ شَهْرَيْنِ بَعْدَ الشَّهْرَيْنِ الْأَوَّلَيْنِ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا لِأَنَّ الثَّانِيَ إِيْجَابٌ مُبْتَدَأٌ وَقَدْ صَارَ مَمْنُوْعًا بَعْدَ الْأُوْلٰى شَهْرَيْنِ وَبَعْدَ الثَّانِيَةِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ إِلَّا يَوْمًا مَكَثَ فِيْهِ فَلَمْ تَتَكَامَلْ مُدَّةُ الْمَنْعِ

ترجمہ...... اور اگر وہ ایک دن ٹھہرا رہا۔ پھر اس نے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا دو ماہ جو پہلے دو ماہ کے بعد ہیں تو وہ ایلا کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ دوسری قسم شروع سے ایجاب ہے۔ حالانکہ وہ پہلی قسم کے بعد دو ماہ (کی وطی سے) ممنوع ہوا اور دوسری قسم کے بعد چار ماہ سے ممنوع ہو گیا علاوہ ایک دن کے جس میں ٹھہرا رہا تھا تو مدت منع پوری نہ ہوگی۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر واللہ لا اقربك شهرين کہہ کر ایک دن خاموش رہا اور پھر کہا واللہ لا اقربك شهرين بعد شهرين الاولين تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ اسی کے قائل امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہیں۔

اس کی اصل یہ ہے کہ اگر معطوف میں اللہ کا نام مذکور نہ ہو اور نہ حرف نفی مذکور ہو اور معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان ٹھہرنا بھی موجود نہ ہو تو معطوف کا حکم معطوف علیہ کے حکم میں داخل ہوگا جیسا کہ اوپر والے مسئلہ میں ہے اور اگر امور ثلاثہ میں سے کوئی ایک فوت ہو گیا تو کلام ثانی مستقلاً ایجاب ہوگا۔ کلام سابق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ پس اس اصل کی وجہ سے مسئلہ ثانیہ میں بھی ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ تینوں امور فوت ہو گئے ہیں۔ اس لئے معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان ایک دن کا فصل بھی موجود ہے اور لفظ اللہ اور حرف نفی کا اعادہ بھی معطوف میں مذکور ہے۔

پس وہ پہلی قسم کے بعد دو ماہ کی وطی سے رک گیا اور دوسری قسم کے بعد اول کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو ایک دن کم چار ماہ کی وطی سے روک دیا ہے۔ پس دونوں قسموں میں مدت منع (چار ماہ) پوری نہیں پائی گئی۔ اس وجہ سے یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا اور اس کا کلام مستقل دو قسمیں ہوں گی ایک مرتبہ وطی کرنے سے دو کفارے واجب ہو جائیں گے۔

شوہر نے کہا واللہ لا اقربك سنة الا يومًا مولی نہیں ہوگا، امام زفرؒ کا نقطۂ نظر

وَلَوْ قَالَ وَاللّٰهِ لَا اَقْرَبُكِ سَنَةً اِلَّا يَوْمًا لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا خِلَافًا لِزُفَرَ وَهُوَ يَصْرِفُ الْاِسْتِثْنَاءَ اِلٰى اٰخِرِهَا اِعْتِبَارًا بِالْاِجَارَةِ فَتَمَّتْ مُدَّةُ الْمَنْعِ وَلَنَا اَنَّ الْمُوْلِيَ مَنْ لَا يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اِلَّا بِشَيْءٍ يَلْزَمُهُ وَيُمْكِنُهُ هٰهُنَا لِاَنَّ الْمُسْتَثْنٰى يَوْمٌ مُنَكَّرٌ بِخِلَافِ الْاِجَارَةِ لِاَنَّ الصَّرْفَ اِلَى الْاٰخِرِ لِتَصْحِيْحِهَا فَاِنَّهَا لَا تَصِحُّ مَعَ التَّنْكِيْرِ وَلَا كَذٰلِكَ الْيَمِيْنُ وَلَوْ قَرُبَهَا فِيْ يَوْمٍ وَالْبَاقِيْ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ اَوْ اَكْثَرُ صَارَ مُوْلِيًا لِسُقُوْطِ الْاِسْتِثْنَاءِ

ترجمہ...... اور اگر اس نے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا ایک سال سوائے ایک دن کے تو وہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا امام زفرؒ کا اختلاف ہے وہ استثناء کو سال کے آخر کی طرف پھیرتے ہیں اجارہ پر قیاس کرتے ہوئے پس انکار کی مدت پوری ہو جاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا وہ شخص ہوتا ہے جو چار ماہ وطی نہ کر سکتا ہو مگر ایسی چیز کے ساتھ جو اس کو لازم ہو اور یہاں (بغیر کچھ لازم ہوئے) وطی کر سکتا ہے کیونکہ جو دن مستثنٰی ہے وہ منکر (غیر معین) ہے۔ برخلاف اجارہ کے اس لئے کہ آخر سال کی طرف پھیرنا اجارہ کو صحیح کرنے کے واسطے ہے۔ کیونکہ اجارہ غیر معین ہونے کے ساتھ درست نہیں ہو سکتا اور قسم کا یہ حال نہیں ہے اور اگر کسی دن عورت کے ساتھ قربت کر لی حالانکہ چار ماہ یا زیادتی باقی ہیں تو وہ ایلاء کرنے والا ہو جائے گا استثناء کے ساقط ہونے کی وجہ سے۔

تشریح...... مسئلہ یہ کہ کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا واللہ لا اقربك سنة الا يومًا تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ یہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص ایلاء کرنے والا ہو جائے گا اور اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ استثناء یعنی الا یومًا کو سال کے آخر کی طرف پھیر دیا جائے گا صورت ایلاء کو اجارہ پر قیاس کرتے ہوئے چنانچہ اگر کسی نے ایک سال کے لیے اپنا گھر اجارہ پر دیا اور ایک یوم کا استثناء کر دیا تو اس ایک یوم کو سال کے آخر کی طرف پھیر دیا جائے گا اور مدت اجارہ آخر کا ایک دن کم ایک سال ہوگی۔

اسی وجہ سے اگر شوہر نے اپنی بیوی سے واللہ لا اقربك السنة الا نقصان يوم کہا تو بالاتفاق یہ یوم مستثنٰی سال کے آخر کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ پس اسی طرح الا یومًا کو سال کے آخر کی طرف پھیر دیا جائے گا پس جب یوم مستثنٰی کو سال کے آخر کی طرف پھیر دیا گیا تو مطلب یہ ہوگا کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ سے ایک سال تک وطی نہیں کروں گا۔ سوائے اس ایک دن کے جو سال کے آخر میں پڑے۔ پس چونکہ اس صورت میں مدت ایلاء یعنی چار ماہ بلکہ اس سے زائد پوری ہوگئی اس لئے یہ شخص ایلاء کرنے والا شمار ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ کہ ایلاء کرنے والا وہ شخص کہلاتا ہے جو بغیر وجوب کفارہ کے چار ماہ تک وطی نہ کر سکتا ہو اور یہ شخص جس نے واللہ الا اقربك سنة الا يوما کہا ہے بغیر وجوب کفارہ کے یوم واحد میں وطی نہ کر سکتا ہو اور یہ شخص جس نے واللہ لا اقربك سنة الا يوما کہا ہے بغیر وجوب کفارہ کے یوم واحد میں وطی کر سکتا ہے اس لئے کہ الا یوما میں لفظ یوم نکرہ غیر معین ہے سال کے ہر ہر دن پر اس کا اطلاق صحیح ہے۔ اس وجہ سے سال کے آخر کی طرف سے اس کا پھیرنا معتبر نہیں ہوگا تا کہ متکلم کا کلام اپنی حقیقت پر محمول ہو سکے۔

بخلاف الاجارة سے امام زفرؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اجارہ میں یوم مستثنٰی کو سال کے آخر کی طرف پھیرنا اس

لئے ضروری ہے تا کہ اجارہ صحیح ہو جائے گا کیونکہ جہالت کے ساتھ اجارہ صحیح نہیں ہوتا اور یمین کا یہ حال نہیں ہے اس لئے کہ یمین جہالت کے ساتھ بھی درست ہو جاتی ہے پس دونوں مسئلوں میں فرق ہو گیا۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

اور اگر واللہ لا اقربك سنة الا یوماً کہنے کے بعد ایک دن اس شخص نے وطی کر لی اور اس سے وطی کے بعد چار ماہ اس سے زائد باقی ہیں تو یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا کیونکہ استثناء جس کی وجہ سے عدم ایلاء کا حکم تھا وہ ساقط ہو گیا ہے اس وجہ سے ایلاء کا حکم ثابت ہو گیا۔

ایک شخص بصرہ میں ہے اس نے کہا واللہ لا ادخل الکوفة اور اس کی بیوی اس کے ساتھ تھی مولی نہیں ہوگا

وَلَوْقَالَ وَهُوَبِالْبَصْرَةِ وَاللهِ لَاادْخُلُ الْكُوْفَةَ وَ امْرَاتُهٗ بِهَالَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا لِاَنَّهٗ يُمْكِنُهُ الْقُرْبَانُ مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ يَلْزَمُهٗ بِالْاَخْرَاجِ مِنَ الْكُوْفَةِ

ترجمہ...... اور اگر مرد نے کہا درانحالیکہ وہ بصرہ میں ہے خدا کی قسم میں کوفہ میں داخل نہیں ہوں گا درانحالیکہ اس کی بیوی کوفہ میں ہے۔ تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ شخص وطی کر سکتا ہے بغیر ایسی چیز کے جو اس پر لازم ہو کوفہ سے نکال کر۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ شوہر بصرہ میں ہے اور اس کی بیوہ کوفہ میں ہے ایسی حالت میں اس شوہر نے کہا واللہ لا ادخل الکوفة تو یہ شخص ایلاء کرنے والا نہ ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ سابق میں گزر چکا کہ ایلاء کرنے والا وہ شخص کہلاتا ہے جو بغیر وجوب کفارہ کے چار ماہ تک وطی نہ کر سکتا ہو اور یہ شخص بغیر وجوب کفارہ کے وطی کر سکتا ہے اس طریقے پر کہ مدت ایلاء گزرنے سے پہلے کسی نائب یا وکیل کی معرفت اپنی بیوی کو کوفہ سے نکلوا لے پھر اس سے وطی کر لے تو اس صورت میں ایلاء کے معنی متحقق نہیں ہوں گے۔

اگر حج یا روزہ یا صدقہ یا عتق یا طلاق کی قسم اٹھائی تو مولی ہوگا

قَالَ وَلَوْحَلَفَ بِحَجٍّ اَوْبِصَوْمٍ اَوْبِصَدَقَةٍ اَوْعِتْقٍ اَوْطَلَاقٍ فَهُوَمُوْلٍ لِتَحَقُّقِ الْمَنْعِ بِالْيَمِيْنِ وَهُوَ ذِكْرُالشَّرْطِ وَالْجَزَاءِ وَهٰذِهِ الْاَجْزِيَةُ مَانِعَةٌ لِمَافِيْهَا مِنَ الْمَشَقَّةِ وَ صُوْرَةُ الْحَلْفِ بِالْعِتْقِ اَنْ يُّعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا عِتْقَ عَبْدِهٖ وَفِيْهِ خِلَافُ اَبِيْ يُوْسُفَ فَاِنَّهٗ يَقُوْلُ يُمْكِنُهُ الْبَيْعُ ثُمَّ الْقُرْبَانُ فَلَايَلْزَمُهٗ شَيْءٌ وَهُمَايَقُوْلَانِ الْبَيْعُ مَوْهُوْمٌ فَلَا يَمْنَعُ الْمَانِعِيَةَ فِيْهِ وَالْحَلْفُ بِالطَّلَاقِ اَنْ يُّعَلِّقَ بِقُرْبَانِهَا طَلَاقَهَا اَوْطَلَاقَ صَاحِبَتِهَا وَكُلُّ ذٰلِكَ مَانِعٌ

ترجمہ...... مصنفؒ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے حج یا روزہ یا صدقہ یا آزاد کرنے یا طلاق کی قسم کھائی تو وہ ایلاء کرنے والا ہو گیا کیونکہ (قربت سے) باز رہنا قسم کی وجہ سے متحقق ہوا ہے اور قسم یہی شرط و جزاء کا بیان ہے اور یہ جزائیں (قربت سے) مانع ہوئیں کیونکہ ان میں سخت تکلیف ہے اور آزاد کرنے کی قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ عورت کی قربت پر اپنے غلام کے آزاد ہونے کو معلق کر دے اور اس میں ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔ اس لئے کہ ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے غلام کا بیچنا پھر قربت کرنا ممکن ہے۔ پس اس کے ذمہ کچھ (کفارہ) لازم نہ ہوگا اور طرفین فرماتے ہیں کہ بیع کرنا امر موہوم ہے پس وہ ایلاء میں مانعیت سے نہ روکا اور طلاق کے ساتھ قسم کھانے کی صورت یہ ہے کہ اس بیوی کی قربت پر اسی کی طلاق یا اس کی سوتن کی طلاق کو معلق کرے اور ان دونوں باتوں میں سے ہر ایک بات اس کے ساتھ قربت کرنے سے روکنے والی ہے۔

تشریح ..... سابق میں ایلاء کے اندر اللہ کی قسم کا بیان مذکور ہوا ہے۔ اب یہاں سے یمین بغیر اللہ کو شروع فرما رہے ہیں۔ یعنی شرط و جزاء کے ذکر کے ساتھ یمین کی صورتوں کو بیان فرما رہے ہیں۔

چنانچہ امام قدوری نے فرمایا کہ اگر حج کی قسم کھائی یعنی شوہر نے کہا ان قربتک فعلی حج البیت یا روزہ کی قسم کھائی یعنی کہا ان قربتک فعلی صوم سنة یا صدقہ کی قسم کھائی مثلاً کہا ان قربتک فعلی صدقة عشرة دراھم یا آزاد کرنے کی قسم کھائی مثلاً کہا ان قربتک فعلی عتق رقبة یا طلاق کی قسم کھائی مثلاً کہا ان قربتک فعبدی حر یا کہا ان قربتک فانت طالق ۔ ان تمام صورتوں میں یہ شخص ایلاء کرنے والا ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ قسم یعنی شرط و جزاء کے ذکر کی وجہ سے وطی اور قربت کرنے سے رکنا متحقق ہو گیا اور یہ جزائیں یعنی حج، روزہ وغیرہ شرط کا ارتکاب کرنے سے روکنے والی ہیں۔ کیونکہ ان تمام جزاؤں میں مشقت ہے اس لئے کہ جب شرط کا ارتکاب کرے گا تو جزاء یقیناً واقع ہوگی اور جزاء واقع کرنے میں مشقت ہے۔ اس وجہ سے جزاء مانع شرط ہوگی پس ان تمام صورتوں میں عورت کے ساتھ وطی کرنے سے رکنا متحقق ہو گیا اور عورت کے ساتھ وطی کرنے سے رکنے کا نام ہی ایلاء ہے۔ لہٰذا ان تمام صورتوں میں ایلاء متحقق ہوگا۔ چنانچہ اگر چار ماہ کی مدت بغیر وطی کے گزر گئی تو اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ حلف بالعتق کی صورت یہ ہے کہ عورت کی قربت پر اپنے غلام کا آزاد ہونا معلق کرے اور اس ثبوت ایلاء میں ابو یوسف کا اختلاف ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر اپنے غلام کے آزاد ہونے کو عورت کی قربت پر معلق کیا گیا تو یہ ایلاء نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ شخص اولاً اس غلام کو فروخت کر دے پھر عورت کے ساتھ وطی کرے تو اس شخص پر کچھ واجب نہیں ہوگا۔ نہ غلام کا آزاد کرنا اور نہ کفارہ اور جب کچھ واجب نہیں ہوا تو یہ ایلاء بھی نہیں ہوگا اور طرفین نے فرمایا کہ بیع امر موہوم ہے ہو سکتا ہے کہ بیچ دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نہ بیچے پس ایلاء میں مانع شرط یعنی جزاء کے لیے کوئی مانع نہیں ہے اور جب جزاء کے لیے کوئی مانع نہیں تو جزاء موجود ہے اور جزاء یعنی غلام کا آزاد ہونا مانع قربت ہے حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں مانع قربت موجود ہے اور مانع قربت کا نام ایلاء ہے لہٰذا اس صورت میں بھی ایلاء پایا گیا۔

اور حلف بالطلاق کی صورت یہ ہے کہ عورت کے ساتھ وطی کرنے پر اسی کی طلاق کو معلق کرے یا اس کی سوتن کی طلاق کو معلق کر دے اور ان دونوں باتوں میں سے ہر ایک بات اس کے ساتھ وطی کرنے سے روکنے والی ہے۔ مثلاً شوہر نے کہا کہ اگر تجھ سے وطی کروں تو تجھ کو طلاق ہے۔ یا میری فلاں بیوی کو طلاق ہے۔ تو طلاق کے خوف سے اس سے وطی نہیں کر سکتا۔ پس یہی ایلاء ہے۔ لہٰذا اگر اس نے چار ماہ کے اندر اندر وطی کر لی تو مطلقہ ہو جائے گی اور اگر بغیر وطی کے چار ماہ گزر گئے تو یہ عورت ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔ واللہ اعلم۔

اگر مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا مولی ہوگا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا مولی نہیں ہوگا

وَإِنْ آلَىٰ مِنَ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ كَانَ مُوْلِيًا وَإِنْ آلَىٰ مِنَ الْبَائِنَةِ لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا لِأَنَّ الزَّوْجِيَّةَ قَائِمَةٌ فِي الْأُوْلَىٰ دُوْنَ الثَّانِيَةِ وَمَحَلُّ الْإِيْلَاءِ مَنْ تَكُوْنُ مِنْ نِسَائِنَا بِالنَّصِّ فَلَوِ انْقَضَتِ الْعِدَّةُ قَبْلَ انْقِضَاءِ مُدَّةِ الْإِيْلَاءِ سَقَطَ الْإِيْلَاءُ لِفَوَاتِ الْمَحَلِّيَّةِ

ترجمہ ..... اور اگر اپنی مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا ہو جائے گا اور اگر مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو ایلاء کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ مطلقہ رجعیہ میں زوجیہ ہونا موجود ہے اور مطلقہ بائنہ میں نہیں اور حال یہ ہے کہ ایلاء کا محل وہی عورتیں ہوتی ہیں جو ہماری زوجہ ہوں بنص قرآنی۔ پھر اگر مدت گزرنے سے پہلے مطلقہ رجعیہ کی عدت گزر گئی تو ایلاء بھی ساقط ہو گیا محل کے فوت ہونے کی وجہ سے۔

تشریح ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کیا تو یہ شخص ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک ایلاء کرنے والا ہوگا اور اگر

مطلقہ بائنہ سے ایلاء کیا تو بالاتفاق ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ زوجیت (زوجہ ہونا) مطلقہ رجعیہ میں موجود ہے اور مطلقہ بائنہ میں زوجیت موجود نہیں ہے اور ایلاء کا محل وہ عورتیں ہیں جو ہماری زوجہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ للذین یؤلون من نسائھم اور بائنہ کر دینے کے بعد زوجیت باقی نہیں رہتی۔ اس وجہ سے مطلقہ بائنہ ایلاء کا محل نہیں ہوگی لیکن اگر اس مطلقہ بائنہ سے وطی کر لی تو یمین کی وجہ سے کفارہ واجب ہوگا اس کے برخلاف مطلقہ رجعیہ کہ وہ ایلاء کا محل ہے۔ کیونکہ طلاق رجعی کے بعد زوجیت باقی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک معتدہ رجعیہ سے وطی کرنا جائز ہے ہاں اگر مدت ایلاء یعنی چار ماہ سے پہلے معتدہ رجعیہ کی عدت پوری ہوگئی تو ایلاء ساقط ہو جائے گا اس لئے کہ عدت گزر جانے کی وجہ سے محل فوت ہو گیا۔

یہاں ایک اشکال وارد ہوگا وہ یہ کہ مطلقہ رجعیہ سے ایلاء کرنا درست نہ ہونا چاہیے اس لئے کہ ایلاء عورت کے حق جماع کو روک کر ظلم کی جزاء ہے اور مطلقہ رجعیہ کے لیے جماع میں کوئی حق نہیں ہے۔ نہ قضاءً اور نہ دیانۃً۔ اسی وجہ سے مطلقہ رجعیہ کے لیے وطی کا مطالبہ کرنے کی ولایت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ شوہر کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ بغیر جماع کے قول سے رجوع کرے۔ پس شوہر ظالم نہیں ہوا۔ لہٰذا اس پر ظالم کی جزاء یعنی ایلاء بھی مرتب نہ ہونا چاہیے جواب یہ ہے کہ منصوص علیہ میں عین نص معتبر ہے نہ کہ معنی نص اور مطلقہ رجعیہ نص کی وجہ سے نسائنا میں سے ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے و بعو لتھن احق بر دھن اور یہ آیت طلاق رجعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور بعل شوہر ہے لہٰذا عورت یعنی مطلقہ رجعیہ اس کی زوجہ ہوگی اور جو حکم نساء ازواج (شوہروں کی بیویوں) پر مرتب ہوگا للذین یؤلون من نسائھم کی وجہ سے وہ حکم مرتب ہوگا۔ مطلقہ رجعیہ پر بھی۔ کیونکہ مطلقہ رجعیہ بھی نساء ازواج میں سے ہے۔

اگر اجنبیہ کو کہا واللہ لا اقربك او انت علی کظھر امی پھر اس کے ساتھ نکاح کیا مولی اور مظاہر نہیں ہوگا

وَلَوْقَالَ لِاَجْنَبِيَّةٍ وَاللهِ لَااَقْرَبُكِ اَوْاَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ ثُمَّ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَكُنْ مُوْلِيًا وَلَامُظَاهِرًا لِاَنَّ الْكَلَامَ فِيْ مَخْرَجِهٖ وَقَعَ بَاطِلًا لِانْعِدَامِ الْمَحَلِّيَّةِ فَلَا يَنْقَلِبُ صَحِيْحًا بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِنْ قَرِبَهَا كَفَّرَ لِتَحَقُّقِ الْحِنْثِ اِذِالْيَمِيْنُ مُنْعَقِدَةٌ فِيْ حَقِّهٖ

ترجمہ..... اور اگر کسی اجنبیہ (غیر منکوحہ) سے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے قربت نہیں کروں گا یا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کے مانند ہے پھر اس عورت سے نکاح کر لیا تو یہ شخص نہ ایلاء کرنے والا ہوگا اور نہ ظہار کرنے والا کیونکہ کلام اپنے تکلم کے وقت لغو ہو گیا محل کے معدوم ہونے کی وجہ سے تو اس کے بعد یہ کلام پلٹ کر صحیح نہ ہوگا اور اگر اس عورت سے قربت کرے گا تو کفارہ دے گا۔ حانث ہونے کے متحقق ہو جانے کی وجہ سے اس لئے کہ یمین حانث ہونے کے حق میں منعقد ہو چکی تھی۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک اجنبیہ عورت سے واللہ لا اقربك یا انت علی کظھر امی کہا۔ پھر اس شخص نے اس اجنبیہ عورت سے نکاح کر لیا تو یہ شخص نہ ایلاء کرنے والا ہوگا اور نہ ظہار کرنے والا دلیل یہ ہے کہ ایلاء اور ظہار کا محل نہ ہونے کی وجہ جو کلام بولا گیا وہ اپنے نکلنے کے وقت لغو ہو گیا ہے۔ کیونکہ محل ایلاء اور ظہار نساء ہے پس یہ مردار کی بیع کے مانند ہو گیا۔ لہٰذا کلام واللہ لا اقربك اور انت علی کظھر امی لغو اور باطل ہو گیا اور جو کلام باطل ہو کر واقع ہوتا ہے وہ پلٹ کر صحیح نہیں ہوتا اس وجہ سے یہ کلام بھی پلٹ کر صحیح نہیں ہوگا۔

لیکن اگر اس شخص نے اس عورت کے ساتھ وطی کر لی تو کفارہ واجب ہوگا۔ کیونکہ وطی کرنے سے حانث ہونا پایا گیا اور حانث ہونے کا موجب کفارہ ہے۔ اس وجہ سے کفارہ واجب ہوگا اور حانث ہونا اس لئے پایا گیا کہ یمین حانث ہونے کے حق میں منعقد ہو چکی تھی مگر یہ کفارہ کا واجب ہونا اس صورت میں ہے جب کہ اجنبیہ عورت سے واللہ لا اقربك کہا ہو اور اگر اجنبیہ سے انت علی کظھر امی کہا اور نکاح کر

لینے کے بعد اس سے وطی کر لی تو کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ اول یعنی واللہ لا اقربك یمین ہے نہ کلام ثانی۔

باندی کے ایلاء کی مدت

وَمُدَّةُ اِيْلَاءِ الْاَمَةِ شَهْرَانِ لِاَنَّ هٰذِهٖ مُدَّةٌ ضُرِبَتْ اَجَلاً لِلْبَيْنُوْنَةِ فَتَتَنَصَّفُ بِالرِّقِّ كَمُدَّةِ الْعِدَّةِ

ترجمہ...... اور باندی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔ کیونکہ یہ مدت ایلاء بائنہ ہونے کے لیے میعاد مقرر کی گئی ہے۔ پس وہ رقیق ہونے کی وجہ سے آدھی رہ جائے گی جیسے عدت کی مدت (کا حال ہے)۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ باندی اگر کسی کی بیوی ہو تو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہیں اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ یہی قول ہے حضرت عمرؓ کا اور امام مالکؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ غلام کی بیوی کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے اس کی بیوی آزاد ہو یا باندی اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ آزاد مرد اور غلام آزاد عورت اور باندی سب برابر ہیں اور تمام کی مدت ایلاء چار ماہ ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مدت ایلاء ظالم کی تشہیر کے لیے ہوتی ہے اور اس میں آزاد عورت اور باندی دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ حق جماع روک کر دونوں کا شوہر ظالم ہے۔ (عنایہ)

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مدت ایلاء (چار ماہ) بائنہ ہونے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ پس رقیت کی وجہ سے آدھی رہ جائے گی۔ جیسا کہ باندی کی طلاق اور اس کی عدت کی مدت آزاد عورت کی طلاق اور اس کی عدت کی مدت کا نصف ہے۔

اگر مولیٰ مریض ہے جو جماع پر قادر نہیں ہے یا عورت مریضہ یا رتقاء یا صغیرہ ہے جس کے ساتھ جماع نہیں کیا جا سکتا ہے یا میاں بیوی کے درمیان مسافت ہے کہ عورت تک پہنچنے پر مدت ایلاء میں قادر نہیں اس کے لیے رجوع کا طریقہ

وَ اِنْ كَانَ الْمُوْلِيْ مَرِيْضًا لَايَقْدِرُ عَلَى الْجِمَاعِ اَوْ كَانَتْ مَرِيْضَةً اَوْ رَتْقَاءَ اَوْ صَغِيْرَةً لَاتُجَامَعُ اَوْ كَانَتْ بَيْنَهُمَا مَسَافَةٌ لَايَقْدِرُ اَنْ يَّصِلَ اِلَيْهَا فِيْ مُدَّةِ الْاِيْلَاءِ فَفَيْئُهُ اَنْ يَّقُوْلَ بِلِسَانِهٖ فِئْتُ اِلَيْهَا فِيْ مُدَّةِ الْاِيْلَاءِ فَاِنْ قَالَ ذٰلِكَ سَقَطَ الْاِيْلَاءُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَافَيْءَ اِلَّا بِالْجِمَاعِ وَاِلَيْهِ ذَهَبَ الطَّحَاوِيُّ لِاَنَّهٗ لَوْكَانَ فَيْئًا لَكَانَ حِنْثًا وَلَنَا اَنَّهٗ اٰذَاهَا بِذِكْرِ الْمَنْعِ فَيَكُوْنُ اِرْضَاؤُهَا بِالْوَعْدِ بِاللِّسَانِ وَاِذَا ارْتَفَعَ الظُّلْمُ لَايُجَازٰى بِالطَّلَاقِ وَلَوْقَدَرَ عَلَى الْجِمَاعِ فِي الْمُدَّةِ بَطَلَ ذٰلِكَ الْفَيْءُ وَ صَارَ فَيْئُهُ بِالْجِمَاعِ لِاَنَّهٗ قَدَرَ عَلَى الْاَصْلِ قَبْلَ حُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ بِالْخَلَفِ

ترجمہ...... اور اگر ایلاء کرنے والا ایسا بیمار ہے کہ اس کو جماع پر قدرت نہیں ہے یا وہ عورت ایسی بیمار ہو یا پیشاب کے راستہ کے علاوہ کوئی شگاف نہ ہو یا ایسی چھوٹی ہے کہ اس کے ساتھ جماع نہیں ہو سکتا۔ یا عورت اور مرد کے درمیان ایسی دوری ہو کہ مدت ایلاء میں عورت تک پہنچنے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ پس (ان صورتوں میں) مرد کا رجوع کرنا یہ ہے کہ مدت ایلاء میں اپنی زبان سے کہے میں نے اس عورت کی طرف رجوع کیا۔ پس اگر ایسا کہا تو ایلاء ساقط ہو گیا اور امام طحاویؒ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اس لئے کہ اگر زبانی کہنا رجوع ہوتا تو یہ حانث ہونا ہو جاتا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے اپنی بیوی کو انکار وطی کر کے اذیت دی تھی۔ پس اس کو راضی کرنا زبانی وعدہ سے ہو

جائے گا اور جب ظلم دور ہو گیا تو طلاق کے ساتھ اس کو سزا نہیں دی جائے گی اور اگر وہ مدت ایلاء میں جماع کرنے پر قادر ہو گیا تو یہ زبانی رجوع کرنا باطل ہو گیا اور اس کا رجوع کرنا جماع کے ساتھ ہو گیا اس لئے کہ خلیفہ کے ذریعہ مقصود حاصل ہونے سے پہلے وہ اصل پر قادر ہو گیا۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایلاء کرنے والا ایسا بیمار ہو کہ وہ جماع کرنے پر قادر نہیں۔ یا عورت اس درجہ بیمار ہو یا عورت رتقاء ہو یعنی پیشاب کے راستہ کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔ یا ایسی چھوٹی بچی ہو کہ جماع کے قابل نہیں یا میاں بیوی کے درمیان اتنی دوری ہے کہ شوہر چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا تو ان تمام صورتوں میں شوہر کو رجوع بالقول کرنے کا اختیار ہے۔ چنانچہ اگر شوہر نے مدت ایلاء میں فئت الیھا (میں نے اس کی طرف رجوع کیا) کہہ دیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ ایلاء میں رجوع صرف جماع کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ امام شافعیؒ ایلاء میں رجوع بالجماع کے قائل ہیں نہ کہ رجوع بالقول کے مشائخ احناف میں سے امام طحاویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔

عنایہ میں اس مسئلہ کی توضیح اس طرح کی گئی ہے کہ اگر ایلاء کرنے والا بیمار ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں (۱) یہ کہ ایک شخص نے تندرستی کی حالت میں ایلاء کیا اور ایلاء کے بعد اتنی مدت تندرست رہا کہ اس مدت میں اگر اس عورت کے ساتھ جماع کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ پھر اس کے بعد یہ شخص بیمار ہو گیا تو ہمارے نزدیک یہ شخص جماع کے ذریعہ سے رجوع کر سکتا ہے نہ کہ قول کے ذریعہ مگر حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ قول کے ذریعہ بھی رجوع کرنے کی اجازت ہے۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ معتبر آخری مدت ہے اور یہ شخص بیمار ہونے کی وجہ سے آخر مدت میں جماع کرنے سے عاجز ہو گیا اس وجہ سے اس کے لیے رجوع بالقول کی اجازت دی گئی ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اول وقت میں پانی موجود ہے مگر وضو نہیں کیا حتیٰ کہ پانی معدوم ہو گیا تو اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ جب اس شخص نے جماع پر قدرت کے باوجود وطی نہیں کی تو اس کی طرف سے ظلم متحقق نہ ہوگا، کیونکہ اس شخص نے عورت کے حق جماع کو روک لیا ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے رجوع اسی وقت ثابت ہوگا جب کہ عورت کا حق جماع کے سلسلہ میں ادا کر دے۔ پس معلوم ہو گیا کہ اس شخص کا رجوع جماع کے ذریعہ ثابت ہوگا نہ کہ قول کے ذریعہ۔

۲)...... یہ کہ ایک شخص نے بحالت مرض ایلاء کیا اور مرض ہی کی حالت میں چار ماہ پورے ہو گئے تو یہ شخص رجوع بالقول کر سکتا ہے اور الفاظ رجوع یہ ہیں فئت الیھا، رجعت الیھا، راجعتھا، ارتجعتھا ابطلت ایلاء ھا۔

پس اگر اس شخص نے زبان سے رجوع کر لیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بغیر جماع کے رجوع نہیں ہوتا اور یہی رائے ہے امام طحاویؒ کی۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر زبان سے رجوع کرنا، رجوع ہوتا تو یہ قسم ٹوٹنا ہو جاتا اور چونکہ زبانی کہنے سے قسم نہیں ٹوٹتی اس لئے زبانی کہنے سے رجوع بھی ثابت نہیں ہوگا خلاصہ یہ کہ رجوع فی الایلاء دو احکام کو مستلزم ہوتا ہے ایک وجوب کفارہ دوم انتفاء فرقت اور رجوع بالقول وجوب کفارہ میں بالاتفاق معتبر نہیں ہے۔ لہٰذا انتفاء فرقت میں بھی معتبر نہیں ہوگا اور جب زبان سے رجوع کرنا انتفاء فرقت میں معتبر نہیں تو یہ رجوع بھی نہیں ہوگا پس ثابت ہو گیا کہ بغیر جماع کے رجوع متحقق نہیں ہوتا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ چونکہ شوہر ایلاء کے وقت جماع کرنے سے عاجز تھا۔ اس لئے عورت کے حق جماع کو روک کر اس کا ارادہ ضرر پہنچانے کا نہیں ہے۔ کیونکہ اس وقت عورت کے لیے حق جماع ہی نہیں تھا۔ البتہ زبان سے واللہ لا اقربک اربعۃ اشھر کہہ کر شوہر نے اس عورت کو وحشت میں مبتلا کر دیا گیا۔ گویا شوہر نے عورت پر زبانی ظلم کیا نہ کہ عملی اور چونکہ توبہ بحسب الجنایت ہوتی ہے اس لئے زبان سے وعدہ کر

کے اس کو راضی کر لینا کافی ہے اور جب زبانی وعدے سے ظلم مرتفع ہو گیا تو شوہر کو طلاق ہو جانے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ یعنی رجوع بالقول کے بعد عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ رہی یہ بات کہ جب زبان سے رجوع کرنا رجوع ہے تو کفارہ واجب ہونا چاہیے تھا حالانکہ کفارہ واجب نہیں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ کفارہ حانث ہونے کی جزا ہے اور حانث ہونا رجوع بالقول سے متحقق نہیں ہوتا۔ اس لئے کفارہ واجب نہیں ہوا (۴) یہ کہ ایک شخص نے بحالت مرض ایلا اور پھر مدت ایلاء میں ہی اس کو جماع پر قدرت حاصل ہو گئی تو اب اس کا رجوع، جماع کے ساتھ معتبر ہوگا خواہ اس شخص نے بحالت مرض رجوع بالقول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اگر بحالت مرض رجوع بالقول...... نہیں کیا تھا تب تو جماع کے ساتھ رجوع کرنا ظاہر ہے اور اگر مرض کی حالت میں زبان سے رجوع کر چکا تو صحت کے بعد یہ رجوع باطل ہو گیا دلیل یہ ہے کہ خلیفہ کے ذریعہ سے مقصود حاصل ہونے سے پہلے وہ اصل پر قادر ہو گیا پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ تیمم کرنے والا شخص نماز کے دوران پانی دیکھ لے تو اس کی یہ نماز باطل ہو جائے گی اور وضو کے ساتھ واجب ہوگی۔

عورت کو انت علی حرام کہنے کا حکم

وَاِذَاقَالَ لِاِمْرَأَتِهٖ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ سُئِلَ عَنْ نِيَّتِهٖ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الْكِذْبَ فَهُوَ كَمَاقَالَ لِاَنَّهٗ نَوٰى حَقِيْقَةَ كَلَامِهٖ وَقِيْلَ لَايُصَدَّقُ فِي الْقَضَاءِ لِاَنَّهٗ يَمِيْنٌ ظَاهِرًا وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الطَّلَاقَ فَهِيَ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ اِلَّااَنْ يَّنْوِيَ الثَّلٰثَ وَقَدْذَكَرْنَاهُ فِي الْكِنَايَاتِ وَ اِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الظِّهَارَ فَهُوَ ظِهَارٌ وَهٰذَا عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَيْسَ بِظِهَارٍ لِاِنْعِدَامِ التَّشْبِيْهِ بِالْمُحَرَّمَةِ وَهُوَرُكْنٌ فِيْهِ وَلَهُمَا اَنَّهٗ اَطْلَقَ الْحُرْمَةَ وَفِي الظِّهَارِ نَوْعُ حُرْمَةٍ وَالْمُطْلَقُ يَحْتَمِلُ الْمُقَيَّدَوَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ التَّحْرِيْمَ اَوْلَمْ اُرِدْبِهٖ شَيْئًا فَهُوَيَمِيْنٌ يَصِيْرُبِهٖ مُوْلِيًا لِاَنَّ الْاَصْلَ فِيْ تَحْرِيْمِ الْحَلَالِ اِنَّمَا هُوَيَمِيْنٌ عِنْدَنَا وَسَنَذْكُرُهٗ فِي الْاَيْمَانِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَمِنَ الْمَشَايِخِ مَنْ يُّصَرِّفُ لَفْظَةَ التَّحْرِيْمِ اِلَى الطَّلَاقِ مِنْ غَيْرِنِيَّةٍ بِحُكْمِ الْعُرْفِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ...... اور اگر اپنی بیوی سے کہا تو مجھ پر حرام ہے تو اس کی نیت دریافت کی جائے گی پس اگر اس نے کہا کہ میں نے جھوٹ بولنے کا ارادہ کیا ہے۔ تو ایسا ہی ہوگا جیسا وہ کہتا ہے کیونکہ اس نے اپنے کلام کے حقیقی معنی مراد لئے اور کہا گیا کہ قضاءً "تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ظاہر میں قسم ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کی نیت کی تھی تو ایک بائنہ طلاق واقع ہوگی مگر یہ کہ اس نے تین طلاقوں کی نیت کی ہو اور ہم اس کو باب کنایات الطلاق میں ذکر کر چکے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ظہار کا قصد کیا تھا تو یہ ظہار ہوگا اور اس کا ظہار ہو جانا ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ ظہار نہیں ہے کیونکہ محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ معدوم ہے حالانکہ ظہار میں تشبیہ رکن ہے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے مطلق حرام کہا اور ظہار میں ایک قسم کی حرمت ہوتی ہے اور مطلق مقید کا احتمال رکھتا ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے (اس عورت کو) احرام کر لینا مراد لیا یا کہا کہ میں نے کچھ بھی مراد نہیں لیا تو یہ قسم ہے۔ اس کی وجہ سے ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ حلال کو حرام کر لینے میں ہمارے نزدیک اصل یہی ہے کہ وہ قسم ہو جاتی ہے اور عنقریب ہم اس کو باب الایمان میں انشاءاللہ بیان کریں گے اور مشائخ میں سے بعض حضرات لفظ تحریم کو بغیر نیت کے طلاق کی طرف پھیرتے ہیں حکم عرف کی وجہ سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا انت علی حرام تو اس شخص سے نیت دریافت کی جائے کیونکہ اس کا یہ کلام چند معنیٰ کا احتمال رکھتا ہے اور ایک معنی دوسرے معنی سے ممتاز نہیں ہے۔ اس وجہ سے ایک معنی متعین کرنے کے لیے قائل کی نیت معلوم کی جائے گی۔ چنانچہ اگر اس شخص نے کہا کہ میں نے جھوٹ کا ارادہ کیا ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا یعنی نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ ایلاء ہوگا اور نہ ظہار۔

دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے کلام سے حقیقی معنی کا ارادہ کیا ہے کیونکہ یہ عورت اس کے لیے حلال تھی پھر اس کا قول انت علی حرام ایسی خبر ہے جو واقع کے مطابق نہیں۔ لہٰذا کذب اور جھوٹ ہوگا اور چونکہ کلام کے حقیقی معنی کی نیت کرنا شرعاً معتبر ہوتا ہے اس لئے یہاں بھی اس شخص کی نیت معتبر ہوگی۔

مگر اس دلیل پر اشکال ہوگا وہ یہ کہ اگر جھوٹ اس کے کلام انت علی حرام کے حقیقی معنی ہیں تو بلا نیت معتبر ہونا چاہیے۔ کیونکہ حقیقت محتاج نیت نہیں ہوتی۔

جواب...... کذب اور جھوٹ حقیقت اولیٰ ہے اور یمین حقیقت ثانیہ ہے اور لفظ کے متعدد معنی کے درمیان مشترک ہونے کی صورت میں بھی ایک معنی متعین کرنے کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ (فتح القدیر)

امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ قاضی ارادہ کذب میں اس شخص کی تصدیق نہ کرے کیونکہ اس کا قول انت علی حرام بظاہر قسم ہے۔ اس لئے کہ یہ حلال کو حرام کرنا ہے اور تحریک حلال کا قسم ہونا نص سے ثابت ہے اور نص یہ ہے **یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک واللہ غفور رحیم قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم** ۔ترجمہ:۔ اے نبی جن چیزوں کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے آپ ان کو کیوں حرام کرتے ہیں (کیا) اپنی بیویوں کی رضامندی ڈھونڈتے ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے قسموں کو کھول دینا بھی فرض کر دیا ہے۔ (حقانی)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تحریم حلال کو قسم کہا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ تحریم حلال کا نام قسم ہے۔ حاصل یہ کہ انت علی حرام میں قسم کے معنی ظاہر ہیں اور کذب کے معنی خلاف ظاہر اور خلاف ظاہر کی قضاءً تصدیق نہیں کی جاتی ہے اس لئے قاضی ارادہ کذب میں اس شخص کی تصدیق نہیں کرے گا۔

صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ یہ قول زیادہ صحیح ہے اور اسی پر عمل اور فتویٰ ہے اور اگر اس شخص نے اپنے قول انت علی حرام سے طلاق مراد لی اور عدد طلاق کی نیت نہیں کی یا ایک کی نیت کی یا دو کی تو ان تینوں صورتوں میں ایک بائنہ واقع ہوگی اور اگر تین طلاقوں کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی۔ دلیل یہ ہے کہ انت علی حرام الفاظ کنایات میں سے ہے اور الفاظ کنایات پر سابق میں بحث ہو چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اور اگر اس شخص نے کہا میں نے ظہار کے معنی مراد لئے ہیں تو شیخین کے نزدیک یہ ظہار ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظہار کہتے ہیں محللہ (حلال عورت) کو محرمہ (جس عورت کے لیے حرمت مؤبدہ ثابت ہو) کے ساتھ تشبیہ دینا اور ظہار کا تشبیہ دینا ہی رکن ہے اور یہاں حرف تشبیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے تشبیہ موجود نہیں۔ اس وجہ سے ظہار بھی نہیں ہوگا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ قائل نے اپنے کلام انت علی حرام میں لفظ حرمت مطلق ذکر کیا ہے اور لفظ حرمت چند انواع کا احتمال رکھتا ہے۔ حرمت بالطلاق کا بھی اور حرمت بالظہار کا بھی خلاصہ یہ کہ ظہار بھی حرمت کی ایک نوع ہے۔ پس ظہار مطلق حرمت کے محتملات میں سے ہوا اور قاعدہ ہے کہ جو شخص اپنے کلام کے محتملات میں سے کسی محتمل کی نیت کرے گا، تو اس کی تصدیق کی جائے گی اس وجہ سے یہاں شوہر یعنی قائل کی جانب سے ظہار کی نیت معتبر ہوگی۔

اور اگر اس نے کہا کہ میں نے عورت کو حرام کر لینے کا ارادہ کیا ہے یا کہا کہ میں نے کچھ بھی ارادہ نہیں کیا تو یہ قسم ہوگی اور اس کی وجہ سے ایلاء کرنے والا ہو جائے گا پس اگر اس نے چار ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی سے وطی کر لی تو کفارہ دے گا اور اگر وطی نہیں کی یہاں تک کہ چار ماہ گزر گئے تو ایلاء کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی۔

تحریم مراد لینے کی صورت میں دلیل یہ ہے کہ حلال کو حرام کرنے میں اصل یہ ہے کہ وہ یمین ہو ہمارے نزدیک کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے

یٰایها النبی لم تحرم ما احل الله لك تبتغی مرضات ازواجك والله غفور رحیم قد فرض الله لكم تحلة ایمانكم ۔ ترجمہ اور وجہ استدلال سابق میں گزر چکا۔

اور اگر کوئی نیت نہیں کی تو یہ کلام یمین اس لئے ہوگا کہ یمین سے جو حرمت ثابت ہوتی ہے وہ ادنیٰ درجہ کی حرمت ہے۔ کیونکہ ایلاء میں کفارہ سے پہلے وطی کرنا حلال ہے اور ظہار میں ایسا نہیں ہے اور ایلاء میں فی الحال حرمت ثابت نہیں ہوتی بلکہ چار ماہ گزر جانے کے بعد حرمت ثابت ہوگی اور اظہار میں فی الحال حرمت ثابت ہو جاتی ہے اور اسی طرح حرمت بالا یلاء ادنی ہے حرمت بالطلاق سے کیونکہ اگر طلاق مراد لی ہے تو طلاق بائن واقع ہوگی اور وطی حرام ہو جائے گی اور ایلاء وطی کو حرام نہیں کرتا پس جب حرمت یمین ادنیٰ ہے تو متیقین ہونے کی وجہ سے وہی متعین ہوگی انشاء اللہ کتاب الایمان میں تفصیل کے ساتھ کلام کریں گے۔

اور مشائخ میں سے بعض حضرات انت علی حرام میں لفظ تحریم کو بغیر نیت کے طلاق کی طرف پھیرتے ہیں اور دلیل عرف کو بناتے ہیں اس لئے کہ ہمارے زمانہ میں لوگ انت علی حرام سے طلاق ہی مراد لیتے ہیں۔ فقیہ ابو اللیث نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جمیل احمد سکرو ڈھوی

بــــاب الـــخـــلـــع

ترجمہ ...... (یہ) باب (احکام) خلع کے (بیان میں) ہے

تشریح ...... خلع کو ایلاء سے دو وجہوں سے مؤخر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ ایلاء میں مال نہیں ہوتا اس لئے وہ طلاق سے زیادہ قریب ہے اس کے برخلاف خلع کہ اس میں عورت کی جانب سے معاوضہ کے معنی موجود ہیں۔ دوم یہ کہ ایلاء کا مبنی شوہر کی جانب سے نشوز اور نافرمانی کا جذبہ ہے اور خلع کا مبنی عورت کی جانب سے نشوز اور نافرمانی کا جذبہ ہے پس جس چیز کا تعلق مرد کے ساتھ ہے یعنی ایلاء اس کو پہلے بیان کیا ہے اور جس چیز کا تعلق عورت کے ساتھ ہے یعنی خلع اس کو بعد میں بیان کیا ہے۔ (عنایہ)

تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ایلاء مال سے خالی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ بمنزلہ مفرد کے ہے اور خلع عورت کی جانب سے مال ہوتا ہے اس لئے وہ بمنزلہ مرکب کے ہے اور چونکہ مفرد مقدم ہوتا ہے مرکب پر اس لئے ایلاء کو پہلے بیان کیا گیا اور خلع کو بعد میں۔

اور خلع کی مشروعیت کتاب اللہ، سنت، اجماع امت اور دلیل عقلی چاروں سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ مثلاً باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فلا جناح علیهما فیما افتدت به یعنی ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں اس بارے میں کہ عورت فدیہ دے دے (اپنی جان کا) اور سنت رسول ﷺ یہ ہے

ان جمیلة كانت تحت ثابت بن قیس بن شماس فجائت الیٰ رسول الله ﷺ وقالت لا اعیب علیٰ ثابت فی دین و لا خلق و لكنی اخشی الكفر فی الاسلام لشدة بغضی ایاه فقال علیه السلام اتریدین علیه حدیقته فقالت نعم و زیادة فقال علیه السلام اما الزیادة فلا

یعنی جمیلہ نامی عورت ثابت بن قیس بن شماس کے نکاح میں تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہنے لگی کہ میں ثابت کو اس کے دین و اخلاق میں برا نہیں کہتی ہوں، لیکن میں نفاق مع الاسلام سے ڈرتی ہوں اس لئے کہ مجھ کو اس سے انتہائی نفرت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تو اس کو اس کا باغ واپس کر دے گی اس نے کہا جی ہاں! اور زیادہ بھی۔ آپ نے فرمایا کہ زیادہ کی تو ضرورت نہیں۔

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے اپنی طرف سے عوض دے سکتی ہے اور اسی کا نام خلع ہے اور خلع کی مشروعیت پر اجماع امت بھی ہے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ ملک نکاح کو قیاس کیا گیا ہے ملک قصاص پر یعنی جس طرح ملک قصاص مال نہیں مگر

اس کا عوض لینا جائز ہ اسی طرح ملک نکاح بھی اگر چہ مال نہیں ہے لیکن اس کا عوض لینا جائز ہے اور عوض لے کر طلاق دینا ہی خلع کہلاتا ہے۔

لغوی تحقیق یہ ہے کہ خلع نام ہے ان کے قول خالعت المراة زوجها اور اختلعت منه بمالها کا۔ خلع بضم الخاء اور بفتح الخاء دونوں طرح آیا ہے معنی ہیں نزع یعنی الگ کرنا اور نکال ڈالنا۔ جیسے باری تعالیٰ کا قول فاخلع نعلیک یعنی اپنے دونوں جوتوں کو نکال ڈال۔ مگر خلع بفتح الخاء نزع حقیقی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور خلع بالضم نزع مجازی کے لیے۔

شریعت میں خلع کہتے ہیں عورت سے لفظ خلع کے ساتھ ملک نکاح کے مقابلہ میں مال لینا اور خلع کی شرط وہ ہے جو طلاق کی شرط ہے اور اس کا حکم طلاق بائن کا واقع ہونا ہے اور اس کی صفت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے خلع یمین ہے اور عورت کی طرف سے معاوضہ لہٰذا شوہر کی جانب سے یمین کے احکام کی رعایت کی جائے گی اور عورت کی جانب سے معاوضہ کے احکام کی اور صاحبین کے نزدیک دونوں جانب سے خلع یمین ہے۔

میاں بیوی کو جھگڑے کا خوف ہو کہ ایک دوسرے کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے تو عورت مال دے کر خلع کر سکتی ہے

وَ إِذَا تَشَاقَّ الزَّوْجَانِ وَ خَافَا اَنْ لَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللهِ فَلَابَاْسَ بِاَنْ تَفْتَدِىَ نَفْسَهَامِنْهُ بِمَالٍ يَخْلَعُهَا بِهٖ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَلَاجُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ فَاِذَافَعَلَ ذٰلِكَ وَقَعَ بِالْخُلْعِ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ وَلَزِمَهَا الْمَالُ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْخُلْعُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ وَلِاَ نَّهٗ يَحْتَمِلُ الطَّلَاقَ حَتّٰى صَارَمِنَ الْكِنَايَاتِ وَالْوَاقِعُ بِالْكِنَايَاتِ بَائِنٌ اِلَّا اَنَّ ذِكْرَالْمَالِ اُغْنِىَ عَنِ النِّيَّةِ هٰنَا وَلِاَنَّهَالَاتَتَسَلَّمُ الْمَالَ اِلَّا لِتَسْلَمَ لَهَا نَفْسُهَا وَذٰلِكَ بِالْبَيْنُوْنَةِ

ترجمہ...... اور جب میاں بیوی باہم جھگڑا کریں اور دونوں کو یہ ڈر ہو کہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اس کو اپنی جان کا فدیہ دے دے ایسے مال کے ساتھ جس کے ذریعہ شوہر اس کو خلع دیدے۔ دلیل قول باری تعالیٰ فلا جناح علیهما فیما افتدت به ہے یعنی ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اس کو فدیہ دیدے۔ پس جب شوہر اور بیوی نے ایسا کر لیا تو خلع کی وجہ سے ایک طلاق بائن واقع ہوگی اور عورت پر مال لازم ہوگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خلع دینا ایک طلاق بائن ہے اور اس لئے کہ خلع دینا طلاق کا احتمال رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ کنایہ کی طلاقوں میں سے ہو گیا اور کنایات طلاق سے جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ بائنہ ہوتی ہے مگر یہاں مال کے ذکر نے نیت سے بے نیاز کر دیا اور اس لئے کہ عورت مال (کی ذمہ داری) قبول نہیں کرتی مگر اس لئے کہ اس کی جان اس کے قبضہ میں ہو جائے اور یہ بائنہ ہونے سے ہوگا۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر زوجین باہم جھگڑا کرنے لگیں اور یہ محسوس کر لیں کہ اب اللہ کے حدود یعنی حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکیں گے۔ تو اس بارے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ عورت اپنی جان کا اپنے شوہر کو فدیہ دیدے اور شوہر اس مال کے بدلے اس کو بذریعہ خلع طلاق دیدے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول فلا جناح علیهما فیما افتدت به ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مرد پر کوئی گناہ نہیں فدیہ لینے میں اور عورت پر کوئی گناہ نہیں فدیہ دینے میں۔ یہ فدیہ دینا عورت کی جانب سے درحقیقت اپنے آپ کو قید سے رہا کرانے کے لیے ہوتا ہے اس لئے کہ عورتیں اپنے شوہروں کے پاس قیدیوں کے درجہ میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا نام اساریٰ (قیدی) ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اتقوا الله فی النساء فانهن عندکم عوان ۔ یعنی عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اس لئے کہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں۔ (ترمذی منقول از عینی شرح ہدایہ) اور جاراللہ زمخشری نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت فلا جناح...... الآیة ثابتؓ اور ان کی بیوی کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور یہ اسلام میں سب سے پہلے خلع تھا۔ یہ حدیث باب الخلع کے تحت تفصیل کے ساتھ ذکر کر دی گئی ہے۔ عینی نے ثابتؓ کی بیوی کے تین نام ذکر کئے ہیں (۱)

حبیبہ (۲) حمیلہ (۳) جمیلہ۔ جواز خلع میں علاوہ امام مزنی کے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اصحاب ظواہر نے دو شرطوں کے ساتھ خلع کی اجازت دی ہے۔ ایک یہ کہ عورت اپنے شوہر سے نفرت کا اظہار کرے دوم یہ کہ عورت کو یہ خوف ہو کہ حقوق زوجیت ادا نہیں ہو سکیں گے اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ خلع صرف بادشاہ کی اجازت سے جائز ہے اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ خلع صرف اس صورت میں جائز ہے جب عورت شوہر کی اطاعت کا انکار کردے اور یہ کہہ دے کہ میں تیرے لئے غسل جنابت نہیں کروں گی اور ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ خلع اس صورت میں جائز ہے جب نافرمانی اور اعراض کا مظاہرہ ہونے لگے۔

جب میاں بیوی نے یہ کام کرڈالا یعنی بیوی نے فدیہ دے دیا اور شوہر نے خلع کردیا تو اس کی وجہ سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور عورت پر مال واجب ہوگا اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے طلاق نہیں۔ ثمرہ اختلاف اس مسئلہ میں ظاہر ہوگا کہ اگر کسی شخص نے دو طلاقوں کے بعد خلع کیا تو احناف کے نزدیک حرمت غلیظہ ثابت ہو جائے گی اور امام شافعیؒ کے نزدیک حرمت غلیظہ ثابت نہیں ہوگی۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ خداوند قدوس نے مسئلہ طلاق کو اس ترتیب کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ سب سے پہلے فرمایا الطلاق مرتان پھر فرمایا:۔ فلا جناح علیهما فیما افتدت به یعنی مسئلہ خلع کو پھر اس کے بعد فرمایا فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره ۔ اب اگر مذہب احناف کے مطابق خلع کو طلاق مان لیا جائے تو طلاقیں چار ہو جائیں گی حالانکہ طلاقیں صرف تین مشروع کی گئی ہیں پس اس سے معلوم ہوا کہ خلع طلاق نہیں ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نکاح بیع کی طرح عقد ہے اور عقد فسخ کا احتمال رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ خیار عدم کفاءۃ۔ خیار عتق اور خیار بلوغ کی وجہ سے تمہارے نزدیک بھی نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ نکاح فسخ کا احتمال رکھتا ہے اور فسخ کے لیے رضامندی ضروری ہے اور باہمی رضامندی صرف خلع میں ہوتی ہے نہ کہ طلاق میں اس وجہ سے خلع فسخ نکاح ہوگا نہ کہ طلاق۔

ہماری دلیل حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الخلع تطلیقة بائنة ۔ دوسری دلیل اور امام شافعیؒ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نکاح۔ تمام اور مکمل ہونے کے بعد فسخ کا احتمال نہیں رکھتا اور خیار عدم کفاءۃ خیار عتق اور خیار بلوغ کی وجہ سے فسخ قبل التمام ہے نہ کہ بعد التمام۔ لہٰذا ان تینوں کی وجہ سے اتمام نکاح سے رکنا کہلائے گا نہ کہ فسخ کرنا اور رہا خلع تو وہ تمام عقد کے بعد ہوتا ہے اور نکاح تمام عقد کے بعد فسخ کا احتمال نہیں رکھتا اس وجہ سے خلع کو فسخ نکاح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ نکاح تمام ہونے کے بعد قطع فی الحال کا احتمال رکھتا ہے۔ اس وجہ سے ہماری درخواست ہے کہ خلع سے رفع قید اور قطع نکاح کے معنی مراد لئے جائیں اور رفع قید اور قطع نکاح نام ہے طلاق کا۔ پس ثابت ہوگیا کہ خلع طلاق ہے نہ کہ فسخ۔

اور رہا امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ خلع کو طلاق ماننے کی صورت میں طلاقیں چار ہو جاتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ تیسری طلاق بعوض ہو یا بغیر عوض اس کے بعد عورت کے لیے حرمت غلیظہ ثابت ہو جائے گی۔ طلاق بعوض کو فلا جناح علیهما فیما افتدت به کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور طلاق بغیر عوض کو فان طلقها...... الآیہ کے ساتھ حاصل یہ کہ اگر ایک چیز کو دو طرح سے بیان کردیا جائے تو وہ ایک ہی چیز رہتی ہے دو نہیں ہو جاتی۔ مثلاً آپ اپنے دوست سے کہیں کہ یہ قلم دیدو قیمت دیدیا بلا قیمت تو یہ قلم ایک ہی رہے گا۔ دو طرح ذکر کردینے سے دو نہیں ہوں گے پس ثابت ہوگیا کہ فلا جناح الآیۃ اور فان طلقها ...... الآیۃ میں ایک ہی طلاق مذکور ہے نہ کہ دو پس اس تقریر کی بنیاد پر طلاقیں تین ہوں گی نہ کہ چار۔

صاحب ہدایہ نے خلع کے ذریعہ طلاق بائن واقع ہونے کی دو دلیلیں اور ذکر فرمائی ہیں ایک یہ کہ لفظ خلع طلاق کا احتمال رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا خالعتك یا خلعتك اور طلاق کی نیت کی تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ لفظ خلع کنایات طلاق میں سے ہے اور الفاظ کنایہ کے ساتھ طلاق بائن واقع ہوتی ہے سوائے تین کلمات کے "انت واحدة، اعتدی، استبرئی رحمك" ۔

لا ان ذکر المال سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب لفظ خلع الفاظ کنایہ میں سے ہے تو اس میں نیت شرط ہونی چاہیے حالانکہ خلع میں نیت شرط نہیں ہے جواب لفظ خلع چند معنی کا احتمال رکھتا ہے (۱) کپڑوں سے نکلنا (۲) بھلائیوں سے نکلنا (۳) نکاح سے نکلنا۔ پس جب مال یعنی بدل خلع ذکر کر دیا گیا تو نکاح سے نکلنے کے معنی متعین ہو گئے اس وجہ سے نیت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عورت مال کی ذمہ داری اس وقت قبول کرے گی جب اس کا نفس بالکلیہ اس کے سپرد کر دیا جائے اور عورت کے واسطے اس کے نفس کی سپردگی صرف طلاق بائن سے ہو سکتی ہے نہ کہ طلاق رجعی سے اس لئے ہم نے کہا کہ خلع طلاق بائن ہے نہ کہ طلاق رجعی۔

سرکشی شوہر کی جانب سے ہو تو اس کے لیے بدل خلع لینا مکروہ ہے

وَاِنْ کَانَ النُّشُوْزُ مِنْ قِبَلِهٖ یُکْرَهُ لَهٗ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْهَا عِوَضًا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ اِلٰی اَنْ قَالَ فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا وَلِاَنَّهٗ اَوْحَشَهَا بِالْاِسْتِبْدَالِ فَلَا یَزِیْدُ فِیْ وَحْشَتِهَا بِاَخْذِ الْمَالِ

ترجمہ..... اور اگر سرکشی شوہر کی جانب سے ہو تو سوہر کے لیے مکروہ ہے کہ بیوی سے عوض لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بدلنا چاہو، یہاں تک کہ فرمایا تو اس میں سے کچھ مت لو اور اس لئے کہ شوہر نے بیوی بدلنے کے ساتھ اس کو وحشت میں ڈال دیا تو مال لے کر اس کی وحشت میں اضافہ نہ کرے۔

تشریح..... نشوز عورت کا اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا اور اس سے نفرت کرنا۔ زجاج فرماتے ہیں کہ نشوز دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ یعنی زوجین میں سے ہر ایک کا دوسرے سے ناگواری ظاہر کرنا۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کی جانب سے نشوز اور ناگواری کا اظہار ہو تو شوہر کے لیے بدل خلع کے طور پر عورت سے کچھ لینا مکروہ ہے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول ہے :

و ان اردتم استبدال زوج مکان زوج و اتیتم احدھن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا. اتا خذونه بهتانا و اثما مبینا

اور اگر تم نے ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنے کا ارادہ کیا، حالانکہ تم نے ایک کو ڈھیر بھر دے رکھا ہے تو تم اس میں سے کچھ مت لو۔ کیا تم اس کو لیتے ہو تہمت لگا کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر۔

قنطار..... بیل کی کھال بھر سونا یا چاندی اور بعض نے کہا کہ ستر ہزار دینار اور بعض کہتے ہیں کہ ایک ہزار دو سو اوقیہ اور ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور زمخشری نے کہا کہ قنطار مال عظیم کو کہتے ہیں بہر حال اس آیت میں عورت سے عوض لینے کی کراہت پر صراحت موجود ہے۔ اس لئے عورت سے عوض لینا مکروہ قرار دیا گیا۔ البتہ اگر شوہر نے لے لیا تو کراہت کے باوجود جائز ہے۔ کیونکہ فلا تاخذوا منه شیئا میں نہی لغیرہ ہے اور نہی لغیرہ کی وجہ سے مشروعیت ذاتی معدوم نہیں ہوتی۔ جیسے جمعہ کے دن اذان کے وقت خرید و فروخت کرنا مشروع لذاتہ اور ممنوع لغیرہ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے سابقہ بیوی کی جگہ دوسری بیوی لا کر اس کو وحشت میں ڈال دیا ہے۔ اس لئے اب اس سے مال لے کر مزید وحشت میں نہ ڈالا جائے۔

اگر عورت ناشزہ ہے تو مرد کے لیے دیئے ہوئے سے زیادہ وصول کرنا مکروہ ہے

وَاِنْ کَانَ النُّشُوْزُ مِنْهَا کَرِهْنَا لَهٗ اَنْ یَّاْخُذَ مِنْهَا اَکْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهَا وَفِیْ رِوَایَةِ الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ طَابَ الْفَضْلُ اَیْضًا

لِاِطْلَاقِ مَاتَلَوْنَا بَدْأً وَجْهُ الْاُخْرٰى قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اِمْرَأَةِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ اَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا وَقَدْ كَانَ النُّشُوْزُ مِنْهَا

ترجمہ...... اور اگر سرکشی عورت کی جانب سے ہو تو ہم شوہر کے لیے مکروہ جانتے ہیں کہ بیوی سے اس سے زیادہ لے جو اس کو دیا ہے اور جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ زائد لینا بھی جائز ہے اس آیت کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو سابق میں تلاوت کر چکے اور دوسری روایت کی وجہ سے ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اما الزیادۃ فلا ہے حالانکہ سرکشی بیوی ہی کی طرف سے تھی۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ عورت کی جانب سے اگر شرارت ہو تو مقدار مہر تک لینا شوہر کے لیے بلا کراہت جائز ہے مگر مقدار مہر سے زائد لینا مبسوط کی روایت کے مطابق مکروہ ہے اور جامع صغیر کی روایت کے مطابق جائز بلا کراہت ہے۔ عدم کراہت کی دلیل وہ آیت ہے جو سابق میں گزر چکی ہے یعنی فلا جناح علیهما فیما افتدت به اور یہ آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے قلیل اور کثیر مہر اور غیر مہر سب کو شامل ہے۔

اور مقدار مہر پر زیادتی کے مکروہ ہونے کی دلیل ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واما الزیادۃ فلا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادتی کی نفی فرمادی ہے اور جب اباحت منتفی ہوگئی تو کراہت ثابت ہو جائے گی یہ حدیث بالتفصیل اول باب میں آ چکی ہے۔

اگر مرد نے مہر سے زیادہ وصول کر لیا تو قضاءً لینا جائز ہے

وَلَوْ اَخَذَ الزِّيَادَةَ جَازَ فِي الْقَضَاءِ وَكَذٰلِكَ اِذَا اَخَذَ وَالنُّشُوْزُ مِنْهُ لِاَنَّ مُقْتَضٰى مَاتَلَوْنَاهُ شَيْئَانِ الْجَوَازُ حُكْمًا وَالْاِبَاحَةُ وَقَدْ تُرِكَ الْعَمَلُ فِيْ حَقِّ الْاِبَاحَةِ لِمُعَارِضٍ فَبَقِيَ مَعْمُوْلًا فِي الْبَاقِيْ

ترجمہ...... اور اگر (مہر سے) زائد لے لیا تو قضاءً جائز ہے اور اسی طرح جب کہ لیا حالانکہ سرکشی شوہر کی جانب سے ہے کیونکہ ہم نے جو آیت تلاوت کی اس کا مقتضیٰ دو چیزیں ہیں ایک تو حکماً جائز ہونا اور دوسرے مباح ہونا اور اباحت کے حق میں معارض کی وجہ سے عمل متروک ہو گیا تو باقی کے حق میں (آیت پر) عمل رہا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ عورت کے ناشزہ ہونے کی صورت میں اگر شوہر نے عورت سے مقدار مہر سے زیادہ لے لیا تو قضاءً جائز ہے اور ایسے ہی اگر سرکشی شوہر کی طرف سے ہے اس کے باوجود شوہر نے مقدار مہر سے زیادہ لے لیا تو بھی قضاءً جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ فلا جناح علیهما فیما افتدت فیه۔ آیت کا مقتضیٰ دو چیزیں ہیں (۱) شرعاً جواز (۲) اباحت یعنی حلت اور اباحت اور جواز میں فرق یہ ہے کہ اباحت کی ضد کراہت ہے اور جواز کی ضد حرمت ہے۔ مگر جو مباح ہوگا وہ جائز ضرور ہوگا لیکن جائز کے لیے مباح ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً جمعہ کے دن اذان کے وقت خرید و فروخت کرنا جائز ہے۔ مگر مباح نہیں بلکہ مکروہ ہے معلوم ہوا کہ جواز اور کراہت دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

اب طریق استدلال یہ ہوگا کہ اباحت کے حق میں معارض یعنی حضور ﷺ کے قول اما الزیادۃ فلا کی وجہ سے آیت معمول بہا نہ رہی اور چونکہ جواز کے حق میں کوئی معارض موجود نہیں اس لئے جواز کے حق میں آیت پر عمل باقی رہے گا کیونکہ اباحت کی نفی جواز کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ مقدار مہر سے زائد لینا شوہر کے لیے جائز تو ہے مگر مباح نہیں بلکہ کراہت ہے۔

شوہر نے مال کے عوض طلاق دی عورت نے اسے قبول کیا تو عورت پر مال لازم ہے

وَاِنْ طَلَّقَهَا عَلٰى مَالٍ فَقَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ وَلَزِمَهَا الْمَالُ لِاَنَّ الزَّوْجَ يَسْتَبِدُّ بِالطَّلَاقِ تَنْجِيْزًا وَتَعْلِيْقًا وَقَدْ

عَلَّقَهُ بِقُبُوْلِهَا وَالْمَرْأَةُ تَمْلِكُ اِلْتِزَامَ الْمَالِ لِوَلَايَتِهَا عَلٰى نَفْسِهَا وَمِلْكُ النِّكَاحِ مِمَّا يَجُوْزُ الْاِعْتِيَاضُ عَنْهُ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ مَالًا كَالْقِصَاصِ وَكَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا لِمَا بَيَّنَّا وَلِاَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِالنَّفْسِ وَقَدْ مَلَكَ الزَّوْجُ اَحَدَ الْبَدَلَيْنِ فَتَمْلِكُ هِيَ الْاٰخَرَ وَهُوَ النَّفْسُ تَحْقِيْقًا لِلْمُسَاوَاةِ

ترجمہ......اور اگر اس کو شوہر نے مال پر طلاق دی پھر اس نے قبول کر لی تو طلاق واقع ہوگئی اور عورت پر مال لازم ہوگیا۔ کیونکہ شوہر طلاق منجز یا طلاق معلق دینے میں مستقل ہے اور حال یہ ہے کہ اس نے طلاق کو عورت کے قبول کرنے پر معلق کیا ہے اور عورت کو اپنے ذمہ مال لازم کر لینے کا اختیار ہے۔ کیونکہ اس عورت کو اپنے نفس پر ولایت حاصل ہے اور ملک نکاح ایسی چیز ہے کہ اس کا عوض لینا جائز ہے اگر چہ وہ مال نہ ہو جیسے قصاص اور یہ طلاق بائنہ ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اور اس لئے کہ یہ ذات کا معاوضہ مال سے ہے اور حال یہ کہ شوہر احد البدلین کا مالک ہوا۔ پس عورت دوسرے کی مالک ہوگی اور وہ (اس کی) ذات ہے تاکہ (دونوں میں) برابری ثابت ہو۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو مال پر طلاق دی، مثلاً کہا انت طالق بالف درھم یا انت طالق علی الف درھم۔ پھر عورت نے اس کو قبول کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت کے ذمہ مال لازم ہوگا دلیل یہ ہے کہ یہ تصرف معاوضہ ہے اور تصرف معاوضہ موقوف ہے اہلیت متعاقدین اور صلاحیت محل پر اور یہ سب موجود ہیں۔ شوہر کا فعل ہونا تو اس لیے ثابت ہے کہ اس کو فی الحال طلاق یا معلق طلاق دینے کا مستقلاً اختیار ہے اور یہاں اس نے طلاق کو عورت کے قبول کرنے پر معلق کیا ہے لہٰذا اس کا قبول کرنا شرط ہوگا اگر قبول کرے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس پر مال لازم ہوگا ورنہ نہیں اور عورت کا اہل ہونا اس لیے ثابت ہے کہ وہ اپنے ذمہ مال لازم کرنے کی مالک ہے کیونکہ اس کو اپنی ذات پر پوری پوری ولایت حاصل ہے اور محل اس لیے صالح ہے کہ ملک نکاح ایسی چیز ہے جس کا عوض لینا جائز ہے اگر چہ مال نہیں جیسا کہ قصاص اگر چہ مال نہیں مگر اس کا عوض لینا جائز ہے اور دونوں کے درمیان جامع اہل التزام سے التزام کا پایا جاتا ہے۔

اور مال کے عوض جب طلاق واقع ہوگی تو بائنہ ہوگی۔ ایک دلیل تو سابق میں گزر چکی کہ عورت اپنے ذمہ مال اسی وقت قبول کرے گی جب کہ اس کا نفس اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہ بات حاصل ہوتی ہے طلاق بائن سے۔ اس وجہ سے طلاق بائن واقع ہوگی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ طلاق علی مال معاوضۃ مال بالنفس ہے یعنی عورت نے اپنے نفس کو چھٹکارا دینے کے لیے اپنے شوہر کو مال دینا منظور کیا ہے اور شوہر ایک بدل یعنی مال کا مالک ہو گیا اس وجہ سے عورت دوسرے بدل یعنی نفس کی مالک ہو جائے گی تاکہ مساوات پیدا ہو جائے اور عورت اپنے نفس کی مالک طلاق بائن سے ہو سکتی ہے نہ کہ طلاق رجعی سے کیونکہ طلاق رجعی میں شوہر کا حق منقطع نہیں ہوتا پس ثابت ہو گیا کہ طلاق علی مال سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

مسلمان کے لیے شراب یا خنزیر کے عوض خلع کرنے کا حکم

قَالَ وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الْخُلْعِ مِثْلَ اَنْ يُخَالِعَ الْمُسْلِمُ عَلٰى خَمْرٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ اَوْ مَيْتَةٍ فَلَا شَيْءَ لِلزَّوْجِ وَالْفُرْقَةُ بَائِنَةٌ وَاِنْ بَطَلَ الْعِوَضُ فِي الطَّلَاقِ كَانَ رَجْعِيًّا فَوُقُوْعُ الطَّلَاقِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِلتَّعْلِيْقِ بِالْقُبُوْلِ وَافْتِرَاقُهُمَا فِي الْحُكْمِ لِاَنَّهُ لَمَّا بَطَلَ الْعِوَضُ كَانَ الْعَامِلُ فِي الْاَوَّلِ لَفْظَ الْخُلْعِ وَهُوَ كِنَايَةٌ وَفِي الثَّانِي الصَّرِيْحُ وَهُوَ يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ وَاِنَّمَا لَمْ يَجِبْ لِلزَّوْجِ شَيْءٌ عَلَيْهَا لِاَنَّهَا مَا سَمَّتْ مَالًا مُتَقَوَّمًا حَتّٰى تَصِيْرَ غَارَّةً لَهُ وَلِاَنَّهُ لَا وَجْهَ اِلٰى اِيْجَابِ الْمُسَمّٰى لِلْاِسْلَامِ وَلَا اِلٰى اِيْجَابِ غَيْرِهِ لِعَدَمِ الْاِلْتِزَامِ بِخِلَافِ مَا اِذَا خَالَعَ عَلٰى خَلٍّ بِعَيْنِهِ فَظَهَرَ اَنَّهُ خَمْرٌ لِاَنَّهَا سَمَّتْ مَالًا فَصَارَ مَغْرُوْرًا وَبِخِلَافِ مَا اِذَا كَاتَبَ اَوْ اَعْتَقَ عَلٰى خَمْرٍ حَيْثُ تَجِبُ قِيْمَةُ

الْعَبْدِ لِاَنَّ مِلْكَ الْمَوْلٰى فِيْهِ مُتَقَوَّمٌ وَمَارَضِيَ بِزَوَالِهٖ مَجَّانًا اَمَّامِلْكُ الْبُضْعِ فِيْ حَالَةِ الْخُرُوْجِ غَيْرُ مُتَقَوَّمٍ عَلٰى مَانَذْكُرُ وَبِخِلَافِ النِّكَاحِ لِاَنَّ الْبُضْعَ فِيْ حَالَةِ الدُّخُوْلِ مُتَقَوَّمٌ وَ الْفِقْهُ اَنَّهٗ شَرِيْفٌ فَلَمْ يُشْرَعْ تَمَلُّكُهٗ اِلَّا بِعِوَضٍ اِظْهَارًا لِشَرَفِهٖ فَاَمَّا الْاِسْقَاطُ فَنَفْسُهٗ شَرِيْفٌ فَلَاحَاجَةَ اِلَى اِيْجَابِ الْمَالِ

ترجمہ..... قدوری نے کہا اور اگر خلع میں عوض باطل ہو جیسے مسلمان شراب یا سور یا مردار پر خلع کرے تو شوہر کے لیے کچھ عوض نہیں ہوگا اور یہ فرقت بائنہ ہوگی اور اگر طلاق میں عوض باطل ہوا تو طلاق رجعی ہوگی پس دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہونا (عورت کے) قبول کرنے پر اطلاق کو) معلق کرنے کی وجہ سے ہے اور دونوں طلاقوں کا حکم میں مختلف ہونا اس لئے ہے کہ جب عوض باطل ہو گیا تو پہلی صورت میں عمل کرنے والا لفظ خلع ہے اور یہ کنایہ ہے اور دوسری صورت میں عمل کرنے والا لفظ صریح ہے اور صریح طلاق کے بعد رجعت ہوتی ہے اور شوہر کے واسطے عورت پر کچھ واجب نہ ہوا کیونکہ عورت نے مال متقوم بیان نہیں کیا تا کہ وہ مرد کو دھوکا دینے والی قرار پائے اور اس لئے کہ مسمّی کو واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں مسلمان ہونے کی وجہ سے اور غیر مسمّی کو واجب کرنے کی صورت نہیں التزام نہ کرنے کی وجہ سے بخلاف اس صورت کے جب کہ کسی معین مٹکہ سرکہ پر (شوہر نے) خلع کیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ تو خراب ہے۔ کیونکہ عورت نے مال ذکر کیا تھا پس شوہر دھوکا کھانے والا ہو گیا اور برخلاف اس صورت کے جب اپنے غلام کو شراب پر مکاتب یا آزاد کیا تو غلام کی قیمت واجب ہوگی کیونکہ مولیٰ کی ملک اس میں متقوم ہے اور مالک اس ملک کو مفت زائل کرنے پر راضی نہیں ہوا ہے اور رہی ملک بضع حالت خروج میں تو وہ غیر متقوم ہے۔ چنانچہ ہم ذکر کریں گے اور برخلاف (شراب پر) نکاح کرنے کے اس لئے کہ حالت دخول میں بضع متقوم ہے اور بھید یہ ہے کہ عورت کا بضع ایک شریف چیز ہے پس اس کا مالک بننا مشروع نہیں ہوا مگر عوض کے ساتھ تا کہ اس کی شرافت ظاہر ہو اور رہا ملک کو ساقط کرنا تو وہ اپنی ذات میں شریف ہے پھر مال واجب کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر خلع میں عوض باطل ہو مثلاً مسلمان مرد اپنی بیوی سے شراب یا سور یا مردار پر خلع کرے تو شوہر کے لیے عورت پر کوئی چیز بدل خلع کے طور پر واجب نہیں ہوگی اور عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

اور اگر مدخول بہا عورت کو عوض پر طلاق دی ہے اور یہ طلاق تیسری طلاق نہیں ہے اور اس صورت میں عوض باطل ہے تو عورت پر طلاق رجعی واقع ہوگی اور شوہر کے لیے عورت پر کچھ واجب نہیں ہوگا دونوں صورتوں میں طلاق کا واقع ہونا اس لئے ہے کہ عورت کی طلاق کو اس کے قبول کرنے پر معلق کیا گیا تھا اور اس نے قبول بھی کر لیا اور ان دونوں صورتوں کے حکم میں فرق ہے وہ یہ کہ پہلی صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی اور دوسری صورت میں طلاق رجعی وجہ فرق یہ ہے کہ جب عوض باطل ہو گیا تو پہلی صورت میں عمل کرنے والا لفظ خلع ہے اور لفظ خلع الفاظ کنایہ میں سے ہے اور الفاظ کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے علاوہ ان تین لفظوں کے جن کا ذکر ماقبل میں گزر چکا اور لفظ خلع ان تین الفاظ میں سے نہیں ہے اس لئے لفظ خلع سے طلاق بائن واقع ہوگی اور دوسری صورت میں عوض باطل ہو جانے کے بعد انت طالق صریح لفظ طلاق عمل کرنے والا ہے اور صریح طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس وجہ سے دوسری صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی اور عورت پر کچھ واجب نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ عورت نے کوئی مال متقوم بیان نہیں کیا تا کہ وہ مرد کو دھوکا دینے والی شمار ہو پس جب دھوکا دینے والی نہیں ہے تو اس پر کوئی چیز بھی واجب نہیں ہوگی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ عوض واجب کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ عورت پر مسمّی واجب کر دیا جائے دوم یہ کہ غیر مسمّی واجب کیا جائے مگر یہ دونوں صورتیں ناممکن ہیں اول تو اس لئے کہ مسلمان شراب سور وغیرہ کو نہ تو سپرد کر سکتا ہے اور نہ ہی شرعاً ان پر قبضہ کرنے کی اجازت ہے اس وجہ سے مسلمان ہونے کی وجہ سے مسمّی کو واجب نہیں کیا جا سکتا اور ثانی یعنی غیر مسمّی کو اس لئے واجب نہیں کیا جا سکتا کہ عورت نے اس کو اپنے ذمہ قبول نہیں کیا ہے۔

اس کے برخلاف اگر سرکہ کے معین مٹکے پر خلع ہوا ہے مثلاً عورت نے کہا کہ یہ سرکہ بدل خلع میں دوں گی پھر معلوم ہوا کہ وہ سرکہ نہیں بلکہ شراب ہے تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت پر مقدار مہر واجب ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک اس کے مثل سرکہ واجب ہوگا جیسا کہ مہر کے سلسلہ میں باب

المہر میں گزر چکا۔

دلیل یہ ہے کہ عورت نے مال کا ذکر کیا حالانکہ وہ مال نہیں تھا پس عورت اپنے شوہر کو دھوکا دینے والی ہوئی اور عقد کے ضمن میں دھوکا دینا ضمان کو واجب کرتا ہے اس وجہ سے عورت مسمّی کی ضامن ہوگی۔

اور اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو شراب کے عوض مکاتب بنایا یا آزاد کیا تو اس صورت میں غلام پر اپنی قیمت واجب ہوگی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ کی ملک غلام میں متقوم ہے چنانچہ اگر کسی نے غلام کو غصب کر لیا تو غاصب پر قیمت واجب ہوگی حاصل یہ کہ غلام قیمت دار چیز ہے اور مولیٰ اپنی ملکیت کو مفت زائل کرنے پر راضی نہیں ہے اور غلام بدل یعنی شراب کو سپرد کرنے پر قادر نہیں اس لئے کہ مسلمان کے حق میں شراب غیر متقوم ہے اس وجہ سے مبدل یعنی غلام کی قیمت واجب ہوگی اور رہا ملک بضع حالت خروج میں سو وہ غیر متقوم ہے۔

اور بخلاف النکاح سے نکاح اور خلع کے درمیان فرق بیان کیا ہے چنانچہ اگر شراب پر نکاح کیا گیا تو نکاح صحیح اور مہر مثل واجب ہوگا اور اگر خلع کیا تو خلع صحیح اور عورت پر کچھ واجب نہیں ہوگا وجہ فرق یہ ہے کہ بضع حالت دخول میں متقوم ہے اور حالت خروج میں غیر متقوم اور بضع کے حالت خروج میں غیر متقوم اور حالت دخول میں متقوم ہونے میں بھید اور راز یہ ہے کہ ملک بضع شریف اور قدر و منزلت کی چیز ہے اس لئے کہ اس شرافت کو ظاہر کرنے کے لیے بغیر عوض اس کا مالک بننا مشروع ہوا اور رہا بضع سے شوہر کی ملک کا ساقط کرنا تو وہ فی نفسہ شریف ہے۔ لہٰذا اس وقت مال واجب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جو چیز مہر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ بدل خلع بھی بن سکتی ہے

قَالَ وَمَا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ مَهْرًا جَازَ اَنْ يَّكُوْنَ بَدَلًا فِي الْخُلْعِ لِاَنَّ مَا يَصْلُحُ عِوَضًا لِلْمُتَقَوَّمِ اَوْلٰى اَنْ يَّصْلُحَ عِوَضًا لِغَيْرِ الْمُتَقَوَّمِ

ترجمہ...... امام قدوری نے کہا کہ جو چیز مہر ہو سکتی ہے (وہ بالاجماع) خلع کا عوض ہو سکتی ہے اس وجہ سے کہ جو چیز قیمتی بضع کا عوض ہو سکتی ہے بدرجہ اولیٰ غیر قیمتی کا عوض ہو سکتی ہے۔

تشریح...... اس عبارت میں مصنف ایک ضابطہ بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ جو چیز عقد نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ بالاتفاق عقد خلع میں بدل خلع بن سکتی ہے دلیل یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت ملک بضع متقوم ہے اور خلع کے وقت غیر متقوم لہٰذا جو چیز بضع متقوم کا عوض بن سکتی ہے وہ بضع غیر متقوم کا عوض بدرجہ اولیٰ ہو سکتی ہے۔

البتہ اس کا برعکس نہیں ہے، یعنی جو چیز خلع میں عوض ہو سکتی ہو وہ نکاح میں مہر بھی ہو سکے ضروری نہیں ہے۔ اس لئے کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو بدل خلع بن سکتی ہیں مگر مہر نہیں بن سکتی مثلاً ایک درہم سے نو درہم تک بدل خلع تو ہو سکتا ہے مگر مہر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر یہ کہا کہ بکری کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خلع میں عوض ہے تو یہ درست ہوگا اور اگر اس کو مہر بنایا تو جائز نہیں ہوگا۔

عورت نے مرد سے کہا جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے اس پر خلع کر لے اور عورت کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا عورت پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا

فَاِنْ قَالَتْ لَهٗ خَالِعْنِيْ عَلٰى مَا فِيْ يَدِيْ فَخَالَعَهَا وَلَمْ يَكُنْ فِيْ يَدِهَا شَيْءٌ فَلَا شَيْءَ لَهٗ عَلَيْهَا لِاَنَّهَا لَمْ تَغُرَّهٗ بِتَسْمِيَةِ الْمَالِ

ترجمہ...... پس اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا مجھ کو خلع دیدے اس چیز پر جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے۔ پھر شوہر نے عورت کو خلع دے دیا، حالانکہ

عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ عورت نے شوہر کو مال کا نام لے کر دھوکا نہیں دیا ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ ظاہر ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے کلام مافی یدی میں لفظ ما عام ہے جو مال اور غیر مال سب کو شامل ہے اس وجہ سے عورت مال کا ذکر کر کے اپنے شوہر کو دھوکا دینے والی شمار نہیں ہوگی اور جب دھوکا دینے والی نہیں ہے تو کسی چیز کی ضامن بھی نہیں ہوگی۔

عورت نے کہا خالعنی علی مافی یدی من مال عورت کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا تو مہر لوٹانا عورت پر لازم ہے

وَاِنْ قَالَتْ خَالِعْنِی عَلٰی مَافِیْ یَدِیْ مِنْ مَالٍ فَخَالَعَهَا فَلَمْ یَكُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْءٌ رَدَّتْ عَلَیْهِ مَهْرَهَا لِاَنَّهَا سَمَّتْ مَالًا لَمْ یَكُنِ الزَّوْجُ رَاضِیًا بِالزَّوَالِ اِلَّا بِعِوَضٍ وَلَاوَجْهَ اِلٰی اِیْجَابِ الْمُسَمّٰی وَقِیْمَتِهٖ لِلْجَهَالَةِ وَلَااِلٰی قِیْمَةِ الْبُضْعِ اَعْنِیْ مَهْرَ الْمِثْلِ لِاَنَّهٗ غَیْرُ مُتَقَوِّمٍ حَالَةَ الْخُرُوْجِ فَتَعَیَّنَ اِیْجَابُ مَاقَامَ بِهٖ عَلَی الزَّوْجِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ

ترجمہ ...... اور اگر عورت نے کہا کہ مجھے خلع دیدیجیے اس مال پر جو میرے ہاتھ میں ہے پس شوہر نے اس کو خلع دے دیا حالانکہ عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو عورت اس کو اپنا مہر واپس کرے اس لئے کہ جب عورت نے مال ذکر کیا ہے تو شوہر بغیر عوض لئے ملک نکاح دور کرنے پر راضی نہیں ہوا اور جہالت کی وجہ سے مسمی اور اس کی قیمت کو واجب کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے اور نہ بضع کی قیمت یعنی مہر مثل واجب کرنے کی کوئی وجہ ہے۔ اس لئے کہ حالت خروج میں بضع غیر متقوم ہوتا ہے۔ پس اس کا واجب کرنا متعین ہو گیا جتنے میں وہ شوہر کو پڑی ہے شوہر سے ضرر دور کرنے کے لیے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا خالعنی علی ما فی یدی من مال پس شوہر نے عورت کو خلع دے دیا پھر دیکھا تو اس کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو اس صورت میں عورت اس کو مقدار مہر واپس کرے گی دلیل یہ ہے کہ عورت نے چونکہ مال ذکر کیا ہے اس لئے شوہر بغیر عوض لئے ملک نکاح زائل کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔

اور عوض کی چار صورتیں ہیں (۱) مسمی (۲) اس کی قیمت (۳) بضع کی قیمت یعنی مہر مثل (۴) وہ مقدار مہر جو عورت اپنے شوہر سے لے چکی ہے۔ اول کے تین احتمال باطل ہیں۔ کیونکہ مسمی یعنی مافی یدی من مال اور اس کی قیمت ان دونوں میں سے ہر ایک مجہول ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب مسمی مجہول ہے تو اس کی قیمت بدرجہ اولی مجہول ہوگی اور بضع کی قیمت یعنی مہر مثل اس وجہ سے واجب نہیں کی جا سکتی کہ حالت خروج میں ملک بضع کی کوئی قیمت ہی نہیں پس جب تین احتمال باطل ہو گئے تو چوتھا احتمال یعنی مقدار مہر کا واجب کرنا متعین ہو گیا تا کہ شوہر کے ضرر کو دور کیا جا سکے۔

عورت نے کہا خالعنی علی ما فی یدی من دراهم او من الدراهم مرد نے ایسا کر لیا عورت کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں تھا عورت پر تین دراہم لازم ہیں

وَ لَوْقَالَتْ خَالِعْنِیْ عَلٰی مَافِیْ یَدِیْ مِنْ دَرَاهِمَ اَوْمِنَ الدَّرَاهِمِ فَفَعَلَ فَلَمْ یَكُنْ فِیْ یَدِهَا شَیْءٌ فَعَلَیْهَا ثَلٰثَةُ دَرَاهِمَ لِاَنَّهَا سَمَّتِ الْجَمْعَ وَاَقَلُّهٗ ثَلٰثَةٌ وَكَلِمَةُ مِنْ هٰهُنَا لِلصِّلَةِ دُوْنَ التَّبْعِیْضِ لِاَنَّ الْكَلَامَ یَخْتَلُّ بِدُوْنِهٖ

ترجمہ ...... اور اگر عورت نے کہا مجھ کو خلع دیدے ان دراہم پر جو میرے ہاتھ میں پس شوہر نے ایسا کیا (مگر) عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو

عورت پر تین دراہم واجب ہوں گے کیوں کہ عورت نے صیغہ جمع ذکر کیا ہے اور اقل جمع تین ہیں اور یہاں کلمہ من بیان کے لیے ہے نہ کہ تبعیض کے لیے کیونکہ کلام اس کے بغیر مختل ہو جاتا ہے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا خالعني علىٰ مافي يدي من دراهم یا من الدراهم۔ پس شوہر نے ایسا کیا مگر عورت کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا تو اس صورت میں عورت پر تین دراہم واجب ہوں گے۔

دلیل یہ ہے کہ عورت نے دراہم صیغہ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اقل جمع تین ہیں اور من دراہم میں لفظ من بیان کے لیے ہے نہ کہ تبعیض کے لیے جیسے فاجتنبوا الرجس من الاوثان میں من بیان کے لیے ہے اور من کے بارے میں بعض حضرات نے ضابطہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ ہر وہ جگہ جہاں بغیر لفظ من کے کلام صحیح ہو جائے وہاں لفظ من تبعیض کے لیے ہوگا جیسے اخذت من الدراهم اور ہر وہ جگہ جہاں بغیر لفظ من کے کلام صحیح نہ ہو اس جگہ لفظ من بیان کے لیے ہوگا۔ پس اگر عورت خالعني علىٰ مافي يدي دراهم کہتی تو یہ کلام مختل ہو جاتا پس ثابت ہو گیا کہ یہاں کلمہ من بیان کے لیے ہے نہ کہ تبعیض کے لیے لہٰذا جمع اپنے حال پر باقی رہی اور چونکہ اقل جمع تین ہیں اس لئے عورت پر تین دراہم واجب ہوں گے۔

عورت نے بھاگے ہوئے غلام پر خلع کر لیا اس شرط پر کہ وہ اس سے بری ہے عورت بری نہیں ہوگی عورت پر غلام کا عین سپرد کرنا لازم ہے اور عجز متحقق ہونے کی صورت میں قیمت لازم ہے

وَاِنِ اخْتَلَعَتْ عَلٰى عَبْدٍ لَهَا اٰبِقٍ عَلٰى اَنَّهَا بَرِيْئَةٌ مِنْ ضَمَانِهٖ لَمْ تَبْرَأْ وَعَلَيْهَا تَسْلِيْمُ عَيْنِهٖ اِنْ قَدَرَتْ وَ تَسْلِيْمُ قِيْمَتِهٖ اِنْ عَجَزَتْ لِاَنَّهٗ عَقْدُ الْمُعَاوَضَةِ فَيَقْتَضِيْ سَلَامَةَ الْعِوَضِ وَاشْتِرَاطُ الْبَرَاءَةِ عَنْهُ شَرْطٌ فَاسِدٌ فَيَبْطُلُ اِلَّا اَنَّ الْخُلْعَ لَا يَبْطُلُ بِالشُّرُوْطِ الْفَاسِدَةِ وَعَلٰى هٰذَا النِّكَاحِ

ترجمہ ...... اور اگر عورت نے (اپنے شوہر سے) ایسے غلام پر خلع کیا جو بھاگا ہوا ہے اس شرط پر کہ عورت اس غلام کی ضمانت سے بری ہے تو وہ بری نہ ہوگی اور اس پر بعینہ اس غلام کا سپرد کرنا واجب ہوگا ...... اگر قادر ہو اور اگر عاجز ہو تو اس کی قیمت کا سپرد کرنا واجب ہے کیونکہ خلع عقد معاوضہ ہے۔ لہٰذا سلامت عوض کا تقاضا کرے گا اور اس سے بری ہونے کی شرط لگانا شرط فاسد ہے تو وہ باطل ہو جائے گی مگر یہ کہ خلع شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہے اور اسی پر نکاح کو قیاس کیا جائے۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر سے ایسے غلام پر خلع کرایا کہ وہ غلام بھاگا ہوا ہے اس شرط پر کہ وہ عورت اس غلام کی ضمانت سے بری ہے یعنی عورت نے یہ شرط بیان کی کہ اس غلام کو حاصل کرنے اور سپرد کرنے کا مجھ سے مطالبہ نہ کیا جائے اگر وہ غلام مل گیا تو سپرد کر دیا جائے گا ورنہ کوئی چیز واجب نہ ہوگی تو اس صورت میں یہ عورت بری نہیں ہوگی بلکہ اگر یہ عورت اس غلام پر قادر ہوگئی تو بعینہ اس غلام کو سپرد کرنا واجب ہوگا اور اگر اس غلام کو سپرد کرنے سے عاجز ہوگئی تو اس کی قیمت کا سپرد کرنا واجب ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ خلع عقد معاوضہ ہے اس لئے سلامت عوض کا مقتضی ہوگا لہٰذا عورت کی جانب سے براءت کی شرط لگانا شرط فاسد ہے کیونکہ یہ شرط مقتضیٰ عقد کے خلاف ہے اور چونکہ خلع شروط فاسدہ کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا بلکہ شرط فاسد باطل ہو جاتی ہے اس لئے یہاں شرط باطل ہو جائے گی اور خلع باقی رہے گا۔

اور جب شرط براءت باطل اور خلع صحیح ہے تو عورت پر عبد مسمّی واجب ہوگا اور اگر عبد مسمّی سپرد کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کی قیمت واجب ہوگی۔

اور یہی تفصیل نکاح میں ہے یعنی اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر بتایا بھاگے ہوئے غلام کو اور شوہر نے اس غلام کو سپرد کرنے سے بری ہونے کی شرط بھی بیان کی تو یہ شخص بری نہیں ہوگا، بلکہ اگر عین غلام پر قادر ہو گیا تو اس کو سپرد کرنا واجب ہے، ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی۔

عورت نے کہا طلقنی ثلاثاً بالف شوہر نے ایک طلاق دیدی عورت پر ثلث الف لازم ہے

وَإِذَا قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلٰثًا بِأَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَعَلَيْهَا ثُلُثُ الْأَلْفِ لِأَنَّهَا لَمَّا طَلَبَتِ الثَّلٰثَ بِأَلْفٍ فَقَدْ طَلَبَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ بِثُلُثِ الْأَلْفِ وَهٰذَا لِأَنَّ حَرْفَ الْبَاءِ تَصْحَبُ الْأَعْوَاضَ وَ الْعِوَضُ يَنْقَسِمُ عَلَى الْمُعَوَّضِ وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِوُجُوْبِ الْمَالِ

ترجمہ..... اور اگر عورت نے کہا مجھ کو تین طلاقیں ایک ہزار کے بدلے دے۔ پس شوہر نے اس کو ایک طلاق دیدی تو عورت پر ایک ہزار کا ایک تہائی واجب ہوگا۔ کیونکہ جب عورت نے ایک ہزار کے بدلے تین طلاقوں کا مطالبہ کیا تو گویا ہر طلاق کو ایک ہزار کے تہائی کے عوض طلب کیا اور یہ اس لئے کہ لفظ ب عوضوں پر داخل ہوتا ہے اور عوض معوض پر منقسم ہوتا ہے اور طلاق بائن ہوگی مال کے واجب ہونے کی وجہ سے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ عورت نے اپنے شوہر سے کہا طلقنی ثلاثا بالف۔ پھر شوہر نے اس کو ایک طلاق دیدی تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس پر ایک ہزار کا ایک تہائی واجب ہوگا اور اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں دلیل یہ ہے کہ جب عورت نے ایک ہزار کے عوض تین طلاقیں طلب کیں تو گویا اس نے ہر ایک طلاق کو ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض طلب کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ با عوض پر داخل ہوتا ہے اس وجہ سے الف (ایک ہزار) عوض ہوگا اور تین طلاقیں معوض ہوں گی اور قاعدہ ہے کہ عوض معوض پر منقسم ہوتا ہے لہٰذا ایک ہزار تین طلاقوں پر منقسم ہوگا۔ اور طلاق بائن اس لئے واقع ہوگی کہ یہ طلاق علی مال ہے اور طلاق علی مال سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اس وجہ سے طلاق بائن واقع ہوگی۔

عورت نے کہا طلقنی علی الف شوہر نے ایک طلاق دیدی عورت پر کچھ لازم ہوگا یا نہیں اور شوہر کو رجوع کا حق ہوگا یا نہیں، اقوال فقہاء

وَإِنْ قَالَتْ طَلِّقْنِيْ ثَلٰثًا عَلٰى أَلْفٍ فَطَلَّقَهَا وَاحِدَةً فَلَاشَيْءَ عَلَيْهَا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةَ وَقَالَا هِيَ وَاحِدَةٌ بَائِنَةٌ بِثُلُثِ الْأَلْفِ لِأَنَّ كَلِمَةَ عَلٰى بِمَنْزِلَةِ الْبَاءِ فِي الْمُعَاوَضَاتِ حَتّٰى إِنَّ قَوْلَهُمْ إِحْمِلْ هٰذَا الطَّعَامَ بِدِرْهَمٍ أَوْعَلٰى دِرْهَمٍ سَوَاءٌ وَلَهُ أَنَّ كَلِمَةَ عَلٰى لِلشَّرْطِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يُبَايِعْنَكَ عَلٰى أَنْ لَّايُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ أَنْتِ طَالِقٌ عَلٰى أَنْ تَدْخُلِي الدَّارَ كَانَ شَرْطًا وَهٰذَا لِأَنَّهُ لِلُّزُوْمِ حَقِيْقَةً وَاسْتُعِيْرَ لِلشَّرْطِ لِأَنَّهُ يُلَازِمُ الْجَزَاءَ وَإِذَا كَانَ لِلشَّرْطِ فَالْمَشْرُوْطُ لَايَتَوَزَّعُ عَلٰى أَجْزَاءِ الشَّرْطِ بِخِلَافِ الْبَاءِ لِأَنَّهُ لِلْعِوَضِ عَلٰى مَامَرَّ وَإِذَا لَمْ يَجِبِ الْمَالُ كَانَ مُبْتَدِأً فَوَقَعَ الطَّلَاقُ وَيَمْلِكُ الرَّجْعَةَ

ترجمہ..... اور اگر عورت نے کہا مجھ کو ایک ہزار پر تین طلاقیں دیدے پس شوہر نے اس کو ایک طلاق دیدی، تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت پر کچھ واجب نہیں ہوگا اور شوہر رجعت کا مالک ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ایک بائنہ ایک ہزار کے تہائی کے بدلے واقع ہوگی کیونکہ کلمہ علی معاوضات میں باء کے مرتبہ میں ہے حتی کہ ان کا قول احمل هذا الطعام بدرهم یا علی درهم دونوں برابر ہیں اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ کلمہ علی شرط کے لیے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ عورتیں آپ سے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی اور جس شخص

نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق علی ان تدخلی الدار تو یہ شرط ہے اور یہ اس لئے کہ کلمہ علیٰ حقیقتاً لزوم کے لیے ہے اور شرط کے لیے مستعار لیا گیا ہے کیونکہ شرط ملازم جزا ہے اور جب (کلمہ علی) کے لیے ہے تو مشروط اجزاء شرط پر منقسم نہیں ہوتا۔ بخلاف باء کے اس لئے کہ وہ عوض کے لیے آتا ہے چنانچہ گزر چکا اور جب مال واجب نہیں ہوا تو یہ طلاق ابتداء ہوگی پس طلاق پڑ جائے گی اور شوہر رجعت کا مالک ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا طلقنی ثلاثاً علی الف درهم پس شوہر نے اس کو ایک طلاق دیدی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی اور عورت پر کچھ واجب نہیں ہوگا اور اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ ایک ہزار درہم کے ایک تہائی کے عوض ایک طلاق بائن واقع ہوگی اس کے قائل امام شافعیؒ ہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق علیٰ مال عورت کی جانب سے عقد معاوضہ ہے اور معاوضات میں کلمہ علیٰ با کے مرتبہ میں ہے یعنی عقد معاوضہ میں جو حکم کلمہ باء کا ہے وہی کلمہ علی کا ہے۔ چنانچہ طلقنی ثلاثًا بالف کی صورت میں اگر شوہر ایک طلاق واقع کر دیتا تو ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی اسی طرح علی الف کی صورت میں بھی ایک طلاق بائن ثلث الف کے عوض واقع ہو جائے گی۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس جگہ کلمہ علیٰ شرط کے لیے ہے کیونکہ کلمہ علیٰ موضوع ہے معنی استعلاء کے لیے جیسے زید علی السطح اور اگر استعلاء پر حمل متعذر ہو جائے تو التزام کے معنی پر محمول کیا جائے گا جیسے علیہ دین اور اگر التزام کے معنی بھی متعذر ہو جائیں تو شرط کے معنی پر محمول کیا جائے گا اس لئے کہ شرط اور اجزاء کے درمیان مناسبت ہے بایں طور کہ جس طرح لازم اور ملزوم کے درمیان لزوم ہوتا ہے، اسی طرح شرط و جزاء کے درمیان بھی لزوم ہوتا ہے، گویا حرف علیٰ شرط کے لیے حقیقت ہے جیسا کہ مصنفؒ نے فرمایا ان کلمة علی للشرط (الکفایہ) اور صاحب عنایہ نے بیان کیا ہے کہ کلمہ علیٰ شرط کے معنی میں مجاز ہے۔

حاصل دونوں کا یہ ہے کہ اس جگہ کلمہ علیٰ شرط کے لیے ہے حقیقت ہو یا مجاز جیسے باری تعالیٰ کے قول یبایعنك علی ان لا یشرکن باللہ شیئا میں عدم اشراک باللہ بیعت کی شرط ہے اور انت طالق علیٰ ان تدخلی الدار میں وقوع طلاق کی شرط دخول دار ہے۔

پس علیٰ الف میں علی کا شرط کے لیے ہونا ثابت ہو گیا اور مشروط شرط کے اجزاء پر منقسم نہیں ہوتا، کیونکہ مشروط پایا جاتا ہے وجود شرط کے وقت اور شرط نام ہے جمیع اجزاء کا۔ لہٰذا شرط کے ایک جزء کے پائے جانے کی وجہ سے مشروط کا ایک جز واقع نہیں ہوگا اس لئے کہ شرط نہیں پائی گئی اس کے برخلاف باء کہ وہ عوض کے لیے ہے اور عوض معوض پر منقسم ہوتا ہے۔

پس جب مسئلہ مذکورہ طلقنی ثلاثاً علی الف میں شوہر کے ایک طلاق دینے کی وجہ سے عورت پر مال واجب نہیں ہوا تو شوہر کی یہ طلاق وہ نہیں ہوگی جس کا عورت نے سوال کیا تھا بلکہ یہ شوہر کی جانب سے ابتداء طلاق ہوگی اور چونکہ شوہر نے لفظ صریح کے ساتھ طلاق دی ہے اس لئے اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شوہر نے کہا طلقی نفسك ثلاثا بالف یا علی الف عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی کوئی بھی طلاق واقع نہیں ہوگی

وَ لَوْ قَالَ الزَّوْجُ طَلِّقِیْ نَفْسَكِ ثَلٰثًا بِاَلْفٍ اَوْعَلٰی اَلْفٍ فَطَلَّقَتْ نَفْسَهَا وَاحِدَةً لَمْ يَقَعْ شَیْءٌ لِاَنَّ الزَّوْجَ مَارَضِیَ بِالْبَیْنُوْنَةِ اِلَّالِیُسَلِّمَ الْاَلْفَ كُلَّهَا بِخِلَافِ قَوْلِهَا طَلِّقْنِیْ ثَلٰثًا بِاَلْفٍ لِاَنَّهَالَمَّارَضِیَتْ بِالْبَیْنُوْنَةِ بِاَلْفٍ كَانَتْ بِبَعْضِهَا اَرْضٰی

ترجمہ..... اور اگر شوہر نے (اپنی بیوی سے) کہا تو اپنے نفس کو ایک ہزار کے عوض یا ایک ہزار پر تین طلاقیں دیدے۔ پس عورت نے اپنے آپ کو ایک طلاق دی تو کچھ واقع نہ ہوگی۔ اس وجہ سے کہ شوہر اس کو بائنہ کرنے پر راضی نہ ہو مگر یہ (شوہر) کو پورے ایک ہزار درہم سپرد کر دیئے جائیں

بخلاف عورت کے قول طلقني ثلثا بالف کے کیوں کہ جب عورت ایک ہزار کے عوض بائنہ ہونے پر راضی ہوگی تو ایک ہزار کے جز پر بدرجہ اولیٰ راضی ہوگی۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا طلقي نفسك ثلث بالف یا علی الف پس عورت نے اپنے نفس پر ایک طلاق واقع کی تو کچھ نہیں واقع ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو بائنہ کرنے پر اس صورت میں راضی ہوا ہے جب کہ اس کو پورا ایک ہزار موصول ہو۔ پس شوہر کا ایک ہزار کے بدلے اپنی ملک کو زائل کرنے پر راضی ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ ایک ہزار سے کم کے بدلے بھی اپنی ملک زائل کرنے پر راضی ہے اس کے برخلاف اگر عورت نے اپنے شوہر سے کہا طلقني ثلاثاً بالف پھر شوہر نے اس کو ایک طلاق دے دی تو ایک ہزار کے ایک تہائی کے عوض ایک بائنہ واقع ہو جائے گی اس لئے کہ یہ عورت جب ایک ہزار کے عوض پر بائنہ ہونے کے لیے راضی ہوگئی تو ایک ہزار سے کم یعنی ثلث الف پر بدرجہ اولیٰ راضی ہو جائے گی۔

شوہر نے کہا انت طالق علی الف عورت نے قبول کر لیا عورت مطلقہ ہو جائے گی اور عورت پر ہزار لازم ہوں گے

وَلَوْقَالَ اَنْتِ طَالِقٌ عَلٰى اَلْفٍ فَقَبِلَتْ طُلِّقَتْ وَعَلَيْهَا الْاَلْف وَهُوَ كَقَوْلِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ بِاَلْفٍ وَلَابُدَّمِنَ الْقُبُوْلِ فِي الْوَجْهَيْنِ لِاَنَّ مَعْنٰى قَوْلِهٖ بِاَلْفٍ بِعِوَضِ اَلْفٍ يَجِبُ لِيْ عَلَيْكِ وَمَعْنٰى قَوْلِهٖ عَلٰى اَلْفٍ عَلٰى شَرْطِ اَلْفٍ يَكُوْنُ لِيْ عَلَيْكَ وَالْعِوَضُ لَايَجِبُ بِدُوْنِ قُبُوْلِهٖ وَالْمُعَلَّقُ بِالشَّرْطِ لَايَنْزِلُ قَبْلَ وُجُوْدِهٖ وَالطَّلَاقُ بَائِنٌ لِمَاقُلْنَا

ترجمہ...... اور اگر شوہر نے کہا تو ہزار پر طالقہ ہے۔ پس عورت نے قبول کیا تو طلاق ہو جائے گی اور اس پر ہزار درہم لازم ہوں گے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اس کا قول انت طالق بالف اور دونوں صورتوں میں عورت کا قبول کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اس کے قول بالف کے معنی بعوض الف یجب لی علیك یعنی ایسے ہزار کے عوض جو میرے تجھ پر واجب ہیں اور اس کے قول علیٰ الف کے معنی ہیں ایک ہزار کی شرط جو میرے تجھ پر لازم ہیں اور عوض بغیر قبول کئے واجب نہیں ہوتا ہے اور جو چیز معلق بالشرط ہے وہ وجود شرط سے پہلے نہیں اترتی ہے اور طلاق بائنہ ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم کہہ چکے ہیں۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ انت طالق علیٰ الف اور انت طالق بالف دونوں عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہیں اگر مجلس میں عورت نے قبول کر لیا تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی بالف کے معنی ہیں ایک ہزار کی شرط پر جو میرے تجھ پر لازم ہیں حاصل یہ کہ پہلی صورت (بالف) میں ایک ہزار عوض ہیں اور دوسری صورت (علیٰ الف) میں ایک ہزار شرط ہیں اور جو چیز شرط پر معلق ہوتی ہے وہ شرط کے پائے جانے سے پہلے موجود نہیں ہوتی پس اس صورت میں ایک ہزار قبول کر لینے کے بعد طلاق ہوئی اس لئے اس صورت میں قبول کرنا ضروری ہے۔

اور ان دونوں صورتوں میں طلاق بائن واقع ہوگی۔ دلیل اول باب میں گذر چکی یعنی حدیث الخلع تطليقة بائنة۔

اور دلیل عقلی کہ عورت اسی صورت میں مال سپرد کرنے کے لیے آمادہ ہوگی جب اس کا نفس اس کے سپرد کر دیا جائے اور نفس کا سپرد کرنا طلاق بائن سے ہوگا نہ کہ طلاق رجعی سے۔

شوہر نے اپنی بیوی کو کہا انت طالق و علیك الف عورت نے قبول کرلیا یا آقا نے غلام کو کہا انت حر و علیك الف غلام نے قبول کرلیا غلام آزاد ہو جائے گا اور عورت مطلقہ ہوگی اور دونوں پر کچھ لازم نہیں ہوگا، اقوال فقہاء

وَلَوْقَالَ لِامْرَأَتِہٖ اَنْتِ طَالِقٌ وَعَلَيْكِ اَلْفٌ فَقَبِلَتْ اَوْقَالَ لِعَبْدِہٖ اَنْتَ حُرٌّ وَعَلَيْكَ اَلْفٌ فَقَبِلَ عَتَقَ الْعَبْدُ وَطُلِّقَتِ الْمَرْأَةُ وَلَاشَيْءَ عَلَيْهِمَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَكَذَا اِذَالَمْ يَقْبَلَا وَقَالَا عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍمِنْهُمَا الْاَلْفُ اِذَاقَبِلَ وَاِذَا لَمْ يَقْبَلْ لَايَقَعُ الطَّلَاقُ وَالْعِتَاقُ لَهُمَا اَنَّ هٰذَا الْكَلَامَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُعَاوَضَةِ فَاِنَّ قَوْلَهُمْ اِحْمِلْ هٰذَا الْمَتَاعَ وَلَكَ دِرْهَمٌ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِمْ بِدِرْهَمٍ وَلَهٗ اَنَّهٗ جُمْلَةٌ تَامَّةٌ فَلَاتَرْتَبِطُ بِمَاقَبْلَهٗ اِلَّابِدَلَالَةٍ اِذِ الْاَصْلُ فِيْهَا الْاِسْتِقْلَالُ وَلَادَلَالَةَ لِاَنَّ الطَّلَاقَ وَالْعِتَاقَ يَنْفَكَّانِ عَنِ الْمَالِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ وَالْاِجَارَةِ لِاَنَّهُمَا لَا يُوْجَدَانِ دُوْنَهٗ

ترجمہ..... اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو مطلقہ ہے اور تجھ پر ایک ہزار درہم ہیں اس عورت نے قبول کرلیا یا مالک نے اپنے غلام سے کہا کہ تو آزاد ہے اور تجھ پر ایک ہزار درھم ہیں پس غلام نے قبول کیا تو غلام آزاد ہوگیا اور عورت مطلقہ ہوگئی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں پر کچھ واجب نہیں ہوا اور ایسے ہی اگر دونوں نے قبول نہ کیا اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں میں سے ہر ایک پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے جب کہ اس نے قبول کرلیا ہو اور جب قبول نہ کیا ہو تو عورت پر طلاق نہ ہوگی اور غلام آزاد نہ ہوگا صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام معاوضہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لئے کہ اس کا قول احمل هذا المتاع ولك درهم ان کے قول بدرهم کے مرتبہ میں ہے اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ علیك الف پورا جملہ ہے اپنے ماقبل کے ساتھ مربوط نہیں ہے مگر دلالت کے ساتھ اس واسطے کہ جملہ میں اصل یہ ہے کہ خود مستقل ہو اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے اس لئے کہ طلاق اور عتاق دونوں مال سے جدا ہو جاتے ہیں بخلاف بیع اور اجارہ کے اس لئے کہ وہ دونوں بغیر مال کے نہیں پائے جاتے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق وعلیك الف پس عورت نے قبول کرلیا یا مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا انت حر و علیك الف پس غلام نے قبول کرلیا تو غلام آزاد ہوگیا اور عورت پر طلاق واقع ہوگئی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں پر کچھ واجب نہیں ہوگا اور یہی حکم اس وقت ہے جب ان دونوں نے قبول نہیں کیا ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ عورت اور غلام ان دونوں میں سے ہر ایک پر ایک ہزار واجب ہوگا۔ بشرطیکہ قبول کیا ہو اور اگر قبول نہیں کیا ہے تو نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ آزادی۔

حاصل یہ کہ امام صاحب اور صاحبین کے درمیان دو باتوں میں اختلاف ہے ایک یہ کہ عورت یا غلام جب مال قبول کرے تو امام صاحب کے نزدیک طلاق اور آزادی مفت واقع ہو جائے گی اور ان کے مال قبول کرنے کا اعتبار نہیں ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک عورت اور غلام پر مال واجب ہوگا۔ دوم یہ کہ جب عورت اور غلام نے مال قبول نہیں کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک طلاق اور آزادی واقع ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک مال قبول نہ کرنے کی صورت میں نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ آزادی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام یعنی علیک الف معاوضہ کے لیے استعمال ہوتا ہے چنانچہ احمل هذا المتاع ولك درهم اور احمل هذا المتاع بدرهم دونوں کے ایک معنی ہیں۔ پس چونکہ خلع عقد معاوضہ ہے اس لئے وعلیك الف میں واو، با کے معنیٰ میں ہوگا گویا شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت طالق بالف اور انت طالق بالف کی صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر عورت قبول کرے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مال اس کے ذمہ لازم ہوگا اور اگر قبول نہ کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ اس کے ذمہ مال لازم ہوگا پس ایسے ہی یہاں بھی یہی حکم ہے۔

اور صاحبین کی دلیل اسی طرح بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ و علیك الف میں واؤ حال کے لیے ہے گویا شوہر نے کہاانت طالق فی طلاق فی حال یا یجب لی علی علیك الف یعنی تو طالقہ ہے اس حال میں کہ میرا تجھ پر ایک ہزار روپیہ واجب ہے اور نحات کہتے ہیں کہ حال شرط کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا انت طالق و علیك الف کے معنی ہیں انت طالق علیٰ شرط الف اور مال کو شرط قرار دینے کی صورت میں عورت کا قبول کرنا ضروری ہے جیسا کہ پہلے مسئلہ میں گزر چکا لہٰذا اگر عورت مال قبول کرے گی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس پر مال واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ علیك الف مبتدا اور خبر سے ترکیب پا کر جملہ تامہ ہے اور جملہ تامہ بغیر دلیل کے ماقبل کے ساتھ مربوط نہیں ہوتا ہے اس لئے کہ جملہ تامہ میں اصل یہ ہے کہ وہ مستقل ہو اور یہاں ماقبل کے ساتھ مربوط ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ طلاق اور عتاق دونوں مال سے جدا ہو جاتے ہیں بلکہ ان دونوں میں کریموں کی عادت یہ ہے کہ وہ عوض قبول نہیں کرتے۔

اس کے برخلاف بیع اور اجارہ کہ یہ دونوں بغیر مال کے نہیں پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ دونوں معاوضہ محضہ ہیں پس ثابت ہو گیا کہ علیك الف کا انت طالق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

شوہر نے کہاانت طالق علی الف اس شرط پر کہ مجھے خیار ہے یا مجھے تین دن کا خیار ہوگا عورت نے قبول کر لیا اگر خیار شوہر کے لیے ہے تو باطل ہے اور اگر عورت کے لیے ہے تو جائز ہے اور اگر عورت نے تین دن میں رد کر دیا تو خیار باطل ہے

وَلَوْ قَالَ اَنْتِ طَالِقٌ عَلَى اَلْفٍ عَلٰى اَنِّیْ بِالْخِیَارِ اَوْ عَلٰى اَنَّكِ بِالْخِیَارِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فَقَبِلَتْ فَالْخِیَارُ بَاطِلٌ اِذَا کَانَ لِلزَّوْجِ وَهُوَ جَائِزٌ اِذَا کَانَ لِلْمَرْاَةِ فَاِنْ رَدَّتِ الْخِیَارَ فِی الثَّلٰثِ بَطَلَ وَاِنْ لَمْ تَرُدَّ طَلُقَتْ وَلَزِمَهَا الْاَلْفُ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَا الْخِیَارُ بَاطِلٌ فِی الْوَجْهَیْنِ وَالطَّلَاقُ وَاقِعٌ وَعَلَیْهَا اَلْفُ دِرْهَمٍ لِاَنَّ الْخِیَارَ لِلْفَسْخِ بَعْدَ الْاِنْعِقَادِ لَا لِلْمَنْعِ مِنَ الْاِنْعِقَادِ وَالتَّصَرُّفَانِ لَا یَحْتَمِلَانِ الْفَسْخَ مِنَ الْجَانِبَیْنِ لِاَنَّهٗ فِیْ جَانِبِهٖ یَمِیْنٌ وَمِنْ جَانِبِهَا شَرْطُهَا وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ الْخُلْعَ فِیْ جَانِبِهَا بِمَنْزِلَةِ الْبَیْعِ حَتّٰی یَصِحُّ رُجُوْعُهَا وَلَا یَتَوَقَّفُ عَلٰی مَاوَرَاءِ الْمَجْلِسِ فَیَصِحُّ اِشْتِرَاطُ الْخِیَارِ فِیْهِ اَمَّا فِیْ جَانِبِهٖ یَمِیْنٌ حَتّٰی لَا یَصِحُّ رُجُوْعُهٗ وَیَتَوَقَّفُ عَلٰی مَاوَرَاءِ الْمَجْلِسِ وَلَا خِیَارَ فِی الْاَیْمَانِ وَجَانِبُ الْعَبْدِ فِی الْعِتَاقِ مِثْلُ جَانِبِهَا فِی الطَّلَاقِ

ترجمہ......اور اگر شوہر نے کہا تو طلاق والی ہے ایک ہزار درہم پر اس شرط پر کہ مجھے تین روز تک اختیار ہے یا تجھے اختیار ہے پس عورت نے قبول کیا تو یہ خیار باطل ہے جب کہ شوہر کے لیے ہو اور یہ خیار جائز ہے جب کہ عورت کے لیے ہو پھر اگر عورت نے تین دن کے اندر خیار رد کر دیا تو طلاق باطل ہو گئی اور اگر رد نہیں کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت پر ایک ہزار درہم لازم ہو جائیں گے اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ خیار دونوں صورت میں باطل ہے اور طلاق واقع ہو گئی اور اس پر ہزار درہم لازم ہیں کیونکہ خیار منعقد ہونے کے بعد فسخ کے لیے ہوتا ہے اور منعقد ہونے سے روکنے کے لیے نہیں ہوتا اور دونوں تصرف دونوں جانب سے فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں کیونکہ خلع شوہر کی جانب میں قسم ہے اور عورت کی جانب سے اس کی شرط ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع عورت کی جانب میں بیع کے مرتبہ میں ہے حتیٰ کہ عورت کا رجوع کرنا صحیح ہے اور ماوراء مجلس پر موقوف نہیں

ہوتا ہے پس خلع میں خیار کی شرط لگانا صحیح ہے اور رہا (خلع) شوہر کی جانب میں (تو) وہ قسم ہے حتیٰ کہ شوہر کا اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہوتا اور ماوراء مجلس پر موقوف رہتا ہے اور ایمان (قسم) میں خیار نہیں ہے اور غلام کی جانب عتاق میں ایسی ہے جیسے عورت کی جانب سے طلاق۔

تشریح ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا **انت طالق علیٰ الف علیٰ انی بالخیار ثلثة ایام** یا کہا **انت طالق علیٰ الف علیٰ انك بالخیار ثلثة ایام**۔ پس عورت نے قبول کرلیا ہے تو اگر خیار شوہر کے لیے ہے تو باطل ہے اور اگر عورت کے لیے ہے تو جائز ہے پھر اگر عورت نے تین دن کے اندر اندر رد کر دیا تو طلاق باطل ہو جائے گی اور اگر عورت نے طلاق کی اجازت دیدی یا خیار کو رد نہیں کیا یہاں تک کہ مدت خیار گذر گئی تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور ایک ہزار درہم لازم ہوں گے یہ مذکورہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ خیار دونوں صورتوں میں باطل ہے۔ خواہ عورت کے لیے ہو یا شوہر کے لیے اور طلاق واقع ہو جائے گی اور عورت پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے یہی مذہب امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ خیار، عقد منعقد ہونے کے بعد فسخ کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔ نہ کہ منعقد ہونے سے روکنے کے لیے اور یہاں انعقاد کے بعد فسخ ممکن نہیں رہا۔ اس لئے کہ دونوں تصرف یعنی شوہر کا ایجاب اور عورت کا قبول دونوں جانب سے فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں۔ بہرحال شوہر کی جانب سے فسخ کا احتمال نہ رکھنا اس لئے ہے کہ خلع شوہر کی جانب میں قسم ہے۔ کیونکہ شوہر نے معنی شرط و جزاء کو ذکر کیا ہے اور قسم فسخ کو قبول نہیں کرتی پس ثابت ہو گیا کہ شوہر کی جانب سے خلع فسخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے اور عورت کی جانب سے اس لئے فسخ کا احتمال نہیں ہے کہ عورت کا قبول کرنا یمین کے لیے شرط ہے۔ پس جس طرح یمین فسخ کو قبول نہیں کرتی اسی طرح اس کی شرط بھی فسخ کو قبول نہیں کرے گی۔

دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ خیار فسخ کے لیے مشروع کیا گیا ہے اور خلع فسخ کو قبول نہیں کرتا اس وجہ سے خیار دونوں صورتوں میں باطل ہوگا

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع عورت کی جانب میں بیع کے مرتبہ میں ہے کیونکہ عورت نے اپنے شوہر کو بالعوض مال کا مالک بنایا ہے یہی وجہ ہے کہ خلع میں عورت کا اپنے قول سے رجوع کرنا صحیح ہے اور خلع ماوراء مجلس پر موقوف نہیں ہوتا جیسا کہ بیع میں رجوع کرنا بھی صحیح ہوتا ہے اور بیع ماوراء مجلس پر موقوف بھی نہیں ہوتی پس ثابت ہو گیا کہ خلع عورت کی جانب میں بیع کے مرتبہ میں ہے۔ لہٰذا جس طرح بیع میں خیار کی شرط لگانا شرعاً درست ہے اسی طرح خلع میں بھی عورت کی جانب سے خیار کی شرط لگانا شرعاً درست ہوگا۔

اور شوہر کی جانب میں خلع قسم ہے یہی وجہ ہے کہ اگر شوہر خلع کے بعد رجوع کرنا چاہے تو رجوع نہیں کر سکتا اور اس کے حق میں خلع ماوراء مجلس پر بھی موقوف رہتا ہے پس ثابت ہو گیا کہ شوہر کی جانب میں خلع قسم ہے اور قسم میں شرعاً خیار نہیں ہوتا اس وجہ سے خلع میں شوہر کے لیے خیار نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ عتاق میں غلام کا حکم وہی ہے جو طلاق میں عورت کا حکم ہے یعنی اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا **انت حر علیٰ الف علیٰ انی بالخیار** یا **علیٰ انك بالخیار**۔ پس غلام نے قبول کرلیا۔ تو امام صاحبؒ کے نزدیک اگر غلام کے لیے خیار ہے تو جائز ہوگا اور اگر مولیٰ کے لیے ہے تو باطل ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں باطل ہے۔

شوہر نے بیوی کو کہا طلقتك امس علی الف درهم فلم تقبلی عورت نے کہا میں نے قبول کیا تھا کس کا قول معتبر ہوگا اور اگر بائع نے مشتری کو کہا بعت منك هذا العبد بالف درهم امس فلم تقبل مشتری نے کہا میں نے قبول کیا تھا مشتری کا قول معتبر ہوگا وجہ فرق

وَمَنْ قَالَ لِاِمْرَاَتِہٖ طَلَّقْتُكِ اَمْسِ عَلٰی اَلْفِ دِرْهَمٍ فَلَمْ تَقْبَلِیْ فَقَالَتْ قَبِلْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الزَّوْجِ وَمَنْ قَالَ لِغَیْرِہٖ بِعْتُ مِنْكَ هٰذَا الْعَبْدَ بِاَلْفِ دِرْهَمٍ اَمْسِ فَلَمْ تَقْبَلْ فَقَالَ قَبِلْتُ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِیْ وَوَجْهُ الْفَرْقِ اَنَّ الطَّلَاقَ بِالْمَالِ یَمِیْنٌ مِنْ جَانِبِہٖ فَالْاِقْرَارُ بِہٖ لَا یَكُوْنُ اِقْرَارُہٗ بِالشَّرْطِ لِصِحَّتِہٖ بِدُوْنِہٖ اَمَّا الْبَیْعُ فَلَا یَتِمُّ اِلَّا بِالْقُبُوْلِ وَالْاِقْرَارُ بِہٖ اِقْرَارٌ بِمَا لَا یَتِمُّ اِلَّا بِہٖ فَاِنْكَارُہُ الْقُبُوْلَ رُجُوْعٌ مِنْہُ

ترجمہ..... اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھ کو ایک ہزار درہم پر کل گذشتہ طلاق دے چکا ہوں۔ مگر تو نے قبول نہیں کیا ہے۔ پس عورت نے کہا کہ میں نے قبول کر لیا ہے تو شوہر کا قول (معتبر) ہوگا اور اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے گزشتہ کل تجھ کو ایک ہزار درہم کے عوض یہ غلام فروخت کیا تھا مگر تو نے قبول نہ کیا پس اس شخص نے کہا کہ میں قبول کر چکا تو مشتری کا قول (معتبر) ہوگا۔

اور وجہ فرق یہ ہے کہ طلاق بالمال شوہر کی جانب میں قسم ہے پس قسم کا اقرار شرط کا اقرار نہیں ہوگا اس لئے کہ قسم بغیر شرط کے صحیح ہوتی ہے رہی بیع تو وہ بغیر قبول کے تام نہیں ہوتی اور بیع کا اقرار کرنا اس چیز کا اقرار کرنا ہے جس کے بغیر بیع قائم نہیں ہوتی۔ پس (بائع کا) مشتری کے قبول کرنے کا انکار بیع سے رجوع کرنا ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں دو مسئلے مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا میں کل گذشتہ تجھ کو ایک ہزار روپیہ کے عوض طلاق دے چکا ہوں لیکن تو نے اس کو قبول نہیں کیا ہے اور عورت کہتی ہے کہ میں نے قبول کر لیا تھا تو اس صورت میں شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے کہا میں نے کل گزشتہ تیرے ہاتھ اپنے اس غلام کو ایک ہزار درہم کے عوض فروخت کیا تھا مگر تو نے قبول نہیں کیا مشتری کہتا ہے کہ میں بھی قبول کر چکا ہوں تو اس صورت میں مشتری کا قول قبول کیا جائے گا۔

دونوں مسئلوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ طلاق بالمال شوہر کی جانب میں قسم ہے، کیونکہ شوہر نے طلاق کو عورت کے مال قبول کرنے پر معلق کیا ہے اور معلق کرنے کا نام ہی یمین اور قسم ہے اور قسم، قسم کھانے والے کے ساتھ پوری ہو جاتی ہے پس شوہر کی جانب سے قسم کا اقرار کرنا وجود شرط یعنی عورت کی طرف سے مال قبول کرنے کا اقرار نہیں ہوگا اس لئے کہ قسم بغیر شرط کے صحیح ہو جاتی ہے پس شوہر کا یہ کہنا کہ تو نے قبول نہیں کیا تھا اپنے قول سے رجوع کرنا نہیں ہوا۔ لہٰذا عورت اپنے قبول کرنے پر گواہ پیش کرے ورنہ شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

اور رہا مسئلہ بیع تو وہ بغیر مشتری کے قبول کے تام نہیں ہوتی۔ پس جب بائع نے عقد بیع واقع ہونے کا اقرار کیا تو ایسی چیز کا بھی اقرار کیا جس کے بغیر بیع تام نہیں ہوتی۔ یعنی مشتری کا قبول کرنا لہٰذا بائع کا مشتری کے قبول کرنے سے انکار کرنا اپنے اقرار سے پھرنا ہوا۔ اس وجہ سے بائع کا قول مفید نہ ہوگا بلکہ مشتری کا قول معتبر مانا جائے گا۔ واللہ اعلم

مبارات خلع کی طرح ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

قَالَ وَالْمُبَارَاۃُ كَالْخُلْعِ كِلَاهُمَا یُسْقِطَانِ كُلَّ حَقٍّ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الزَّوْجَیْنِ عَلَی الْاٰخَرِ مِمَّا یَتَعَلَّقُ بِالنِّكَاحِ

عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَایَسْقُطُ فِیْهِمَا اِلَّامَاسَمَّیَاهُ وَاَبُوْیُوْسُفَ مَعَهُ فِی الْخُلْعِ وَمَعَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْمُبَارَاةِ لِمُحَمَّدٍ اَنَّ هٰذِهٖ مُعَاوَضَةٌ وَفِی الْمُعَاوَضَاتِ یُعْتَبَرُ الْمَشْرُوْطُ لَاغَیْرُهٗ وَلِاَبِیْ یُوْسُفَ اَنَّ الْمُبَارَاةَ مُفَاعَلَةٌ مِنَ الْبَرَاءَةِ فَتَقْتَضِیْهَا مِنَ الْجَانِبَیْنِ وَاَنَّهٗ مُطْلَقٌ قَیَّدْنَاهُ بِحُقُوْقِ النِّکَاحِ لِدَلَالَةِ الْغَرَضِ اَمَّاالْخُلْعُ فَمُقْتَضَاهُ الْاِنْخِلَاعُ وَقَدْحَصَلَ فِیْ نَقْضِ النِّکَاحِ وَلَاضَرُوْرَةَ اِلَی انْقِطَاعِ الْاَحْکَامِ وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ الْخُلْعَ یُنْبِئُ عَنِ الْفَصْلِ وَمِنْهُ خَلْعُ النَّعْلِ وَخَلْعُ الْعَمَلِ وَهُوَ مُطْلَقٌ کَالْمُبَارَاةِ فَیَعْمَلُ بِاِطْلَاقِهِمَا فِی النِّکَاحِ وَاَحْکَامِهٖ وَحُقُوْقِهٖ

ترجمہ...... قدروی نے فرمایا کہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کو بری کرنا خلع کے مانند ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اُن حقوق میں سے جو نکاح کے متعلق ہیں مبارات اور خلع دونوں ہر ایسے حق کو ساقط کر دیتے ہیں جو میاں بیوی میں سے ایک کا دوسرے پر ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مبارات اور خلع دونوں میں ہر حق نکاح ساقط نہیں ہوگا سوائے اس کے جو دونوں بیان کریں اور ابو یوسفؒ خلع میں امام محمدؒ کے ساتھ ہیں اور مبارات میں ابوحنیفہؒ کے ساتھ۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع اور مبارات دونوں میں سے ہر ایک عقد معاوضہ ہے اور معاوضات میں صرف مشروط کا اعتبار کیا جاتا ہے اور ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ مبارات (باب) مفاعلہ براءۃ سے (ماخوذ ہے) پس یہ جانبین سے بری ہونے کا تقاضا کرے گا اور یہ بری ہونا مطلق ہے ہم نے اس کو حقوق نکاح کے ساتھ مقید کر دیا ہے غرض کے دلالت کرنے کی وجہ سے اور رہا خلع تو اس کا مقتضیٰ انخلاع (الگ ہونا) ہے اور یہ بات نکاح ٹوٹنے سے حاصل ہوگئی۔ لہٰذا دوسرے احکام منقطع ہونے کی ضرورت نہ رہی اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع کے معنی ہیں جدا کرنا اور اسی سے ہے خلع النعل (پاؤں سے) جوتے الگ کرنا اور خلع العمل عمل سے الگ ہونا اور یہ مبارات کی طرح مطلق ہے تو نکاح اور اس کے احکام اور اس کے حقوق میں ان دونوں کے مطلق ہونے پر عمل کیا جائے گا۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ زوجین میں سے ایک کا دوسرے کو بری کرنا خلع کے مانند ہے۔ یعنی مبارات اور خلع دونوں میں سے ہر ایک ایسا ہے کہ شوہر اور بیوی کو ہر اس حق سے جو نکاح کے متعلق ہے، بری کر دیتا ہے۔ مثلاً مہر اور گذشتہ ایام کا نفقہ البتہ خلع اور مبارات میں عدت کا نفقہ اور سکنیٰ ساقط نہیں ہوتا۔ لیکن اگر عورت نے عدت کے نفقہ پر ہی خلع کیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا سکنیٰ ساقط نہیں ہوگا اس لئے کہ سکنیٰ شریعت کا حق ہے اور شریعت کا حق کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا یہ مذکورہ تفصیل حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ خلع اور مبارات میں وہی حقوق ساقط ہوں گے جن کو زوجین نے بیان کیا ہے اور جن کو بیان نہیں کیا وہ ساقط نہیں ہوں گے۔

اور امام ابو یوسفؒ کا قول خلع کی صورت میں امام محمدؒ کے قول کے مانند ہے اور مبارات کی صورت امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مانند ہے۔

اس اختلاف کا ثمرہ اس مثال سے واضح ہوگا کہ اگر عورت کا مہر ایک ہزار درہم ہے پھر عورت نے اپنے شوہر سے قبل الدخول اپنے مہر میں سے سو درہم پر خلع کیا تو امام صاحب کے نزدیک عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر سے کچھ رجوع کرے اس لئے کہ خلع کی وجہ سے مہر ساقط ہو گیا اور صاحبین کے نزدیک عورت اپنے شوہر سے چار سو درہم رجوع کرے گی تاکہ فرقت قبل الدخول کی وجہ سے عورت کو نصف مہر پہنچ جائے اور صرف اتنا ساقط ہوگا جتنا دونوں نے بیان کیا ہے یعنی سو درہم اور اگر عورت نے ایک ہزار پر قبضہ کر لیا پھر اس عورت نے سو درہم پر خلع کیا تو امام صاحب کے نزدیک شوہر کے لیے سو کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک شوہر عورت سے اتنی مقدار رجوع کرے کہ نصف مہر کی مقدار شوہر کو پہنچ جائے یعنی چار سو درہم عورت سے مزید واپس لیلے۔ ثمرہ اختلاف کے بعد دلائل ملاحظہ کیجئے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع اور مبارات میں سے ہر ایک عقد معاوضہ ہے اور معاوضات میں وہی چیز معتبر ہوتی ہے جس کو بیان کیا جائے لہٰذا خلع اور مبارات میں صرف وہ حقوق ساقط ہوں گے جن کو زوجین نے بیان کیا ہے اور جن کا ذکر نہیں کیا وہ ساقط نہیں ہوں گے۔

اور امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مبارات، مفاعلت کا مصدر ہے ماخوذ ہے براءۃ سے اور مفاعلہ دونوں جانب سے فعل کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا مبارات اس بات کا تقاضا کرے گا کہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے بری ہو جائے۔

اور لفظ براءۃ مطلق ہے ہر حق کو شامل ہے خواہ نکاح سے متعلق ہو یا نکاح سے متعلق نہ ہو مگر ہم نے اس کو حقوق نکاح کے ساتھ مقید کر دیا ہے اور دلیل ان کی غرض ہے یعنی غرض اس جھگڑے کو ختم کرنا ہے جو نکاح کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اس وجہ سے براءۃ ان حقوق کے ساتھ مقید کی جائے گی جو نکاح سے ثابت ہوئے ہیں اور رہا خلع تو اس کا مقتضی انخلاع یعنی الگ ہونا ہے اور یہ معنی حاصل ہو جاتے ہیں نکاح ٹوٹنے سے لہٰذا دوسرے احکام نکاح منقطع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلع کے معنی جدا کرنے اور الگ کرنے کے ہیں۔ اسی سے خلع النعل آتا ہے۔ یعنی پاؤں سے جوتے الگ کرنا اور خلع العمل یعنی کام کرنے والے کا کام سے الگ ہو جانا۔ پس معلوم ہوا کہ خلع بھی مبارات کی طرح مطلق ہے لہٰذا نکاح اور اس کے احکام اور حقوق میں ان دونوں کے اطلاق پر عمل کیا جائے گا۔ یعنی خلع اور مبارات کے ذریعہ نکاح اور احکام نکاح اور حقوق نکاح سب ساقط ہو جائیں گے زوجین نے ان کو بیان کیا ہو یا بیان نہ کیا ہو۔

جس شخص نے اپنی صغیرہ بیٹی کا مال کے بدلے خلع کیا یہ خلع درست نہیں

وَمَنْ خَلَعَ اِبْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ بِمَالِهَا لَمْ يَجُزْ عَلَيْهَا لِاَنَّهُ لَا نَظَرَ لَهَا فِيْهِ اِذِ الْبُضْعُ فِيْ حَالَةِ الْخُرُوْجِ غَيْرُ مُتَقَوَّمٍ وَالْبَدَلُ مُتَقَوَّمٌ بِخِلَافِ النِّكَاحِ لِاَنَّ الْبُضْعَ مُتَقَوَّمٌ عِنْدَ الدُّخُوْلِ وَلِهٰذَا يُعْتَبَرُ خُلْعُ الْمَرِيْضَةِ مِنَ الثُّلُثِ وَنِكَاحُ الْمَرِيْضِ بِمَهْرِ الْمِثْلِ مِنْ جَمِيْعِ الْمَالِ وَاِذَا لَمْ يَجُزْ لَا يَسْقُطُ الْمَهْرُ وَلَا يَسْتَحِقُّ مَالَهَا ثُمَّ يَقَعُ الطَّلَاقُ فِيْ رِوَايَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَقَعُ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ لِاَنَّهُ تَعْلِيْقٌ بِشَرْطِ قُبُوْلِهِ فَيُعْتَبَرُ بِالتَّعْلِيْقِ بِسَائِرِ الشُّرُوْطِ

ترجمہ..... اور جس شخص نے اپنی بیٹی کا خلع کرایا درانحالیکہ وہ صغیرہ ہے اس کے مال کے عوض تو (یہ خلع) اس پر جائز نہ ہوگا اس لئے کہ اس خلع میں صغیرہ کے لیے کوئی بہتری نہیں ہے اس وجہ سے کہ بضع حالت خروج میں غیر متقوم ہے اور بدل متقوم ہے اس کے برخلاف نکاح ہے کیونکہ بضع دخول کے وقت متقوم ہے اور اسی وجہ سے مریضہ کا خلع اس کے تہائی مال سے معتبر ہوگا اور مریض کا نکاح مہر مثل پر جمیع مال سے معتبر ہے اور جب خلع جائز نہیں تو مہر ساقط نہیں ہوگا اور شوہر اس کے مال کا مستحق نہیں ہوگا پھر ایک روایت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور ایک روایت میں واقع نہیں ہوگی اور روایت اول زیادہ صحیح ہے کیونکہ (شوہر کا طلاق دینا) باپ کے قبول کرنے کی شرط پر معلق تھا۔ پس دوسری شرطوں کے ساتھ معلق کرنے پر قیاس کیا جائے گا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر باپ نے اپنی صغیرہ لڑکی کا خلع کرایا اس کے مال کے عوض تو یہ خلع اس صغیرہ پر جائز نہ ہوگا یہی قول امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خلع جائز ہے عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ باپ کی ولایت نظر اور شفقت پر مبنی ہے اور اس خلع میں صغیرہ پر کوئی نظر و شفقت نہیں اس لئے کہ بضع حالت خروج میں غیر متقوم ہوتا ہے اور بدل خلع متقوم ہے اور غیر متقوم کے مقابلہ میں صغیرہ پر مال متقوم لازم کرنے میں نہ کوئی دانشمندی ہے اور نہ شفقت اس کے برخلاف نکاح اس لئے کہ اگر کسی مرد نے اپنے صغیر بیٹے کا نکاح مہر مثل کے عوض کر دیا تو یہ نکاح درست ہوگا اس لئے کہ بضع حالت دخول میں متقوم ہوتا ہے پس متقوم (ملک بضع) کے مقابلہ میں متقوم (مہر مثل) لازم کرنا نظر اور شفقت

کے خلاف نہیں ہے۔اسی فرق کی وجہ سے اگر کوئی عورت اپنے مرض وفات میں اپنے شوہر سے خلع کرانے کا ارادہ رکھتی ہو تو یہ خلع اس کے تہائی مال سے معتبر ہوگا۔یعنی اپنے مال میں سے ایک تہائی بطور بدل خلع کے دے سکتی ہے کیونکہ بضع حالت خروج میں غیر متقوم ہے۔لہذا جو مال اس کے مقابلہ میں لازم ہوا ہے وہ مریضہ کی طرف سے تبرع ہوگا اور تبرع اور وصیت کا نفاذ مرنے والے کے تہائی مال میں ہوتا ہے نہ کہ اس سے زائد میں اور اگر کوئی شخص اپنے مرض وفات میں کسی عورت کے ساتھ مہر مثل کے عوض نکاح کرے تو یہ نکاح اس کے پورے مال سے معتبر ہوگا۔یعنی اگر اس کا پورا مال عورت کے مہر مثل کے برابر ہو تو پورا مال عورت کو دیدیا جائے گا اس لئے کہ بضع حالت دخول میں متقوم ہے پس اس صورت میں متقوم، متقوم کے مقابلہ میں لازم ہوا ہے۔اس لئے پورا مال دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ باپ کا کیا ہوا خلع جائز نہیں ہے اور جب یہ خلع جائز نہیں ہوا تو صغیرہ کا مہر بھی ساقط نہیں ہوگا اور نہ شوہر بدل خلع کے طور پر صغیرہ کے مال کا مستحق ہوگا۔

رہی یہ بات کہ اس پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں تو اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق واقع ہو جائے گی اور دوسری کے مطابق واقع نہیں ہوگی اور دونوں روایتوں کا منشا امام محمدؒ کا قول لـم یـجـز ہے کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ عدم جواز کا تعلق طلاق کے ساتھ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ عدم جواز لزوم مال کے ساتھ متعلق ہے اور صحیح روایت یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی اور عدم جواز لزوم مال کے ساتھ متعلق ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ شوہر کا یہ طلاق دینا بیوی کے باپ کے قبول کرنے کے ساتھ مشروط تھا۔لہذا اس کو دوسری شرطوں کے ساتھ مشروط ہونے پر قیاس کیا جائے گا۔مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر زید مکان میں داخل ہوگا تو تجھ کو طلاق ہے۔پس جب بھی زید مکان میں داخل ہوگا طلاق واقع ہو جائے گی اسی طرح یہاں شوہر نے اپنی بیوی کی طلاق کو اس کے باپ کے قبول کرنے پر معلق کیا ہے۔یعنی اگر باپ قبول کرے تو میں نے طلاق دی درانحالیکہ باپ نے قبول کرلیا ہے تو طلاق ہوگئی اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ خلع یمین کے معنیٰ میں ہے اور ایمان میں نیابت جاری نہیں ہوتی پس اگر صغیرہ کے باپ کی طرف سے خلع منعقد ہو جائے، تو بطریق نیابت منعقد ہوگا اور یہ درست نہیں، لہذا طلاق بھی واقع نہ ہوگی مگر اس کا جواب یہ ہے کہ باپ کی طرف سے شرط یمین پائی گئی ہے نہ کہ نفس یمین اور شرط یمین ہر شخص کی طرف سے درست ہوتی ہے۔واللہ اعلم بالصواب

شوہر نے ہزار پر خلع کیا اس شرط پر کہ لڑکی کا باپ ضامن ہوگا خلع ہو جائے گا اور ہزار باپ پر لازم ہوگا

وَاِنْ خَالَعَهَا عَلٰى اَلْفٍ عَلٰى اَنَّهٗ ضَامِنٌ فَالْخُلْعُ وَاقِعٌ وَالْاَلِفُ عَلَى الْاَبِ لِاَنَّ اِشْتِرَاطَ بَدَلِ الْخُلْعِ عَلَى الْاَجْنَبِيِّ صَحِيْحٌ فَعَلَى الْاَبِ اَوْلٰى وَلَايَسْقُطُ مَهْرُهَا لِاَنَّهٗ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ وَلَايَةِ الْاَبِ

ترجمہ......اور اگر شوہر نے ہزار درہم پر اپنی بیوی کو خلع دیا اس شرط پر کہ بیوی کا باپ (اس مال) ضامن ہے تو خلع واقع ہو جائے گا اور باپ پر ہزار درہم لازم ہوں گے کیونکہ اجنبی پر بدل خلع کی شرط لگانا صحیح ہے پس باپ پر (یہ شرط لگانا) بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی اور عورت کا مہر ساقط نہیں ہوگا کیونکہ وہ باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی صغیرہ بیوی کو ایک ہزار درہم پر اس شرط کے ساتھ خلع دیا کہ بیوی کا باپ اس ایک ہزار کا ضامن ہوگا تو اس صورت میں خلع واقع ہو جائے گا اور اسکے باپ پر یہ ایک ہزار درہم لازم ہوں گے اور یہاں ضمان کے معنی ہیں اپنے اوپر مال لازم کرنا نہ کہ صغیرہ کی جانب سے کفیل ہونا اس لئے کہ شوہر کو صغیر پر مال وغیرہ کا استحقاق نہیں ہوتا۔یہاں تک کہ اس کی طرف سے کوئی کفیل ہو۔

مذکورہ حکم کی دلیل یہ ہے کہ اجنبی پر بدل خلع کی شرط لگانا صحیح ہے۔لہذا باپ پر بدل خلع کی شرط لگانا بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔

صاحب عنایہ نے وجہ اولویت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ باپ کو اپنے ولد صغیر کے مال میں ولایت تصرف حاصل ہے۔ چنانچہ باپ اپنے ولد صغیر کے مال میں خرید وفروخت، اجارہ اور ودیعت کا تصرف کر سکتا ہے۔ حالانکہ کسی اجنبی کے لیے یہ تصرفات جائز نہیں ہیں۔ پھر اپنے اوپر بدل خلع کے شرط لگانا یہ بھی ایک تصرف ہے۔ پس اجنبی جس کے لیے عام تصرفات کی ولایت نہیں جب اس کے لیے اپنے اوپر بدل خلع کو لازم کرنا جائز ہے تو باپ جس کو عام تصرفات میں ولایت حاصل ہے اس کو بدرجہ اولیٰ اپنے اوپر بدل خلع لازم کرنے کی اجازت ہوگی۔

دوسری وجہ اولویت یہ ہے کہ خلع ایسا تصرف ہے جو نفع اور ضرر کے درمیان دائر ہے پس جب اجنبی جس کی شفقت ناقص ہے اس کا اپنے اوپر بدل خلع کو لازم کرنا صحیح ہے تو باپ جو بھرپور شفقت رکھتا ہے اس کا اپنے اوپر بدل خلع کو لازم کرنا بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صغیرہ کا مہر ساقط نہیں ہوگا اگر چہ خلع مہر کو ساقط کر دیتا ہے اس لئے کہ مہر باپ کی ولایت کے تحت داخل نہیں ہے کیونکہ مہر ساقط کرنے میں صغیرہ پر کوئی شفقت نہیں حالانکہ ولایت کا مبنیٰ ہی شفقت ہے۔

شوہر نے ایک ہزار کو صغیرہ پر شرط کیا تو خلع عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا اگر عورت اہل قبول میں سے ہے عورت نے قبول کر لیا طلاق واقع ہو جائے گی شرط کے پائے جانے کی وجہ سے اور مال واجب نہیں ہوگا

وَاِنْ شَرَطَ الْاَلْفَ عَلَيْهَا تَوَقَّفَ عَلٰى قَبُوْلِهَا اِنْ كَانَتْ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْلِ فَاِنْ قَبِلَتْ وَقَعَ الطَّلَاقُ لِوُجُوْدِ الشَّرْطِ وَلَايَجِبُ الْمَالُ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ اَهْلِ الْغُرَامَةِ فَاِنْ قَبِلَهُ الْاَبُ عَنْهَا فَفِيْهِ رِوَايَتَانِ

ترجمہ...... اور اگر شوہر نے اس ہزار درہم کو صغیرہ پر شرط کیا ہو تو (خلع کا جائز ہونا) خود صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔ بشرطیکہ وہ قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہو۔ پس اگر صغیرہ نے قبول کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اس لئے کہ شرط پائی گئی ہے اور مال واجب نہیں ہوگا کیونکہ صغیرہ اہل تاوان میں سے نہیں۔ پھر اگر باپ نے اس کی طرف سے عوض خلع قبول کر لیا تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اس ہزار درہم بدل خلع کو اپنی صغیرہ بیوی پر شرط کر دیا تو جواز خلع خود اس صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا بشرطیکہ وہ صغیرہ قبول کرنے کی لیاقت رکھتی ہو، یعنی عقد کو سمجھتی ہو اور یہ سمجھتی ہو کہ خلع سے نکاح زائل ہو کر چھٹکارا ہوتا ہے مگر مال دینا پڑتا ہے۔

پس اگر صغیرہ نے قبول کر لیا تو طلاق پڑ جائے گی کیونکہ شرط قبول پائی گئی البتہ مال واجب نہیں ہوگا کیونکہ صغیرہ اس کی طاقت نہیں رکھتی کہ اس پر تاوان وغیرہ لازم ہو اور اگر اس صغیرہ کی طرف سے اس کے باپ نے قبول کر لیا تو اس قبول کرنے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں یہ قبول کرنا صحیح ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ صحیح نہیں روایت اول کی وجہ یہ ہے کہ یہ قبول کرنا صغیرہ کے لیے نفع محض ہے بغیر مال کے شوہر سے نجات مل جائے گی پس یہ ایسا ہے جیسا کہ صغیرہ کے لیے ہدیہ قبول کرنا اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ قبول کرنا شرط یمین کے معنی میں ہے اور شرط یمین نیابت کا احتمال نہیں رکھتی۔

شوہر نے صغیرہ سے اس کے مہر پر خلع کیا اور باپ مہر کا ضامن نہیں تو صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا

وَكَذَا اِنْ خَالَعَهَا عَلٰى مَهْرِهَا وَلَمْ يَضْمَنِ الْاَبُ الْمَهْرَ تَوَقَّفَ عَلٰى قُبُوْلِهَا فَاِنْ قَبِلَتْ طُلِّقَتْ وَلَايَسْقُطُ الْمَهْرُ وَاِنْ قَبِلَ الْاَبُ عَنْهَا فَعَلَى الرِّوَايَتَيْنِ

ترجمہ...... اور ایسے ہی اگر شوہر نے صغیرہ سے خلع کیا اس کے مہر پر اور باپ مہر کا ضامن نہیں ہوا تو صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہوگا پس اگر صغیرہ نے قبول کیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور مہر ساقط نہیں ہوگا اور اگر اس کی طرف سے باپ نے قبول کیا تو دو روایتیں ہیں۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی صغیرہ بیوی کو خلع دیا اس کے مہر پر اور باپ اس مہر کا ضامن نہیں ہوا تو بھی اس صغیرہ کے قبول کرنے پر موقوف ہے۔ پس اگر صغیرہ نے قبول کرلیا تو طلاق پڑ جائے گی اس لئے کہ شرط پائی گئی اور چونکہ صغیرہ اہل تاوان میں سے نہیں ہے اس لئے مہر ساقط نہیں ہوگا۔

اور اگر صغیرہ کی طرف سے باپ نے قبول کیا تو اس صورت میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق صحیح ہوگا اور ایک کے مطابق صحیح نہیں اور دونوں روایتوں کی وجہ سابق مسئلہ میں گزر چکی۔

اگر باپ مہر کا ضامن ہو گیا عورت مطلقہ ہو جائے گی

وَاِنْ ضَمِنَ الْاَبُ الْمَهْرَ وَهُوَ اَلْفُ دِرْهَمٍ طَلُقَتْ لِوُجُوْدِ قُبُوْلِهٖ وَهُوَ الشَّرْطُ وَيَلْزَمُهٗ خَمْسُ مِائَةٍ اِسْتِحْسَانًا وَفِي الْقِيَاسِ يَلْزَمُهُ الْاَلْفُ وَاَصْلُهٗ فِي الْكَبِيْرَةِ اِذَا اخْتَلَعَتْ قَبْلَ الدُّخُوْلِ عَلٰى اَلْفٍ وَمَهْرُهَا اَلْفٌ فَفِي الْقِيَاسِ عَلَيْهَا خَمْسُ مِائَةٍ زَائِدَةٍ وَ فِي الْاِسْتِحْسَانِ لَا شَيْءَ عَلَيْهَا لِاَنَّهٗ يُرَادُ بِهٖ عَادَةً حَاصِلُ مَا يَلْزَمُ لَهَا

ترجمہ...... اور اگر صغیرہ کا باپ مہر کا ضامن ہو گیا اور وہ ہزار درہم ہیں تو عورت طالقہ ہو جائے گی اس لئے کہ باپ کا قبول کرنا پایا گیا اور یہی شرط تھی اور باپ پر پانچ سو درہم لازم ہوں گے (اور یہ) استحسان ہے اور قیاس کا (تقاضا ہے کہ) ایک ہزار لازم ہوں اور اس مسئلہ کی اصل بالغہ عورت کے حق میں ہے جب کہ اس نے دخول سے پہلے ایک ہزار پر خلع لیا حالانکہ اس کا مہر بھی ایک ہزار درہم ہے۔ پس قیاس (کا تقاضا ہے کہ) اس پر پانچ سو درہم زائد لازم ہوں اور استحسان کا تقاضا ہے کہ اس پر کچھ واجب نہ ہو۔ کیونکہ ایسے خلع سے عادتاً اس چیز کا حاصل ہونا مراد ہوتا ہے، جو عورت کے لیے لازم ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی صغیرہ بیوی کو اس کے مہر پر یعنی مقدار مہر پر خلع دیا اور صغیرہ کا باپ اس مقدار مہر کا ضامن ہو گیا اور وہ مہر ایک ہزار درہم ہیں تو اس صغیرہ پر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ باپ کا قبول کرنا پایا گیا اور یہی شرط تھا۔

اور صغیرہ کے باپ پر استحساناً پانچ سو درہم لازم ہوں گے دلیل یہ ہے کہ مسئلہ اس صورت میں فرض کیا گیا جب کہ صغیرہ غیر مدخول بہا ہو اور مہر ایک ہزار ہے پھر خلع منسوب کیا گیا ہے اس کے مہر کی طرف اور لفظ کا مہر وہ ہے جو اس عورت کے واسطے نکاح کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور عورت کے واسطے طلاق قبل الدخول کی صورت میں نصف مہر واجب ہوتا ہے اور نصف مہر پانچ سو درہم ہیں۔ پس گویا شوہر نے اپنی بیوی سے پانچ سو درہم پر خلع کیا ہے اس وجہ سے اس صغیرہ کے باپ پر پانچ سو درہم لازم ہوں گے اور قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ اس پر ایک ہزار درہم لازم ہوں گے۔

اس مسئلہ کی اصل بالغہ عورت میں ہے کہ جب بالغہ عورت نے دخول سے پہلے ایک ہزار پر خلع لیا حالانکہ اس کا مہر بھی ایک ہزار ہے اور عورت نے ابھی تک مہر پر قبضہ نہیں کیا ہے تو اس صورت میں قیاس یہ ہے کہ عورت پر اس کے شوہر کے لیے پانچ سو درہم واجب ہوں۔ کیونکہ طلاق قبل الدخول کی وجہ سے پانچ سو درہم اس کے شوہر کے ذمہ سے ساقط ہو گئے ہیں اور عورت نے ایک ہزار درہم کا التزام کیا ہے اور عورت کے ذمہ سے نصف یعنی پانچ سو درہم ساقط ہو گئے ہیں۔ بطریق مقاصد کیونکہ نصف مہر ساقط ہونے کے بعد بھی عورت کے لیے اس کے شوہر پر پانچ سو درہم باقی رہ گئے تھے۔ لہذا ایک ہزار پورا کرنے کے لیے عورت پر پانچ سو درہم مزید واجب ہوں گے اور استحسان یہ ہے کہ عورت پر کچھ واجب نہ ہو۔ کیونکہ شوہر کا مقصود یہ ہے کہ اس کے ذمہ سے کل مہر ساقط ہو جائے اور یہ مقصود حاصل ہو چکا ہے اس لئے عورت پر مزید کچھ واجب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

جمیل احمد عفی عنہ

باب الظهار

ترجمہ...... (یہ) باب ظہار (کے احکام کے بیان میں) ہے۔

تشریح...... ظہار اور خلع میں مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نشوز اور سرکشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور خلع کو ظہار پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ خلع میں تحریم زیادہ ہے کیونکہ خلع کی صورت میں نکاح منقطع ہو کر تحریم ثابت ہوتی ہے اور ظہار میں نکاح باقی رہتے ہوئے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

ظہار باب مفاعلہ کا مصدر ہے لغوی معنی ہیں مرد کا قول اپنی بیوی سے انت علی کظهر امی اور شریعت میں ظہار کہتے ہیں منکوحہ کو محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار کی شرط مظاہر کا عاقل بالغ مسلمان ہونا ہے اور عورت کا نسائنا میں سے ہونا یعنی منکوحہ ہونا ہے اور ظہار کا رکن ہے مرد کا اپنی بیوی سے انت علی کظهر امی یا اس کے قائم مقام کوئی لفظ کہنا اور اس کا سبب نشوز ہے اس لئے کہ آیت ظہار خولہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور درانحالیکہ وہ ناشزہ تھی اور اس کا حکم یہ ہے کہ وطی اور دواعیٔ وطی کا حرام ہونا بقاء نکاح کے ساتھ یہاں تک کہ کفارہ ادا کرے۔

عہد رسالت میں اوس بن صامت صحابی ﷺ نے غصہ میں اپنی بیوی خولہ بنت ثعلبہ کو کہہ دیا کہ تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت کہ مجھ پر حرام ہے۔ اس کے بعد دونوں نادم ہوئے حضرت خولہ چارہ جوئی اور تحقیق حال کے لیے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ چونکہ ظہار کے متعلق اب تک کوئی آسمانی حکم نازل نہیں ہوا تھا آپ ﷺ نے قوم ہی کے معمول کو قابل عمل خیال کر کے فرما دیا کہ اب تمھارے اور تمھارے شوہر میں اجتماع کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ یہ سن کر وہ واویلا کرنے لگیں اور اپنے خاوند کا شکوہ شروع کر دیا اور کہا یا رسول اللہ! میری جوانی شوہر ہی کے گھر میں گزری اور جب میں بوڑھی ہو چکی ہوں تو ظہار کر بیٹھا ہے۔ لیکن علیحدگی کی صورت میں گھر تباہ جائے گا اور چھوٹے چھوٹے بچے پریشان مارے مارے پھریں گے اس کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہنے لگیں بار الٰہی مجھ بیچاری کا تو ہی وارث ہے۔ میری فریادرسی کر اس وقت سورۃ مجادلہ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں جن میں ظہار کو طلاق قرار نہ دیا گیا اور فرمایا گیا کہ جس نے جنا نہیں وہ ماں کیونکر ہو سکتی ہے اور ایسی لغویات کے کہنے کا انسداد یہ حکم دے کہ فرمایا کہ جب تک شوہر کفارہ ادا نہ کرے اس وقت تک منکوحہ کے قریب نہ جائے۔ (بیان القرآن)

شوہر نے بیوی کو کہا انت علی کظهر امی عورت مرد پر حرام ہو جائے گی کفارہ ادا کرنے سے پہلے وطی، لمس اور تقبیل حرام ہے

وَاِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِامْرَأَتِهٖ اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّي فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْهِ لَا يَحِلُّ لَهٗ وَطْيُهَا وَلَا مَسُّهَا وَلَا تَقْبِيْلُهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ عَنْ ظِهَارِهٖ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ يُظَاهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ اِلٰى اَنْ قَالَ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاسَّا وَالظِّهَارُ كَانَ طَلَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَرَّرَ الشَّرْعُ اَصْلَهٗ وَنَقَلَ حُكْمَهٗ اِلٰى تَحْرِيْمٍ مُؤَقَّتٍ بِالْكَفَّارَةِ غَيْرَ مُزِيْلٍ لِلنِّكَاحِ وَهٰذَا لِاَنَّهٗ جِنَايَةٌ لِكَوْنِهٖ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا فَيُنَاسِبُ الْمُجَازَاةَ عَلَيْهَا بِالْحُرْمَةِ وَارْتِفَاعُهَا بِالْكَفَّارَةِ ثُمَّ الْوَطْيُ اِذَا حُرِّمَ حُرِّمَ بِدَوَاعِيْهِ كَيْلَا يَقَعَ فِيْهِ كَمَا فِي الْاِحْرَامِ بِخِلَافِ الْحَائِضِ وَالصَّائِمِ لِاَنَّهٗ يَكْثُرُ وُجُوْدُهُمَا فَلَوْ حُرِّمَ الدَّوَاعِيْ يُفْضِيْ اِلَى الْحَرَجِ وَلَا كَذٰلِكَ الظِّهَارُ وَالْاِحْرَامُ

ترجمہ...... اور جب مرد نے اپنی بیوی سے انت علی کظہر امی کہا تو یہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ اس کے لیے اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہے اور نہ اس کو چھونا اور نہ اس کا بوسہ لینا حلال ہے یہاں تک کہ اپنے ظہار کا کفارہ دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے

ہیں یہاں تک کہ فرمایا کہ ایک غلام آزاد کریں جماع سے پہلے اور ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق تھا پھر شریعت نے اس کی اصل کو برقرار رکھا اور اس کا حکم کفارے کے وقت تک تحریم کی طرف منتقل کر دیا درانحالیکہ وہ نکاح کو زائل کرنے والا نہیں ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ظہار جرم ہے کیونکہ یہ قول فحش اور جھوٹ ہے پس مناسب ہے کہ (مرد کو) اس کہنے پر حرام کئے جانے سے سزا دی جائے اور اس حرمت کا دور ہونا کفارہ کے ساتھ ہے پھر جب وطی حرام ہوگئی تو وہ اپنے دواعی کے ساتھ حرام ہوگی تا کہ وطی میں مبتلا نہ ہو جائے جیسے احرام میں ہے برخلاف حائضہ کے اور روزہ دار کے کیونکہ ان دونوں کا وجود بکثرت ہوتا ہے پس اگر دواعی وطی حرام ہوں تو تکلیف تک پہنچا دے گا اور ظہار اور حرام کا یہ حال نہیں ہے۔

تشریح ..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے انت علی کظھر امی کہا تو یہ عورت اس پر حرام ہوگئی۔ نہ اس کے ساتھ وطی کرنا حلال رہا اور نہ اس کو چھونا اور نہ بوسہ لینا حلال رہا حتی کہ شوہر اپنے ظہار کا کفارہ دیدے۔ دلیل آیت والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر ہے ترجمہ:۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو انکے ذمہ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرانا ہے۔ قبل اسکے دونوں (میاں بی بی) باہم اختلاط کریں۔ اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔

(حکیم الامت)

اس آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر ظہار کے بعد رجوع کا ارادہ ہو تو پہلے غلام آزاد کرے۔ یعنی کفارہ ظہار ادا کرے پھر جماع اور اس کے متعلقات حلال ہوں گے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ظہار طلاق شمار ہوتی تھی یعنی جس طرح طلاق سے نکاح زائل ہو جاتا ہے اور حرمت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح ظہار سے نکاح زائل ہو جاتا تھا اور حرمت ثابت ہو جاتی تھی پس شریعت اسلام نے ظہار کی اصلیت تو برقرار رکھی مگر اس کا حکم بدل دیا۔ چنانچہ فرمایا کہ ظہار سے نکاح تو زائل نہیں ہوتا البتہ کفارہ دینے تک بیوی سے وطی کرنا حرام ہے۔

اور ظہار کی وجہ سے حرمت اس لئے ہے کہ ظہار کرنا جرم ہے اور جرم اس وجہ سے ہے کہ ظہار کرنا نازیبا اور جھوٹ بات ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا یعنی بلاشبہ وہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹ بات کہتے ہیں (اس لئے گناہ ضرور ہوگا) (حضرت تھانویؒ) پس جب ظہار کرنا فحش اور جھوٹ بات ہے تو ایسا کہنے پر اس شخص کو یہ سزا دینا مناسب ہوگا کہ اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیا جائے تاوقتیکہ کفارہ ادا کرے اور وہ جرم کفارہ سے دور ہو جاتا ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ان الحسنات یذھبن السیئات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اتبع الحسنۃ السیئۃ تمحھا ۔ یعنی برائی کے بعد نیکی کرنا برائی کو مٹا دیتا ہے۔ پس جب کفارہ سے جنابت دور ہوگئی تو حرمت بھی ختم ہو جائے گی۔

پھر جب ظہار کی وجہ سے وطی کرنا حرام ہوا تو وہ تمام چیزیں حرام ہو جائیں گی جو دواعی الی الوطی ہیں مثلاً عورت کو چھونا، اس کا بوسہ لینا، تا کہ یہ چیزیں اس کو وطی میں مبتلا نہ کر دیں، جیسا کہ حالت احرام میں وطی اور دواعی وطی سب حرام ہیں۔ اس کے برخلاف حائضہ اور روزہ دار ہے چنانچہ حائضہ اور روزہ دار عورت کے ساتھ صرف وطی حرام ہے نہ کہ دواعی وطی دلیل یہ ہے کہ حیض اور روزہ کا وجود بار بار ہوتا ہے۔ پس اگر بوسہ وغیرہ کو حرام کیا گیا تو یہ مفضی الی الحرج ہوگا اور رہا ظہار اور احرام تو ان کا وقوع کبھی کبھار شاذ و نادر ہوتا ہے اس لئے ظہار اور احرام کی حالت میں وطی کے ساتھ دواعی وطی بھی حرام کی گئیں ہیں اور حیض اور روزہ میں دواعی وطی کو حرام نہیں کیا گیا۔

کفارہ سے پہلے وطی کرلی استغفار کرے اور کچھ لازم نہیں ہے

فَاِنْ وَطِیَٔهَا قَبْلَ اَنْ یُّکَفِّرَ اِسْتَغْفَرَ اللّٰهَ تَعَالٰی وَلَا شَیْءَ عَلَیْهِ غَیْرُ الْکَفَّارَةِ الْاُوْلٰی وَلَا یُعَاوِدُ حَتّٰی یُکَفِّرَ لِقَوْلِهٖ

عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلَّذِیْ وَاقَعَ فِیْ ظِهَارِهٖ قَبْلَ الْكَفَّارَةِ اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَلَا تَعُدْ حَتّٰی تُكَفِّرَ وَلَوْ كَانَ شَیْءٌ اٰخَرَ وَاجِبًا لَبَيَّنَهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ وَهٰذَا اللَّفْظُ لَا يَكُوْنُ اِلَّا ظِهَارًا لِاَنَّهٗ صَرِيْحٌ فِيْهِ وَلَوْ نَوٰی بِهِ الطَّلَاقَ لَا يَصِحُّ لِاَنَّهٗ مَنْسُوْخٌ فَلَا يَتَمَكَّنُ مِنَ الْاِتْيَانِ بِهٖ

ترجمہ..... پھر اگر کفارہ دینے سے پہلے بیوی سے وطی کر لے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اور سوائے پہلے کفارہ کے اس پر کوئی چیز واجب نہ ہوگی اور وطی کا اعادہ نہ کرے جب تک کفارہ نہ دے کیونکہ جس شخص نے ظہار میں کفارہ سے پہلے وطی کر لی تھی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کر و اور ایسا نہ کرنا یہاں تک کہ کفارہ دیدے اور اگر کوئی دوسری چیز واجب ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کو ضرور بیان فرماتے۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ لفظ صرف ظہار ہوگا کیونکہ یہ ظہار کے معنی میں صریح ہے اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی تو صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا طلاق ہونا منسوخ ہے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر نے کفارہ دینے سے پہلے اس عورت سے وطی کر لی تو یہ شخص استغفار کرے اور اس پر کفارہ اولیٰ کے علاوہ ایک اور کفارہ واجب نہیں ہوگا اور اب وطی نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ دیدے۔ یہی قول جمہور فقہا اور امام مالک، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ کا ہے اور عمرو بن عاص ﷺ فرماتے ہیں کہ دو کفارے واجب ہوں گے اور حسن بصریؒ اور امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ تین کفارے واجب ہوں گے۔

ہماری دلیل یہ روایت ہے:

ان سلمة بن صخر البياضی قال لرسول الله ﷺ ظاهرت من امرأتی ثم ابصرت خلخا لها فی ليلة قمراء فواقعتها فقال رسول الله ﷺ استغفر ربك و لا تعد حتىٰ تكفر

یعنی سلمہ بن صخر بیاضی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر چاندنی رات میں، میں نے اس کے پازیب کو دیکھا تو اس سے جماع کر بیٹھا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے رب سے استغفار کر اور یہ حرکت دوبارہ نہ کرنا یہاں تک کہ کفارہ دیدے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے صرف استغفار کا حکم فرمایا اور استغفار کے علاوہ اگر کوئی دوسری چیز واجب ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کو ضرور بیان فرماتے یہ حدیث ابن عباس ﷺ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

ان رجلاً ظاهر من امرأته فوقع عليها قبل ان يكفر فقال لهٗ رسول الله ﷺ ما حملك علىٰ هذا قال رأيت خلخا لها فی ضوء القمر رواه اصحاب السنن الاربعة

اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں:

فضحك رسول الله ﷺ و امره ان لا يقربها حتىٰ يكفر

فرماتے ہیں کہ اس کے قول انت علی کظهر امی سے صرف ظہار ثابت ہوگا کیونکہ ظہار کے معنی میں یہ کلام صریح ہے اور صریح محتاج نیت نہیں ہوتا چنانچہ اگر اس شخص نے انت علی کظهر امی سے طلاق کی نیت کی۔ تو صحیح نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس لفظ کا طلاق ہونا منسوخ ہو گیا ہے لہٰذا اس کو اس لفظ سے طلاق کی نیت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا کیونکہ طلاق کی نیت کرنے میں موضوع شرع کو متغیر کرنا لازم آتا ہے اور بندے کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

شوہر نے بیوی کو کہا انت علی کبطن امی یا کفخذھا یا کفرجھا کہا یہ مظاہر ہوگا

وَاِذَا قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ كَبَطْنِ اُمِّيْ اَوْ كَفَخِذِهَا اَوْ كَفَرْجِهَا فَهُوَ مُظَاهِرٌ لِاَنَّ الظِّهَارَ لَيْسَ اِلَّا تَشْبِيْهُ الْمُحَلَّلَةِ بِالْمُحَرَّمَةِ وَهٰذَا الْمَعْنٰى يَتَحَقَّقُ فِيْ عُضْوٍ لَا يَجُوْزُ النَّظَرُ اِلَيْهِ

ترجمہ......اور اگر کہا تو مجھ پر میری ماں کے شکم کے مانند ہے، یا اس کی ران کے مانند ہے، یا اس کی شرمگاہ کے مانند ہے تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ ظہار تو یہی ہے کہ محللہ کو محرمہ کے ساتھ تشبیہ دی جائے اور یہ معنی ایسے عضو میں متحقق ہو جاتے ہیں جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔

تشریح......مسئلہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت علی کبطن امی یا کہا انت علی کفخذ امی یا کہا انت علی کفرج امی۔ ان تمام صورتوں میں یہ شخص ظہار کرنے والا ہو جائے گا دلیل یہ ہے کہ ظہار کہتے ہیں اپنی منکوحہ کو محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا اور یہ معنی ہر ایسے عضو کے ساتھ تشبیہ دینے میں متحقق ہو جائیں گے جس کی طرف دیکھنا ناجائز ہے اور جن اعضاء کی طرف دیکھنا جائز ہے مثلاً ہاتھ، پاؤں، بال، ناخن وغیرہ ان کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار نہ ہوگا اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت علی کید امی یا کرجل امی یا کراس امی یا کعنق امی تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہو جائے گا اور اگر اس کے بال یا دانت یا ناخن کے ساتھ تشبیہ دی ہے تو ان حضرات کے نزدیک بھی ظہار نہیں ہوگا۔

کسی محرمہ کے ساتھ تشبیہ دے دینے سے بھی مظاہر ہوگا

وَكَذَا اِنْ شَبَّهَهَا بِمَنْ لَا يَحِلُّ لَهُ النَّظَرُ اِلَيْهَا عَلَى التَّابِيْدِ مِنْ مَحَارِمِهٖ مِثْلُ اُخْتِهٖ اَوْ عَمَّتِهٖ اَوْ اُمِّهٖ مِنَ الرَّضَاعَةِ لِاَنَّهُنَّ فِي التَّحْرِيْمِ الْمُؤَبَّدِ كَالْاُمِّ

ترجمہ......اور اسی طرح (ظہار ہو جائے گا) اگر بیوی کو اپنے محارم میں سے ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی کہ اس کو (شہوت سے) دیکھنا دائمی حرام ہے۔ جیسے اپنی بہن یا اپنی پھوپھی یا رضاعی ماں کیونکہ یہ عورتیں ماں کی طرح دائمی حرام ہیں۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے محارم میں سے ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دی کہ اس کو شہوت کے ساتھ دیکھنا دائمی حرام ہے۔ مثلاً بہن، پھوپھی وغیرہ تو یہ شخص ظہار کرنے والا ہو جائے گا دلیل یہ ہے کہ یہ عورتیں دائمی حرام ہونے میں ماں کے مانند ہیں۔ لہٰذا جو حکم ظہار میں ماں کا ہے وہی ان عورتوں کا ہوگا۔

شوہر نے بیوی کو راسک علی کظھر امی او فرجک او وجھک اور قبتک او نصفک او ثلثک کہا تو مظاہر ہوگا

وَكَذٰلِكَ اِذَا قَالَ رَاْسُكِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّيْ اَوْ فَرْجُكِ اَوْ وَجْهُكِ اَوْ رَقَبَتُكِ اَوْ نِصْفُكِ اَوْ ثُلُثُكِ لِاَنَّهٗ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيْعِ الْبَدَنِ وَيَثْبُتُ الْحُكْمُ فِي الشَّائِعِ ثُمَّ يَتَعَدّٰى كَمَا بَيَّنَّاهُ فِي الطَّلَاقِ.

ترجمہ......اور اسی طرح اگر کہا کہ تیرا سر مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کے مانند ہے۔ یا تیری شرمگاہ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا نصف (بدن) یا تیرا تہائی۔ کیونکہ ان اعضاء سے جمیع بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے اور جزء شائع میں حکم ثابت ہو کر پھر متعدی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے طلاق میں بیان کیا ہے۔

تشریح......مسئلہ۔ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا۔ راسک علی کظھر امی یا کہا فرجک علی کظھر امی یا وجھک علی کظھر امی یا رقبتک علی کظھر امی یا نصفک علی کظھر امی یا ثلثک علی کظھر امی۔ ان تمام صورتوں میں ظہار ثابت ہو جائے گا۔

دلیل یہ ہے کہ ان اعضاء میں سے ہر عضو کے ساتھ پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا عورت کے ان اعضاء کو تشبیہ دینا ایسا ہے جیسا کہ عورت کو تشبیہ دینا اس وجہ سے یہ شخص ظہار کرنے والا شمار ہوگا اور حکم اولاً جزء شائع میں ثابت ہوتا ہے پھر تمام بدن کی طرف سرایت کر جاتا ہے لہٰذا یہاں بھی ظہار کا حکم اولاً اور بالذات عورت کے نصف یا ثلث میں ثابت ہوگا پھر پورے بدن میں سرایت کر جائے گا۔

شوہر کا باندی کو انت علی مثل امی او کامی کہنے کا حکم

وَلَوْقَالَ اَنْتِ عَلَیَّ مِثْلُ اُمِّیْ اَوْ کَاُمِّیْ یُرْجَعُ اِلٰی نِیَّتِہٖ لِیَنْکَشِفَ حُکْمُہٗ فَاِنْ قَالَ اَرَدْتُ الْکَرَامَۃَ فَھُوَ کَمَا قَالَ لِاَنَّ التَّکْرِیْمَ بِالتَّشْبِیْہِ فَاشٍ فِی الْکَلَامِ وَ اِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الظِّھَارَ فَھُوَ ظِھَارٌ لِاَنَّہٗ تَشْبِیْہٌ بِجَمِیْعِھَا وَفِیْہِ تَشْبِیْہٌ بِالْعُضْوِ لٰکِنَّہٗ لَیْسَ بِصَرِیْحٍ فَیَفْتَقِرُ اِلَی النِّیَّۃِ وَاِنْ قَالَ اَرَدْتُّ الطَّلَاقَ فَھُوَ طَلَاقٌ بَائِنٌ لِاَنَّہٗ تَشْبِیْہٌ بِالْاُمِّ فِی الْحُرْمَۃِ فَکَاَنَّہٗ قَالَ اَنْتِ عَلَیَّ حَرَامٌ وَنَوَی الطَّلَاقَ وَاِنْ لَمْ یَکُنْ لَہٗ نِیَّۃٌ فَلَیْسَ بِشَیْءٍ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ لِاِحْتِمَالِ الْحَمْلِ عَلَی الْکَرَامَۃِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ یَکُوْنُ ظِھَارًا لِاَنَّ التَّشْبِیْہَ بِعُضْوٍ مِنْھَا لَمَّا کَانَ ظِھَارًا فَالتَّشْبِیْہُ بِجَمِیْعِھَا اَوْلٰی وَاِنْ عَنٰی بِہِ التَّحْرِیْمَ لَاغَیْرَ فَعِنْدَ اَبِیْ یُوْسُفَ ھُوَ اِیْلَاءٌ لِیَکُوْنَ الثَّابِتُ بِہٖ اَدْنَی الْحُرْمَتَیْنِ وَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ ظِھَارٌ لِاَنَّ کَافَ التَّشْبِیْہِ تَخْتَصُّ بِہٖ

ترجمہ..... اور اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے مثل ہے یا میری ماں کے مانند ہے تو اس کی نیت کی طرف رجوع کیا جائے گا تا کہ اس کا حکم ظاہر ہو پس اگر اس نے کہا کہ میں نے کرامت کا ارادہ کیا ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے کہا۔ کیونکہ تشبیہ کے ذریعہ اکرام کرنا کلام میں بہت مروج ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو یہ ظہار ہے کیونکہ یہ ماں کے پورے بدن سے تشبیہ ہے اور اس میں عضو کے ساتھ تشبیہ بھی وجود ہے لیکن یہ صریح نہیں اس لئے نیت کی طرف محتاج ہوگا اور اگر اس نے کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا ہے تو یہ طلاق بائن ہے کیونکہ یہ حرام ونے میں ماں کے ساتھ تشبیہ ہے گویا اس نے انت علی حرام کہا اور طلاق کی نیت کی اور اگر اس کی کچھ نیت نہ ہو تو ابوحنیفہ اور ابو یوسفؒ کے دیک یہ کلام کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ کرامت پر محمول کرنے کا احتمال ہے اور امام محمد نے فرمایا کہ ظہار ہوگا کیونکہ (بیوی کو) جب ماں کے ایک عضو کے اتھ تشبیہ دینا ظہار ہو جاتا ہے تو ماں کے پورے بدن سے تشبیہ دینا بدرجہ اولٰی ظہار ہوگا اور اگر اس نے اس کلام سے فقط حرام کرنا مراد لیا ہے تو ابو سفؒ کے نزدیک یہ ایلاء ہے تا کہ اس کلام سے دو حرمتوں میں سے ادنٰی حرمت ثابت ہو جائے اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار ہے کیونکہ کاف تشبیہ ہار ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

شرح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا انت علی کامی یا انت علی مثل امی تو اس شخص کی نیت دریافت کی جائے ، تا کہ اس کا حکم ظاہر ہو یعنی جیسی نیت بیان کرے گا ویسا ہی حکم ہوگا یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اور نیت اس لئے معلوم کی جائے گی کہ اس کا کلام تشبیہ ، چند صورتوں کا احتمال رکھتا ہے پس ایک صورت کو متعین کرنے کے لیے نیت کا پایا جانا ضروری ہے پس اگر اس شخص نے کہا کہ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ تو ستحق اکرام ہونے میں میرے نزدیک میری ماں کے مانند ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کہا یعنی اس کلام کو اس کی نیت پر محمول کیا جائے گا اور ، شخص پر کچھ واجب نہ ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ تشبیہ کے ذریعہ تعظیم وتکریم کلام میں بہت مروج ہے جیسے لوگ کسی بڑے بزرگ کو دیکھ کر کہتے ہیں آپ تو میرے باپ کے مرتبہ ، ہیں اس کلام سے اس شخص کی مراد یہ ہے کہ میرے دل میں آپ کی توقیر میرے باپ کی طرح ہے حاصل یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے کلام کے نٰی کی نیت کی ہے اس وجہ سے اس کی نیت صحیح ہوگی۔

اوراگراس نے کہا کہ میں نے اپنے کلام سے ظہار کا ارادہ کیا ہے تو اس کا یہ کلام ظہار ہو جائے گا دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے کلام انت علی مثل امی سے اپنی بیوی کو اپنی پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دی ہے پس جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینے سے ظہار ہو جاتا ہے تو پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے بدرجہ اولیٰ ظہار ہو جائے گا اور چونکہ انت علی مثل امی میں عضو کے ساتھ تشبیہ دینا موجود ہے مگر صریح نہیں اس لئے نیت کی طرف محتاج ہوگا اور اگر شوہر نے کہا کہ میں نے اس کلام سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام یعنی انت علی مثل امی حرام ہونے میں ماں کے ساتھ تشبیہ دینا ہے گویا شوہر نے اپنی بیوی سے انت علی حرام کہا ہے اور طلاق کی نیت کی ہے اور سابق میں گزر چکا ہے کہ انت علی حرام طلاق کے الفاظ کنایہ میں سے ہے اور لفظ کنایہ سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے بشرطیکہ نیت کی ہو اس وجہ سے اس صورت میں اگر طلاق کا ارادہ کیا ہے تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اگر اس شخص نے کوئی نیت نہیں کی ہے تو یہ کلام شیخین کے نزدیک لغو ہو اسی کے قائل اصحاب شافعیؒ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ یہ کلام مجمل ہے اور متکلم نے اپنی مراد بیان نہیں کی ہے اس وجہ سے اس کا مصداق متعین نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر یہ کلام طلاق اور ظہار کا احتمال رکھتا ہے تو اس میں کرامت کا احتمال بھی موجود ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ عدم نیت کی صورت میں کلام ظہار ہوگا اور اسی کے قائل امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ جب ماں کے ایک عضو کے ساتھ تشبیہ دینا ظہار ہے تو پوری ماں کے ساتھ تشبیہ دینا بدرجہ اولیٰ ظہار ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ چند وجوہ سے حرمت ظہار کے مقابلہ میں حرمت ایلاء ادنیٰ ہے۔

۱) حرمت ایلاء بالفعل ثابت نہیں ہوتی بلکہ چار ماہ گزر جانے کے بعد ثابت ہوتی ہے اور ظہار میں حرمت بالفعل ثابت ہو جاتی ہے۔

۲) مدت ایلاء میں وطی کے ذریعہ حرمت ایلاء کا دور کرنا ممکن ہے اس کے برخلاف ظہار ہے کہ اس میں کفارہ دینے سے پہلے وطی کرنا ناجائز ہے۔

۳) ظہار منکرا من القول وزورًا ہے یعنی فحش اور جھوٹ بات ہے اور ایلاء مباح اور جائز ہے۔

۴) ایلاء کا کفارہ تین روزے ہیں اور ظہار کا کفارہ ساٹھ روزے ہیں، یا ایلاء کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور ظہار کا کفارہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (عینی شرح ہدایہ)

۵) ایلاء کی حرمت لغیرہا ہے، یعنی اللہ کے نام کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے حرمت پیدا ہوتی ہے اور ظہار کی حرمت لعینہا ہے کیوں کہ ظہار منکرٌ من القول وزورا ہے۔ (عنایہ)

حاصل یہ ہے کہ ایلاء کی حرمت ادنیٰ اور اخف ہے بمقابلہ حرمت ظہار کے اور قاعدہ ہے کہ کسی کلام میں دو حرمتیں جمع ہو جائیں تو اس کلام کو ادنیٰ درجہ کی حرمت پر محمول کیا جائے گا اس لئے انت علی مثل امی کو تحریم کا ارادہ کرنے کی صورت میں حرمت ایلاء پر محمول کیا جائے گا نہ کہ حرمت ظہار پر۔

اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ انت علی مثل امی اور کامی میں حرف تشبیہ موجود ہے اور حرف تشبیہ اور کاف تشبیہ ظہار کے ساتھ مخصوص ہے اس۔ اس کلام کو ظہار کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

شوہر نے بیوی کو انت علی حرام کامی کہا اور ظہار کی نیت یا طلاق کی نیت کی اس کی نیت پر مدار ہوگا

وَلَوْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَاُمِّيْ وَنَوٰى ظِهَارًا اَوْ طَلَاقًا فَهُوَ عَلٰى مَانَوٰى لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُ الْوَجْهَيْنِ اَلظِّهَارَ لِمَكَانِ التَّشْبِيْهِ وَ الطَّلَاقَ لِمَكَانِ التَّحْرِيْمِ وَالتَّشْبِيْهُ تَاكِيْدٌ لَهٗ وَاِنْ لَمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ فَعَلٰى قَوْلِ اَبِيْ يُوْسُفَ اِيْلَاءٌ وَ عَلٰى قَوْلِ مُحَمَّدٍ ظِهَارٌ وَالْوَجْهَانِ بَيَّنَّاهُمَا

ترجمہ ..... اور اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے جیسے میری ماں اور ظہار یا طلاق کی نیت کی تو یہ اس کی نیت کے موافق ہوگا کیونکہ یہ کلام دونوں

احتمال رکھتا ہے ظہار کا اس وجہ سے کہ تشبیہ موجود ہے اور طلاق کا اس وجہ سے کہ حرام کیا ہے اور تشبیہ اسی حرام کرنے کی تاکید ہے اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں ہے تو ابو یوسفؒ کے قول پر ایلاء ہے اور امام محمدؒ کے قول پر ظہار ہے اور دونوں وجہیں ہم بیان کر چکے۔

تشریح ..... مسئلہ۔ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا انت علی حرام کامی اور ظہار یا طلاق کی نیت کی تو یہ کلام اس کی نیت کے موافق ہوگا یعنی اگر ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار ہوگا اور اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہوگا دلیل یہ ہے کہ یہ کلام ظہار اور طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ظہار کا تو اس لئے کہ تشبیہ پائی گئی اور طلاق کا اس لئے کہ اس نے اس عورت کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور اس صورت میں تشبیہ اسی حرام کرنے کی تاکید ہوگی۔

اور اگر اس شخص نے اپنے کلام سے کوئی نیت نہیں کی ہے تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کلام ایلاء ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک ظہار دونوں حضرات کی دلیلیں پہلے مسئلہ میں گزر چکی ہیں۔

شوہر نے بیوی کو انت علی حرام کظهر امی کہا اور طلاق یا ایلاء کی نیت کی ظہار ہوگا یا ایلاء، اقوالِ فقہاء

وَاِنْ قَالَ اَنْتِ عَلَيَّ حَرَامٌ كَظَهْرِ اُمِّيْ وَ نَوٰى بِهٖ طَلَاقًا اَوْاِيْلَاءً لَمْ يَكُنْ اِلَّا ظِهَارًا عِنْدَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا هُوَعَلٰى مَانَوٰى لِاَنَّ التَّحْرِيْمَ يَحْتَمِلُ كُلَّ ذٰلِكَ عَلٰى مَابَيَّنَّا غَيْرَاَنَّ عِنْدَ مُحَمَّدٍ اِذَانَوَى الطَّلَاقَ لَايَكُوْنُ ظِهَارًا وَعِنْدَ اَبِيْ يُوْسُفَ يَكُوْنَانِ جَمِيْعًا وَقَدْعُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهٖ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ صَرِيْحٌ فِي الظِّهَارِ فَلَايَحْتَمِلُ غَيْرَهٗ ثُمَّ هُوَمُحْكَمٌ فَيُرَدُّ التَّحْرِيْمُ اِلَيْهِ

ترجمہ ..... اور اگر شوہر نے کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ اور اس سے اس نے طلاق یا ایلاء کی نیت کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ سوائے ظہار کے اور کچھ نہ ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جو اس کی نیت ہو وہ ہوگا۔ کیونکہ حرام کرنا ہر ایک بات کا احتمال رکھتا ہے چنانچہ ہم اس کو بیان کر چکے۔ مگر یہ کہ امام محمدؒ کے نزدیک جب اس نے طلاق کی نیت کی تو ظہار نہیں ہوگا اور ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ طلاق اور ظہار دونوں ہو جائے گا اور یہ اپنے موقع پر مذکور ہے اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام ظہار کے معنی میں صریح ہے تو اس کے علاوہ کا احتمال نہیں ہو سکتا پھر وہ محکم ہے تو یہ حرام کرنا ظہار کی حرمت کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

تشریح ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا انت علی حرام کظهر امی اور اس شخص نے اس کلام سے طلاق کی نیت کی یا ایلاء کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ کلام صرف ظہار ہوگا اور اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں اور صاحبینؒ کے نزدیک وہ ہوگا جو اس نے نیت کی ہے پس اگر ظہار کی نیت کی ہے تو ظہار ہوگا اور اگر طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہوگا اور اگر ایلاء کی نیت کی ہے تو ایلاء ہوگا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کا کلام انت علی حرام مذکورہ باتوں میں سے ہر بات کا احتمال رکھتا ہے اور احتمال کی نیت صحیح ہوتی ہے اس وجہ سے حکم اس کی نیت کے موافق ہوگا مگر صاحبین کے اقوال میں بھی فرق ہے وہ یہ کہ امام محمدؒ کے نزدیک اگر اس شخص نے اپنے اس کلام سے طلاق کی نیت کی ہے تو صرف طلاق واقع ہوگی اور یہ کلام ظہار نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ کلام طلاق اور ظہار دونوں ہو جائے گا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نے اپنی بیوی سے انت علی حرام کہا اور طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن واقع ہوگی اس کے بعد کظهر امی سے ظہار نہیں ہوگا کیونکہ بینونت کے بعد ظہار صحیح نہیں ہوتا۔

اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی اس کی نیت سے اور کظهر امی، ظہار کے معنی میں صریح ہے۔ لہٰذا یہ شخص ظہار کرنے والا بھی شمار ہوگا اور کلام کو اس کے ظاہر سے پھیرنے میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ کظهر امی ظہار کے معنی میں صریح ہے یہی وجہ ہے کہ ظہار پر دلالت کرنے میں یہ لفظ نیت کا محتاج نہیں ہے پس

اس لفظ میں ظہار کے علاوہ طلاق اور ایلاء کا احتمال نہیں ہوسکتا۔ پھر لفظ کظھر امی عدم احتمال غیر کی وجہ سے ظہار کے معنی میں محکم ہے اور انت علی حرام کئی معنی کا احتمال رکھتا ہے اور قاعدہ ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف پھیر دیا جاتا ہے اس وجہ سے انت علی حرام کو بھی ظہار کی طرف پھیر دیا جائے گا۔

ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے باندی سے نہیں

قَالَ وَلَا يَكُوْنُ الظِّهَارُ اِلَّا مِنَ الزَّوْجَةِ حَتّٰى لَوْ ظَاهَرَ مِنْ اَمَتِهٖ لَمْ يَكُنْ مُظَاهِرًا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى مِنْ نِّسَائِهِمْ وَلِاَنَّ الْحِلَّ فِي الْاَمَةِ تَابِعٌ فَلَا تُلْحَقُ بِالْمَنْكُوْحَةِ وَلِاَنَّ الظِّهَارَ مَنْقُوْلٌ عَنِ الطَّلَاقِ وَلَا طَلَاقَ فِي الْمَمْلُوْكَةِ

ترجمہ...... امام محمدؒ نے (جامع صغیر میں) فرمایا کہ ظہار (کسی عورت سے) نہیں ہوتا سوائے بیوی کے، حتیٰ کہ اگر اپنی باندی سے ظہار کیا تو ظہار کرنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "والذین یظاھرون من نسائھم" اور اس لئے کہ باندی میں حلت تابع ہے تو اس کو منکوحہ کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاسکتا اور اس لئے کہ ظہار منقول ہے طلاق سے اور مملوکہ کے بارے میں طلاق نہیں ہے۔

تشریح...... جامع صغیر میں حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ ظہار صرف بیوی سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ دوسری عورتوں سے حتیٰ کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ شخص ظہار کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے من نسائھم اور لفظ (نساء) بیوی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور مملوکہ باندی بیوی نہیں کہلاتی لہٰذا اس سے ظہار بھی صحیح نہیں ہوگا یہ بات واضح رہے کہ یہاں نساء کی تفسیر زوجات اور بیویوں کے ساتھ مقصد آیت کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئی ہے ورنہ نساء امراۃ کی من غیر لفظہ جمع ہے جو بیوی اور غیر بیوی سب کو شامل ہے۔ (عینی شرح ہدایہ)

دوسری دلیل یہ ہے کہ باندی کی حلت اس کے مملوک ہونے کے تابع ہے لہٰذا اس کو منکوحہ کے ساتھ لاحق نہیں کر سکتے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق تھا پھر اس کو ظہار کے موجودہ حکم یعنی تحریم موقت بالکفارہ کی طرف نقل کر لیا گیا۔ لہٰذا جس کو طلاق دی جاسکتی ہے اسی سے ظہار بھی کیا جاسکتا ہے اور چونکہ مملوکہ باندی کے حق میں طلاق نہیں ہے اس وجہ سے اس سے ظہار بھی نہیں ہوسکتا۔

عورت سے اس کے امر کے بغیر نکاح کیا پھر اس سے ظہار کیا پھر عورت نے اس نکاح کی اجازت دی ظہار باطل ہے

فَاِنْ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً بِغَيْرِ اَمْرِهَا ثُمَّ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ اَجَازَتِ النِّكَاحَ فَالظِّهَارُ بَاطِلٌ لِاَنَّهٗ صَادِقٌ فِي التَّشْبِيْهِ وَقْتَ التَّصَرُّفِ فَلَمْ يَكُنْ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَالظِّهَارُ لَيْسَ بِحَقٍّ مِنْ حُقُوْقِهٖ حَتّٰى يُتَوَقَّفَ بِخِلَافِ اِعْتَاقِ الْمُشْتَرِيْ مِنَ الْغَاصِبِ لِاَنَّهٗ مِنْ حُقُوْقِ الْمِلْكِ

ترجمہ...... پس اگر کسی عورت سے نکاح کیا بغیر اس عورت کی اجازت کے پھر اس مرد نے اس عورت سے ظہار کیا پھر اس عورت نے اس نکاح کی اجازت دی تو ظہار باطل ہے کیونکہ یہ شخص بوقت تصرف تشبیہ میں سچا ہے۔ پس یہ شخص فحش اور جھوٹ بات کہنے والا نہ ہوا اور ظہار شوہر کے حقوق میں سے کوئی حق بھی نہیں ہے یہاں تک کہ موقوف رہنے اس کے برخلاف غاصب سے خریدنے والے کا آزاد کرنا ہے کیونکہ اعتاق حقوق ملک میں سے ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے بغیر اس کے حکم کے نکاح کیا یعنی عورت کی طرف سے کسی فضولی نے نکاح کر دیا پھر اس شخص نے اس عورت سے ظہار کیا۔ اس کے بعد عورت نے اس نکاح کی اجازت دیدی تو یہ ظہار باطل ہے دلیل یہ ہے کہ یہ شخص ظہار کرتے وقت تشبیہ دینے میں سچا ہے کیونکہ یہ عورت اجازت دینے سے پہلے حرام تھی لہٰذا ظہار کا رکن یعنی محللہ کو محرمہ ابدیہ کے ساتھ تشبیہ دینا نہیں پایا گیا۔ اس

وجہ سے یہ شخص منکرا من القول وزورا یعنی فحش اور جھوٹ بات کہنے والا نہیں ہوا اور ظہار نام ہے منکرا من القول وزورا کا پس جب ظہار کا رکن نہیں پایا گیا تو یہ شخص ظہار کرنے والا نہیں ہوگا۔

والظھار لیس بحق سے ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ظہار موقوف ہے ملک نکاح پر اور ملک نکاح موقوف ہے عورت کی اجازت پر اس وجہ سے مناسب ہے کہ ظہار عورت کی اجازت پر موقوف ہو پس جب عورت نکاح کی اجازت دیدے تو ظہار صحیح ہو جانا چاہیے جیسے کسی شخص نے غاصب سے غلام خرید کر آزاد کر دیا ہو تو یہ آزاد کرنا اس پر موقوف ہے کہ مغصوب منہ یعنی مالک اس بیع کی اجازت دے جو غاصب اور مشتری کے درمیان ہوئی ہے، پس جس طرح مشتری من الغاصب کا آزاد کرنا مغصوب منہ کی اجازت بیع پر موقوف ہے اسی طرح اظہار عورت کی اجازت نکاح پر موقوف ہونا چاہیے تھا۔

جواب یہ ہے کہ ظہار نکاح کے حقوق اور لوازم میں سے نہیں ہے اس لئے عورت کی اجازت پر نکاح کے موقوف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظہار بھی عورت کی اجازت پر موقوف ہو اور اس کی دلیل کہ ظہار نکاح کے حقوق میں سے نہیں ہے، یہ ہے کہ نکاح ایک امر مشروع ہے اور ظہار غیر مشروع ہے کیونکہ ظہار منکر من القول وزور اء ہے اور امر غیر مشروع امر مشروع کے حقوق میں سے نہیں ہو سکتا اس کے برخلاف مشتری من الغاصب کا آزاد کرنا کہ آزاد کرنا ملک کے حقوق میں سے ہے، کیونکہ آزاد کرنا ملک کو مکمل اور متمم کرنے والا ہے پس اس فرق کے ہوتے ہوئے ظہار کو اعتاق مشتری من الغاصب پر قیاس کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

شوہر نے اپنی بیویوں کو کہا اَنْتُنَّ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ سب سے ظہار کرنے والا ہوگا

وَمَنْ قَالَ لِنِسَائِهٖ اَنْتُنَّ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ کَانَ مُظَاهِرًا مِنْهُنَّ جَمِیْعًا لِاَنَّهٗ اَضَافَ الظِّهَارَ اِلَیْهِنَّ فَصَارَ کَمَا اِذَا اَضَافَ الطَّلَاقَ وَ عَلَیْهِ لِکُلِّ وَاحِدَةٍ کَفَّارَةٌ لِاَنَّ الْحُرْمَةَ تَثْبُتُ فِیْ حَقِّ کُلِّ وَاحِدَةٍ وَالْکَفَّارَةُ لِاِنْهَاءِ الْحُرْمَةِ فَیَتَعَدَّدُ بِتَعَدُّدِهَا بِخِلَافِ الْاِیْلَاءِ مِنْهُنَّ لِاَنَّ الْکَفَّارَةَ فِیْهِ لِصِیَانَةِ حُرْمَةِ الْاِسْمِ وَ لَمْ یَتَعَدَّدْ ذِکْرُ الْاِسْمِ

ترجمہ......اور جس شخص نے اپنی عورتوں سے کہا تم میرے اوپر میری ماں کی پیٹھ کے مانند ہو تو یہ (شخص) ان سب سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے ان کی طرف ظہار منسوب کیا ہے۔ پس ایسا ہو گیا جیسا کہ جب اس نے (ان کی طرف) طلاق کو منسوب کیا ہو اور اس شخص پر ہر ایک کے لیے کفارہ واجب ہوگا اس لئے کہ حرمت ہر ایک کے حق میں ثابت ہوگی ہے اور کفارہ حرمت کو ختم کرنے کے لیے ہوتا ہے لہٰذا حرمت کے متعدد ہو جانے سے کفارہ متعدد ہو جائے گا۔ برخلاف ان سے ایلاء کرنے کے، کیونکہ کفارہ ایلاء میں اللہ کے نام کی تعظیم و حرمت کی حفاظت کے لیے ہے اور حال یہ کہ اللہ کے نام کا ذکر متعدد نہیں ہوا۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی متعدد عورتوں سے کہا انتین علی کظھر امی تو یہ شخص بالاتفاق ان سب عورتوں سے ظہار کرنے والا ہو جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے تمام عورتوں کی طرف ظہار منسوب کیا ہے۔ لہٰذا تمام سے ظہار ثابت ہوگا۔ جیسے اگر یہ شخص اپنی تمام عورتوں کی طرف طلاق منسوب کرتے ہوئے کہتا انتن طوالق، تو سب پر طلاق واقع ہو جاتی۔

رہی یہ بات کہ شوہر پر تمام کی وجہ سے ایک کفارہ واجب ہوگا یا متعدد، سو اس بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ ہمارے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ظہار کے متعدد ہونے کی وجہ سے کفارے متعدد ہوں گے ان میں سے جن کے ساتھ وطی کرنے کا ارادہ کرے گا اس کی وجہ سے شوہر پر پہلے کفارہ واجب ہوگا اسی کے قائل ہیں حسن، امام نخعی، امام زہری اور امام ثوری، امام مالک اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ سب کی طرف سے ایک کفارہ کافی ہو جائے گا امام مالک اور امام احمدؒ کفارہ ظہار کو قیاس کرتے ہیں کفارہ ایلاء پر کہ جس طرح اپنی متعدد عورتوں سے ایلاء کرتے ہوئے کہا واللہ لا اقربکن اور مدت

ایلاء میں کسی کے قریب نہیں گیا یہاں تک کہ چار ماہ کی مدت گزر گئی تو سب پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر مدت ایلاء کے اندر سب سے وطی کر لی تو اس پر صرف ایک کفارہ واجب ہوگا اسی طرح اگر متعدد عورتوں سے ظہار کیا ہے تو اس صورت میں بھی ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ظہار کی وجہ سے ہر ایک عورت کے حق میں حرمت ثابت ہوگئی ہے اور کفارہ اس لئے ہوتا ہے کہ حرمت کو ختم کر دے لہٰذا جتنی حرمتیں ہوں گی اسی قدر کفارہ ہوں گے اور رہا ایلاء تو اس میں اللہ کے نام کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے کفارہ واجب ہوتا ہے اور چونکہ سب عورتوں سے ایک ایلاء کرنے میں اللہ کا نام متعدد مذکور نہیں ہوا اس وجہ سے ایک ہی کفارہ واجب ہوگا نہ کہ متعدد۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

فصل فی الکفارۃ

ترجمہ..... یہ فصل کفارہ (کے احکام کے بیان) میں ہے

تشریح..... سابق میں مصنفؒ نے ظہار کا حکم یعنی حرمت وطی اور حرمت دواعی وطی کو ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا اس فصل میں اس چیز کو بیان کریں گے جس سے یہ حرمت ختم ہو جائے گی یعنی کفارہ، علماء نے اختلاف کیا ہے کہ اس کفارہ کا سبب کیا ہے پس جمہور مشائخ کے نزدیک کفارہ ظہار کا سبب، ظہار اور وطی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کی آیت **والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لماقالوا فتحریر رقبۃ** میں اللہ تعالیٰ نے کفارہ کا سبب بیان کرتے ہوئے عود (وطی کی طرف رجوع کرنا) کا ظہار پر عطف کیا ہے پھر فا کے ذریعہ سے اس پر حکم مرتب کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ معطوف علیہ اور معطوف کے بعد اگر کوئی ذکر کیا جائے تو یہ حکم دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ ظہار اور عود دونوں کا مجموعہ کفارہ ظہار کا سبب ہے اور عینی شرح ہدایہ میں مذکور ہے کہ اس کفارہ کا سبب صرف عود یعنی وطی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کفارۂ ظہار

وَ كَفَّارَةُ الظِّهَارِ عِتْقُ رَقَبَةٍ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ فَاِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لِلنَّصِ الْوَارِدِ فِيْهِ فَاِنَّهُ يُفِيْدُ الْكَفَّارَةَ عَلٰى هٰذَا التَّرْتِيْبِ

ترجمہ..... کہا اور کفارہ ظہار ایک غلام کا آزاد کرنا ہے پھر اگر غلام نہ پاوے تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے۔ پھر اگر یہ طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے اس نص کی وجہ سے جو کفارہ ظہار کے باب میں وارد ہوئی ہے اس لئے کہ یہ نص اسی ترتیب کے ساتھ کفارہ کا افادہ کرتی ہے۔

تشریح..... امام قدوریؒ نے کفارہ ظہار کی ترتیب بیان فرمائی ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پے در پے ساٹھ روزے رکھے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے۔ دلیل نص قرآنی ہے یعنی **فتحریر رقبہ من قبل ان یتماسا ذالکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتمآسافمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ذلک لتؤمنوا باللہ و رسولہ** ۔ ترجمہ:۔ ایک غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے قبل اس کے کہ دونوں (میاں بیوی) باہم اختلاط کریں اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے پھر جس کو (غلام لونڈی) میسر نہ ہو تو اس کے ذمہ پے در پے (لگاتار) دو مہینے کے روزے ہیں قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں پھر جس سے یہ بھی نہ ہو سکیں تو اس کے ذمہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یہ حکم اس لئے (بیان کیا گیا ہے) ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ (مرشد تھانوی) یہ نص مفید ترتیب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ فاء کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور فاء ترتیب کے لیے آتا ہے نہ کہ تخییر کے لیے۔

کفارہ ظہار کب ادا کرے

قَالَ وَكُلُّ ذٰلِكَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ وَ هٰذَا فِي الْإِعْتَاقِ وَالصَّوْمِ ظَاهِرٌ لِلتَّنْصِيْصِ عَلَيْهِ وَكَذَا فِي الْإِطْعَامِ لِأَنَّ الْكَفَّارَةَ فِيْهِ مُنْهِيَةٌ لِلْحُرْمَةِ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْمِهَا عَلَى الْوَطْيِ لِيَكُوْنَ الْوَطْيُ حَلَالًا

ترجمہ...... کہا اور ہر ایک امر اس کے وطی کرنے سے پہلے ہے اور وطی سے پہلے ہونا آزاد کرنے اور روزہ رکھنے میں ظاہر ہے کیونکہ اس پر صریح نص ہے اور یہی حکم کھانا دینے میں ہے اس لئے کہ ظہار میں کفارہ دینا حرمت کو ختم کرنے والا ہے تو اس کا وطی سے مقدم کرنا ضروری ہے تاکہ وطی حلال واقع ہو۔

تشریح...... فرماتے ہیں کہ ظہار کا کفارہ خواہ بالاعتاق ہو یا بالصیام یا بالاطعام ہر ایک کا وطی سے پہلے ہونا ضروری ہے کیونکہ اعتاق اور صیام میں تو صراحۃً نص (من قبل ان یتماسا) موجود ہے اور رہا اطعام تو اس کا بھی قبل الوطی ہونا ضروری ہے کیونکہ کفارہ ظہار حرمت کو ختم کرنے والا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ کفارہ وطی پر مقدم ہوتا کہ وطی حلال واقع ہو۔

کون سی رقبہ کو آزاد کرنا کفایت کرے گا

قَالَ وَتُجْزِئُ فِي الْعِتْقِ الرَّقَبَةُ الْكَافِرَةُ وَالْمُسْلِمَةُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرُ وَالْكَبِيْرُ لِأَنَّ اِسْمَ الرَّقَبَةِ يُطْلَقُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ إِذْ هِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الذَّاتِ الْمَرْقُوْقِ الْمَمْلُوْكِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي الْكَافِرَةِ وَ يَقُوْلُ الْكَفَّارَةُ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلَا يَجُوْزُ صَرْفُهُ إِلٰى عَدُوِّ اللّٰهِ كَالزَّكٰوةِ وَ نَحْنُ نَقُوْلُ الْمَنْصُوْصُ عَلَيْهِ إِعْتَاقُ الرَّقَبَةِ وَ قَدْ تَحَقَّقَ وَقَصْدُهُ مِنَ الْإِعْتَاقِ التَّمَكُّنُ مِنَ الطَّاعَةِ ثُمَّ مُقَارَنَةُ الْمَعْصِيَةِ يُحَالُ بِهِ إِلٰى سُوْءِ اخْتِيَارِهِ

ترجمہ...... فرمایا: اور آزاد کرنے میں کافی ہے رقبہ کا آزاد کرنا (خواہ) کافر ہو یا مسلمان نر ہو یا مادہ اور (خواہ) نابالغ ہو یا بالغ۔ کیونکہ رقبہ کا لفظ ان سب پر بولا جاتا ہے۔ کیونکہ رقبہ نام ہے اس ذات کا جو من کل وجہ مرقوق اور مملوک ہو اور امام شافعیؒ رقبہ کافرہ کی صورت میں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفارہ دینا اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو اس کو دشمن خدا کی طرف صرف کرنا ناجائز ہے۔ جیسے (کافر کو) زکوۃ دینا (ناجائز) ہے اور ہم کہتے ہیں کہ جس چیز پر نص وارد ہے، وہ ایک رقبہ آزاد کرنا ہے اور وہ (کافر کے آزاد کرنے سے) محقق ہو گیا اور کفارہ دینے والے کا قصداً آزاد کرنے سے باری عزوجل کی طاعت پر قدرت دینا ہے پھر معصیت سے ملا رہنا اس رقبہ کافرہ کے بدراہ اختیار کرنے پر محمول کیا جائے گا۔

تشریح...... قدروی نے فرمایا کہ کفارہ ظہار میں مطلقاً رقبہ کو آزاد کرنا کافی ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مذکر ہو یا مؤنث، نابالغ ہو یا بالغ۔ دلیل یہ ہے کہ لفظ رقبہ ان سب پر بولا جاتا ہے۔ کسی صفت کے ساتھ مقید نہیں۔ کیونکہ رقبہ کہتے ہیں اس ذات کو جو مملوک ہو اور من کل وجہ مرقوق ہو حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ ظہار میں رقبہ کافرہ کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور یہی قول ہے امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا اور دلیل میں فرماتے ہیں کہ کفارہ خدا تعالیٰ کا حق ہے لہٰذا اس کو خدا کے دشمن کافر کی طرف صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے کافر کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے ہماری دلیل کا حاصل یہ ہے کہ قرآن میں مطلقاً رقبہ کے آزاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور رقبہ کافرہ کو آزاد کرنے سے مطلقاً رقبہ کا آزاد کرنا متحقق ہو گیا ہے اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ کفارہ ظہار میں رقبہ کافرہ کو آزاد کرنا بھی کافی ہوگا۔

وقصده من الاعتاق سے امام شافعیؒ کی دلیل **الكفارة حق الله** کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کفارہ دینے والے کا مقصد رقبہ کافرہ کو آزاد کرنے سے یہی ہے کہ وہ مولیٰ کی خدمت سے نجات پا کر اللہ عزوجل کی طاعت پر قادر ہو جائے اور رہا اس کا آزاد ہونے کے بعد بھی کفر پر باقی

رہنا تو یہ اس کے سوء اعتقاد اور بدراہ ہونے کی علامت ہے۔

فوائد..... مصنف ہدایہ نے رقبہ کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے عن الذات المرقوق المملوک حالانکہ نحوی اعتبار سے ہونا چاہیے تھا عن الذات المرقوقة المملوكة۔ کیونکہ ذات مونث ہے لہٰذا اس کی صفت بھی مونث ہونی چاہیے تھی۔ جواب۔ لفظ ذات دو معنی میں استعمال کیا جاتا ہے (۱) نفس (۲) شی۔ چنانچہ ابوسعید سے روایت ہے کل شئی ذات وکل ذات شئی اور لفظ شئی مصدر ہونے کی وجہ سے مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے پس یہاں ذات بمعنی شئی مراد ہے اور اسی وجہ سے اس کی صفت مذکر ذکر کی گئی ہے۔

عبارت میں من کل وجہ کا تعلق مرقوق کے ساتھ ہے نہ کہ مملوک کے ساتھ کیونکہ رقیت میں کمال شرط ہے نہ کہ ملک میں۔

کون سا غلام آزاد کرنا کافی نہیں

وَلَاتُجْزِئُ الْعَمْيَاءُ وَلَا الْمَقْطُوْعَةُ الْيَدَيْنِ اَوِالرِّجْلَيْنِ لِاَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفِعَةِ وَهِيَ الْبَصَرُ اَوِالْبَطْشُ اَوِالْمَشْيُ وَهُوَ الْمَانِعُ اَمَّا اِذَا اخْتَلَّتِ الْمَنْفِعَةُ فَهُوَ غَيْرُ مَانِعٍ حَتّٰى يَجُوْزَ الْعَوْرَاءُ وَمَقْطُوْعَةُ اِحْدَى الْيَدَيْنِ وَاِحْدَى الرِّجْلَيْنِ مِنْ خِلَافٍ لِاَنَّهُ مَافَاتَ جِنْسُ الْمَنْفِعَةِ بَلِ اخْتَلَّتْ بِخِلَافِ مَااِذَا كَانَتَا مَقْطُوْعَتَيْنِ مِنْ جَانِبٍ وَاحِدٍ حَيْثُ لَايَجُوْزُ لِفَوَاتِ جِنْسِ مَنْفِعَةِ الْمَشْيِ اِذْهُوَ عَلَيْهِ مُتَعَذِّرٌ وَيَجُوْزُ الْاَصَمُّ وَالْقِيَاسُ اَنْ لَّايَجُوْزَ وَهُوَ رِوَايَةُ النَّوَادِرِ لِاَنَّ الْفَائِتَ جِنْسُ الْمَنْفِعَةِ اِلَّا اَنَّا اِسْتَحْسَنَّا الْجَوَازَ لِاَنَّ اَصْلَ الْمَنْفِعَةِ بَاقٍ فَاِنَّهُ اِذَاصِيْحَ عَلَيْهِ حَتّٰى لَوْكَانَ بِحَالٍ لَايَسْمَعُ اَصْلًا بِاَنْ وُلِدَ اَصَمَّ وَهُوَالْاَخْرَسُ لَايُجْزِيْهِ

ترجمہ..... اور (ایسا رقبہ آزاد کرنا) کافی نہیں ہے جو اندھا ہو، یا جس کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں کٹے ہوں۔ کیونکہ (اس رقبہ میں) منفعت کی جنس فوت ہے اور وہ بینائی یا گرفت یا چال ہے اور یہی (ادائے کفارہ سے) مانع ہے اور اگر اس کی منفعت میں خلل ہو تو مانع نہیں ہے حتیٰ کہ کانا، یا جس کا ایک ہاتھ اور دوسری طرف کا ایک پاؤں کٹا ہو تو جائز ہے کیونکہ جنس منفعت زائل نہیں ہوئی بلکہ مختل ہوگئی ہے برخلاف اس کے کہ جب ایک ہاتھ اور ایک پاؤں دونوں ایک طرف سے کٹے ہوئے تو (یہ) جائز نہیں ہے کیونکہ چلنے کی جنس منفعت فوت ہوگئی اس لئے کہ اس پر چلنا متعذر رہے اور بہرہ غلام آزاد کرنا جائز ہے اور قیاس یہ تھا کہ جائز نہ ہو اور یہی نوادر کی روایت ہے کیوں کہ جنس منفعت فوت ہوگئی مگر ہم نے استحسانا جائز قرار دیا۔ کیوں کہ اصل منفعت باقی ہے۔ چنانچہ جب چلا کر بات کی جائے تو سن لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کی حالت ایسی ہو کہ بالکل نہیں سنتا بایں طور کہ مادر زاد بہرہ ہے اور وہی گونگا ہے تو اس کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح..... مسئلہ کفارہ ظہار میں نابینا غلام یا باندی کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کا آزاد کرنا درست ہے۔ جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا دونوں پاؤں کٹے ہوں صاحب عنایہ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایسا رقبہ آزاد کیا جو کامل الرق ہے اور آزاد کرنے والے کی ملک میں ہے اور یہ آزاد کرنا کفارہ کی نیت کے ساتھ متصل ہے اور اس کی جنس منفعت جس پر وہ قائم ہے باقی ہے اور یہ آزاد کرنا بلا بدل ہے تو یہ آزاد کرنا جائز ہوگا اور اگر ایسا نہیں ہے تو ناجائز ہے چنانچہ مدبر کا آزاد کرنا جائز نہ ہوگا کیوں کہ وہ کامل الرق نہیں ہے اور اگر بغیر کفارہ کی نیت کے آزاد کیا یا آزاد کرنے کے بعد کفارہ کی نیت کی تو اس صورت میں بھی جائز نہ ہوگا اور اگر ایسے رقبہ کو آزاد کیا ہے جس کی جنس منفعت فوت ہوگئی۔ مثلاً اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا دونوں پاؤں کٹے ہوں یا نابینا ہو تو ایسے رقبہ کو آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر جنس منفعت فوت نہیں ہوئی بلکہ مختل ہوگئی ہے تو اس رقبہ کا آزاد کرنا مانع کفارہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ اگر ایسا رقبہ آزاد کیا جو یک چشم ہے یا اس کا ایک ہاتھ ایک جانب سے اور ایک پاؤں دوسری جانب سے کٹا ہوا ہے تو اس کو کفارہ ظہار میں آزاد کرنا درست ہے کیوں کہ اس کی جنس منفعت فوت نہیں ہوئی بلکہ مختل

ہوگئی ہے اور اگر ایک ہاتھ اور ایک پاؤں دونوں ایک جانب سے کٹے ہوئے ہیں تو اس کا آزاد کرنا جائز نہیں ہوگا کیوں کہ مشی (چلنے) کی جنس منفعت فوت ہوگئی ہے اس لئے کہ اس شخص کی واسطے چلنا ناممکن ہوگیا ہے یک چشم کے بارے میں امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ کفارہ ظہار میں یک چشم کو آزاد کرنا درست نہیں ہے دلیل یہ ذکر فرمائی کہ یہ رقبہ ایسا ناقص ہے جس کے نقصان کا زوال متوقع نہیں۔ لہٰذا یہ بھی نابینا کے مشابہ ہوگیا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ عیب جس کے زائل نہ ہونے کی امید ہو تو وہ جواز کفارہ کے لیے مانع ہوگا، اور یہ عیب۔ عیب فاحش کہلائے گا اور اگر عیب ایسا ہے کہ زائل ہونے کی امید ہے تو یہ جواز کفارہ کے لیے مانع نہیں ہوگا اور یہ عیب عیب یسیر کہلائے گا جیسے بخار زدہ ہونا اور زخمی ہونا۔

صاحب عنایہ کے بیان کردہ ضابطہ میں آخری قید یہ تھی کہ آزاد کرنا بلا بدل ہو چنانچہ اگر کسی نے اپنے غلام کو بدل کے ساتھ آزاد کیا ہو تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

بہرے غلام اور باندی کے بارے میں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کا آزاد کرنا جائز نہ ہو اور یہی نوادر کی روایت ہے۔ کیوں کہ بہرے سے بھی جنس منفعت فوت ہوگئی ہے مگر استحساناً جائز قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ اصل منفعت باقی ہے۔ اس لئے کہ اگر چلا کر اس سے کلام کیا جائے تو وہ سن لیتا ہے اور اگر ایسی حالت میں ہے کہ وہ بالکل نہیں سن سکتا کیونکہ وہ پیدائشی بہرہ ہے اور گونگا بھی ہے تو ایسے غلام کا آزاد کرنا ناکافی ہوگا۔

رہی یہ بات کہ جس کی جنس منفعت فوت ہوگئی ہے اس کا آزاد کرنا جواز کفارہ کے لیے مانع کیوں ہے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ جنس منفعت کے فوت ہوجانے سے یہ شخص ہلاک شدہ کے مرتبہ میں ہوگیا ہے کیونکہ انسان کا قیام اس کے منافع کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔

مقطوع الابہامین کافی نہیں ہے

وَلَايَجُوْزُ مَقْطُوْعُ اِبْهَامَيِ الْيَدَيْنِ لِاَنَّ قُوَّةَ الْبَطْشِ بِهِمَا فَبِفَوَاتِهِمَا يَفُوْتُ جِنْسُ الْمَنْفِعَةِ وَلَايَجُوْزُ الْمَجْنُوْنُ الَّذِیْ لَايَعْقِلُ لِاَنَّ الْاِنْتِفَاعَ بِالْجَوَارِحِ لَايَكُوْنُ اِلَّا بِالْعَقْلِ فَكَانَ فَائِتَ الْمَنَافِعِ وَالَّذِیْ يُجَنُّ وَيُفِيْقُ يُجْزِيْهِ لِاَنَّ الْاِخْتِلَالَ غَيْرُ مَانِعٍ وَلَايُجْزِئُ عِتْقُ الْمُدَبَّرِ وَاُمِّ الْوَلَدِ لِاِسْتِحْقَاقِهِمَا الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةٍ فَكَانَ الرِّقُّ فِيْهِمَا نَاقِصًا

ترجمہ ...... اور جس کے دونوں ہاتھ کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوں (اس کا آزاد کرنا) جائز نہیں ہے۔ کیونکہ گرفت کی قوت انہیں دونوں انگوٹھوں کے ساتھ ہے۔ تو ان کے فوت ہوجانے سے جنس منفعت زائل ہوجائے گی اور ایسا مجنون رقبہ جائز نہیں جس کو عقل نہ ہو۔ اس لئے اعضاء سے نفع اٹھانا بغیر عقل کے نہیں ہوسکتا۔ پس یہ رقبہ منفعت فوت کرنے والا ہوگیا اور جو رقبہ کبھی مجنون ہوجاتا ہے اور کبھی اس کو افاقہ ہوتا ہے تو (اس کو آزاد کرنا) کافی ہے کیونکہ (اس میں جو خلل ہے وہ مانع نہیں ہے اور مدبر اور ام ولد کا آزاد کرنا کافی نہیں ہے اس لئے کہ وہ دونوں ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہوگئے ہیں پس ان دونوں میں رقیت ناقص ہوگئی۔

تشریح ...... مسئلہ، اگر کسی غلام یا باندی کے دونوں ہاتھ کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں، تو کفارہ ظہار میں اس کا آزاد کرنا جائز نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ دونوں ہاتھ کے دونوں انگوٹھوں کے کٹ جانے کی وجہ سے اس کی گرفت کی قوت زائل ہوگئی پس گرفت کی قوت زائل ہونے کی وجہ سے جنس منفعت ہی زائل ہوگئی اور سابق میں گزر چکا کہ جنس منفعت کا زائل ہونا مانع کفارہ ہے اس وجہ سے اس غلام یا باندی کا آزاد کرنا جائز نہیں ہے۔

اور وہ مجنون غلام یا باندی جس کو عقل نہ ہو اس کا آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہوگا دلیل یہ ہے کہ اعضاء سے نفع اٹھانا بغیر عقل کے ممکن نہیں لہٰذا یہ بھی فائت المنفعت ہوگیا اور وہ غلام یا باندی جو کبھی مجنون ہوجاتا ہے اور کبھی اسکو افاقہ ہوتا ہے تو افاقہ کی حالت میں اگر اس کو آزاد کر دیا تو کفارہ ادا ہو

جائے گا۔ کیونکہ اس میں جو خلل ہے وہ مانع کفارہ نہیں۔

اور مدبر اور ام ولد کو آزاد کرنا ادائے کفارہ میں کافی نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ قرآن میں تحریر رقبہ آیا ہے اور رقبہ مطلق ہے اور مطلق جب بولا جاتا ہے تو اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے اور مدبر اور ام ولد کا رقبہ کامل نہیں ہے اس لئے کہ مدبر تدبیر کی وجہ سے مستحق حریت ہے اور ام ولد استیلاد کی وجہ سے آزادی کی مستحق ہوگئی پس معلوم ہوا کہ ان دونوں میں رقیت کے معنے ناقص ہیں۔

مکاتب کو کفارۂ ظہار میں آزاد کرنا کافی نہیں

وَكَذَا الْمُكَاتَبُ الَّذِيْ اَدّٰى بَعْضَ الْمَالِ لِاَنَّ اِعْتَاقَهٗ يَكُوْنُ بِبَدَلٍ وَعَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ يُجْزِيْهِ لِقِيَامِ الرِّقِّ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَلِهٰذَا تَقْبَلُ الْكِتَابَةُ الْاِنْفِسَاخَ بِخِلَافِ اُمُوْمِيَّةِ الْوَلَدِ وَالتَّدْبِيْرِ لِاَنَّهَا لَا يَحْتَمِلَانِ الْاِنْفِسَاخَ

ترجمہ...... اور یہی حکم ہے اس مکاتب کا جس نے کچھ مال ادا کیا کیونکہ اس کا آزاد کرنا بدل کے ساتھ ہو جائے گا اور ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ ایسے مکاتب کو آزاد کرنا کافی ہے اس لئے کہ رقیت من کل وجہ موجود ہے اور اسی وجہ سے کتابت فسخ ہونے کو قبول کر لیتی ہے برخلاف ام ولد اور مدبر ہونے کے کیونکہ یہ دونوں فسخ کا احتمال نہیں رکھتے۔

تشریح...... مصنفؒ نے فرمایا کہ وہ مکاتب جس نے کچھ بدل کتابت ادا کر دیا ہے کفارۂ ظہار میں اس کا آزاد کرنا بھی کافی نہیں ہوگا دلیل یہ ہے کہ اس کا آزاد کرنا بالعوض ہوگا اور عوض قربت اور عبادت کے معنی کو باطل کر دیتا ہے یہی حکم ظاہر الروایہ میں ہے اور اسی کے قائل امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور ایک روایت میں امام احمدؒ ہیں۔

اور حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ کی ہے کہ ایسے مکاتب کا آزاد کرنا بھی کافی ہے دلیل یہ ہے کہ مکاتب جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کرے اس وقت تک وہ من کل وجہ رقیق اور غلام رہتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے المكاتب عبد امابقی علیه درهم۔ یعنی مکاتب غلام ہی رہتا ہے جب تک اس پر ایک درہم بھی باقی ہے اور چونکہ مکاتب من کل وجہ رقیق ہے اسی وجہ سے کتابت فسخ ہونے کو قبول کر لیتی ہے۔ خواہ یہ فسخ کرنا کچھ بدل کتابت وصول کرنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ اس کے برخلاف ام ولد ہونا اور مدبر ہونا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں فسخ ہونے کا احتمال نہیں رکھتے ہیں۔ پس ان دونوں میں رقیت ناقص ہوئی اور پہلے گذر چکا کہ کفارہ ظہار میں ایسے رقبہ کا آزاد کرنا ضروری ہے جو کامل الرق ہو۔

وہ مکاتب جس نے کچھ بدلِ کتابت ادا نہیں کیا وہ کافی ہے

فَاِنْ اَعْتَقَ مُكَاتَبًا لَمْ يُؤَدِّ شَيْئًا جَازَ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لَهٗ اَنَّهُ اسْتَحَقَّ الْحُرِّيَّةَ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ فَاَشْبَهَ الْمُدَبَّرَ وَلَنَا اَنَّ الرِّقَّ قَائِمٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ عَلٰى مَابَيَّنَّا وَلِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَا بَقِيَ عَلَيْهِ دِرْهَمٌ وَالْكِتَابَةُ لَا يُنَافِيْهِ فَاِنَّهٗ فَكُّ الْحَجْرِ بِمَنْزِلَةِ الْاِذْنِ فِى التِّجَارَةِ اِلَّا اَنَّهٗ بِعِوَضٍ فَيَلْزَمُ مِنْ جَانِبِهٖ وَلَوْ كَانَ مَانِعًا يَنْفَسِخُ بِمُقْتَضَى الْاِعْتَاقِ اِذْ هُوَ يَحْتَمِلُهٗ اِلَّا اَنَّهٗ يَسْلَمُ لَهُ الْاَكْسَابُ وَالْاَوْلَادُ لِاَنَّ الْعِتْقَ فِى الْمَحَلِّ بِجِهَةِ الْكِتَابَةِ اَوْ لِاَنَّ الْفَسْخَ ضَرُوْرِيٌّ لَا يَظْهَرُ فِىْ حَقِّ الْوَلَدِ وَالْكَسْبِ

ترجمہ...... اور اگر ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے کچھ مال کتابت ادا نہیں کیا ہے تو جائز ہے (آئمیں) امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مکاتب کتابت کی وجہ سے آزادی کا مستحق ہوگیا ہے تو مدبر کے مشابہ ہوگیا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ (مکاتب میں) من کل وجہ رقیت موجود ہے، چنانچہ ہم اس کو بیان کر چکے اور یہ دلیل کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے المکاتب عبد ما بقی علیه درهم اور کتابت آزادی کے منافی نہیں

ہے۔اس لئے کہ کتابت ممانعت کو دور کرنا ہے اذن فی التجارۃ کے مرتبہ میں مگر یہ کہ کتابت عوض کے ساتھ ہے۔لہٰذا مولیٰ کی طرف سے لازم ہوگی اور اگر وہ (کفارہ میں آزاد کرنے سے) مانع ہوتا، تو مقتضیٰ اعتاق کی وجہ سے فسخ ہو جاتا۔اس لئے کہ وہ فسخ کا احتمال رکھتا ہے۔مگر یہ کہ کتابت کے لیے اس کی کمائی اور اسکی اولاد سپرد کی جائے گی کیونکہ آزادی ذات میں کتابت کی وجہ سے ہے، یا اس لئے فسخ ضرورۃً ثابت ہے، کمائی اور اولاد کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا۔

تشریح:.....صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مظاہر (ظہار کرنے والے) نے کفارہ ظہار میں ایسا مکاتب آزاد کیا جس نے ابھی تک بدل کتابت کا کوئی حصہ ادا نہیں کیا ہے تو ایسے مکاتب کا آزاد کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے اور یہی ایک روایت امام محمدؒ کی ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے مکاتب کا آزاد کرنا کفارۂ ظہار میں کافی نہیں ہوگا اور یہی قول ہے امام زفرؒ اور امام مالکؒ کا، اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح مدبر جہت تدبیر سے مستحق آزادی ہو گیا ہے اسی طرح مکاتب بھی کتابت کی جہت سے آزادی کا مستحق ہو گیا ہے، پس جس طرح اے احناف! تمہارے نزدیک کفارۂ ظہار میں مدبر کا آزاد کرنا جائز نہیں اسی طرح مکاتب کا آزاد کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مکاتب من کل وجہ رقیق اور غلام ہے چنانچہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کتابت فسخ کو قبول کرتی ہے اور مکاتب اسی وجہ سے بھی رقیق ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے **المکاتب عبد ما بقی علیه درهم**۔بہر حال مکاتب جب من کل وجہ رقیق ہے تو کفارۂ ظہار میں اس کا آزاد کرنا بھی درست ہوگا۔اس کے برخلاف اگر مکاتب نے کچھ بھی بدل کتابت ادا کر دیا ہے تو اس کو آزاد کرنے سے پہلے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔اس لئے کہ کفارہ عبادت ہے اور عبادت خالص اللہ کے لیے ہوتی ہے اور جب مکاتب نے کچھ بدل کتابت ادا کر دیا تو یہ عبادت خالص لوجہ اللہ نہ رہی بلکہ تجارت ہو گئی۔اس وجہ سے ایسے مکاتب کو آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

والکتابة لا ینافیه سے دوسری دلیل ہے۔حاصل یہ ہے کہ مکاتب، کتابت سے پہلے رقیق ہے اور کتابت کی وجہ سے رقیت زائل نہیں ہوئی، کیونکہ شئی اپنے منافی سے زائل ہوتی ہے اور کتابت رقیت کے منافی نہیں ہے۔اس لئے کہ عقد کتابت، اس رکاوٹ کو دور کرنے کا نام ہے جو اس پر غلام اور رقیق ہونے کی وجہ سے تھی اور ممانعت اور رکاوٹ کو دور کرنا رقت کے منافی نہیں ہے۔جیسا کہ مولیٰ نے اگر اپنے کسی غلام کو تجارت کی اجازت دی تو وہ غلام رقیق ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔کیونکہ اذن فی التجارۃ رقیت کے منافی نہیں ہے۔

الا انــه بعــوض سے ایک سوال کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر کتابت اذن فی التجارۃ کی طرح رکاوٹ دور کرنے کا نام ہے، تو مولیٰ عقد کتابت فسخ کر دینے میں مستقل ہونا چاہیے تھا جس طرح سے ماذون فی التجارۃ کو معزول کرنے میں مولیٰ مستقل ہے۔حالانکہ مولیٰ تنہا بغیر مکاتب کی رضامندی کے عقد کتابت کو فسخ نہیں کر سکتا۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عقد کتابت رکاوٹ اور بندش کو بعوض دور کرنے کا نام ہے۔پس کتابت مولیٰ کی طرف سے لازم ہے اس کے برخلاف اذن فی التجارۃ کہ وہ بغیر عوض کے رکاوٹ دور کرنے کا نام ہے۔لہٰذا یہ مولیٰ کے حق میں لازم نہیں ہوگا۔پس اس فارق کے ہوتے ہوئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم یہ بات تسلیم بھی کر لیں کہ عقد کتابت کفارہ میں آزاد کرنے سے مانع ہے لیکن جب اس مکاتب کو کفارہ میں آزاد کیا تو مقتضیٰ اعتاق کی وجہ سے آزاد کرنے سے پہلے ہی عقد کتابت فسخ ہو جائے گا۔کیونکہ عقد کتابت فسخ کا احتمال رکھتا ہے۔پس جب مولیٰ کے آزاد کرنے سے پہلے ہی عقد کتابت فسخ ہو گیا تو یہ غیر مکاتب کو آزاد کرنا ہوا نہ کہ مکاتب کو۔لہٰذا اب کوئی اشکال باقی نہ رہا۔

الا انــه یسلم لــه الا کــسـاب..... الخ سے بھی ایک سوال کا جواب ہے۔سوال یہ ہے کہ اگر کفارہ میں مکاتب آزاد کرنا صحیح ہے اور مقتضیٰ اعتاق کی وجہ سے عقد کتابت فسخ ہو گیا تو اس مکاتب کی اولاد اور اس کی کمائی سب مولیٰ کے لیے ہونی چاہئے جیسے کہ کفارہ میں اگر کسی نے اپنے غلام

ماذون لہ التجارۃ کو آزاد کیا اور اس کے پاس اس کی کمائی کا کچھ سامان ہے تو وہ سب مولی کے لیے ہوتا ہے۔ جواب اول یہ ہے کہ مکاتب کے حق میں آزادی مکاتب ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس جب ایسا ہے تو اس کی ملک سے اس کی اولاد اور اس کی کمائی نہیں نکلے گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کتابت کا فسخ ہونا صحت اعتاق کی وجہ سے ضرورۃً ثابت ہے اور جو چیز ضرورۃً ثابت ہو وہ بقدر ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا کفارہ میں آزادی کے جائز ہونے کے حق میں کتابت کا فسخ ہونا ظاہر ہوگا اس کی اولاد اور کمائی کے سامان کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا پس جب مکاتب کی اولاد اور اس کی کمائی کے سامان کے حق میں کتابت فسخ نہیں ہوئی تو اس کی اولاد اور کمائی اسی کے لیے ہوگی نہ کہ مولی کے لیے۔

اگر باپ یا بیٹے کو خریدنے سے کفارہ کی نیت کی تو کفارہ ظہار جائز ہے

وَاِنِ اشْتَرٰی اَبَاهُ اَوِابْنَهٗ یَنْوِیْ بِالشِّرَاءِ الْکَفَّارَةَ جَازَ عَنْهَا وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَایَجُوْزُ وَعَلٰی هٰذَا الْخِلَافِ کَفَّارَةُ الْیَمِیْنِ وَالْمَسْاَلَةُ تَاْتِیْكَ فِیْ کِتَابِ الْاَیْمَانِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

ترجمہ...... اور اگر اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خرید اور انحالیکہ خریدنے سے کفارہ کی نیت کرتا ہے تو یہ کفارہ ظہار سے جائز ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ناجائز ہے اور اسی اختلاف پر کفارہ یمین ہے اور یہ مسئلہ کتاب الایمان میں ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر کفارۂ ظہار واجب ہو اور اس نے اپنے باپ یا اپنے بیٹے کو خریدا اور خریدتے وقت کفارہ کی نیت کی تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ یہ قول حضرت امام اعظمؒ کا ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کفارۂ ظہار ادا نہیں ہوگا...... یہی قول امام مالکؒ امام احمد اور امام زفرؒ کا ہے اور اگر کفارۂ یمین میں یہ بات پیش آئی تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے جس کو ان شاء اللہ کتاب الایمان میں بیان کریں گے۔

اگر موسر نے نصف مشترک غلام آزاد کر دیا اور باقی کی قیمت کا ضامن ہو گیا کفایت کرے گا یا نہیں، اقوال فقہاء

فَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدٍ مُشْتَرَكٍ وَهُوَ مُوْسِرٌ وَضَمِنَ قِیْمَةَ بَاقِیْهِ لَمْ یَجُزْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَیَجُوْزُ عِنْدَهُمَا لِاَنَّهٗ یَمْلِكُ نَصِیْبَ صَاحِبِهٖ بِالضَّمَانِ فَصَارَ مُعْتِقًا کُلَّ الْعَبْدِ عَنِ الْکَفَّارَةِ وَهُوَ مِلْکُهٗ بِخِلَافِ مَا اِذَا کَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا لِاَنَّهٗ وَجَبَ عَلَیْهِ السِّعَایَةُ فِیْ نَصِیْبِ الشَّرِیْكِ فَیَکُوْنُ اِعْتَاقًا بِعِوَضٍ وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّ نَصِیْبَ صَاحِبِهٖ یُنْتَقَصُ عَلٰی مِلْکِهٖ ثُمَّ یَتَحَوَّلُ اِلَیْهِ بِالضَّمَانِ وَمِثْلُهٗ یَمْنَعُ الْکَفَّارَةَ

ترجمہ...... پس اگر اس نے مشترک غلام کے آدھے کو آزاد کیا حالانکہ یہ شخص مالدار ہے اور باقی غلام کی قیمت کا ضامن ہو گیا تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ وہ ضمان دے کر اپنے شریک کے حصہ کا مالک ہو گیا تو پورا غلام کفارہ سے آزاد کرنے والا ہوا۔ درانحالیکہ وہ غلام اس کی ملک میں ہے اس کے برخلاف اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہو تو جائز نہیں اس لئے کہ غلام پر شریک کے حصہ کے لیے کمائی کر کے ادا کرنا واجب ہے تو یہ آزاد کرنا بعوض ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کے شریک حصہ اس کی ملک پر ناقص رہ گیا پھر گھوم کر بذریعہ ضمانت کے آزاد کرنے والے کی ملک میں آیا اور ایسا ہونا کفارہ ظہار سے مانع ہے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ جس شخص پر کفارۂ ظہار واجب ہے اس نے ایسے غلام کا نصف آزاد کیا جو اس کے اور اس کے علاوہ دوسرے کے درمیان مشترک ہے درانحالیکہ یہ آزاد کرنے والا مالدار ہے اور یہ اپنے شریک کے لیے...... باقی غلام کی قیمت کا ضامن ہو گیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے کفارۂ ظہار ادا نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ادا ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہے تو بالاتفاق کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

دلائل بیان کرنے سے پہلے یہ واضح ہو جانا ضروری ہے کہ صاحبین کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا اور امام صاحبؒ کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے یعنی اگر غلام کو تھوڑا تھوڑا آزاد کیا گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک جتنا آزاد کیا ہے اتنا ہی آزاد ہوگا۔ لیکن صاحبین کے نزدیک اگر غلام کا نصف یا کم وبیش آزاد کیا ہے تو پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک بعض کو آزاد کر دینے سے کل آزاد ہو جاتا ہے۔

اس وضاحت کے بعد صاحبینؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ نصف غلام کو آزاد کرنے والا شخص اپنے شریک کو باقی نصف کا ضمان دے کر اس کے حصہ کا بھی مالک ہو گیا پس یہ شخص کفارہ ظہار میں پورا غلام آزاد کرنے والا ہوا درانحالیکہ یہ غلام اس کی ملک میں ہے اور چونکہ پورا غلام آزاد کر دینے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے اس لئے اس صورت میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر آزاد کرنے والا تنگ دست ہے تو بالاتفاق کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں غلام پر واجب ہوگا کہ وہ کما کر دوسرے شریک کے حصہ کی قیمت ادا کرے پس یہ آزاد کرنا بعوض ہوا اگر چہ یہ عوض آزاد کرنے والے کو حاصل نہیں ہوا بلکہ اس کے شریک کو حاصل ہوا ہے۔ لیکن مقصود یہ ہے کہ غلام پر تحریر رقبہ کے مقابلہ میں عوض واجب ہوا ہے۔ حالانکہ تحریر رقبہ بلا عوض ہونا چاہیے تھا اس لئے اس صورت میں آزاد کرنا کفارہ میں کافی نہیں ہوگا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق متجزی (ٹکڑے ٹکڑے) ہوتا ہے پس جس پر کفارہ واجب تھا جب اس نے اپنا حصہ آزاد کیا تو اس سے کفارہ ادا نہیں ہوا۔ کیونکہ نصف رقبہ رقبہ نہیں ہوتا اور رہا نصف آخر تو اس میں نقصان واقع ہو گیا ہے اس وجہ سے کہ اس میں رقیت کا باقی رکھنا محال ہے اور یہ نقصان اس کے شریک کی ملک میں واقع ہوا ہے پس جب آزاد کرنے والا ضمان دے کر اس نصف آخر کا مالک ہوا تو وہ اس ناقص کا مالک ہوا۔ پس یہ ایسا ہو گیا گویا اس نے کچھ کم پورا غلام آزاد کیا ہے اور ایسے غلام کا آزاد کرنا ادائے کفارہ کے لیے مانع ہے۔ اس وجہ سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔

اگر اپنے نصف غلام کو کفارہ سے آزاد کیا پھر بقیہ نصف کو آزاد کیا کفایت کر جائے گا

وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهٗ عَنْهَا جَازَ لِاَنَّهٗ اَعْتَقَهٗ بِكَلَامَيْنِ وَالنُّقْصَانُ مُتَمَكِّنٌ عَلٰى مِلْكِهٖ بِسَبَبِ الْاِعْتَاقِ بِجِهَةِ الْكَفَّارَةِ وَمِثْلُهٗ غَيْرُ مَانِعٍ كَمَنْ اَضْجَعَ شَاةً لِلْاُضْحِيَةِ فَاَصَابَ السِّكِّيْنُ عَيْنَهَا بِخِلَافِ مَاتَقَدَّمَ لِاَنَّ النُّقْصَانَ تَمَكَّنَ عَلٰى مِلْكِ الشَّرِيْكِ وَهٰذَا عَلٰى اَصْلِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَمَّا عِنْدَهُمَا فَالْاِعْتَاقُ لَايَتَجَزَّأُ فَاِعْتَاقُ النِّصْفِ اِعْتَاقُ الْكُلِّ فَلَايَكُوْنُ اِعْتَاقًا بِكَلَامَيْنِ

ترجمہ...... اور اگر اپنا آدھا غلام آزاد کیا اپنے کفارہ میں پھر باقی کو بھی آزاد کیا تو جائز ہے کیونکہ اس نے غلام کو دو دفعہ کلام کر کے آزاد کیا ہے اور جو نقصان اس کی ملکیت میں پیدا ہوا وہ کفارہ میں آزاد کرنے کی وجہ سے ہے اور ایسا نقصان مانع کفارہ نہیں ہے (یہ) اس شخص کے مانند ہے جس نے قربانی کے واسطے بکری کو پچھاڑا پھر بکری کی آنکھ میں چھری لگ گئی۔ برخلاف اس نقصان کے جو مسئلہ سابقہ میں گذرا کیونکہ وہ نقصان تو شریک کی ملک میں پیدا ہوا ہے اور یہ تقریر امام ابوحنیفہؒ کی اصل پر ہے اور صاحبین کے نزدیک اعتاق متجزی (ٹکڑے ٹکڑے) نہیں ہوتا پس آدھا غلام آزاد کرنا کل کا آزاد کرنا ہے لہذا دو دفعہ کلام کر کے آزاد کرنا نہ ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنا نصف غلام اپنے کفارہ میں آزاد کیا پھر باقی غلام کو بھی آزاد کر دیا تو یہ جائز ہے یعنی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ یہ جواز استحساناً ہے ورنہ قیاس کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ جیسا کہ عبد مشترک میں عدم جواز کا حکم ہے اس لئے کہ نصف آخر میں نقصان پایا گیا ہے۔

اور وجہ استحسان یہ ہے کہ اس شخص نے دو دفعہ کلام کر کے غلام آزاد کیا ہے اور جو نقصان نصف آخر میں واقع ہوا ہے وہ اس ملک میں رہتے ہوئے

کفارہ میں آزاد کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور اس قسم کا نقصان ادائے کفارہ کے لیے مانع نہیں ہوتا۔ جیسے ایک شخص نے قربانی کے لیے بکری زمین پر گرائی پس بکری کی آنکھ میں چھری لگ گئی تو یہ نقصان قربانی سے مانع نہیں ہے۔

اس کے برخلاف وہ مسئلہ جو پہلے گذر چکا کیونکہ وہ نقصان تو شریک کی ملک میں پیدا ہوا ہے، لہٰذا اس نقصان کو جو نصف آخر میں پیدا ہوا ہے، کفارہ کی طرف پھیرنا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ یہ شخص آزاد کرتے وقت اس نقصان کا مالک نہیں تھا۔ یہ تقریر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصول پر تھی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ آزاد کرنا متجزی (ٹکڑے) نہیں ہوتا، اس لئے جب آدھا غلام آزاد کیا تو اسی وقت پورا غلام آزاد ہو گیا۔ لہٰذا صاحبینؒ کے نزدیک یہ آزاد کرنا دو دفعہ کلام کر کے آزاد کرنا نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک ہی کلام کے ساتھ پورا غلام آزاد ہو گیا۔

اگر اپنا آدھا غلام آزاد کیا کفارہ سے پھر اسی بیوی سے جماع کیا پھر بقیہ غلام آزاد کیا کفایت کرے گا یا نہیں

وَاِنْ اَعْتَقَ نِصْفَ عَبْدِهٖ عَنْ كَفَّارَتِهٖ ثُمَّ جَامَعَ الَّتِيْ ظَاهَرَ مِنْهَا ثُمَّ اَعْتَقَ بَاقِيَهٗ لَمْ يَجُزْ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ لِاَنَّ الْاِعْتَاقَ يَتَجَزّٰى عِنْدَهٗ وَشَرْطُ الْاِعْتَاقِ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ بِالنَّصِّ وَاِعْتَاقُ النِّصْفِ حَصَلَ بَعْدَهٗ وَعِنْدَهُمَا اِعْتَاقُ النِّصْفِ اِعْتَاقُ الْكُلِّ فَحَصَلَ الْكُلُّ قَبْلَ الْمَسِيْسِ

ترجمہ...... اور اگر اپنا آدھا غلام اپنے کفارہ سے آزاد کیا پھر اس عورت سے جماع کر لیا جس کے ساتھ ظہار کیا تھا، پھر باقی غلام آزاد کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ کیونکہ امام صاحب کے نزدیک اعتاق متجزی ہوتا ہے۔ اور اعتاق کی شرط بنص قرآنی یہ ہے کہ جماع سے پہلے ہو، حالانکہ آدھا غلام آزاد کرنا جماع کے بعد ہوا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک آدھا آزاد کرنے سے پورا آزاد ہو جاتا ہے۔ لہٰذا پورا آزاد کرنا جماع سے پہلے پایا گیا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے کفارہ میں آدھا غلام آزاد کیا پھر اس عورت سے وطی کر لی جس کے ساتھ ظہار کیا تھا۔ پھر باقی غلام کو آزاد کر دیا تو یہ آزاد کرنا حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک کافی نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک کافی ہو جائے گا۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ان کے نزدیک آزاد کرنا ٹکڑے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا امام صاحبؒ کے نزدیک آدھے غلام کو آزاد کرنا کل کو آزاد کرنا نہیں ہوگا۔ اور اعتاق کی شرط یہ ہے کہ غلام کا آزاد کرنا جماع سے پہلے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا اور یہاں نصف کا آزاد کرنا جماع کے بعد پایا گیا اس وجہ سے جائز نہیں ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ اعتاق متجزی نہیں ہوتا اس لئے آدھے غلام کو آزاد کرنا پورے کو آزاد کرنا ہے۔ لہٰذا صاحبین کے نزدیک پورے غلام کی آزادی جماع سے پہلے پائی گئی، اس وجہ سے جائز ہوگا۔

اگر مظاہر آزاد کرنے کے لیے غلام نہ پائے تو کفارہ میں دو مہینے کے روزے رکھے

وَاِذَا لَمْ يَجِدِ الْمُظَاهِرُ مَا يُعْتِقُ فَكَفَّارَتُهٗ صَوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ لَيْسَ فِيْهِمَا شَهْرُ رَمَضَانَ وَلَا يَوْمُ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمُ النَّحْرِ وَلَا اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَمَّا التَّتَابُعُ فَلِاَنَّهٗ مَنْصُوْصٌ عَلَيْهِ وَشَهْرُ رَمَضَانَ لَا يَقَعُ عَنِ الظِّهَارِ لِمَا فِيْهِ مِنْ اِبْطَالِ مَا اَوْجَبَهُ اللّٰهُ وَالصَّوْمُ فِيْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ مَنْهِيٌّ عَنْهُ فَلَا يَنُوْبُ عَنِ الْوَاجِبِ الْكَامِلِ

ترجمہ...... اور اگر ظہار کرنے والے نے ایسی چیز نہ پائی جس کو آزاد کرے۔ اور اس کا کفارہ پے در پے دو ماہ کے روزے ہیں جن میں ماہ رمضان نہ ہو اور یوم عید اور بقرعید اور تشریق نہ ہوں۔ پے در پے ہونا اس دلیل سے ہے کہ وہ صراحتاً قرآن میں موجود ہے اور رہا (درمیان میں) رمضان کا نہ ہونا تو اس وجہ سے ہے کہ رمضان کا روزہ کفارۂ ظہار سے واقع نہیں ہوتا کیونکہ اس میں اس چیز کو مٹانا ہے جس کو اللہ نے واجب کہا ہے

،اور اب ایام میں روزے سے منع کیا گیا ہے، تو ان دنوں کا روزہ کفارۂ ظہار کا نائب نہ ہوگا جو کامل واجب ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ظہار کرنے والا غلام آزاد نہ کر سکے بایں طور کہ غلام ہی دستیاب نہ ہو یا غلام تو دستیاب ہے مگر اس کو خریدنے کے لیے قیمت نہیں ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کا کفارہ پے در پے دو ماہ کے روزے ہیں بشرطیکہ ان دو ماہ کے دوران ماہ رمضان نہ ہو اور یوم عید اور یوم بقر عید اور اس کے بعد تین دن تشریق کے نہ ہوں دو ماہ کے روزے اگر چاند کے حساب سے رکھتے ہیں تو بہر صورت جائز ہے خواہ مہینہ ۳۰ دن کا ہو یا ۲۹ دن کا اور اگر درمیان ماہ سے روزہ رکھنا شروع کیا ہے تو ساٹھ روزے پورے کرے اگر ۵۹ روزے رکھنے کے بعد افطار کر دیا تو اس شخص پر از سر نو ساٹھ روزے رکھنا ضروری ہوگا۔

تتابع یعنی بلا انقطاع پے در پے روزہ رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ قرآن پاک میں اس کی صراحت موجود ہے چنانچہ ارشاد ہے **فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسا** اور ماہ رمضان نہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اگر رمضان میں ظہار کے روزے واقع ہوں تو اس چیز کو باطل کرنا لازم آئے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس وجہ سے رمضان میں جو بھی روزہ رکھا جائے گا وہ رمضان ہی کا شمار ہوگا نہ کہ واجب آخر کا۔

اور صوم ظہار کے درمیان ایام منہی عنہا کا واقع نہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ان پانچ دنوں میں روزہ نہ رکھنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ **ان رسول اللہ ﷺ قال ان لا تصوموا هذه الایام فانها ایام اکل وشرب و بعال** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ان دنوں روزہ نہ رکھو اس لئے کہ یہ دن کھانے پینے اور جماع کرنے کے ہیں (طبرانی از عینی شرح ہدایہ) پس ان دنوں میں روزہ کفارہ ظہار کا نائب نہ ہوگا جو کامل جواب ہے۔

دن یا رات کو دو ماہ کے درمیان وطی کر لی نئے سرے سے روزے رکھے گا یا نہیں، اقوال فقہاء

فَإِنْ جَامَعَ الَّتِي ظَاهَرَ مِنْهَا فِي خِلَالِ الشَّهْرَيْنِ لَيْلًا عَامِدًا أَوْنَهَارًا نَاسِيًا اِسْتَأْنَفَ الصَّوْمَ عِنْدَ أَبِي حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُوْ يُوْسُفَ لَايَسْتَأْنِفُ لِأَنَّهُ لَايَمْنَعُ التَّتَابُعَ إِذْلَايُفْسَدُ بِهِ الصَّوْمُ وَهُوَالشَّرْطُ وَإِنْ كَانَ تَقْدِيْمُهُ عَلَى الْمَسِيْسِ شَرْطًا فَفِيْمَا ذَهَبْنَا إِلَيْهِ تَقْدِيْمُ الْبَعْضِ وَ فِيْمَا قُلْتُمْ تَاخِيْرُ الْكُلِّ عَنْهُ وَلَهُمَا أَنَّ الشَّرْطَ فِي الصَّوْمِ أَنْ يَكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ وَ إِنْ يَكُوْنَ خَالِيًاعَنْهُ ضَرُوْرَةً بِالنَّصِّ وَ هٰذَا الشَّرْطُ يَنْعَدِمُ بِهِ فَيَسْتَأْنِفُ وَإِنْ أَفْطَرَ مِنْهَا يَوْمًا بِعُذْرٍ أَوْبِغَيْرِ عُذْرٍ اِسْتَأْنَفَ لِفَوَاتِ التَّتَابُعِ وَهُوَقَادِرٌعَلَيْهِ عَادَةً

ترجمہ..... پھر اگر ان دو ماہ کے اندر اس عورت کے ساتھ وطی کی جس سے ظہار کیا تھا (خواہ) رات میں عمداً یا دن میں بھول کر تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک از سر نو روزے رکھے اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نئے سرے سے روزہ لازم نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جماع پے در پے ہونے کو نہیں روکتا۔ کیونکہ ایسی وطی سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور شرط یہی تھی (کہ پے در پے ہو) اور اگر روزوں کا وطی پر مقدم کرنا شرط تھا۔ تو جو صورت ہم نے اختیار کی ہے اس میں (وطی پر) تھوڑے روزے مقدم ہیں اور جو صورت تم نے بیان کی اس میں تمام روزے وطی سے مؤخر ہو جاتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ روزوں میں (ایک) شرط یہ ہے کہ وہ وطی سے پہلے ہوں اور (ایک) شرط یہ ہے کہ وطی سے خالی ہوں (یہ) بالضرورت نص سے (ثابت ہے) اور یہ شرط (روزوں کے درمیان) وطی کرنے کی وجہ سے معدوم ہے اس لئے از سر نو روزے رکھے اور اگر اس نے ان دو ماہ میں سے ایک دن افطار کیا عذر سے یا بغیر عذر کے از سر نو رکھے تتابع کے فوت ہونے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس پر عادۃً قادر ہے۔

تشریح ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ روزوں کے ذریعہ کفارۂ ظہار ادا کرنے والے نے اگر ان دو ماہ کے اندر اس عورت کے ساتھ وطی کی جس سے ظہار کیا تھا خواہ یہ وطی رات میں عمداً ہو یا دن میں بھول کر تو طرفین کے نزدیک از سرِ نو روزے رکھے اس کے قائل امام مالک اور امام احمد ہیں اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ از سرِ نو روزے رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں۔

متن میں جماع کو اس عورت کے ساتھ مقید کیا ہے جس کے ساتھ ظہار کیا اس لئے کہ اگر اس کے علاوہ دوسری عورت کے ساتھ جماع کیا ہے تو اگر یہ جماع مفسد صوم ہے، مثلاً دن میں عمداً وطی کی ہے تو تتابع کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے بالاتفاق استیناف (از سرِ نو روزے رکھنا) واجب ہوگا اور اگر مفسد صوم نہیں ہے مثلاً دن میں بھول کر وطی کی یا رات میں کیف ما اتفق وطی کی ہے تو اس صورت میں تتابع کے منقطع نہ ہونے کی وجہ سے بالاتفاق استیناف واجب نہیں ہوگا اور اسی طرح اس عورت کے ساتھ جس سے ظہار کیا ہے اگر دن میں عمداً جماع کیا ہے تو بالاتفاق استیناف لازم ہوگا۔ پس معلوم ہو گیا کہ اختلاف اس وطی میں ہے جو مفسد صوم نہیں ہے پس امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ رات میں عمداً اور دن میں بھول کر وطی کرنا مفسد صوم نہیں۔ لہٰذا یہ جماع روزوں کے پے در پے ہونے سے مانع نہیں ہے۔ ظہار کے کفارہ میں روزوں کا پے در پے ہونا ہی شرط تھا سو وہ پایا گیا اس لئے اس صورت میں استیناف لازم نہیں ہوگا۔

وان کان تقدیمہ سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ روزوں کا وطی پر مقدم کرنا شرط ہے اور وہ یہاں پایا نہیں گیا اس لئے اس صورت میں کفارہ ادا نہ ہونا چاہیے۔ جواب بلاشبہ روزوں کا وطی پر مقدم کرنا ضروری ہے مگر ہمارے مذہب کے مطابق بعض روزے وطی پر مقدم ہیں اور تمہارے بیان کے مطابق یعنی استیناف کی صورت میں تمام روزے وطی سے مؤخر ہو جائیں گے اور وطی سے بعض روزوں کی تاخیر کل کی تاخیر سے اہون اور اسہل ہے۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ نص یعنی **من قبل ان یتماسا** دو شرطوں کا تقاضا کرتی ہیں۔ ایک، یہ کہ روزہ وطی سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ روزہ وطی سے خالی ہو اور شرط ثانی۔ شرط اول کے لوازم میں سے ہے۔ کیونکہ تقدیم صوم علی الوطی، خلو صوم عن الوطی کو مستلزم ہے اور روزے رکھنے کے درمیان وطی کرنے کی وجہ سے شرط ثانی معدوم ہو جاتی ہے لہٰذا مشروط یعنی کفارہ بھی معدوم ہو جائے گا پس جب یہ کفارہ باطل ہو گیا تو ضروری ہے کہ از سرِ نو روزے رکھے اس لئے کہ اگر چہ یہ شخص قبل الوطی کفارہ بالصیام ادا کرنے پر قادر نہیں مگر ایسے روزے رکھنے پر بالیقین قادر ہے جو وطی سے خالی ہوں۔

اور اگر اس نے ان دو ماہ میں سے ایک دن افطار کیا عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے تو یہ شخص پھر از سرِ نو روزے رکھے گا۔ کیونکہ تتابع اور پے در پے ہونا فوت ہو گیا ہے حالانکہ یہ شخص پے در پے روزے رکھنے پر قادر ہے۔

واضح ہو کہ اگر مظاہر نے دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے پھر آخری دن میں یہ شخص غلام آزاد کرنے پر قادر ہے۔ پس اگر غروب آفتاب سے پہلے پہلے قادر ہو گیا تو اس پر غلام آزاد کرنا واجب ہے اور اس کے روزے نفل ہو جائیں گے کیونکہ یہ شخص بدل کے ساتھ مقصود کو حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گیا ہے اور اگر آخری دن میں آفتاب غروب ہونے کے بعد قادر ہوا تو روزے ہی کفارے میں شمار ہوں گے۔ غلام آزاد کرنا لازم نہیں ہوگا۔

غلام کفارہ میں صرف روزے رکھے گا

وَاِنْ ظَاهَرَ الْعَبْدُ لَمْ يَجْزِ فِي الْكَفَّارَةِ اِلَّا الصَّوْمُ لِاَنَّهُ لَامِلْكَ لَهُ فَلَمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِ التَّكْفِيْرِ بِالْمَالِ وَاِنْ اَعْتَقَ الْمَوْلٰى اَوْ اَطْعَمَ عَنْهُ لَمْ يُجْزِهٖ لِاَنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ الْمِلْكِ فَلَايَصِيْرُ مَالِكًا بِتَمْلِيْكِهٖ

ترجمہ ..... اور اگر غلام نے اپنی بیوی سے ظہار کیا تو (اس کو) کفارہ میں (کوئی چیز) جائز نہیں سوائے روزہ رکھنے کے، کیونکہ غلام کی کچھ ملک نہیں

ہے، تو مال سے کفارہ دینے کی لیاقت ہی نہیں رکھتا ہے اور اگر غلام کی طرف سے اس کے مولیٰ نے رقبہ آزاد کر دیا یا اس کی طرف سے کھانا دے دیا تو بھی کافی نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں ہے۔ لہٰذا مولیٰ کے مالک کرنے سے مالک نہیں ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ، اگر کسی غلام نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا تو اس کا کفارہ صرف روزوں کے ذریعہ سے ادا ہوگا۔ کیونکہ غلام کی ملک میں کوئی چیز نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے وہ مال سے کفارہ ادا کرنے کا اہل نہیں ہوگا اور اگر اس کے مولیٰ نے اس کی طرف سے غلام آزاد کیا یا کھانا دیدیا تو بھی کافی نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ غلام مالک ہونے کا اہل نہیں ہے۔ لہٰذا مولیٰ کے مالک کرنے سے مالک نہیں ہوگا۔

واضح ہو کہ مولیٰ اگر اپنے غلام کو کفارات کے روزوں سے منع کرنا چاہے تو منع کرسکتا ہے سوائے کفارۂ ظہار کے کیونکہ کفارۂ ظہار کے ساتھ بیوی کا حق متعلق ہوتا ہے۔ (فتح القدیر)

اگر مظاہر روزے رکھنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا کھلائے

وَ اِذَا لَمْ يَسْتَطِعِ الْمُظَاهِرُ الصِّيَامَ اَطْعَمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا وَيُطْعِمُ كُلَّ مِسْكِيْنٍ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ اَوْصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْشَعِيْرٍ اَوْقِيْمَةَ ذٰلِكَ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ اَوْسِ بْنِ الصَّامِتِ وَسَهْلِ بْنِ صَخْرٍ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ وَلِاَنَّ الْمُعْتَبَرَ دَفْعُ حَاجَةِ الْيَوْمِ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ فَيُعْتَبَرُ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَقَوْلُهٗ اَوْقِيْمَةَ ذٰلِكَ مَذْهَبُنَا وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الزَّكٰوةِ

ترجمہ...... اور اگر ظہار کرنے والے کو روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانے دے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جو شخص روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا (اس کا کفارہ ہے) اور ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو یا اس کی قیمت دیدیے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث اوس بن الصامت اور حدیث سہل بن صخر میں فرمایا کہ ہر مسکین کے واسطے گیہوں کا آدھا صاع ہے اور اس لئے کہ معتبر یہ ہے کہ ہر مسکین کی ایک دن کی حاجت دور کرے پس صدقۃ الفطر پر قیاس کیا جائے گا اور ماتن کا قول قیمۃ ذالک ہمارا مذہب ہے اور اس کو کتاب الزکوۃ میں ذکر کر چکے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ظہار کرنے والا روزے رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیدے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا ہے اور کھانا دینے کی صورت یہ ہوگی کہ ہر مسکین کو آدھا صاع گندم یا اس کا آٹا یا ستو یا ایک صاع کھجور یا جو دیدے اور یا اس کی قیمت دیدے لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ قیمت میں ان ہی چیزوں کو دیا جاسکتا ہے جو منصوص نہیں ہیں۔ مثلاً ایک کلو چاول آدھا صاع گندم کی قیمت کے برابر ہے تو آدھا صاع گندم کی قیمت میں ایک کلو چاول دیئے جاسکتے ہیں۔

اور وہ چیزیں جن پر نص وارد ہوئی ہے ان کا قیمت میں ادا کرنا جائز نہیں، جب کہ وہ مقدار شرع سے کم ہو اگرچہ قیمت میں دوسری چیز سے زیادہ یا اس کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً اگر کسی شخص نے عمدہ قسم کی نصف صاع کھجوریں دیں درانحالیکہ یہ کھجوریں نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہیں یا زائد تو جائز نہیں ہے اس لیے کہ نص ایک صاع کھجور پر وارد ہوتی ہے اس طرح اگر نصف صاع گندم سے کم دیا درانحالیکہ یہ ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کو پہنچ جاتا ہے تو یہ بھی جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ نص میں نصف صاع گندم کی صراحت کی گئی ہے۔

پس ضابطہ یہ نکلا کہ طعام کی ایک جنس منصوص علیہ دوسری کی منصوص علیہ جنس کا بدل واقع نہیں ہوسکتی اگرچہ قیمت میں زائد ہی کیوں نہ ہو۔ (الکفایہ، عنایہ)

صاحب ہدایہ نے دلیل میں اوس بن صامت اور سہل بن صخر کی حدیث کا حوالہ دیا ہے۔ پس ہم آپ کی معلومات میں اضافہ کے لیے اوس بن

صامت کی پوری حدیث نقل کرتے ہیں۔

ان خولة بنت ثعلبه قالت كنت تحت اوس بن الصامت و قد ساء خلقة، لكبر سنه فراجعته في بعض ما امرني به فقال انت على كظهر امي ثم خرج فجلس في نادى قومه ثم رجع لايّ فراودني عن النفس فقلتُ والذى نفس ولة بيده لا تصل الى و قد قلت ما قلت حتى يقضى الله و رسوله في ذٰلك فوقع عليّ فدفعته بما تدفع به المرأة الشيخ الكبير و خرجت الىٰ بعض جيراني فاخذت ثيابًا فلبستها واتيت رسول الله ﷺ فاخبرته بذٰلك فجعل يقول لي زوجك و ابن عمكِ و قد كبر فاحسني اليه فجعلت اشكر الى الله ما ارى من سوء خلقه فتغشىٰ رسول الله ﷺ ما كان يتغشاه عند نزول الوحي فلما سرى عنه قال انزل الله فيك وفى زوجك بيانا وتلا قوله تعالىٰ قد سمع الله قول التى تجادلك في زوجها و تشتكى الى الله الىٰ اٰخر اٰيات الظهار ثم قال مر به فليعتق رقبةً فقلت لا يجد ذٰلك يا رسول الله! ثم قال مر به ان يصوم شهرين متتابعين فقلت هو شيخ كبير لا يطيق الصوم فقال مر به فليطعم ستين مسكينا فقلت ما عندهٗ شيء يا رسول الله فقال انا سنعينهٗ بعرق فقلت و انا اعينه بعرق ايضاً فقال افعلى واستوصىٰ به خيرًا۔

یعنی خولہ بنت ثعلبہ نے کہا کہ میں اوس بن صامت کے نکاح میں تھی اور وہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے بدمزاج سا ہو گیا تھا پس میں نے اس سے ایک ایسے کام میں مراجعت کی جس کا اس نے مجھ کو حکم دیا تھا تو اس نے **انت علی کظهر امی** کہا پھر وہ نکل کر اپنی برادری کی مجلس میں بیٹھ گیا پھر لوٹ کر میرے پاس آیا اور مجھ کو منانے لگا تو میں نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے مجھ کو ہاتھ نہ لگانا اور جو میرے منہ میں آیا میں نے کہہ ڈالا یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کرے پس وہ میرے اوپر گر پڑا تو میں نے اس کو اس طرح دور کیا جس طرح عورت بوڑھے آدمی کو دور کرتی ہے اور میں نکل کر اپنے پڑوسی کے یہاں چلی گئی پھر میں کپڑے پہن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور یہ پورا واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ فرمانے لگے تمہارا شوہر ہے اور تمہارا چچا زاد بھائی ہے، بیچارا بوڑھا ہو گیا۔ تم اس کے ساتھ حسن سلوک ہی کرو پس میں اس کی بدمزاجی کا شکوہ اللہ سے کرنے لگی۔ پس رسول اللہؐ کو اس چیز نے ڈھانپ لیا جو نزول وحی کے وقت آپ کو ڈھانپا کرتی تھی (یعنی آپؐ پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہو گئی) پس جب آپ سے وہ کیفیت کھول دی گئی تو فرمایا کہ اللہ نے تیرے اور تیرے شوہر کے بارے میں ایک تفصیلی بیان نازل کیا ہے اور پھر آپ ﷺ نے **قد سمع الله قول التي تجادلك في زوجها**...... **الآية** تلاوت فرمائی پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو ایک رقبہ آزاد کرنے کا حکم دو میں نے کہا یہ اس کے پاس نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا پے درپے دو ماہ کے روزے رکھنے کا حکم دو میں نے کہا وہ تو بہت بوڑھا ہے روزے کی طاقت نہیں رکھتا پھر آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کو حکم دو کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے میں نے کہا اللہ کے رسول اس کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ (یہ سن کر) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں اس کی ایک عرق کے ساتھ مدد کر دوں گا، میں نے کہا کہ میں بھی ایک عرق سے مدد کر دوں گی آپؐ نے فرمایا کہ دے اور اس کو خیرات کر دینے کا حکم دے۔ (عنایہ)

حدیث میں لفظ عرق آیا ہے امام ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک عرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور بعض حضرات کی رائے ہے کہ عرق ایسا ظرف ہے جس میں تیس صاع کی گنجائش ہو امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ یہ زیادہ صحیح ہے اور عقل بھی اس کی مقتضی ہے کہ یہی زیادہ صحیح ہو کیونکہ اگر ایک عرق ساٹھ صاع کا ہوتا تو پھر دوسرے کی کیا ضرورت تھی کفارہ میں وہی کافی ہو جاتا واللہ اعلم بالصواب۔

دوسری حدیث سہل بن صخر کے حوالہ سے اسی حدیث کے ہم معنی ہے مگر یہ صاحب ہدایہ کا سہو ہے کیوں کہ سہل بن صخر لیثی صحابہ میں سے ہیں مگر سہل بن صخر سے ظہار کے متعلق کوئی حدیث مروی نہیں ہے اور مبسوط میں سلمہ بن صخر مذکور ہے۔ بہر حال ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ظہار کرنے والے کو رقبہ آزاد کرنے پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مساکین کو کھانا دے۔

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ معتبر ہر مسکین کی ایک دن کی ضرورت پوری کرنا ہے۔ لہٰذا اس کو مقدار میں صدقۃ الفطر پر قیاس کیا جائے گا۔ مگر تھوڑے سے فرق کے ساتھ وہ یہ کہ ظہار میں عدد اور مقدار دو معتبر ہیں یعنی ایک مسکین کو نصف صاع گندم سے کم نہیں دیا جائے گا اور نہ زیادہ دیا جائے گا کیوں کہ ساٹھ کا عدد ضروری ہے اور صدقۃ الفطر میں مقدار معتبر ہے نہ کہ عدد پس ایک فطرہ کئی مساکین کو اور کئی فطرے ایک مسکین کو دیئے جا سکتے ہیں صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری کا قول قیمۃ ذالک احناف کا مذہب ہے اور ہم اس کو کتاب الزکوۃ میں بالتفصیل ذکر کر چکے۔

اگر ایک من گیہوں یا دو من کھجور یا جو ادا کیے کفارہ میں کافی ہو جائیں گے

فَإِنْ اَعْطٰى مَنًّا مِنْ بُرٍّ وَمَنَوَيْنِ مِنْ تَمَرٍ اَوْشَعِيْرٍ جَازَ لِحُصُوْلِ الْمَقْصُوْدِ اِذَ الْجِنْسُ مُتَّحِدٌ

ترجمہ...... پس اگر من گیہوں دیا اور دو من کھجور یا جو دیئے تو جائز ہے اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا ہے کیونکہ جنس متحد ہے۔

تشریح...... ایک صاع میں چار من ہوتے ہیں پس ایک من چوتھائی صاع کا ہو گا۔ اب مسئلہ یہ ہو گا کہ کفارہ دینے والے نے ایک مسکین کو ایک من گندم (چوتھائی صاع) اور دو من (نصف صاع) کھجوریں یا جو دیا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ مقصود یعنی کھانا دینا پایا گیا اس لئے کہ دونوں کی جنس ایک ہے اس طرح پر کہ دونوں چیزوں سے مقصود کھانا دینا اور بھوک دور کرنا ہے، لہٰذا ایک کو دوسرے سے مکمل کرنا جائز ہے۔

اگر کسی کو کھانا کھلانے کا امر کیا اس نے کھانا کھلا دیا کافی ہو جائے گا

وَاِنْ اَمَرَ غَيْرَهٗ اَنْ يُّطْعِمَ عَنْهُ مِنْ ظِهَارِهٖ فَفَعَلَ اَجْزَاهُ لِاَنَّهٗ اِسْتِقْرَاضٌ مَعْنًى وَالْفَقِيْرُ قَابِضٌ لَهٗ اَوَّلًا ثُمَّ لِنَفْسِهٖ فَتَحَقَّقَ تَمَلُّكُهٗ ثُمَّ تَمْلِيْكُهٗ

ترجمہ...... اور اگر ظہار کرنے والے نے دوسرے شخص کو حکم دیا کہ میرے کفارہ ظہار میں میری طرف سے کھانا دیدے اور اس نے دیدیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ قرض لینے کے معنی میں ہے اور فقیر نے پہلے اس کے واسطے قبضہ کر لیا پھر اپنے واسطے (قبضہ کر لیا) تو اپنی ملک میں لینا پھر فقیر کو مالک بنانا متحقق ہو گیا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ظہار کرنے والے نے کسی دوسرے شخص کو حکم دیا کہ میرے کفارہ ظہار میں میری طرف سے کھانا دیدے، اس نے دیدیا تو یہ کافی ہو جائے گا اس لئے کہ ظہار کرنے والے کا اپنی طرف سے کھانا دینے کا حکم دینا معنی اس سے قرض طلب کرنا ہے اور رہا فقیر تو وہ اولا ظہار کرنے والے کی طرف سے نائب بن کر اس کے واسطے قبضہ کرے گا پھر اپنے واسطے قبضہ کرے گا۔ پس ظہار کرنے والے کا پہلے خود مالک ہونا پھر فقیر کو مالک بنانا متحقق ہو گیا ہے۔

صبح کا ناشتہ کرایا اور شام کا کھانا کھلایا قلیل کھایا ہو یا کثیر کافی ہو جائے گا، امام شافعیؒ کا نقطہ نظر

فَاِنْ غَدَّاهُمْ وَعَشَّاهُمْ جَازَ قَلِيْلًا كَانَ مَا اَكَلُوْا اَوْ كَثِيْرًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَايُجْزِيْهِ اِلَّا التَّمْلِيْكُ اِعْتِبَارًا بِالزَّكوٰةِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ وَهٰذَا لِاَنَّ التَّمْلِيْكَ اَدْفَعُ لِلْحَاجَةِ فَلَايَنُوْبُ مَنَابَهُ الْاِبَاحَةُ وَلَنَا اَنَّ الْمَنْصُوْصَ عَلَيْهِ هُوَ

الْإِطْعَامُ وَهُوَ حَقِيْقَةٌ فِي التَّمْكِيْنِ مِنَ الطُّعْمِ وَفِي الْإِبَاحَةِ ذٰلِكَ كَمَا فِي التَّمْلِيْكِ اَمَّا الْوَاجِبُ فِي الزَّكٰوةِ الْإِيْتَاءُ وَ فِيْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ الْاَدَاءُ وَهُمَا لِلتَّمْلِيْكِ حَقِيْقَةً

ترجمہ......پس اگر (ظہار کرنے والے نے) ساٹھ فقیروں کو صبح میں کھانا دیدیا پھر شام کا کھانا دیدیا تو جائز ہو گیا خواہ انھوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ کھایا ہو اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ کافی نہیں ہوگا۔ مگر مالک کر دینا، زکوۃ اور صدقۃ الفطر پر قیاس کرتے ہوئے اور یہ اس لئے کہ مالک کر دینا ضرورت کو زیادہ دور کرتا ہے۔ لہٰذا مباح کرنا اس کے قائم مقام نہ ہوگا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نص قرآنی میں لفظ اطعام (مذکور) ہے اور اطعام کے حقیقی معنی ہیں کھا لینے پر قابو دینا اور مباح کرنے میں یہ بات (حاصل ہو جاتی) ہے۔ جیسے مالک کے دینے میں (حاصل ہوتی ہے) اور رہی زکوۃ تو اس میں دینا فرض ہے اور صدقۃ الفطر میں ادا کرنا واجب ہے (اور دینا اور ادا کرنا) ان دونوں کے حقیقی معنی مالک کر دینے کے ہیں۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ ظہار کرنے والے نے اگر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلا دیا تو کفارۂ ظہار ادا ہو جائے گا خواہ انھوں نے کم کھایا ہو یا زیادہ اور اگر دو دن تک ایک وقت ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا ہے تو اس سے کفارہ ادا نہیں ہوگا کیونکہ معتبر ایک دن کی ضرورت پورا کرنا ہے اور یہ بات صبح شام کھلا کر حاصل ہوتی ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر ساٹھ مسکینوں کو صبح میں کھانا کھلایا اور دوسرے ساٹھ کو شام میں تو اس سے بھی کفارہ ادا نہیں ہوگا اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفارہ میں......صبح و شام کا کھانا کھلانا کافی نہیں ہے۔ بلکہ مالک بنانا ضروری ہے۔ یعنی یہ کہہ دے کہ یہ کھانا میں نے تمہاری ملک میں دیا خواہ کھائے یا لے جائے۔ جیسے زکوۃ اور صدقۃ الفطر میں ہے۔ گویا امام شافعیؒ نے کفارہ کو زکوۃ اور صدقۃ الفطر پر قیاس کیا ہے اور یہ اباحت کا جائز نہ ہونا اس لئے ہے کہ مالک کر دینے سے فقیر کی حاجت اچھی طرح پوری ہو جاتی ہے۔ پس خالی کھانا کھانے کو مباح کرنا اس کا قائم مقام نہ ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نص قرآنی میں لفظ اطعام آیا ہے اور اطعام کے حقیقی معنی ہیں کھا لینے پر قابو دینا (قدرت دینا) اور یہ بات کھانے کو مباح کرنے میں اسی طرح حاصل ہوتی ہے جس طرح مالک کر دینے میں پس واجب ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک سے حاصل ہو جائے گا کھانے پر قابو دینے سے تو اس لئے کہ عین نص کی رعایت ہوگی اور مالک کر دینے سے اس لئے کہ مالک کر دینا منصوص علیہ پر مشتمل ہے کیونکہ جب فقیر مالک ہو گیا تو اس کو کھائے گا یا دوسری ضرورت میں صرف کرے گا اس وجہ سے مالک بنانا بھی منصوص علیہ کے قائم مقام ہے۔

اور رہی زکوۃ اور صدقۃ الفطر تو کفارہ ظہار کو ان پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ زکوۃ میں ایتاء (دینا) فرض ہے اس لئے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اٰتوا الزکوۃ یعنی زکوۃ دو اور صدقۃ الفطر میں ادا کرنا واجب ہے اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے ادوا عمن تمونون یعنی جن کی تم کفالت کرتے ہو ان کی طرف سے ادا کرو اور دینا اور ادا کرنا ان دونوں کے حقیقی معنی مالک کر دینے کے ہیں نہ کہ صرف قدرت دینے کے۔

اگر جنھوں نے شام کا کھانا کھایا ان میں شیر خوار بچہ ہو، کفارہ ادا نہیں ہوگا

وَلَوْ كَانَ فِيْمَنْ عَشَّاهُمْ صَبِيٌّ فَطِيْمٌ لَايُجْزِيْهِ لِاَنَّهٗ لَا يَسْتَوْفِيْ كَامِلًا وَلَابُدَّ مِنَ الْإِدَامِ فِيْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ ليمكنه الْاِسْتِيْفَاءُ اِلَى الشِّبَعِ وَفِيْ خُبْزِ الْحِنْطَةِ لَايُشْتَرَطُ الْإِدَامُ

ترجمہ......اور اگر ان لوگوں میں جن کو شام کا کھانا کھلایا ہے کوئی شیر خوار بچہ ہو تو کفارہ ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ پورا طعام نہیں کھا سکتا ہے اور جو کی روٹی کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری ہے تاکہ سیر ہو کر روٹی کھانا ممکن ہو اور گیہوں کی روٹی کے ساتھ سالن کا ہونا شرط نہیں۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ وہ ساٹھ مساکین جن کو شام میں کھانا کھلایا ہے اگر ان میں کوئی شیر خوار بچہ ہو تو یہ کفارہ ادا نہیں ہوگا دلیل یہ ہے کہ شیر خوار

بچہ پورا طعام نہیں کھا سکتا ہے یعنی اس کی غذا صرف طعام نہیں بلکہ کچھ طعام اور کچھ دودھ پیتا ہے۔ لہٰذا اس کو پورا طعام...... کھلانا صادق نہیں آئے گا۔ فرماتے ہیں کہ اگر روٹی جو کی ہے تو اس کے ساتھ سالن کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ سیر ہو کر کھا سکے اور اگر گیہوں کی روٹی ہے تو اس کے ساتھ سالن کی شرط نہیں ہے اس لئے کہ گیہوں کی روٹی بغیر سالن کے بھی سیر ہو کر کھائی جا سکتی ہے۔

اگر ایک ہی مسکین کو ساٹھ دن کھانا کھلایا کافی ہو جائے گا اور ایک ہی دن میں سارا ایک ہی مسکین کو دے دیا کافی نہیں ہوگا مگر ایک ہی دن سے

وَاِنْ اَعْطٰی مِسْكِيْنًا وَاحِدًا سِتِّيْنَ يَوْمًا اَجْزَاهُ وَاِنْ اَعْطَاهُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ لَمْ يُجْزِ اِلَّا عَنْ يَّوْمِهٖ لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ وَالْحَاجَةُ تَتَجَدَّدُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ فَالدَّفْعُ اِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ الثَّانِيْ كَالدَّفْعِ اِلٰى غَيْرِهٖ وَهٰذَا فِي الْاِبَاحَةِ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ وَاَمَّا التَّمْلِيْكُ مِنْ مِسْكِيْنٍ وَاحِدٍ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ بِدَفَعَاتٍ فَقَدْ قِيْلَ لَا يُجْزِيْهِ وَقَدْ قِيْلَ يُجْزِيْهِ لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى التَّمْلِيْكِ تَتَجَدَّدُ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ بِخِلَافِ مَا اِذَا دَفَعَ بِدَفْعَةٍ وَاحِدَةٍ لِاَنَّ التَّفْرِيْقَ وَاجِبٌ بِالنَّصِّ

ترجمہ...... اور اگر اس نے ایک مسکین کو ساٹھ روز تک کھانا دیا تو کافی ہو گیا اور اگر اس نے ایک ہی روز میں دیا تو صرف ایک ہی روز کے واسطے کافی ہوگا اس لئے کہ مقصود یہ ہے کہ محتاج کی حاجت دور ہو اور حاجت ہر روز نئی پیدا ہوتی ہے تو اسی مسکین کو دوسرے روز دینا اس کے علاوہ دوسرے کو دینے کے مثل ہو گیا اور یہ حکم اباحت میں بلا اختلاف کے جائز ہے اور رہا ایک مسکین کو ایک دن میں (ساٹھ) دفعہ دینا تو بعض کا قول ہے کہ جائز نہیں اور بعض کا قول ہے کہ جائز ہے یوں کہ کسی چیز کے مالک کرنے کی ضرورت تو ایک ہی روز میں نئی نئی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر ایک ہی مسکین کو ایک دفعہ دے دیا کیوں کہ متفرق کر کے دینا بنص قرآنی واجب ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مسکین کو ساٹھ دن تک کھانا دیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر ایک ہی روز میں دیا تو صرف ایک روز کے واسطے کافی ہوگا دلیل یہ ہے کہ کفارہ سے مقصود محتاج کی حاجت کو دور کرنا ہے اور حاجت ہر روز نئی پیدا ہوتی ہے۔ پس دوسرے دن اسی مسکین کو دینا ایسا ہو گیا جیسا کہ دوسرے مسکین کو دیا ہو الہٰذا ساٹھ دن تک ایک مسکین کو دینا ساٹھ مسکینوں کے دینے کے مانند ہوگا۔ اس وجہ سے اس صورت میں کفارہ ادا ہو جائے گا۔

وھذا فی الاباحۃ سے مسئلہ کی دوسری صورت بیان فرمارہے ہیں یعنی اگر ایک مسکین کو ایک دن میں بطریق اباحت ساٹھ مرتبہ کھانا دیا تو بالاتفاق جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ واجب ساٹھ مسکینوں پر متفرق کرنا ہے اور وہ پایا نہیں گیا نہ حقیقتاً اور نہ حکماً حقیقتاً تو اس لئے نہیں پایا گیا کہ وہ ایک مسکین ہے اور حکماً اس لئے نہیں کہ ایک آدمی کو ایک دن میں ساٹھ مرتبہ کھانے کی حاجت نہیں ہو سکتی۔

اور رہا یہ کہ ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مرتبہ میں پوری مقدار کا کفارہ کا مالک بنا دینا تو اس بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ اس لئے معتبر حاجت دور کرنا ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جائز ہے۔ کیونکہ کسی چیز کے مالک کرنے کی ضرورت ایک ہی روز میں پیدا ہو سکتی ہے۔

اس کے برخلاف اگر ایک مسکین کو ایک ہی مرتبہ میں پورے کا مالک کر دیا تو بالاتفاق جائز نہیں کیونکہ متفرق کر کے دینا بنص قرآنی واجب ہے اس لئے کہ ارشاد ہے **فاطعام ستین مسکینًا** ۔ واللہ اعلم

کھانے کھلانے کے درمیان بیوی سے جماع کرلیا از سر نو کھانا کھلانے کی ضرورت نہیں ہے

وَاِنْ قَرِبَ الَّتِیْ ظَاهَرَ مِنْهَا فِیْ خِلَالِ الْاِطْعَامِ لَمْ يَسْتَأْنِفْ لِاَنَّهٗ تَعَالٰی مَاشَرَطَ فِی الْاِطْعَامِ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْلَ الْمَسِيْسِ اِلَّااَنَّهٗ يُمْنَعُ مِنَ الْمَسِيْسِ قَبْلَهٗ لِاَنَّهٗ رُبَمَايَقْدِرُعَلَی الْاِعْتَاقِ اَوِالصَّوْمِ فَيَقَعَانِ بَعْدَالْمَسِيْسِ وَ الْمَنْعُ لِمَعْنًی فِیْ غَيْرِهٖ لَابِعَدَمِ الْمَشْرُوْعِيَّةِ فِیْ نَفْسِهٖ

ترجمہ..... اور اگر کھانا دینے کے درمیان اسی عورت سے وطی کرلی جس سے ظہار کیا ہے تو استیناف نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کھانا دینے میں یہ شرط نہیں لگائی کہ وطی سے پہلے ہو مگر یہ اس کو کھانا دینے سے پہلے وطی سے منع کردیا جائے گا کیونکہ بسا اوقات آزاد کرنے اور روزہ رکھنے پر قادر ہوجاتا ہے تو وہ دونوں وطی کے بعد واقع ہوجائیں گے اور معنی فی غیرہ کی وجہ سے ممانعت۔ مشروعیت فی ذاتہ کو معدوم نہیں کرتی۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفارۂ ظہار ادا کرنے والے نے کھانا دینے کے درمیان اس عورت سے وطی کرلی جس سے ظہار کیا تھا تو از سر نو کھانا دینے کی ضرورت نہیں ہے دلیل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط بیان کی ہے کہ کھانا وطی سے پہلے ہو جیسا کہ اعتاق اور صوم کے اندر یہ شرط بیان کی گئی ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس شخص کو کھانا دینے سے پہلے وطی کرنے سے روکا جائے گا۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ شخص کھانا دینے کے وظیفہ کو پورا کرنے سے پہلے غلام آزاد اور روزہ رکھنے پر قادر ہوجائے تو ایسی صورت میں اگر یہ شخص کھانا دینے سے پہلے یا درمیان میں وطی کرچکا تو اعتاق اور صوم کا بعد الوطی ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ بنص قرآنی ممنوع ہے اس لئے خیریت اسی میں ہے کہ کھانا دینے سے پہلے وطی نہ کرے۔

یہ بات واضح رہے کہ کھانا دینے سے پہلے وطی کرنا ممنوع لغیرہ ہے اور ممنوع لغیرہ مشروع لذاتہ کے منافی نہیں ہوتا اس لئے کھانے دینے سے پہلے یا درمیان وطی میں کرنا۔ فساد طعام کا مقتضی نہیں ہے اور یہ ایسا ہے جیسے وقت اذان بیع اور اوقات مکروہہ میں نماز۔

اگر دو کفارۂ ظہار کی جانب سے صرف ساٹھ مسکین کو کھانا کھلایا کافی نہیں ہوگا مگر ایک ہی کفارہ سے

وَ اِذَا اَطْعَمَ عَنْ ظِهَارَيْنِ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ صَاعًا مِنْ بُرٍّلَمْ تُجْزِهٖ اِلَّاعَنْ وَّاحِدٍمِنْهُمَا عِنْدَاَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ وَ قَالَ مُحَمَّدٌ يُجْزِيْهٖ عَنْهُمَا وَاِنْ اَطْعَمَ ذٰلِكَ عَنْ اِفْطَارٍ وَظِهَارٍ اَجْزَاهُ عَنْهُمَا لَهٗ اَنَّ بِالْمُؤَدّٰی وَفَاءً بِهِمَا وَالْمَصْرُوْفُ اِلَيْهِ مَحِلٌّ لَهُمَا فَيَقَعُ عَنْهُمَا كَمَا لَوِاخْتَلَفَ السَّبَبُ اَوْفَرَّقَ فِی الدَّفْعِ وَلَهُمَا اَنَّ النِّيَّةَ فِی الْجِنْسِ الْوَاحِدِلَغْوٌ وَفِی الْجِنْسَيْنِ مُعْتَبَرَةٌ وَاِذَالَغَتِ النِّيَّةُ وَالْمُؤَدّٰی يَصْلَحُ كَفَّارَةً وَاحِدَةً لِاَنَّ نِصْفَ الصَّاعِ اَدْنَی الْمَقَادِيْرِ فَيَمْنَعُ النُّقْصَانَ دُوْنَ الزِّيَادَةِ فَيَقَعُ عَنْهَا كَمَااِذَانَوٰی اَصْلَ الْكَفَّارَةِ بِخِلَافِ مَااِذَافَرَّقَ فِی الدَّفْعِ لِاَنَّهٗ فِی الدَّفْعَةِ الثَّانِيَةِ فِیْ حُكْمِ مِسْكِيْنٍ اٰخَرَ

ترجمہ..... اور اگر اس نے (اپنے) دو ظہاروں کا کھانا ساٹھ مسکینوں کو دیا (اس طرح کہ ہر مسکین کو ایک صاع گیہوں دیئے تو امام ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ کے نزدیک دونوں ظہاروں میں سے صرف ایک ہی ظہار سے ادا ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک دونوں ظہار (کا کفارہ) ادا ہوجائے گا اور اگر اس نے یہ افطار اور ظہار کے (کفارہ میں) دیا تو (بالاتفاق) دونوں سے ادا ہوجائے گا امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو کچھ طعام اس نے ادا کیا وہ دونوں ظہاروں کے واسطے کافی ہے اور جن لوگوں کو دیا وہی اس کا محل ہے تو دونوں ظہاروں سے ادا ہوجائے گا جیسا کہ اگر سبب مختلف ہوگیا یا متفرق کرکے دیا ہو اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ایک ہی جنس میں نیت لغو ہوتی ہے اور دو جنسوں میں معتبر ہوتی ہے اور جب نیت لغو ہوگئی حالانکہ جو کچھ ادا کیا ہے وہ ایک کفارہ کی صلاحیت رکھتا ہے کیوں کہ آدھا صاع گندم سب سے کم مقدار ہے (پس نصف صاع سے) کم کرنے میں منع کیا جائے گا۔ زیادہ

کرنے میں (منع نہیں کیا جائے گا) تو ایک ہی کفارہ سے واقع ہوگا جیسے جب اس نے اصل کفارہ کی نیت کی ہو برخلاف اس کے جب متفرق کر کے دیا ہو کیونکہ دوبارہ دینے میں (وہ فقیر) دوسرے فقیر کے مرحلے میں ہے۔

تشریح.....صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ظہار کرنے والے نے اپنے دو ظہاروں میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دیا اس طرح پر کہ ہر مسکین کو ایک صاع گیہوں دیا تو اس صورت میں شیخین کے نزدیک حکم یہ ہے کہ ایک کفارہ ادا ہو جائے گا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔

اور اگر کسی شخص نے کفارہ افطار اور کفارہ ظہار میں ساٹھ مسکینوں کو اتنی مقدار گیہوں دیا تو بالاتفاق دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ گندم کی جو مقدار ادا کی گئی ہے وہ دونوں کفاروں کے لیے کافی ہے اس لئے کہ ہر ایک ظہار میں ہر ایک مسکین کے لیے نصف صاع واجب ہو جاتا ہے۔ پس ہر ایک مسکین کو ایک ایک صاع گندم دینے میں یقیناً دونوں کفاروں کی کفایت ہو سکتی ہے اور جن کو دیا گیا ہے وہ دونوں کفاروں کا محل بھی ہیں اس لئے کہ فقیر احد الحقین لے کر مصرف ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔ لہٰذا دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔

جیسے اگر کفارہ کا سبب مختلف ہو مثلاً ایک کفارہ افطار کا ہے اور ایک ظہار کا اور ساٹھ مسکینوں کو ایک ایک صاع گندم دیا ہے تو دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔

یا جیسے متفرق کر کے دیا مثلاً ایک مسکین کو پہلے ایک کفارہ میں نصف صاع دیا پھر نصف آخر دوسرے کفارے میں دے دیا تو بالاتفاق جائز ہے۔

اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ایک جنس میں نیت لغو ہوتی ہے کیوں کہ نیت اجناس مختلفہ کے درمیان امتیاز کرنے کے لیے ہوتی ہے اور جنس واحد میں یہ بات پائی نہیں جاتی اس وجہ سے ایک جنس میں نیت لغو ہوگی اور نیت دو جنسوں میں معتبر ہوتی ہے۔

مثلاً ایک شخص پر رمضان کے چند روزوں کی قضا واجب ہے پس اس نے قضا کے روزے کی نیت کی تو کافی ہو جائے گی اور اس پر تعیین کی نیت واجب نہیں ہے اس لئے کہ تمام روزوں کی جنس ایک ہے اور اگر کسی پر رمضان کی قضا اور نذر کی قضا واجب ہے تو یہ شخص تعیین نیت کا محتاج ہے کیونکہ دونوں روزوں کی جنس مختلف ہوگئی ہے۔

پس جب مسئلہ مذکورہ میں کفارہ دینے والے کی نیت لغو ہوگئی اور جو مقدار ادا کی گئی ہے وہ ایک کفارہ کی صلاحیت بھی رکھتی ہے کیونکہ آدھا صاع گندم سب سے کم مقدار ہے اور مقدار مانع نقصان تو ہوتی ہے مگر زیادتی کے لیے مانع نہیں ہوتی حاصل یہ کہ ایک مسکین کو نصف صاع سے کم نہ دیا جائے البتہ زیادہ دیا جا سکتا ہے لہٰذا اس ادائیگی سے ایک کفارہ ادا ہو جائے گا جیسے یہ شخص اصل کفارہ کی نیت کرتا تو بالاتفاق ایک کفارہ ادا ہوتا پس ایسے ہی یہاں بھی۔

اس کے برخلاف اگر یہ شخص متفرق کر کے دیتا مثلاً پہلے ایک کفارہ میں ایک مسکین کو نصف صاع دیا پھر اسی مسکین کو دوسرے کفارہ میں دوسرا نصف دے دیا تو دونوں کفارے ادا ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ دوسری مرتبہ دینا دوسرے مسکین کے حکم میں ہے۔

جس پر دو کفارۂ ظہار لازم تھے دو غلاموں کو آزاد کر دیا کسی ایک معین سے کفارہ معینہ کی نیت نہیں کی

وَمَنْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ كَفَّارَتَا ظِهَارٍ فَأَعْتَقَ رَقَبَتَيْنِ لَايَنْوِيْ عَنْ اِحْدٰهُمَا بِعَيْنِهَا جَازَ عَنْهُمَا وَكَذَا اِذَا صَامَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ اَوْ اَطْعَمَ مِائَةً وَّعِشْرِيْنَ مِسْكِيْنًا جَازَ لِاَنَّ الْجِنْسَ مُتَّحِدٌ فَلَاحَاجَةَ اِلٰى نِيَّةٍ مُعَيَّنَةٍ

ترجمہ.....اور جس شخص پر ظہار کے دو کفارے واجب ہیں۔ پس اس نے دو غلام آزاد کر دیئے حالانکہ ان دونوں میں سے ایک کو متعین کرنے کی نیت نہیں کی ہے۔ تو یہ دونوں کی طرف سے جائز ہے اور ایسے ہی جب چار ماہ کے روزے رکھے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا دیا تو جائز ہے اس واسطے کہ جنس واحد ہے۔ معین کرنے والی نیت کی حاجت نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ اور دلیل ظاہر ہے۔

اگر دو کفاروں کی طرف سے ایک ہی گردن آزاد کی یا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلایا اسے اختیار ہے جس کفارہ کی طرف سے اسے کر دے اور اگر ایک غلام کفارۂ ظہار اور قتل کی طرف سے ادا کیا کسی سے بھی کافی نہیں ہوگا، اقوال فقہاء

وَاِنْ اَعْتَقَ عَنْهُمَا رَقَبَةً وَاحِدَةً اَوْصَامَ شَهْرَيْنِ كَانَ لَهُ اَنْ يَّجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ اَيِّهِمَاشَاءَ وَاِنْ اَعْتَقَ عَنْ ظِهَارٍ وَقَتْلٍ لَمْ يُجْزِ عَنْ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَقَالَ زُفَرُ لَايُجْزِيْهُ عَنْ اَحَدِهِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَهُ اَنْ يَجْعَلَ ذٰلِكَ عَنْ اَحَدِ هِمَا فِي الْفَصْلَيْنِ لِاَنَّ الْكَفَّارَاتِ كُلَّهَا بِاعْتِبَارِ اتِّحَادِ الْمَقْصُوْدِ جِنْسٌ وَاحِدٌ وَجْهُ قَوْلِ زُفَرَاَنَّهُ اَعْتَقَ عَنْ كُلِّ ظِهَارٍ نِصْفَ الْعَبْدِ وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَّجْعَلَ عَنْ اَحَدِهِمَا بَعْدَمَااَعْتَقَ عَنْهُمَا لِخُرُوْجِ الْاَمْرِ مِنْ يَّدِهٖ وَلَنَا اَنَّ نِيَّةَ التَّعْيِيْنِ فِي الْجِنْسِ الْمُتَّحِدِ غَيْرُ مُفِيْدٍ فَتَلْغُوْ وَ فِي الْجِنْسِ الْمُخْتَلِفِ مُفِيْدٌ وَ اخْتِلَافُ الْجِنْسِ فِي الْحُكْمِ وَ هُوَالْكَفَّارَةُ هٰهُنَا بِاخْتِلَافِ السَّبَبِ نَظِيْرُ الْاَوَّلِ اِذَاصَامَ يَوْمًافِيْ قَضَاءِ رَمَضَانَ عَنْ يَوْمَيْنِ يُجْزِيْهُ عَنْ قَضَاءِ يَوْمٍ وَاحِدٍ وَنَظِيْرُ الثَّانِيْ اِذَاكَانَ عَلَيْهِ صَوْمُ الْقَضَاءِ وَالنَّذْرِ فَاِنَّهٗ لَابُدَّفِيْهِ مِنَ التَّمْيِيْزِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ..... اور اگر اس نے دو ظہاروں کی طرف سے ایک رقبہ آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو اس کو اختیار ہے کہ اس کفارہ کو دونوں ظہار میں جس یک کی طرف چاہے قرار دیدے اور اگر اس نے ایک ظہار اور ایک قتل کی طرف سے ایسا کیا تو وہ ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے جائز نہیں ہے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں کسی ایک کی طرف سے جائز نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں جس ایک کی طرف سے چاہے، قرار دیدے، کیونکہ تمام کفارے باعتبار مقصود کے ایک ہی جنس ہیں اور امام زفرؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ہر ظہار سے آدھا غلام آزاد کیا اور ان دونوں کی طرف سے آزاد کرنے کے بعد اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان دونوں میں سے ایک کی طرف سے قرار دیدے۔ کیونکہ یہ امر اس کے ہاتھ سے نکل گیا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جنس متحد میں معین کرنے کی نیت کرنا مفید نہیں۔ پس نیت لغو ہوئی اور جنس مختلف میں مفید ہے اور حکم یعنی یہاں کفارے میں جنس کا مختلف ہونا سبب کے اختلاف سے ہے اول کی نظیر یہ ہے کہ (ایک شخص) نے دو دن قضاء رمضان کی طرف سے ایک دن روزہ رکھا۔ تو یہ ایک دن کی قضاء سے کافی ہوگا اور ثانی کی نظیر یہ ہے کہ جب اس پر قضاء اور نذر کا روزہ ہو تو اس میں تمیز دینا ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

تشریح..... عبارت میں مسئلہ کی دو صورتیں زیر بحث ہیں ایک یہ کہ ایک شخص پر ظہار کے دو کفارے واجب ہیں اس نے دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے تو اس شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ان دونوں کفاروں میں سے جس ایک کی طرف سے چاہے مقرر کر دے دوسری صورت یہ ہے کہ اس پر ایک ظہار کا کفارہ واجب ہے اور ایک قتل کا پھر اس نے ایک غلام آزاد کیا تو اس صورت میں دونوں کفاروں میں سے کوئی ادا نہیں ہوگا یہ حکم ہمارے نزدیک ہے اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں کسی ایک کی طرف سے ادا نہیں ہوگا اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں اس کو اختیار ہے جس کے لیے چاہے قرار دیدے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ تمام کفارات کا مقصود ایک ہے یعنی ستر اور اس گناہ کے اثر کو زائل کرنا۔ لہٰذا تمام کفارات کی جنس بھی ایک ہے اور جنس واحد میں نیت غیر مفید ہے اس وجہ سے اصل کفارہ کی نیت باقی رہی اور یہ شخص اگر اصل کفارہ کی نیت کرتا تو اس کو ان دونوں کفاروں میں سے

ایک کے لیے مقرر کرنے کا اختیار ہوتا پس ایسے ہی یہاں بھی دونوں کفاروں میں سے جس ایک کے لیے چاہے مقرر کردے۔

اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے دونوں کفاروں میں سے ہر ایک کی طرف سے آدھا غلام آزاد کیا ہے اور کفارے میں آدھا غلام آزاد کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے یہ آزاد کرنا تبرع شمار ہوگا اور چونکہ دونوں کفاروں کی طرف سے آزاد کرنے کے بعد اس کے ہاتھ سے معاملہ بھی نکل گیا اس وجہ سے کسی ایک کے واسطے مقرر کرنے کا بھی اختیار نہیں ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جنس واحد میں متعین کرنے کی نیت کرنا غیر مفید ہے لہٰذا نیت لغو ہوگی اور جب نیت لغو ہوگئی تو ایسا ہوگیا گویا اس نے ظہار کے دو کفاروں میں ایک غلام آزاد کیا اور دونوں کی طرف سے نیت نہیں کی ہے تو یہ جائز ہے اور اس کو اختیار ہے کہ دونوں ظہار میں سے جس کی طرف چاہے پھیر دے پس ایسے ہی یہاں بھی جائز ہوگا۔

اور اگر دو کفارے مختلف الاجناس ہیں تو ان میں متعین کرنے کی نیت مفید ہوتی ہے لہٰذا معتبر ہوگی۔ پس جب اس شخص نے کفارہ قتل اور کفارہ ظہار میں بالارادہ ایک غلام آزاد کیا ہے تو یہ غلام کسی ایک طرف سے آزاد نہیں ہوگا۔

واختلاف الجنس سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ قتل اور ظہار دونوں کا حکم ایک ہے۔ یعنی کفارہ بالاعتاق۔ پس جب دونوں کا حکم ایک ہے تو یہ دونوں مختلف الاجناس کیسے ہوں گے۔

جواب یہ ہے کہ حکم یعنی کفارے میں جنس کا مختلف ہونا سبب کے اختلاف سے ہے۔ اس لیے کہ قتل یقیناً ظہار سے مختلف ہے اور اختلاف سبب دلالت کرتا ہے اختلاف حکم پر کیونکہ حکم ملزوم ہوتا ہے اور سبب لازم اور اختلاف لوازم دلالت کرتا ہے ملزومات کے اختلاف پر۔

پس دوسرے مسئلہ میں جب جنس مختلف ہوگئی تو اس کی نیت درست ہوئی اور جب نیت درست ہوئی تو ایک غلام آزاد کرنا مختلف دو کفاروں کی طرف سے ہوگا پس ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے آدھا غلام ہوگا اور یہ جائز نہیں کیونکہ ایک کفارہ میں ایک غلام آزاد ہوتا ہے نہ کہ آدھا۔

صاحب ہدایہ نے جنس واحد اور جنس مختلف دونوں میں سے ہر ایک کی نظیر بیان کی ہے چنانچہ فرمایا کہ جنس واحد کی نظیر یہ ہے کہ جب کسی نے رمضان کی قضاء کے دو روزوں کی طرف سے ایک دن روزہ رکھا تو اس سے ایک روزہ کی قضاء صحیح ہو جائے گی اور جنس مختلف کی نظیر یہ ہے کہ جب کسی شخص پر ایک روزہ قضا کا واجب ہو اور ایک روزہ نذر کا تو اس پر واجب ہے کہ ان دونوں میں سے ایک کو متعین کرے تاکہ دونوں روزں کے درمیان امتیاز ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب، جمیل احمد عفی عنہ

باب اللعان

ترجمہ......(یہ) باب احکام لعان کے (بیان میں) ہے

تشریح......اللعان، مفاعلہ کا مصدر ہے، لغوی معنی ہیں دھتکارنا اور رحمت سے دور کرنا اور شریعت میں لعان ان چار شہادتوں اور لعن اور غضب کو کہتے ہیں جو میاں بیوی کے درمیان جاری ہوں اور مجموعہ کا نام لعان اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس میں لعن مذکور ہوتا ہے جیسے رکوع پر مشتمل ہونے کی بنا پر نماز کا نام رکوع رکھ دیا گیا اور تشہد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے التحیات کا نام تشہد رکھ دیا گیا ہے پس لعان کا نام رکھنا تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہوگا۔

رہی یہ بات کہ لعان نام کیوں رکھا جب کہ اس میں غضب بھی مذکور ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لعن مرد کی جانب سے ہوتا ہے اور غضب عورت کی جانب سے اور ظاہر ہے کہ جو چیز مرد کے ساتھ متعلق ہوتی ہے وہ مقدم ہوتی ہے اس لئے نام رکھنے میں لعن کو ترجیح دی گئی نہ کہ غضب کو۔

اور لعان کا رکن شہادت مؤکدہ بالیمین ہے اور اس کا سبب مرد کا اپنی بیوی کو ایسی تہمت لگانا جو اجانب میں موجب حد ہو اور اس کی شرط قیام

نکاح ہے اور اس کا حکم لعان سے فارغ ہوتے ہی وطی اور استمتاع کا حرام ہونا ہے اور ہمارے نزدیک لعان کا اہل وہ ہے جو شہادت کا اہل ہو اور امام شافعیؒ کے نزدیک وہ ہے جو یمین کا اہل ہو۔

لعان کا موجب، لعان کی تعریف

قَالَ اِذَاقَذَفَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ بِالزِّنَاءِ وَ هُمَا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَ الْمَرْأَةُ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا اَوْنَفٰى نَسَبَ وَلَدِهَا وَطَالَبَتْهُ بِمُوْجِبِ الْقَذْفِ فَعَلَيْهِ اللِّعَانُ وَالْاَصْلُ اَنَّ اللِّعَانَ عِنْدَنَا شَهَادَاتٌ مُؤَكَّدَاتٌ بِالْاِيْمَانِ مَقْرُوْنَةٌ بِاللَّعْنِ قَائِمَةٌ مَقَامَ حَدِّالْقَذْفِ فِيْ حَقِّهٖ وَ مَقَامَ حَدِّالزِّنَاءِ فِيْ حَقِّهَالِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ وَ الْاِسْتِثْنَاءُ اِنَّمَايَكُوْنُ مِنَ الْجِنْسِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللّٰهِ نَصٌّ عَلَى الشَّهَادَةِ وَالْيَمِيْنِ فَقُلْنَا الرُّكْنُ هُوَالشَّهَادَةُ الْمُؤَكَّدَةُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ قَرَنَ الرُّكْنَ فِيْ جَانِبِهٖ بِاللَّعْنِ لَوْكَانَ كَاذِبًاوَهُوَقَائِمٌ مَقَامَ حَدِّالْقَذْفِ وَفِيْ جَانِبِهَابِالْغَضَبِ وَهُوَقَائِمٌ مَقَامَ حَدِّالزِّنَاءِ اِذَا ثَبَتَ هٰذَا نَقُوْلُ لَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنَا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ لِاَنَّ الرُّكْنَ فِيْهِ الشَّهَادَةُ وَلَابُدَّ اَنْ تَكُوْنَ هِيَ مِمَّنْ يُحَدُّ قَاذِفُهَا لِاَنَّهٗ قَائِمٌ فِيْ حَقِّهٖ مَقَامَ حَدِّ الْقَذْفِ فَلَا بُدَّ مِنْ اِحْصَانِهَا وَيَجِبُ بِنَفْيِ الْوَلَدِ لِاَنَّهٗ لَمَّانَفٰى وَلَدَهَا صَارَ قَاذِفًا لَهَا ظَاهِرًا وَلَا يُعْتَبَرُ اِحْتِمَالُ اَنْ يَّكُوْنَ الْوَلَدُمِنْ غَيْرِهٖ بِالْوَطْيِ مِنْ شُبْهَةٍ كَمَا اِذَا نَفٰى اَجْنَبِيٌّ نَسَبَهٗ عَنْ اَبِيْهِ الْمَعْرُوْفِ وَهٰذَا لِاَنَّ الْاَصْلَ فِي النَّسَبِ الْفِرَاشُ الصَّحِيْحُ وَالْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِهٖ فَنَفْيُهٗ عَنِ الْفِرَاشِ الصَّحِيْحِ قَذْفٌ حَتّٰى يَظْهَرَ الْمُلْحَقُ بِهٖ وَيُشْتَرَطُ طَلَبُهَا لِاَنَّهٗ حَقُّهَا فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهَا كَسَائِرِ الْحُقُوْقِ

ترجمہ..... قدوری نے فرمایا کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی۔ حالانکہ دونوں شہادت کے لائق ہیں اور عورت بھی ایسی ہے کہ اس کے تہمت لگانے والے کو حد لگائی جاتی ہے یا اس کے بچہ کے نسب کی نفی کی اور عورت نے موجب قذف کا مطالبہ کیا تو مرد پر لعان کرنا واجب ہوگا اور اصل یہ ہے کہ لعان ہمارے نزدیک گواہیاں ہیں جو قسم کے ساتھ مضبوط کی گئیں۔ (اور) لعنت کے ساتھ ملائی گئیں (وہ) مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہیں اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم۔ یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کو عیب لگادیں حالانکہ سوائے ان کی ذات کے ان کے واسطے گواہ نہیں ہیں اور استثناء اپنی جنس ہی سے ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس ان میں سے ایک کی گواہی چار گواہیاں ہیں اللہ کی قسم کے ساتھ (اللہ تعالیٰ نے) شہادت اور قسم کی صراحت فرمائی ہے پس ہم نے کہا کہ رکن وہی شہادت ہے جو قسم کے ساتھ مضبوط کی گئی ہے۔ پھر اس رکن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے شوہر کی جانب میں لعنت ملائی اگر وہ جھوٹا ہو اور یہ حد قذف کے قائم مقام ہے اور عورت کی جانب میں غضب ملایا اور یہ حد زنا کے قائم مقام ہے جب یہ بات ثابت ہو چکی، تو ہم کہتے ہیں کہ میاں، بیوی دونوں کا شہادت کے لائق ہونا ضروری ہے کیونکہ شہادت تو لعان میں رکن ہے اور ضروری ہے کہ یہ عورت ایسی ہو جس کے تہمت لگانے والے کو حد ماری جاتی ہے کیونکہ یہ لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے۔ پس عورت کا محصنہ ہونا ضروری ہے اور بچہ کی نفی کرنے سے بھی لعان واجب ہوتا ہے کیونکہ جب اس نے اس کے بچہ کی نفی کی تو ظاہری طور پر وہ اس کو تہمت لگانے والا ہو گیا اور یہ احتمال معتبر نہیں کہ بچہ وطی بالشبہ کی وجہ سے اس کے غیر سے ہو۔ جیسے کسی اجنبی شخص نے اس بچہ کی نفی اس کے مشہور باپ سے کی ہو اور اس احتمال کا معتبر نہ ہونا اس لئے ہے کہ نسب میں اصل فراش صحیح ہے اور فاسد اس کے ساتھ لاحق ہے پس فراش صحیح سے نسب کی نفی کرنا تہمت لگانا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو جائے جو صحیح کے ساتھ لاحق ہے اور عورت کا مطالبہ کرنا شرط ہے۔ کیونکہ لعان عورت کا حق ہے۔ لہٰذا اس کا طلب کرنا ضروری ہے جیسا کہ تمام حقوق۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائی مثلاً کہا تو زانیہ ہے۔ یا میں نے تجھ کو زنا کرتے ہوئے دیکھا یا کہا اے زانیہ۔ یہ جمہور کا مذہب ہے اور اسی کے قائل امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور ایک روایت میں امام مالکؒ ہیں اور میاں بیوی دونوں ادائے شہادت کی لیاقت بھی رکھتے ہیں اور عورت ایسی ہے کہ اس کے تہمت لگانے والے کو حد ماری جاتی ہے یا شوہر نے اپنی بیوی کے بچہ کے نسب کی نفی کی مثلاً کہا کہ یہ بچہ زنا سے ہے یا کہا یہ بچہ میرا نہیں ہے اور عورت نے اپنے شوہر سے موجب قذف کا مطالبہ کیا تو شوہر پر لعان واجب ہوگا۔

واضح ہو کہ مرد کا اپنے بیوی کو تہمت لگانے کا موجب ابتداء اسلام میں حد قذف تھا۔ جس طرح اجنبیہ عورت کو تہمت لگانے کا موجب حد قذف ہے۔ دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا قول عربی ترجمہ عام ہے یعنی جو لوگ (زنا کی) تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعویٰ پر نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسی درے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی کبھی قبول مت کرو (یہ دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں کیونکہ) فاسق ہیں۔ (تھانوی)

اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے **قال کنا جلوسا فی المسجد لیلة الجمعة اذ دخل انصاری فقال یا رسول الله ارایتم الرجل یجدمع امرأته رجلاً فان قتل قتلتموه و ان کلم جلد تموه و ان سکت، سکت علیٰ غیظ ثم قال اللهم افتح فنزلت اية اللعان** ۔ یعنی فرمایا ابن مسعودؓ نے کہ ہم شب جمعہ میں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک ایک انصاری آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ کی کیا رائے ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک (اجنبی) آدمی کو پاتا ہے اگر وہ اس کو قتل کردے تو آپ حضرات اس کو قتل کردیں گے اور اگر وہ کچھ بولے آپ حضرات اس کو کوڑے لگاتے ہیں اور اگر وہ خاموش رہے تو اس کو خون کے گھونٹے پینے پڑتے ہیں۔ پھر اس نے کہا۔ اے میرے خدا تو (اس معاملہ) کو کھول دے۔ پس آیت لعان نازل ہوئی۔

اور ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ سے کہا جب کہ اس نے اپنی بیوی کو شریک بن شحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگادی تھی تم اپنی بات کی صداقت پر چار گواہ پیش کرو۔ ورنہ تمھاری پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں گے۔ صحابہ نے کہا کہ اب ہلال بن امیہ کو کوڑے مارے جائیں گے اور اس کی شہادت مسلمانوں میں باطل ہوجائے گی۔ (عنایہ)

اس آیت اور دونوں روایت سے ثابت ہوگیا کہ موجب قذف حد قذف تھی مگر آیت لعان سے یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

پھر ہم نے آیت لعان میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہمارے نزدیک لعان میں اصل یہ ہے کہ گواہیاں قسموں کے ساتھ مؤکد کی گئیں ہوں اور لفظ لعن کے ساتھ مقترن ہوں اور امام شافعیؒ کے نزدیک لعان وہ قسمیں ہیں جو لفظ شہادت کے ساتھ مؤکد ہوں۔ پس ہمارے نزدیک لعان کا اہل وہ شخص ہوگا، جو شہادت کا اہل ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک لعان کا وہ اہل ہے جو یمین کا اہل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے۔ اس کی بیوی کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے۔

دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

والذین یرمون ازواجهم ولم یکن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم اربع شهادات بالله انه لمن الصادقین و الخامسة ان لعنت الله علیه ان کان من الکذبین ویدرؤا عنها العذاب ان تشهد اربع شهادات بالله انه لمن الکذبین و الخامسة ان غضب الله علیها ان کان من الصادقین۔

یعنی جو لوگ اپنی (منکوحہ) بیویوں کو (زنا) کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے دعویٰ کے اور کوئی گواہ نہ ہوں۔ (جن کو عدد میں چار ہونا چاہیے) تو ان کی شہادت (جو کہ دافع حبس یا حد قذف ہو) یہی ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہہ دے کہ بے شک میں سچا ہوں اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں جھوٹا ہوں اور اس کے بعد اس عورت سے سزا (یعنی حبس یا حد زنا) اس طرح ٹل سکتی ہے

کہ وہ چار بار قسم کھا کر کہے کہ بے شک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ سچا ہو۔ (بیان القرآن)

اس آیت سے استدلال اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء سے ازواج کا استثناء فرمایا ہے کہ پس ثابت ہو گیا کہ زوج شاہد ہے اس لئے استثناء میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کا ہم جنس ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ زوج شاہد ہے اور شاہد بغیر شہادت کے نہیں ہو سکتا اور اس مسئلہ میں شہادت نام ہے حکایت لعان کا۔ پس ثابت ہو گیا کہ لعان وہ شہادتیں ہیں جو قسموں کے ساتھ مضبوط کی گئیں ہیں۔

اور امام شافعیؒ کے نزدیک لعان وہ قسمیں ہیں جو لفظ شہادت کیساتھ موکد کی گئی ہوں دلیل باری تعالیٰ کا قول **فشهادة احدهم اربع شهادات بالله** ہے۔ اس آیت میں قول باری **بالله** یمین کے معنی میں محکم ہے اور شہادت بھی یمین کے معنی کا احتمال رکھتی ہے کیونکہ اگر کسی نے اشھد کہا تو یہ یمین ہوگی۔ پس ہم نے محتمل کو محکم پر محمول کیا ہے لیکن احناف کی طرف سے جواب ہوگا کہ اس آیت میں شہادت اور یمین دونوں کی تصریح کی گئی ہے اس لئے ہم نے کہا کہ لعان کا رکن وہ شہادت ہے جو یمین کے ساتھ مؤکد کی گئی ہو۔

پھر شوہر کی جانب میں لعان کے رکن کو لفظ لعان کے ساتھ ملایا گیا ہے اگر شوہر اپنی قسم میں جھوٹا ہو اور یہ شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے اور عورت کی جانب میں لعان کے رکن یعنی شہادت کو لفظ غضب کے ساتھ ملایا ہے اور یہ عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہے۔

رہی یہ بات کہ عورت کی شہادت کو لفظ لعن کے بجائے لفظ غضب کے ساتھ مقترن کیوں کیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورتیں اپنے کلام میں بکثرت لعنت کا لفظ استعمال کرتی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں مروی ہے کہ **انه يكثرن اللعن ويكفرن العشير** یعنی عورتیں بکثرت لعنت کرتی ہیں اور اپنے شوہر کی نعمتوں کا کفران کرتی ہیں۔ پس بکثرت لعنت کرنے کی وجہ سے ان کی نظروں کی قباحت ہی جاتی رہی۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ وہ لعنت کے اقدام پر جرأت کر جائیں۔ پس اس مصلحت کے پیش نظر عورت کی شہادت کو لفظ غضب کے ساتھ ملایا گیا ہے تاکہ وہ جھوٹی قسم کا اقدام کرنے سے باز رہے۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ شہادت (لعان) زوجین کے حق میں حد کے قائم مقام ہے پس سوال یہ ہے کہ شہادت اور حد کے درمیان مناسبت کیا ہے جس کی وجہ سے شہادت کو حد کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

جواب: دونوں میں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح حد زاجر اور معاصی سے روکنے والی ہے۔ اسی طرح اللہ کی جھوٹی قسم کھانا درانحالیکہ وہ لعنت پر مشتمل ہے یہ بھی زاجر ہے بایں طور کہ اس قسم اور شہادت کے سبب پر اقدام کرنے سے باز رہے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جب ضابطہ ثابت ہو چکا کہ ہمارے نزدیک لعان وہ شہادتیں ہیں جو قسموں کے ساتھ موکد کی گئیں ہیں۔ تو میاں بیوی دونوں کا شہادت کی لیاقت رکھنا ضروری ہے، اس لئے کہ لعان میں شہادت رکن ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ عورت ایسی ہو جس کے تہمت لگانے والے کو حد ماری جاتی ہے کیونکہ لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہے اس لئے عورت کا محصنہ ہونا ضروری ہے۔

اور بچہ کے نسب کی نفی کر دینے سے بھی لعان واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب شوہر نے اپنی بیوی کے بچہ کے نسب کی نفی کی اور کہا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے تو یہ اس عورت کو تہمت لگانے والا ہو گیا۔ جیسے کسی اجنبی نے بچہ کے معروف باپ سے اس کے نسب کی نفی کی تو یہ اجنبی عورت کو تہمت لگانے والا شمار ہوگا اسی طرح یہاں بھی۔

ولا يعتبر احتمال سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کے ولد کی نفی کر دے تو اس سے لعان واجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بچہ اس کا بیٹا نہ ہو اور اس کی بیوی زانیہ بھی نہ ہو اس طرح پر کہ اس کے ساتھ وطی بالشبہ کی گئی ہو۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ شبہ معتبر نہیں ہے۔ کیوں کہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ اگر کسی اجنبی نے کسی بچہ کی اس کے مشہور باپ سے نفی کی ہے تو یہ اجنبی شخص قاذف (تہمت لگانے والا) ہوگا۔ اگرچہ وہ احتمال یہاں بھی موجود ہے۔

اور اس احتمال کا معتبر نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ نسب میں اصل فراش صحیح ہوتا ہے اور فراش فاسد اس کے ساتھ لاحق ہے پس فراش صحیح یعنی باپ کا اپنے سے نفی کرنا باپ کی طرف سے قذف ہوگا یہاں تک کہ ملحق بہ یعنی فراش فاسد کا قطعی طور سے علم ہو جائے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ لعان اس وقت واجب ہوگا جب کہ عورت موجب قذف یعنی لعان کا مطالبہ کرے کیوں کہ لعان عورت کا حق ہے۔ اس لئے کہ لعان کی وجہ سے عورت سے زنا کی عار اور ندامت دور ہو جاتی ہے پس جب لعان عورت کا حق ہے تو اس کا طلب کرنا بھی ضروری ہوگا جیسے کہ دوسرے حقوق میں صاحب حق کا طلب کرنا ضروری ہے۔

شوہر لعان کرنے سے رک جائے تو حاکم اسے قید کر دے حتیٰ کہ لعان کرے یا اپنے نفس کی تکذیب کرے

فَإِنِ امْتَنَعَ مِنْهُ حَبَسَهُ الْحَاكِمُ حَتّٰى يُلَاعِنَ اَوْيُكَذِّبَ نَفْسَهُ لِاَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ وَ هُوَقَادِرٌ عَلٰى اِيْفَائِهِ فَيُحْبَسُ بِهِ حَتّٰى يَاتِيَ بِمَا هُوَعَلَيْهِ اَوْيُكَذِّبَ نَفْسَهُ لِيَرْتَفِعَ السَّبَبُ وَلَوْ لَاعَنَ وَجَبَ عَلَيْهَا اللِّعَانُ لِمَاتَلَوْنَا مِنَ النَّصِ اِلَّا اَنَّهُ يُبْتَدَأُ بِالزَّوْجِ لِاَنَّهُ هُوَالْمُدَّعِيْ

ترجمہ...... پھر اگر شوہر نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم اس کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنے آپ کو جھوٹا بنا دے کیونکہ شوہر پر یہ حق واجب ہے اور وہ اس کو پورا کرنے پر قادر بھی ہے پس اس کے عوض قید کیا جائے گا یہاں تک کہ شوہر (یا) تو اس کو پورا کرے جو اس پر واجب ہے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے تا کہ سبب ہی دور ہو جائے اور اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا۔ اس نص کی وجہ سے جو ہم تلاوت کر چکے ہیں مگر ابتداء شوہر سے کی جائے گی۔ کیونکہ وہ مدعی ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم اس کو قید کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ لعان کرے یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔ بنیاد اختلاف یہ ہے کہ ان کے نزدیک موجب قذف حد ہے اور ہمارے نزدیک لعان ہے یا وہ اپنے آپ کو جھٹلا دے پس اگر اس شخص نے اپنی تکذیب کر دی تو بالاتفاق اس پر حد قذف جاری کی جائے گی۔

دلیل یہ ہے کہ شوہر پر یہ حق یعنی لعان واجب ہے درانحالیکہ وہ اس کو پورا کر دینے پر قادر ہے۔ لہٰذا اس حق کی وجہ سے اس کو محبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ شوہر اس حق کو ادا کر دے یا اپنے آپ کو جھٹلا دے تا کہ لعان کا سبب مرتفع ہو جائے اور لعان کا سبب زوجین میں سے ایک کا دوسرے کی تکذیب کرنا ہے کیونکہ لعان اس وقت واجب ہوگا جب کہ شوہر اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگا دے اور پھر دونوں باہم ایک دوسرے کی تکذیب کریں ہاں اگر شوہر نے اپنی تکذیب کی تو تکاذب باقی نہ رہا بلکہ شوہر عورت کے موافق ہو گیا کہ اس نے زنا نہیں کیا ہے۔

اور اگر شوہر نے لعان کیا تو عورت پر بھی لعان کرنا واجب ہوگا دلیل وہ آیت ہے جو ہم تلاوت کر چکے یعنی فشهادة احد هم اربع...... الآية۔

لیکن لعان کی ابتداء شوہر سے کی جائے گی۔ کیونکہ شوہر ہی مدعی ہے اور لعان نام ہے شہادت کا اور شہادت کا مطالبہ مدعی سے ہوتا ہے اس لئے پہلے شوہر ہی لعان کرے گا۔

اگر عورت لعان سے رک جائے حاکم اسے قید میں ڈال دے حتیٰ کہ لعان کرے یا مرد کی تصدیق کرے

فَاِنِ امْتَنَعَتْ حَبَسَهَا الْحَاكِمُ حَتّٰى تُلَاعِنَ اَوْتُصَدِّقَهُ لِاَنَّهُ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا وَهِيَ قَادِرَةٌ عَلٰى اِيْفَائِهِ فَتُحْبَسُ فِيْهِ

ترجمہ..... پھر اگر عورت نے انکار کیا تو حاکم اس کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا مرد کے قول کو سچا بتا دیے کیونکہ عورت پر یہ حق واجب ہے اور وہ اس کو پورا کرنے پر قادر بھی ہے تو اس کو اس حق میں قید کیا جائے گا۔

تشریح..... اگر عورت نے لعان کرنے سے انکار کر دیا تو حاکم اس کو قید کرے گا یہاں تک کہ وہ لعان کرے یا اپنے شوہر کی تصدیق کرے دلیل یہ ہے کہ لعان عورت پر بھی واجب ہے اور وہ اس کو پورا کرنے پر بھی قادر ہے اس وجہ سے اس حق میں اس کو قید کیا جائے گا امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ عورت کو قید نہیں کیا جائے گا بلکہ اس پر حد زنا جاری کی جائے گی۔

شوہر اگر غلام ہو یا کافر یا محدود فی القذف ہو اپنی عورت پر تہمت لگائے اس پر حد ہے

وَاِذَا كَانَ الزَّوْجُ عَبْدًا اَوْ كَافِرًا اَوْ مَحْدُوْدًا فِيْ قَذْفٍ فَقَذَفَ اِمْرَأَتَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ لِاَنَّهُ تَعَذَّرَ اللِّعَانُ لِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهِ فَيُصَارُ اِلَى الْمُوْجِبِ الْاَصْلِيِّ وَ هُوَ الثَّابِتُ بِقَوْلِهِ تَعَالٰى وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْاٰيَةَ وَ اللِّعَانُ خَلَفٌ عَنْهُ

ترجمہ..... اور اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو یا وہ کسی کو تہمت دینے میں مارا گیا ہو پس اس نے اپنی بیوی کو تہمت لگائی تو اس پر حد واجب ہوگی کیونکہ لعان متعذر ہو گیا ایک معنی کی وجہ سے جو اسی کی طرف سے ہے پس موجب اصلی کی طرف رجوع کیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے قول و الذین یرمون المحصنت سے ثابت ہے اور لعان اس کا خلیفہ ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر غلام ہو یا کافر ہو اس کی صورت یہ ہے کہ زوجین دونوں کافر ہیں۔ پھر عورت مسلمان ہو گئی اور شوہر پر اسلام پیش کرنے سے پہلے شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگا دی۔ یا شوہر ایسا ہے کہ تہمت لگانے کی وجہ سے اس کو حد قذف ماری گئی ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگا دی تو اس پر لعان واجب نہیں ہوگا بلکہ حد قذف واجب ہوگی۔ لعان کا واجب کرنا تو اس لئے ممتنع ہو گیا کہ یہ شخص شہادت کا اہل نہیں رہا حالانکہ لعان کرنے والے کے لیے شہادت کا اہل ہونا ضروری ہے۔ پس جب لعان کرنا ممتنع ہو گیا تو موجب اصلی یعنی حد قذف کی طرف رجوع کیا جائے گا اور حد قذف باری تعالیٰ کے قول و الذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شهداء فاجلدوا هم ثمانين جلدة و لا تقبلوا لهم شهادة ابدا سے ثابت ہے یعنی اس آیت کی وجہ سے اولاً تو حد قذف ہی مشروع کی گئی تھی پھر شوہر کے اپنی بیوی کو تہمت لگانے کی صورت میں لعان حد قذف کا نائب اور خلیفہ ہو گیا ہے پس اگر شرط لعان کے معدوم ہونے کی وجہ سے لعان متعذر ہو جائے تو موجب اصلی یعنی حد قذف کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

شوہر اگر اہل شہادت میں سے اور بیوی باندی ہو یا کافرہ ہو یا محدودہ فی القذف ہو یا ایسی ہے کہ جس کے قاذف کو حد جاری نہیں کی جاتی جیسے بچی ہو یا مجنونہ ہو یا زانیہ ہو تو شوہر پر حد نہیں ہے اور لعان بھی نہیں ہے

وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ وَهِيَ اَمَةٌ اَوْ كَافِرَةٌ اَوْ مَحْدُوْدَةٌ فِيْ قَذْفٍ اَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا يُحَدُّ قَاذِفُهَا بِاَنْ كَانَتْ صَبِيَّةً اَوْ مَجْنُوْنَةً اَوْ زَانِيَةً فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا لِعَانَ لِاِنْعِدَامِ اَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ وَعَدَمِ الْاِحْصَانِ فِيْ جَانِبِهَا وَامْتِنَاعِ اللِّعَانِ لِمَعْنًى مِنْ جِهَتِهَا فَيَسْقُطُ الْحَدُّ كَمَا اِذَا صَدَّقَتْهُ وَالْاَصْلُ فِيْ ذٰلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَرْبَعَةٌ لَا لِعَانَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اَزْوَاجِهِمْ اَلْيَهُوْدِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ وَلَوْ كَانَا مَحْدُوْدَيْنِ فِيْ قَذْفٍ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ

ترجمہ...... اور اگر شوہر لائق شہادت ہو اور حال یہ کہ بیوی باندی ہے یا کافرہ یا کسی کو تہمت لگانے میں حد ماری گئی ہو یا ایسی عورت ہو جس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی۔ بایں طور کہ بچی ہے یا دیوانی عورت ہے یا زانیہ تو اس کے شوہر پر حد یا لعان کچھ نہیں ہوگا اس لئے کہ عورت کی جانب میں اہلیت شہادت اور احصان (دونوں) معدوم ہیں اور لعان کا ممتنع ہونا ایسی بات کی وجہ سے ہے جو عورت کی طرف موجود ہے۔ پس (شوہر کے ذمہ سے) حد قذف ساقط ہو جائے گی جیسے جب عورت اس کے قول کی تصدیق کر دے اور اصل اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے کہ چار ہیں جن میں اور ان کی زوجات میں لعان نہیں ہوتا۔ یہودیہ جو مسلمان مرد کے تحت ہو اور نصرانیہ جو مسلمان مرد کے تحت ہو اور مملوکہ جو آزاد مرد کے تحت ہو اور آزاد عورت جو غلام کے تحت ہو اور اگر دونوں محدود فی القذف ہیں تو شوہر پر حد واجب ہوگی۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر شہادت کی لیاقت رکھتا ہو مگر اس کی بیوی کسی کی باندی ہو یا کافرہ ہے یا اس پر حد قذف ماری گئی ہے یا ایسی عورت ہے جس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی، بایں طور کہ وہ بچی ہو یا مجنونہ ہو یا زانیہ ہو تو ان تمام صورتوں میں اس کے شوہر پر نہ حد واجب ہوگی اور نہ لعان۔

کیونکہ یہ عورت نہ قابل شہادت ہے اور نہ ہی اس کی جانب میں احصان ہے۔ پس اس عورت کے قابل شہادت نہ ہونے کی وجہ سے لعان واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وجوب لعان کے واسطے زوجین کا لائق شہادت ہونا ضروری ہے اور اس کے محصنہ ہونے کی وجہ سے شوہر پر حد قذف لازم نہیں ہوگی، کیوں کہ حد قذف کسی محصنہ عورت کو تہمت لگانے کی وجہ سے واجب ہوتی ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ لعان تو ایک ایسی بات کی وجہ سے ممتنع ہو گیا جو عورت کی جانب میں موجود ہے۔ لہٰذا شوہر کے ذمہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ جیسے اس وقت ساقط ہو جاتی ہے جب بیوی اس کے قول کی تصدیق کر دے اور اس باب میں اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ چار ہیں جن میں اور ان کی زوجات میں لعان نہیں ہوتا (۱) یہودیہ جو مسلمان مرد کے تحت ہو (۲) نصرانیہ جو مسلمان مرد کے تحت ہو (۳) مملوکہ جو آزاد مرد کے تحت ہو (۴) آزاد عورت جو غلام کے نکاح میں ہو۔ یہ حدیث اگر چہ حدیث کی مشہور کتابوں میں مذکور نہیں ہے مگر ابو بکر رازی نے اس کو مختصر الطحاوی کی اپنی شرح میں ذکر کیا ہے اور ابو بکر رازی عدالت، فقہ اور ضبط میں مقتدیٰ اور پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اس حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں محدود فی القذف ہوں تو بیوی کو تہمت لگانے کی وجہ سے شوہر پر حد قذف لازم ہوگی۔

لعان کی کیفیت

وَ صِفَةُ اللِّعَانِ اَنْ يَّبْتَدِئَ الْقَاضِيْ بِالزَّوْجِ فَيَشْهَدُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللهِ اِنِّيْ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ وَيَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَاهَا بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ يُشِيْرُ اِلَيْهَا فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ ثُمَّ تَشْهَدُ الْمَرْاَةُ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ تَقُوْلُ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ اَشْهَدُ بِاللهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ وَتَقُوْلُ فِي الْخَامِسَةِ غَضَبُ اللهِ عَلَيْهَا اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَانِيْ بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ وَالْاَصْلُ فِيْهِ مَا تَلَوْنَاهُ مِنَ النَّصِّ وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهٗ يَاتِيْ بِلَفْظَةِ الْمُوَاجَهَةِ يَقُوْلُ فِيْمَا رَمَيْتُكِ بِهٖ مِنَ الزِّنَاءِ لِاَنَّهٗ اَقْطَعُ لِلْاِحْتِمَالِ وَجْهُ مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ اَنَّ لَفْظَةَ الْمُغَايَبَةِ اِذَا انْضَمَّتْ اِلَيْهَا الْاِشَارَةُ اِنْقَطَعَ الْاِحْتِمَالُ

ترجمہ...... اور لعان کا بیان یہ ہے کہ قاضی شوہر سے شروع کرے پس شوہر چار بار گواہی دے ہر بار یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا

ہوں کہ جو میں نے اس عورت کو زنا کرنے کا عیب لگایا ہے اس میں میں سچ بولنے والوں میں سے ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اس نے جو اس عورت کو زنا کا عیب لگایا اس میں اگر وہ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ان سب دفعات میں اس عورت کی طرف اشارہ کر جاوے پھر عورت چار بار گواہی دے ہر بار کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کاری کا عیب لگایا اس میں جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس نے جو عیب زنا کاری کا مجھ کو لگایا اگر یہ مرد اس قول میں سچ بولنے والوں میں سے ہو تو اس پر (مجھ پر) اللہ کا غضب ہے۔

اور دلیل اس بارے میں وہ نص قرآنی ہے جو ہم سابق میں تلاوت کر چکے اور حسن نے ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ شوہر خطاب کے لفظ کو لائے۔ (یعنی) کہے کہ زنا کا عیب جو میں نے تجھ کو لگایا کیونکہ یہ احتمال کو بالکل ختم کر دیتا ہے اور جو کتاب میں مذکور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ غائب کے ساتھ جب اشارہ ملے گا تو بھی احتمال منقطع ہو گیا۔

تشریح..... قدوری نے اس عبارت میں لعان کی کیفیت بیان کی ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ جب عورت نے قاضی کی عدالت میں قذف کا مقدمہ پیش کیا تو اولاً قاضی اس عورت کو درگزر کرنے کے لیے آمادہ کرے اس کے باوجود اگر یہ عورت مخاصمہ پر مصر رہی اور شوہر نے قذف کا انکار کر دیا تو عورت پر دو عادل گواہ پیش کرنا لازم ہو گا تاکہ قاضی کے نزدیک اس کا دعویٰ ثابت ہو اور اگر عورت نے ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہی میں پیش کیا تو ان کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی اور عورت نے دو عادل گواہ پیش کر دیئے پھر اس کے شوہر نے ایک مرد اور دو عورتوں کو اس کے تصدیق کرنے پر گواہ بنایا تو لعان ساقط ہو جائے گا اور اگر شوہر نے زنا کی تہمت لگانے کا اقرار کیا تو اس سے ثبوت زنا پر چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا پس اگر اس نے زنا پر تمام شرطوں کے ساتھ چار گواہ پیش کر دیئے تو اب دیکھا جائے کہ یہ عورت محصنہ ہے یا غیر محصنہ اگر محصنہ ہے تو اس کو رجم (سنگسار) کر دیا جائے گا اور اگر غیر محصنہ ہے تو کوڑے لگائے جائیں۔

اور اگر اس کے پاس بینہ نہیں ہے تو لعان واجب ہو گا اور لعان کی صورت یہ ہے کہ قاضی میاں بیوی دونوں کو حاضر کر کے لعان کی ابتداء شوہر سے کرے۔ پس وہ چار بار گواہی دے اور ہر بار یہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ جو میں نے اس عورت کو زنا کا عیب لگایا ہے اس میں، میں سچا ہوں اور پانچویں بار کہے کہ اس نے (میں نے) جو اس عورت کو عیب لگایا اس میں اگر وہ (میں) جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور ان باتوں کو کہتے وقت عورت کی طرف اشارہ کرتا رہے۔

پھر اس طرح چار بار عورت گواہی دے اور ہر بار کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ اس مرد نے جو مجھے زنا کاری کا عیب لگایا اس میں یہ جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ اس نے جو عیب زنا کاری کا مجھ کو لگایا اگر یہ مرد اس قول میں سچا ہے تو اس (مجھ) پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔

اور لعان کی اس کیفیت پر دلیل وہ آیت ہے جس کو ہم سابق میں تلاوت کر چکے، ملاحظہ فرما لیا جائے۔

اور امام ابوحنیفہؒ سے امام حسنؒ نے روایت کی ہے کہ شوہر شہادت دیتے وقت بجائے غائب کا لفظ استعمال کرنے کے، خطاب کا لفظ استعمال کرے۔ یعنی فیما رمیتها به من الزنا، کے بجائے فیما رمیتك به من الزنا کہے۔ کیونکہ خطاب کا لفظ غیر کے احتمال کو بالکلیہ ختم کر دیتا ہے اور جو کتاب میں مذکور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ غائب کے ساتھ جب اشارہ مل گیا تو غیر کا احتمال اب بھی منقطع ہو گیا۔ واللہ اعلم۔ جمیل احمد سکروڈھوی۔

جب میاں بیوی نے لعان کر لیا تو قاضی کی تفریق سے جدائی ہوگی امام زفر کا نقطۂ نظر

قَالَ وَإِذَا الْتَعَنَا لَاتَقَعُ الْفُرْقَةُ حَتّٰى يُفَرِّقَ الْقَاضِيْ بَيْنَهُمَا وَقَالَ زُفَرُ تَقَعُ بِتَلَاعُنِهِمَا لِاَنَّهُ تَثْبُتُ الْحُرْمَةُ الْمُوَبَّدَةُ بِالْحَدِيْثِ وَلَنَا اَنَّ ثُبُوْتَ الْحُرْمَةِ بِفَوْتِ الْإِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَلْزَمُهُ التَّسْرِيْحُ بِالْإِحْسَانِ فَإِذَا امْتَنَعَ نَابَ

الْقَاضِیْ مَنَابَهٗ دَفْعًا لِلظُّلْمِ دَلَّ عَلَیْهِ قَوْلُ ذٰلِكَ الْمُلَاعِنِ عِنْدَ النَّبِیِّ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَذَبْتُ عَلَیْهَا یَارَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ لَهٗ اَمْسِكْهَا فَقَالَ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَهِیَ طَالِقٌ ثَلٰثًا قَالَهٗ بَعْدَ اللِّعَانِ وَتَكُوْنُ الْفُرْقَةُ تَطْلِیْقَةً بَائِنَةً عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ لِاَنَّ فِعْلَ الْقَاضِیْ اِنْتَسَبَ اِلَیْهِ كَمَا فِی الْعِنِّیْنِ

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا کہ جب میاں بیوی نے لعان کرلیا، تو جدائی واقع نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ دونوں کے درمیان قاضی تفریق کرے اور امام زفرؒ نے کہا کہ جدائی واقع ہو جائے گی کیونکہ حدیث سے ثابت ہوا کہ لعان کرنے سے حرمت مؤبدہ ثابت ہو جاتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حرمت کا ثابت ہونا امساک بالمعروف کو فوت کر دیتا ہے، تو شوہر پر تسریح بالاحسان لازم ہوگا۔ پس جب شوہر باز رہا، تو قاضی اس کا مقائم مقام ہوگیا تا کہ ظلم دور ہو اور ہمارے قول پر دلیل اس صحابی کا قول ہے جس نے آنحضرت ﷺ کے حضور میں لعان کر کے کہا تھا یا رسول اللہ (ﷺ) میں نے اس عورت پر جھوٹ باندھا پس آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو روک لو اس نے کہا کہ اگر میں اس کو روکوں تو یہ تین طلاقوں کے ساتھ طلاق والی ہے۔ (یہ کلام) لعان کے بعد کہا ہے اور یہ جدائی طلاق بائن ہوگی امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک کیونکہ قاضی کا فعل اس مرد کی طرف منسوب ہوگا، جیسے عنین میں۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب میاں بیوی نے لعان کرلیا تو محض لعان کرنے سے فرقت واقع نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان قاضی تفریق کرے۔ چنانچہ قاضی کی تفریق سے پہلے اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مر گیا تو دوسرا اس کا وارث ہوگا اور اگر اس مرد نے ظہار کیا یا اس کو طلاق دی تو ظہار اور طلاق واقع ہو جائیں گے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ محض لعان کرنے سے فرقت واقع ہو جائے گی۔ قضا قاضی کی چنداں ضرورت نہیں یہی امام مالکؒ کا مذہب ہے۔

امام زفرؒ کی دلیل حدیث موقوف المتلاعنان لایجتمعان ابدًا ہے۔ یعنی لعان کرنے والے میاں بیوی کبھی اکٹھا نہیں ہو سکتے۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ محض تلاعن سے فرقت واقع ہوگئی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ لعان کی وجہ سے حرمت کا ثابت ہونا امساک بالمعروف کو فوت کر دیتا ہے۔ پس شوہر پر تسریح بالاحسان واجب ہوگا۔ مگر جب شوہر تسریح بالاحسان سے رک گیا تو قاضی عورت سے ظلم دور کرنے کی خاطر شوہر کے قائم مقام ہو کر تسریح بالاحسان (تفریق) کر دے گا۔ پس ثابت ہوگیا کہ تفریق قاضی ضروری ہے۔

اور ہمارے مذہب کی تائید عویمر عجلانیؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے واقعہ یہ ہے کہ عویمر اور ان کی بیوی نے لعان کیا پھر لعان سے فراغت کے بعد مدنی آقا کے دربار میں آ کر عویمر کہنے لگے اللہ کے رسول میں نے اپنی بیوی کے بارے میں جو کچھ کہا سب جھوٹ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو پھر اس کو روک لو یعنی نکاح میں باقی رکھو۔ یہ سن کر عویمر نے کہا اگر میں اس کو روکوں تو اس کو تین طلاقیں ہیں۔ یہ باتیں لعان کے بعد ہوئیں اور حضور ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اگر محض لعان کرنے سے فرقت واقع ہو جاتی تو حضور ﷺ نکیر فرماتے اور فرماتے کہ اب جھٹلانے سے کوئی فائدہ نہیں، اس لئے کہ محض لعان کرنے سے تفریق واقع ہو جاتی ہے پس اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ محض لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی۔

اور لعان کرنے سے جو فرقت حاصل ہوگی طرفین کے نزدیک وہ طلاق بائن ہے دلیل یہ ہے کہ قاضی کا تفریق کرنا شوہر کی طرف منسوب ہوگیا ہے جیسے ایک سال کی مہلت کے بعد قاضی اگر عنین (نامرد) اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دے تو یہ تفریق طلاق بائن واقع ہوتی ہے ایسے ہی یہاں بھی تفریق قاضی سے جو فرقت ہوئی ہے وہ طلاق بائن ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس تفریق سے مقصود عورت سے ظلم دور کرنا ہے اور یہ مقصود بغیر طلاق بائن کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ نیز مسلم نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے فرمایا اللعان تطلیقة بائنة واللہ اعلم۔

جو شخص اپنے آپ کو جھٹلا دے اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَهُوَ خَاطِبٌ اِذَا اَكْذَبَ نَفْسَهُ عِنْدَ هُمَا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ هُوَ تَحْرِيْمٌ مُؤَبَّدٌ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْمُتَلَاعِنَانِ لَايَجْتَمِعَانِ اَبَدًا نَصٌّ عَلَى التَّابِيْدِ وَلَهُمَا اَنَّ الْاِكْذَابَ رُجُوْعٌ وَالشَّهَادَةُ بَعْدَ الرُّجُوْعِ لَاحُكْمَ لَهَا وَلَايَجْتَمِعَانِ مَا دَامَا مُتَلَاعِنَيْنِ وَلَمْ يَبْقَ التَّلَاعُنُ وَلَاحُكْمُهٗ بَعْدَ الْاِكْذَابِ فَيَجْتَمِعَانِ

ترجمہ...... اور یہ شخص جب اپنے آپ کو جھٹلا دے تو طرفین کے نزدیک (اس عورت سے) نکاح کر سکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ دائمی حرمت ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعان کرنے والے میاں بیوی کبھی جمع نہ ہوں گے یہ) دائمی حرمت پر نص ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اپنے آپ کو جھٹلانا (اپنے قول سے) رجوع کرنا ہے اور رجوع کے بعد شہادت کا کوئی حق نہیں رہتا ہے اور نہیں جمع ہوں گے جب تک وہ دونوں لعان کرنے والے ہیں اور اپنے آپ کو جھٹلانے کے بعد نہ لعان باقی رہا اور نہ اس کا حکم تو اب دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

تشریح...... اس عبارت میں ایک مستقل مسئلہ مذکور ہے۔ وہ یہ کہ لعان کرنے والے شخص نے تفریق قاضی کے بعد جب اپنے آپ کو جھٹلایا یعنی اپنے قول سے رجوع کیا تو اس پر حد قذف واجب ہوگی۔ لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ اپنی متلاعنہ بیوی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں تو اس بارے میں طرفین کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح اس کے لیے بھی جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ باہمی لعان کرنے سے حرمت موبدہ ثابت ہو جاتی ہے لہٰذا یہ عورت اس کے لیے ہمیشہ حرام رہے گی۔ یہی قول ہے امام زفرؒ، حسنؒ اور امام شافعیؒ کا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے المتلاعنان لا يجتمعان ابدا یعنی لعان کرنے والے میاں، بیوی کبھی جمع نہ ہوں گے اس حدیث میں دائمی حرمت پر صراحت کی گئی ہے۔

طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر کا اپنے آپ کو جھٹلانا اپنے قول سے رجوع کرنا ہے اور رجوع کرنے کے بعد شہادت کا حکم باطل ہو جاتا ہے اور حدیث کا مطلب بھی یہ ہے کہ جب تک وہ دونوں لعان کرنے والے ہیں تو جمع نہیں ہو سکتے اور اپنے آپ کو جھٹلانے کے بعد نہ باہمی لعان باقی رہا اور نہ اس کا حکم۔

اپنی تکذیب کے بعد حقیقت لعان کا باقی نہ رہنا تو ظاہر ہے اور لعان کا حکم اس لئے باقی نہیں رہا کہ جب اس نے اپنی تکذیب کی تو اس پر حد واجب ہو گئی لہٰذا لعان کی اہلیت ہی باطل ہو گئی اور جب اہلیت لعان باطل ہو گئی تو اس کا حکم ہی باطل ہو گیا۔ اس وجہ سے دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

اگر تہمت بچے کی نفی کی ہو قاضی بچے کے نسب کی نفی کر دے اور بچے کو ماں کے ساتھ لاحق کر دے اور لعان کی صورت

وَلَوْ كَانَ الْقَذْفُ بِنَفْيِ الْوَلَدِ نَفَى الْقَاضِيْ نَسَبَهٗ وَ اَلْحَقَهٗ بِاُمِّهٖ وَصُوْرَةُ اللِّعَانِ اَنْ يَّاْمُرَ الْحَاكِمُ الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ بِاللّٰهِ اِنِّيْ لَمِنَ الصَّادِقِيْنَ فِيْمَا رَمَيْتُكِ بِهٖ مِنْ نَفْيِ الْوَلَدِ وَكَذَا فِيْ جَانِبِ الْمَرْاَةِ

ترجمہ...... اور اگر تہمت لگانا بچہ کی نفی کرنے کے ذریعہ سے ہے تو قاضی اس بچہ کے نسب کی نفی کر دے گا اور اس بچہ کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کرے گا اور لعان کی صورت یہ ہوگی کہ حاکم اس مرد کو حکم دے وہ کہے کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ میں سچ بولنے والوں میں سے ہوں۔ اس بات میں کہ میں نے تجھ کو بچہ کی نفی کرنے کا عیب لگایا اور یہی عورت کی جانب میں ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب اس طرح لگایا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے۔ تو لعان کے بعد قاضی بچہ کا نسب اس مرد سے نفی کر دے گا اور بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کرے گا اور اس میں لعان کی صورت یہ ہے کہ حاکم اس مرد کو حکم دے کہ وہ یہ کہے میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بچہ کی نفی کر کے جو زنا کا عیب لگایا اس میں میں سچا ہوں اور عورت یوں کہے گی کہ میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دیتی ہوں کہ تو نے جو مجھے بچہ کی نفی کا عیب لگایا اس بات میں تو جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔

اگر تہمت زنا کی ہو اور بچے کی نفی کرے تو لعان میں دو باتوں کا تذکرہ کیا جائے پھر قاضی اس بچے کے نسب کی نفی کرے اور ماں کے ساتھ لاحق کرے

وَ لَوْ قَذَفَهَا بِالزِّنَا وَ نَفْيِ الْوَلَدِ ذَكَرَ فِي اللِّعَانِ الْاَمْرَيْنِ ثُمَّ يَنْفِي الْقَاضِيْ نَسَبَ الْوَلَدِ وَيُلْحِقُهُ بِاُمِّهٖ لِمَارُوِيَ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَفٰى وَلَدَ امْرَاَةِ هِلَالِ بْنِ اُمَيَّةَ عَنْ هِلَالٍ وَاَلْحَقَهُ بِهَا وَلِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰذَا اللِّعَانِ نَفْيُ الْوَلَدِ فَيُوَفِّرُ عَلَيْهِ مَقْصُوْدَهُ فَيَتَضَمَّنُهُ الْقَضَاءُ بِالتَّفْرِيْقِ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ الْقَاضِيْ يُفَرِّقُ وَيَقُوْلُ قَدْ اَلْزَمْتُهُ اُمَّهُ وَاَخْرَجْتُهُ مِنْ نَسَبِ الْاَبِ لِاَنَّهُ يَنْفَكُّ عَنْهُ فَلَابُدَّ مِنْ ذِكْرِهٖ

ترجمہ...... اور اگر شوہر نے بیوی کو زنا کا اور بچہ کی نفی کا عیب لگایا تو لعان میں دونوں باتیں ذکر کی جاویں پھر قاضی اس بچہ کے نسب کی نفی کر کے اس کی ماں کے ساتھ ملحق کرے۔ کیونکہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کی بیوی کے بچہ (کا نسب) ہلال سے قطع کر کے اس کی ماں سے لاحق کیا اور اس لئے بھی کہ اس لعان سے مقصود یہ ہے کہ بچہ کی نفی ہو تو شوہر کا مقصود اس سے پورا حاصل ہو جائے گا پس جدا کرنے کا فیصلہ اس کو شامل ہوگا اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ قاضی تفریق کرے اور یہ کہ میں نے بچہ اس کی ماں کو لازم کیا اور باپ کے نسب سے اس کو خارج کیا کیوں کہ بچہ کی نفی تفریق سے جدا ہو جاتی ہے اس لئے اس کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب لگایا اور بچہ کی نفی کرتے ہوئے کہا یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے تو لعان میں دونوں باتیں ذکر کی جاویں پھر قاضی باپ سے اس بچہ کے نسب کی نفی کر کے اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دے۔

دلیل وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ خادم آپ کی دلچسپی کے لیے پوری حدیث نقل کرتا ہے۔

قال جاء هلال بن اميه وهو احد الثلاثة الذين تاب الله عليهم فجاء من ارضه عشاءً فوجد عنه اهله رجلا فرأى بعينه و سمع باذنيه فلم يهجه حتىٰ اصبح ثم غدا علىٰ رسول الله ﷺ فقال يا رسول الله انى جئت اهلى عشاء فوجدت عندهم رجلا فرأيت بعينى و سمعت باذنى فكره رسول الله ﷺ ما جاء به واشتد عليه فنزلت والذين يرمون ازواجهم و لم يكن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم......الأيتين كلتيهما فسرى عن رسول الله ﷺ فقال ابشر يا هلال قد جعل الله لك فرجا و مخرجا قال هلال قد كنت ارجو ذلك من ربى فقال رسول الله ﷺ ارسلوا اليها فجائت فتلا عليها رسول الله ﷺ و ذكرهما اخبرهما ان عذاب الأخرة اشد من عذاب الدنياء فقال هلال والله لقد صدقت عليها فقالت قد كذب فقال رسول الله ﷺ لاعنوا بينها فقيل لهلال اشهد فشهد اربع شهادات بالله انه من الصادقين فلما كانت الخمسة قيل يا

هلال اتق الله فان عقاب الدنيا اهون من عذاب الأخرة. و ان هٰذه الموجبة التي توجب عليك والعذاب فقال والله لا يعذبني الله عليها كما لم يجدني عليها فشد الخامسة ان لعنة الله عليه ان كان من الكاذبين ثم قيل لها اشهدي فشهدت اربع شهادات بالله انه من الكاذبين فلما كانت الخامسة قيل لها اتقي الله فان عذاب الدنيا اهون من عذاب الأخرة و ان هٰذه الموجبة التي توجب عليك العذاب فتلكات ساعة ثم قالت والله لا افضح قومي فشهدت الخامسة ان غضب الله عليها ان كان من الصادقين ففرق رسول الله ﷺ بينهما و قضىٰ ان لا يدعىٰ و لدها لاب و لا ترمىٰ و لا يعمىٰ ولدها و من رماها او رمىٰ ولدها فعليه الحد و قضىٰ ان لا بيت لها عليه و لا قوة من رجل انهما يفترقان من غير طلاق و لا متوفى عنها و قال ان جائت به اصيهب اريصح، اثيج حمس الساقين فهو لهلال فان جاء ت به اورق جعدا جماليًا خدلج الساقين سابغ الا ليتين فهو للذى رميت به فجائت به اورق جعدا جماليا خدلج الساقين سابغ الا ليتين فقال رسول الله ﷺ لولا الا يمان لكان لي ولها شان قال عكرمة فكان بعد ذلك اميرًا علىٰ مصر و ما يدعىٰ للاب. (ابو داود ج ۱ ص ۳۰۷)

ترجمہ:..... ابن عباس ﷺ سے روایت ہے فرمایا کہ ہلال بن امیہ آیا اور وہ تین میں سے ایک ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کی ہے یہ رات کو اپنے کھیت سے آیا پس اس نے اپنی بیوی کے پاس ایک مرد پایا جس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا۔ پس صبح تک کچھ نہیں بولے۔ پھر صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر کہنے لگے اے اللہ کے رسول میں رات اپنے گھر آیا تو میں نے وہاں ایک مرد کو پایا۔ پس میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امر ناگوار اور دشوار گزرا تو **والذين يرمون ازواجهم ولم يكن لهم شهداء الا انفسهم فشهادة احدهم** ۔ دو آیتیں اتریں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کی کیفیت کھول دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہلال تجھ کو بشارت ہو کہ اللہ نے تیرے لئے گنجائش نکال دی۔ ہلال نے کہا یا رسول اللہ مجھ کو اپنے پروردگار سے یہی امید تھی۔ پھر آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیج کر ان کی بیوی کو بلایا۔ پس وہ آئی تو آپ نے دونوں کو آیات پڑھ کر سنائیں اور ان کو نصیحت فرمائی اور آگاہ کیا کہ عذاب آخرت دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔ ہلال نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بخدا میں نے اس پر سچ کہا ہے۔ وہ عورت بولی (کہ نہیں بلکہ) جھوٹ ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں میں لعان کراؤ۔ پس ہلال سے کہا گیا کہ شہادت دے۔ اس نے اللہ کی قسم کے ساتھ چار گواہیاں دیں کہ وہ سچ بولنے والوں میں سے ہے۔ پھر جب پانچویں بار کی نوبت آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ہلال اللہ تعالیٰ سے تقویٰ رکھیو کیونکہ دنیا کا عذاب بہ نسبت آخرت کے عذاب کے آسان ہے اور یہ پانچواں کلمہ عذاب کا واجب کرنے والا ہے۔

ہلال نے عرض کیا کہ واللہ مجھ کو اللہ تعالیٰ اس کلمہ پر عذاب نہیں فرمائے گا۔ جیسے مجھ کو اس کلمہ پر کوڑے نہیں لگوائے۔ پس پانچویں بار گواہی دی کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ پھر اس عورت سے کہا گیا کہ تو گواہی دے، اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ چار گواہیاں دیں۔ کہ یہ مرد جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔ پھر جب پانچویں کلمہ کی باری آئی تو اس عورت سے کہا گیا کہ تو اللہ سے ڈر۔ کیونکہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور یہ کلمہ تیرے اوپر عذاب واجب کرنے والا ہے۔ پس وہ ایک ساعت ٹھٹکی پھر بولی کہ واللہ میں ہمیشہ کے واسطے اپنی قوم کو رسوا نہ کروں گی۔ پس پانچواں کلمہ ادا کیا کہ اگر یہ مرد سچ بولنے والوں میں سے ہو تو اس

پر اللہ کا غضب ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں جدائی کر دی اور حکم دے دیا کہ اس کا بچہ کسی باپ کی طرف منسوب نہ ہو اور اس عورت کو یا اس کے بچہ کو عیب نہ لگایا جائے اور جو اس عورت کو یا اس کے بچہ کو عیب لگائے گا اس پر حد واجب ہوگی اور آپ ﷺ نے فیصلہ صادر فرمایا کہ اس عورت کے واسطے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے اس وجہ سے ان دونوں کی جدائی بغیر طلاق اور بغیر وفات کے واقع ہوئی ہے اور آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے جنا (ایسا بچہ) جو مائل بسرخی ہو۔ قریب قریب سرین والا ہو۔ چوڑی پیٹھ والا ہو، باریک پنڈلیوں والا ہو تو وہ ہلال بن امیہ کا ہے اور اگر وہ جنے (ایسا بچہ) جو خاکستری رنگ کا ہو، گھنگھریالے بال والا ہو تام الخلقت ہو پر گوشت پنڈلیوں والا اور بڑے چوتڑوں والا ہو تو وہ اس کا ہے جس کے ساتھ زنا کا عیب لگایا ہے۔ پھر اس نے جنا خاکستری رنگ کا، گھنگھریالے بالوں والا، تام الخلقت، پر گوشت پنڈلیوں والا، اور بڑے چوتڑوں والا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایمان یعنی لعان کا حکم نہ آ گیا ہوتا تو میرے لئے اور اس کے لیے ایک شان ہوتی۔ عکرمہؒ نے کہا وہ بچہ اس کے بعد مصر کا حاکم مقرر کیا گیا۔ حالانکہ کسی باپ کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا تھا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بچہ کی باپ سے نفی کر کے ماں کی طرف بچہ منسوب کیا جائے گا۔ دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ اس لعان سے مقصود یہ ہے کہ بچہ کے نسب کی نفی ہو۔ پس شوہر کا مقصود اس سے پورا پورا حاصل ہو جائے گا اور دونوں میں تفریق کا حکم دینے میں یہ مقصود بھی شامل ہے لہٰذا قاضی کے لیے بچہ کی نفی کرنے کے واسطے علیحدہ الفاظ لانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

اور امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ قاضی زوجین کے درمیان تفریق کرے اور صراحۃً کہے میں نے بچہ کو اس کے باپ کے نسب سے نکال کر اس کی ماں کے ساتھ لازم کر دیا۔

ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تفریق باللعان کے لیے نفی ولد ضروری نہیں۔ کیونکہ نفی ولد تفریق سے جدا ہو جاتا ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ قاضی صراحتاً نسب کی نفی کرے۔

اگر شوہر نے رجوع کیا اور اپنے نفس کی تکذیب کی قاضی اس کے اقرار کی وجہ سے حد جاری کرے اور اس کے لیے نکاح کرنا حلال ہے

فَاِنْ عَادَ الزَّوْجُ وَاَكْذَبَ نَفْسَهٗ حَدَّهُ الْقَاضِيْ لِاِقْرَارِهٖ بِوُجُوْبِ الْحَدِّ عَلَيْهِ وَحَلَّ لَهٗ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا وَهٰذَا عِنْدَهُمَا لِاَنَّهٗ لَمَّا حُدَّ لَمْ يَبْقَ اَهْلَ اللِّعَانِ فَارْتَفَعَ حُكْمُهُ الْمَنُوْطُ بِهٖ وَهُوَ التَّحْرِيْمُ وَكَذٰلِكَ اِنْ قَذَفَ غَيْرَهَا فَحُدَّ بِهٖ لِمَا بَيَّنَّا وَكَذَا اِذَا زَنَتْ فَحُدَّتْ لِاِنْتِفَاءِ اَهْلِيَّةِ اللِّعَانِ مِنْ جَانِبِهَا

ترجمہ...... پھر اگر شوہر نے رجوع کیا اور اپنے آپ کو جھٹلایا تو قاضی اس کو حد قذف مارے۔ کیونکہ اس نے اپنے اوپر حد واجب ہونے کا اقرار کیا ہے اور اس مرد کے لیے حلال ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کر لے اور یہ امام ابو حنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ جب اس کو حد ماری گئی تو وہ لعان کے لائق نہیں رہا۔ پس جو حکم اس کے ساتھ متعلق تھا وہ بھی اٹھ گیا اور وہ حکم تحریم ہے اور اسی طرح اگر مرد نے اپنی بیوی کے علاوہ کو زنا کی تہمت لگائی جس کی وجہ سے اس کو حد ماری گئی (تو بھی اس کو جائز ہے کہ اس عورت سے نکاح کر لے) اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔

اور ایسے ہی جب عورت نے زنا کیا، پھر اس کو حد لگائی گئی۔ کیونکہ عورت کی جانب سے لعان کی لیاقت منتفی ہوئی۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر لعان کے بعد شوہر نے اپنے قول سے رجوع کیا اور اپنی تکذیب کی، تو قاضی اس کو حد قذف مارے گا دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنے اوپر حد قذف کے واجب ہونے کا اقرار کر لیا ہے پس اس کے اقرار کی وجہ سے اس کو حد قذف ماری جائے گی اور اپنے آپ کو جھٹلانے کے بعد شوہر اس عورت کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے مگر یہ جواز نکاح کا حکم طرفین کے نزدیک ہے۔

دلیل یہ ہے کہ جب شوہر کو حد قذف لگادی گئی تو اس میں لعان کی لیاقت ہی باقی نہ رہی پس جب لعان کی لیاقت نہ رہی تو تحریم کا حکم جو اس کے ساتھ متعلق تھا وہ بھی مرتفع ہو گیا۔ اس لئے اس عورت کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا درست ہوگا۔

اور اسی طرح اگر اس شخص نے کسی اجنبیہ عورت کو زنا کی تہمت لگائی پھر اس شخص کو حد قذف ماری گئی تو بھی اس شخص کے لیے جائز ہے کہ اس عورت کے ساتھ نکاح کر لے۔ دلیل سابق میں گزر چکی ہے اور یہی حکم اس وقت ہے کہ میاں بیوی نے نکاح کے بعد اور دخول سے پہلے لعان کیا پھر لعان کے بعد اس عورت نے زنا کیا اور زنا کی وجہ سے اس کو حد زنا (کوڑے) ماری گئی تو اس شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کر لے۔ دلیل یہ ہے کہ جب عورت کو حد زنا ماری گئی تو اس عورت میں لعان کی لیاقت نہیں رہی اور جب لعان کی لیاقت نہیں رہی تو لعان کا حکم (تحریم جو اس کے ساتھ متعلق تھی) بھی مرتفع ہو گیا اور جب لعان کا حکم یعنی تحریم مرتفع ہو گئی تو نکاح بھی درست ہوگا۔

جب صغیرہ یا مجنونہ بیوی کو قذف کیا ان دونوں میں لعان نہیں ہے

وَاِذَا قَذَفَ اِمْرَاَتَهُ وَهِيَ صَغِيْرَةٌ اَوْ مَجْنُوْنَةٌ فَلَالِعَانَ بَيْنَهُمَا لِاَنَّهُ لَايُحَدُّ قَاذِفُهَا لَوْكَانَ اَجْنَبِيًّا فَكَذَا لَايُلَاعِنُ الزَّوْجُ لِقِيَامِهٖ مَقَامَهُ وَكَذَا اِذَاكَانَ الزَّوْجُ صَغِيْرًا اَوْمَجْنُوْنًا لِعَدَمِ اَهْلِيَّةِ الشَّهَادَةِ وَقَذْفُ الْاَخْرَسِ لَايَتَعَلَّقُ بِهِ اللِّعَانُ لِاَنَّهُ يَتَعَلَّقُ بِالصَّرِيْحِ كَحَدِّ الْقَذْفِ وَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ وَهٰذَا لِاَنَّهُ لَايَعْرِىْ عَنِ الشُّبْهَةِ وَالْحُدُوْدُ تَنْدَرِئُ بِهَا

ترجمہ...... اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب لگایا حالانکہ وہ بچی ہے، یا دیوانی ہے تو ان دونوں میں لعان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں ماری جاتی اگر چہ اجنبی ہو۔ پس ایسے ہی شوہر سے لعان نہ کرایا جائے اس لئے کہ لعان حد قذف کے قائم مقام ہے۔

اور ایسے ہی جب شوہر بچہ ہو یا دیوانہ ہو (تو بھی لعان نہیں) کیونکہ شوہر میں شہادت کی لیاقت نہیں ہے۔

اور گونگے کا تہمت لگانا اس کے ساتھ بھی لعان متعلق نہ ہوگا۔ کیونکہ لعان صریح قذف سے متعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ حد قذف اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور یہ اس لئے کہ گونگے کا کہنا شبہ سے خالی نہیں اور حدود شبہات کی وجہ سے دور کر دی جاتی ہیں۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب لگایا درانحالیکہ وہ نابالغہ بچی ہے یا پاگل ہے تو ان دونوں میاں بیوی میں لعان نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ صغیرہ اور مجنونہ کے قاذف کو حد نہیں ماری جاتی، اگر چہ ان کا قاذف اجنبی مرد ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ لعان کے شرائط میں سے یہ ہے کہ عورت ایسی ہو جس کے قاذف کو حد قذف ماری جائے۔ پس اسی طرح شوہر سے لعان کا مطالبہ نہیں ہوگا کیونکہ لعان حد قذف کے قائم مقام ہے۔

اور یہی حکم اس وقت ہے جب کہ شوہر نابالغ بچہ ہو یا پاگل ہو کیونکہ یہ دونوں شریعت کے مخاطب نہ ہونے کی وجہ سے شہادت کی لیاقت نہیں رکھتے ہیں۔ حالانکہ لعان کے واسطے ضروری ہے کہ زوجین شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں۔

اور اگر گونگے نے اپنی بیوی کو زنا کا عیب لگایا تو اس سے بھی لعان متعلق نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ لعان صریح قذف سے متعلق ہوتا ہے جیسا کہ حد قذف صریح قذف سے واجب ہوتی ہے۔ اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ گونگے کا اشارہ ایسا ہے جیسا کہ بولنے والے کا کلام کرنا اور گونگے کے اشارے سے لعان کا واجب نہ ہونا اس لئے ہے کہ گونگے کے زنا کا عیب لگانے میں شبہ موجود ہے اور شبہات کی وجہ سے حدود دور کر دی جاتی ہیں۔

شوہر نے کہا لیس حملك منی لعان نہیں ہوگا

وَاِذَا قَالَ الزَّوْجُ لَيْسَ حَمْلُكِ مِنِّيْ فَلَا لِعَانَ وَهٰذَا قَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَزُفَرَ لِاَنَّهُ لَايُتَيَقَّنُ بِقِيَامِ الْحَمْلِ فَلَمْ يَصِرْ

قَاذِفًا وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ اللِّعَانُ يَجِبُ بِنَفْيِ الْحَمْلِ اِذَاجَاءَ تْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ وَهُوَ مَعْنٰى مَا ذُكِرَ فِي الْاَصْلِ لِاَنَّا تَيَقَّنَّا بِقِيَامِ الْحَمْلِ عِنْدَهٗ فَيَتَحَقَّقُ الْقَذْفُ قُلْنَا اِذَا لَمْ يَكُنْ قَذْفًا فِي الْحَالِ يَصِيْرُ كَالْمُعَلَّقِ بِالشَّرْطِ فَيَصِيْرُ كَاَنَّهٗ قَالَ اِنْ كَانَ بِكِ حَمْلٌ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَالْقَذْفُ لَا يَصِحُّ تَعْلِيْقُهٗ بِالشَّرْطِ

ترجمہ...... اور اگر شوہر نے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو لعان نہ ہوگا اور یہ ابوحنیفہ اور زفرؒ کا قول ہے کیونکہ وجود حمل کا یقین نہیں ہے پس وہ قاذف نہیں ہوگا اور ابویوسفؒ اور محمدؒ نے فرمایا کہ حمل کی نفی کرنے سے لعان واجب ہوگا۔ جب کہ وہ چھ ماہ سے کم میں بچہ لائی اور یہ معنی ہیں اس کے جو مبسوط میں مذکور ہے۔ کیونکہ قذف کے وقت ہم کو حمل کے موجود ہونے کا یقین ہو گیا۔ پس قذف متحقق ہو گیا۔

ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ جب تہمت لگانا فی الحال نہ ہوا تو ایسا ہوا جیسے کسی شرط پر معلق کیا گیا پس گویا اس نے کہا اگر تجھے حمل ہو تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ حالانکہ قذف کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرا حمل مجھ سے نہیں ہے تو اس سے نہ لعان واجب ہوگا اور نہ حد اور یہ لعان واجب نہ ہونا امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کا قول ہے اور یہی قول ہے امام احمدؒ کا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر اس عورت نے تہمت لگانے کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو حمل کی نفی کر دینے سے لعان واجب ہو جائے گا اور یہ چھ ماہ سے کم کی قید مبسوط میں بھی مذکور ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت حمل کی نفی کی گئی اس وقت حمل کا ہونا یقینی نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ پیٹ میں ہوا ابھری ہو جس کو حمل خیال کیا اس وجہ سے شوہر تہمت لگانے والا شمار نہیں ہوگا اور جب قذف ثابت نہیں ہوا تو لعان واجب نہیں ہوگا۔

اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب قذف کرنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو ہم کو یقین ہو گیا کہ قذف کے وقت حمل موجود تھا تو تہمت لگانا پایا گیا اور جب تہمت لگانا پایا گیا تو شوہر پر لعان واجب ہوگا۔

مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہوگا کہ شوہر کا قول لیس حملك منی فی الحال تو قذف نہیں ہوا کیونکہ فی الحال وجود حمل متیقن نہیں ہے۔ پس ایسا ہو گیا جیسا کہ شرط پر معلق کیا گیا شوہر نے کہا ان کان بك حمل فلیس منی یعنی اگر تو حاملہ ہے تو وہ حمل مجھ سے نہیں اور قذف کو شرط پر معلق کرنا درست نہیں ہے اس لئے کہ یہ قذف نہیں ہوگا اور جب قذف نہیں ہوا تو لعان بھی واجب نہیں ہوگا۔

اگر کہا زنیت وھذا الحبل من الزناء دونوں لعان کریں

فَاِنْ قَالَ لَهَا زَنَيْتِ وَهٰذَا الْحَبَلُ مِنَ الزِّنَاءِ تَلَاعَنَا لِوُجُوْدِ الْقَذْفِ حَيْثُ ذَكَرَ الزِّنَاءَ صَرِيْحًا وَلَمْ يَنْفِ الْقَاضِيْ الْحَمَلَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَنْفِيْهِ لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَام نَفَى الْوَلَدَعَنْ هِلَالٍ وَقَدْقَذَفَهَا حَامِلًا وَلَنَا اَنَّ الْاَحْكَامَ لَاتَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ اِلَّابَعْدَ الْوِلَادَةِ لِتَمَكُّنِ الْاِحْتِمَالِ قَبْلَهٗ وَالْحَدِيْثُ مَحْمُوْلٌ عَلٰى اَنَّهٗ عَرَفَ قِيَامَ الْحَبَلِ بِطَرِيْقِ الْوَحْيِ

ترجمہ...... اور اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے، تو دونوں لعان کریں قذف کے پائے جانے کی وجہ سے۔ کیونکہ اس نے زنا کا لفظ صراحتاً ذکر کیا ہے اور قاضی حمل کو (اس مرد سے) نفی نہ کرے گا اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ حمل کی نفی کرے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے بچہ کی نفی کی۔ حالانکہ ہلال نے اس عورت کو حاملہ ہونے کی حالت میں عیب لگایا تھا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل پر حکم

مرتب نہیں ہوتا مگر پیدا ہونے کے بعد کیونکہ پیدا ہونے سے پہلے احتمال موجود ہے۔ (کہ شاید حمل نہ ہو) اور حدیث اس بات پر محمول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل موجود ہونا وحی کے ذریعہ معلوم کر لیا تھا۔

تشریح ..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل زنا سے ہے تو اس صورت میں میاں بیوی دونوں لعان کریں گے دلیل یہ ہے کہ صراحتاً لفظ زنا مذکور ہونے کی وجہ سے زنا کا عیب لگانا پایا گیا۔ البتہ قاضی اس حمل کے نسب کی نفی نہیں کرے گا اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قاضی حمل کے نسب کی نفی کر دے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے عورت کے بچہ کی نفی کی تھی، حالانکہ ہلال نے اس عورت کو حاملہ ہونے کی حالت میں عیب لگایا تھا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ کی نفی کرنا بچہ کے احکام میں سے ایک حکم ہے اور احکام ولد مرتب ہوتے ہیں ولادت کے بعد نہ کہ ولادت سے پہلے اس لئے کہ ولادت سے پہلے شبہ موجود ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ حمل نہ ہو بلکہ مرض سے خون جم گیا ہو۔

اور حدیث ہلال کا جواب یہ ہے کہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حمل موجود وحی کے ذریعہ سے معلوم کر لیا تھا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بچہ ایسی اور ایسی شکل کا ہو تو ہلال کا ہے اور اگر ایسی اور ایسی شکل کا ہو تو شریک بن شحماء کا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات بطریق وحی ہی کہی جا سکتی ہے۔

جب مرد نے اپنی بیوی کے بچے کی نفی کر دی ولادت کے بعد یا مبارکباد قبول کرنے کے وقت یا آلۂ ولادت خریدتے وقت اس کی نفی صحیح ہے اور اس کے ساتھ لعان کرے گا اور اگر ان امور کے بعد نفی کی تو لعان کرے گا اور نسب ثابت ہوگا

وَ اِذَا نَفَى الرَّجُلُ وَلَدَامْرَأَتِهٖ عَقِيْبَ الْوِلَادَةِ اَوْفِى الْحَالَةِ الَّتِىْ تُقْبَلُ التَهْنِيَةُ وَتُبْتَاعُ اٰلَةُ الْوِلَادَةِ صَحَّ نَفْيُهٗ وَلَاعَنَ بِهٖ وَاِنْ نَفَاهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لَاعَنَ وَيَثْبُتُ النَّسَبُ هٰذَا عِنْدَاَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ يَصِحُّ نَفْيُهٗ فِىْ مُدَّةِ النِّفَاسِ لِاَنَّ النَّفْىَ يَصِحُّ فِىْ مُدَّةٍ قَصِيْرَةٍ وَلَايَصِحُّ فِىْ مُدَّةٍ طَوِيْلَةٍ فَفَصَّلْنَا بَيْنَهُمَا بِمُدَّةِ النِّفَاسِ لِاَنَّهٗ اَثَرُالْوِلَادَةِ وَلَهٗ اَنَّهٗ لَا مَعْنٰى لِلتَّقْدِيْرِلِاَنَّ الزَّمَانَ لِلتَّاَمُّلِ وَ اَحْوَالُ النَّاسِ فِيْهِ مُخْتَلِفَةٌ فَاعْتَبَرْ نَامَايَدُلُّ عَلَيْهِ وَهُوَقُبُوْلُهُ التَّهْنِيَةَ اَوْسُكُوْتُهٗ عِنْدَ التَّهْنِيَةِ اَوْاِبْتِيَاعُهٗ مَتَاعَ الْوِلَادَةِ اَوْمَضِىُّ ذٰلِكَ الْوَقْتِ وَهُوَمُمْتَنِعٌ عَنِ النَّفْىِ وَلَوْكَانَ غَائِبًا وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْوِلَادَةِ ثُمَّ قَدِمَ تُعْتَبَرُالْمُدَّةُ الَّتِىْ ذَكَرْنَا هَاعَلَى الْاَصْلَيْنِ

ترجمہ ..... اور اگر مرد نے اپنی بیوی کے بچہ کے پیدا ہونے کے بعد ہی یا جس حالت میں مبارکباد قبول کی جاتی ہے یا پیدائش کی چیزیں خریدی جاتی ہیں نفی کی تو نفی کرنا صحیح ہے اور اس کی وجہ سے لعان کرے گا اور اگر اس کے بعد نفی کی تو لعان کرے گا اور نسب ثابت رہے گا اور یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور ابو یوسف اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مدت نفاس میں نفی کرنا صحیح ہے اس لئے کہ نفی کرنا تھوڑی مدت میں صحیح ہوتا ہے اور دراز مدت میں صحیح نہیں ہوتا۔ تو ہم نے ان دونوں کے درمیان مدت نفاس کو فاصل بنایا۔ کیونکہ نفاس ولادت کا اثر ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مدت مقرر کرنے کے کچھ معنی نہیں اس واسطے کہ زمانہ تو غور و تامل کیلئے ہوتا ہے اور لوگوں کی حالتیں اس میں مختلف ہیں پس ہم نے ایسی چیز کا اعتبار کیا جو عدم نفی پر دلالت کرے اور وہ اس کا مبارکباد قبول کرنا یا مبارکبادی کے وقت اس کا خاموش رہنا یا اس کا سامان ولادت خریدنا۔ یا یہ وقت اس حال میں گذر گیا

کہ وہ نفی کرنے سے رک گیا اور اگر شوہر غائب ہے اور اس کو ولادت کا علم نہیں ہوا پھر وہ آیا تو وہ مدت معتبر ہوگی، جو ہم نے اصلین پر ذکر کی ہے۔

تشریح ...... اس عبارت میں ولد کی نفی کی چند صورتیں بیان کی گئیں ہیں (۱) پیدا ہوتے ہی اپنی بیوی کے بچہ کی نفی کر دی (۲) اس حالت میں نفی کی جب کہ بچہ کی پیدائش پر مبارکباد قبول کی جاتی ہے (۳) اس حالت میں نفی کی جب کہ ولادت کا سامان خریدا جاتا ہے۔ ان تینوں صورتوں میں نفی کرنا صحیح ہے۔ یعنی شوہر سے بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور اس نفی کرنے کی وجہ سے شوہر لعان کرے گا۔

اور اگر بچہ کی نفی ان اوقات کے بعد کی تو لعان کرے گا اور مرد سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ مدت نفاس کے اندر، اندر بچہ کی نفی کرنا صحیح ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تھوڑی مدت میں بچہ کی نفی کرنا صحیح ہے اور دراز مدت میں نفی کرنا صحیح نہیں ہے اور مدت قصیرہ اور مدت طویلہ کے درمیان فاصل مدت نفاس ہے یعنی مدت نفاس، مدت قصیرہ ہے اور اس سے زیادہ مدت طویلہ ہے اور مدت نفاس کو فاصل اس لئے قرار دیا کہ نفاس ولادت کا اثر ہے اور مبسوط میں ہے کہ مدت نفاس ولادت کی حالت کی طرح ہے یعنی اس مدت میں نہ نماز پڑھ سکتی ہے اور نہ روزہ رکھ سکتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مدت مقرر کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ زمانہ تامل اور غور و خوض کیلئے ہوتا ہے اور تامل اور غور کرنے میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں۔ اس لئے ہم نے ان چیزوں کا اعتبار نہیں کیا جو بچہ کی نفی نہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں اور وہ چیزیں جو بچہ کی نفی نہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں بچہ کی ولادت پر مبارکباد قبول کرنا یا مبارکبادی کے وقت خاموش رہنا یا ولادت کا سامان خریدنا یا اتنے وقت کا ایسی حالت میں گزر جانا کہ شوہر نے بچہ کی نفی نہیں کی یہ سب باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ شوہر بچہ کی پیدائش پر خوش ہے اور اس کو اپنا فرزند سمجھتا ہے اب اگر اس کے بعد نفی کرتا ہے تو یہ نفی کرنا درست نہیں ہوگا۔

اور اگر شوہر ولادت کے وقت موجود نہیں تھا اور اس کو ولادت کا علم بھی نہیں ہوا۔ پھر سفر سے واپس آیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک بچہ کی نفی کرنے میں اس وقت کا اعتبار ہوگا جو اصول کے طور پر انھوں نے بیان کی اور صاحبین کے نزدیک ان کے بیان کے مطابق مدت معتبر ہوگی۔

ایک حمل سے دو بچے جنے پہلے کی نفی کی اور دوسرے کا اعتراف کیا دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا

قَالَ وَإِذَا وَلَدَتْ وَلَدَيْنِ فِيْ بَطْنٍ وَاحِدٍ فَنَفَى الْأَوَّلَ وَاعْتَرَفَ بِالثَّانِيْ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا لِأَنَّهُمَا تَوْأَمَانِ خُلِقَا مِنْ مَاءٍ وَاحِدٍ وَحُدَّ الزَّوْجُ لِأَنَّهُ أَكْذَبَ نَفْسَهُ بِدَعْوَى الثَّانِيْ وَإِنِ اعْتَرَفَ بِالْأَوَّلِ وَنَفَى الثَّانِيْ يَثْبُتُ نَسَبُهُمَا لِمَا ذَكَرْنَا وَلَاعَنَ لِأَنَّهُ قَاذِفٌ بِنَفْيِ الثَّانِيْ وَلَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ وَالْإِقْرَارُ بِالْعِفَّةِ سَابِقٌ عَلَى الْقَذْفِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ إِنَّهَا عَفِيْفَةٌ ثُمَّ قَالَ هِيَ زَانِيَةٌ وَفِيْ ذٰلِكَ التَّلَاعُنِ كَذَا هٰذَا

ترجمہ ...... امام قدوریؒ نے فرمایا کہ جب بیوی نے دو بچوں کو ایک ہی پیٹ سے جنا۔ پس شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کی اور دوسرے بچہ کا اقرار کیا تو دونوں کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ یہ دونوں بچے جوڑواں ہیں۔ ایک ہی منی سے پیدا ہوئے اور شوہر کو حد قذف ماری جائے گی اس لئے کہ اس نے دوسرے بچے کے نسب کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو جھوٹا بتلایا اور اگر شوہر نے پہلے بچہ کا اقرار کیا اور دوسرے بچہ کی نفی کی تو دونوں کا نسب (اس سے) ثابت ہو جائے گا مذکورہ دلیل کی وجہ سے اور شوہر لعان کرے گا اس لئے کہ وہ دوسرے بچہ کی نفی کر کے (بیوی کو) تہمت لگانے والا ہے اور اپنے قول سے رجوع بھی نہیں کیا ہے اور بیوی کے عفیفہ اور پاکدامن ہونے کا اقرار تہمت لگانے سے مقدم ہے پس گویا اس نے یوں کہا کہ یہ عفیفہ ہے پھر کہا کہ یہ زانیہ ہے اور اس طرح کہنے میں باہمی لعان کرنا واجب ہوتا ہے ایسا ہی یہاں بھی۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نے ایک پیٹ سے دو بچے جنے۔ یعنی دونوں بچوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فصل ہے۔ پس اس عورت

کے شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کی نفی کر دی اور دوسرے بچے کا اقرار کیا تو اس شخص سے دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ دونوں بچے جڑواں ہیں ایک ہی منی سے پیدا ہوئے۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک بچہ اس کا ہو اور دوسرا اس کا نہ ہو۔ اس واسطے دونوں بچوں کا نسب اسی سے ثابت ہوگا۔ البتہ شوہر پر حد قذف ماری جائے گی۔ کیونکہ اس نے دوسرے بچہ کے نسب کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو جھوٹا بتلایا۔

اور اگر شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کا اقرار کیا اور دوسرے بچہ کے نسب کی نفی کی تو اس صورت میں بھی دونوں بچوں کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو ابھی ذکر کی ہے کہ دونوں بچے جڑواں ہیں۔ البتہ اس صورت میں شوہر پر لعان واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں شوہر نے تہمت لگائی مگر اس سے رجوع نہیں کیا۔

والاقرار بالعفة سے ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ پہلے بچہ کے ثبوت نسب کا اقرار دوسرے بچہ کی نفی کرنے کے بعد بھی باقی ہے۔ پس یہ سمجھا جائے گا کہ قذف کے بعد ابتداءً اقرار کیا ہے اور نفی ولد اور قذف کے بعد اقرار کرنے کی صورت میں حد واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا یہاں بھی حد واجب ہونی چاہیئے تھی۔ حالانکہ آپ نے لعان واجب کیا ہے۔

جواب..... شوہر نے پہلے بچہ کے نسب کا اقرار کر کے عورت کی عفت کا اقرار کیا ہے اور عفت کا اقرار حقیقتاً قذف پر مقدم ہے اور اعتبار حقیقت کا ہوتا ہے پس یہ ایسا ہو گیا گویا شوہر نے کہا کہ یہ عورت عفیفہ ہے پھر کہا کہ یہ زانیہ ہے اور اس صورت میں لعان واجب ہوتا ہے پس ایسے ہی یہاں بھی لعان واجب ہوگا اس جواب کے بعد مسئلہ بے غبار ہو جائے گا اللھم اغفرلی ولکاتبہ۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

باب العنین وغیرہ

ترجمہ..... (یہ) باب عنین وغیرہ (کے احکام کے بیان میں) ہے۔

تشریح..... مصنف علیہ الرحمہ نے ماسبق میں ان لوگوں کے احکام بیان فرمائے جو نکاح کے قابل ہوں اور اسکے بعد احکام طلاق ذکر کئے گئے اس باب میں ان لوگوں کے احکام مذکور ہیں جو نکاح کے قابل نہ ہوں۔ عنین وہ شخص ہے جو عورتوں پر قابو نہ پا سکے۔ قاضی خاں اور مرغینانی میں کہا گیا کہ عنین وہ شخص ہے جو وجود آلہ کے باوجود عورتوں پر قابو نہ پا سکے اور اگر ثیبہ عورت کے ساتھ وطی کرنے پر قدرت ہو باکرہ کے ساتھ نہ ہو۔ یا بعض کے ساتھ وطی کر سکتا ہے اور بعض کے ساتھ نہیں اور یہ بات کسی مرض کی وجہ سے پیدا ہوئی یا پیدائشی ضعف کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے یا جادو کی وجہ سے۔ تو یہ شخص جن عورتوں کے ساتھ وطی نہیں کر سکتا۔ ان کے حق میں عنین ہوگا اس لئے کہ ان کے حق میں مقصود فوت ہو گیا اور مغنی میں ہے کہ عنین وہ ہے جو داخل کرنے پر قادر نہ ہو اور محیط میں ہے کہ عنین وہ ہے جس کے آلہ میں حرکت نہ ہوتی ہو جیسے انگلی کہ اگر اس کو بدن میں لگایا جائے تو وہ نہ سکڑتی ہے اور نہ پھیلتی ہے۔

عینی شرح ہدایہ میں عنین کی شناخت یہ بیان کی گئی کہ ایک بڑے برتن میں ٹھنڈا پانی ڈال کر عنین کو اس میں بٹھلایا جائے اگر اس کا عضو تناسل سکڑ جائے تو یہ شخص عنین نہیں ہے اور اگر نہ سکڑے بلکہ سابقہ حالت پر باقی رہے تو یہ عنین ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جب زوج عنین ہو حاکم اسے ایک سال مہلت دے اگر قادر علی الجماع ہو گیا فبہا ورنہ دونوں میں تفریق کر دے یہی حکم عورت کے مطالبہ کا ہے

وَاِذَا كَانَ الزَّوْجُ عِنِّيْنًا اَجَّلَهُ الْحَاكِمُ سَنَةً فَاِنْ وَصَلَ اِلَيْهَا فِيْهَا وَاِلَّا فَرَّقَ بَيْنَهُمَا اِذَا طَلَبَتِ الْمَرْاَةُ ذٰلِكَ هٰكَذَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَلِاَنَّ الْحَقَّ ثَابِتٌ كَمَا فِي الْوَطْيِ وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ الْاِمْتِنَاعُ لِعِلَّةٍ

مُعْتَرِضَةٍ وَيَحْتَمِلُ لِآفَةٍ اَصْلِيَّةٍ فَلَابُدَّ مِنْ مُدَّةٍ مُعَرِّفَةٍ لِذٰلِكَ وَقَدَّرْنَاهَا بِالسَّنَةِ لِاشْتِمَالِهَا عَلَى الْفُصُوْلِ الْاَرْبَعَةِ فَاِذَا مَضَتِ الْمُدَّةُ وَلَمْ يَصِلْ اِلَيْهَا تَبَيَّنَ اَنَّ الْعَجْزَ بِآفَةٍ اَصْلِيَّةٍ فَفَاتَ الْاِمْسَاكُ بِالْمَعْرُوْفِ وَوَجَبَ عَلَيْهِ التَّسْرِيْحُ بِالْاِحْسَانِ فَاِذَا امْتَنَعَ نَابَ الْقَاضِيْ مَنَابَهُ فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَلَابُدَّ مِنْ طَلَبِهَا لِاَنَّ التَّفْرِيْقَ حَقُّهَا

ترجمہ......اور اگر شوہر نامرد ہو تو حاکم اس کو ایک سال کی مہلت دے گا پس اگر وہ عورت کے پاس چلا گیا تو فبہا ورنہ تو حاکم ان دونوں میں تفریق کر دے گا بشرطیکہ عورت اس کا مطالبہ کرے ایسا ہی عمرؓ، علیؓ اور ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور اس لیے کہ عورت کا حق اس وطی میں ثابت ہے اور احتمال یہ ہے کہ (شوہر کا عورت کے حق کو ادا کرنے سے) رکنا کسی پیش آمدہ بیماری کی وجہ سے ہو اور (یہ بھی) احتمال ہے کہ کسی اصلی آفت کی وجہ سے ہو۔ اس لئے اتنی مدت کا ہونا ضروری ہے جو اس کی شناخت کرنے والی ہو اور ہم نے اس کو ایک سال کے ساتھ مقدر کیا کیونکہ یہ مدت چاروں فصلوں پر مشتمل ہوتی ہے پس جب مدت گزر گئی اور اس عورت کے پاس نہیں پہنچا تو ظاہر ہو گیا کہ عجز آفت اصلیہ کی وجہ سے ہے تو امساک بالمعروف فوت ہو گیا اور اس پر تسریح بالاحسان واجب ہو گیا پس جب شوہر (تسریح بالاحسان سے) رک گیا تو قاضی اس کے قائم مقام ہو کر ان دونوں میں تفریق کر دے اور عورت کا طلب کرنا ضروری ہے کیونکہ تفریق اس کا حق ہے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نامرد ہو اور اس کی بیوی تفریق کا مطالبہ کرے تو حاکم علاج کے لیے شوہر کو ایک سال کی مہلت دے اور اس ایک سال کی ابتداء اس وقت سے شمار ہو گی جب سے عورت نے قاضی کے یہاں مقدمہ پیش کیا۔ اسی پر فتویٰ ہے پس اگر ایک سال کے اندر علاج کے ذریعہ یا بفضل خداوندی عورتوں کے قابل ہو گیا اور بیوی کے ساتھ وطی کر لی تو الحمدللہ کوئی کلام ہی نہیں اور اگر سال بھر گذر جانے کے بعد بھی نامرد ہی رہا تو قاضی عورت کے مطالبہ پر ان دونوں میں تفریق کر دے گا اور یہی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔

چنانچہ روایت ہے عن سعید بن المسیب قال قضیٰ عمر بن الخطاب العنین ان یوجل سنۃ۔ یعنی سعید بن المسیبؒ نے کہا کہ عمر بن الخطابؓ نے نامرد کو ایک سال کی مہلت دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ (مصنف عبدالرزاق)

اور امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں روایت کی ہے۔ عن عمر بن الخطاب ان امرأۃ اتتہ فقالت لزوجھا لا یصل الیھا فاجلہ حولا فلما انقضی حول " فلم یصل الیھا خیرھا فاختارت نفسھا ففرق عمر بینھما وجعلھا تطلیقۃ بائنۃ یعنی ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرا شوہر میرے پاس نہیں آتا یعنی جماع نہیں کرتا تو آپؓ نے اس کو ایک سال کی مہلت دی۔ پس جب ایک سال گزر گیا اور وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جا سکا تو آپ نے اس عورت کو اختیار دیا۔ پس اس عورت نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور اس تفریق کو طلاق بائن قرار دیا۔ (عینی شرح ہدایہ)

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے یوجل العنین سنۃ فان وصل الیھا والا فرق بینھما یعنی نامرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے پس اگر شوہر بیوی کے پاس چلا گیا یعنی وطی کر لی (تو ٹھیک) ورنہ دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے۔ (رواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ)

اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے قال یوجل العنین سنۃ فان جامع والا فرق بینھما فرمایا کہ نامرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے پس اگر جماع کر لے (تو فبہا) ورنہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے (عینی شرح ہدایہ)

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ وطی میں عورت کا حق ثابت ہے اور شوہر کا وطی کرنے سے رکنا اس لئے بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی وقتی عارض پیش آ گیا ہو علاج کرانے سے ٹھیک ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اصل خلقت ہی میں کوئی خلل ہو جس کی وجہ سے جماع پر نہ قدرت ہے اور نہ ہو سکتی۔

پس اس بات کو دریافت کرنے کے لیے کہ یہ بیماری اصلی ہے یا عارضی ایک مدت درکار ہے اور ہم نے اس مدت تاجیل کو ایک سال کی مدت کے ساتھ مقید کیا۔ کیونکہ ایک سال میں چاروں فصلیں آ جاتی ہیں ربیع، خریف، گرمی، سردی۔

پس جب ایک سال گزر جانے کے باوجود وطی پر قدرت نہ پا سکا تو ظاہر ہو گیا کہ یہ عجز کسی آفت اصلیہ کی وجہ سے ہے۔ جس سے شفا ناممکن ہے۔ لہٰذا اس شخص نے امساک بالمعروف کو فوت کر دیا تو اس پر مفارقت کے ذریعہ سے تسریح بالاحسان واجب ہو گا مگر جب یہ شخص تسریح بالاحسان سے باز رہا تو قاضی اس کا قائم مقام بن کر دونوں میں تفریق کر دے تا کہ عورت سے ظلم دور ہو سکے۔ کیونکہ قاضی کا منصب ہی لوگوں سے ظلم دور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

یہ فرقت طلاق بائنہ ہے

وَتِلْكَ الْفُرْقَةُ تَطْلِيْقَةٌ بَائِنَةٌ لِاَنَّ فِعْلَ الْقَاضِيْ اُضِيْفَ اِلٰى فِعْلِ الزَّوْجِ فَكَاَنَّهٗ طَلَّقَهَا بِنَفْسِهٖ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هُوَ فَسْخٌ لٰكِنَّ النِّكَاحَ لَايَقْبَلُ الْفَسْخَ عِنْدَنَا وَاِنَّمَا تَقَعُ بَائِنَةً لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ وَهُوَ دَفْعُ الظُّلْمِ عَنْهَا لَايَحْصُلُ اِلَّا بِهَا لِاَنَّهَا لَوْلَمْ تَكُنْ بَائِنَةً تَعُوْدُ مُعَلَّقَةً بِالْمُرَاجَعَةِ وَلَهَا كَمَالُ مَهْرِهَا اِنْ كَانَ خَلَابِهَا فَاِنَّ خَلْوَةَ الْعِنِّيْنِ صَحِيْحَةٌ وَيَجِبُ الْعِدَّةُ لِمَابَيَّنَّامِنْ قَبْلُ هٰذَا اِذَا اَقَرَّ الزَّوْجُ اَنَّهٗ لَمْ يَصِلْ اِلَيْهَا

ترجمہ...... اور یہ فرقت ایک طلاق بائن ہوگی۔ کیونکہ قاضی کا فعل شوہر کے فعل کی طرف منسوب کیا جائے گا گویا شوہر نے اس کو بذات خود طلاق دی ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ فسخ نکاح ہے لیکن ہمارے نزدیک نکاح فسخ کو قبول نہیں کرتا اور بائنہ اس لئے واقع ہوگی کہ مقصود عورت سے ظلم کو دور کرنا ہے حالانکہ یہ بات صرف طلاق بائن سے حاصل ہوگی کیونکہ اگر وہ بائنہ نہ ہو تو شوہر کے رجعت کر لینے سے پھر وہ لٹکی رہے گی اور عورت کے واسطے اس کا پورا مہر واجب ہوگا اگر شوہر نے اس کے ساتھ خلوت کی ہو کیونکہ نامرد کی خلوت صحیح ہوتی ہے اور عدت واجب ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم پہلے بیان کر چکے یہ سب اس وقت ہے جب شوہر نے اقرار کیا کہ وہ (میں) اس عورت تک نہیں پہنچا ہوں۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ نامرد اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی کے تفریق کرنے سے جو فرقت پیدا ہوئی وہ طلاق بائن ہے اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرقت فسخ نکاح ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ فرقت عورت کی جانب سے آئی ہے اور عورت کی جانب سے جو فرقت ہوگی وہ فسخ تو ہو سکتی ہے مگر طلاق نہیں ہو سکتی اس لئے کہ عورت کو شرعاً طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قاضی کا فعل شوہر کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ گویا شوہر نے بذات خود اس کو طلاق دی ہے اور امام شافعیؒ کا یہ کہنا کہ یہ تفریق فسخ ہے۔ تو ہم جواب دیں گے نکاح تمام ہونے کے بعد فسخ کو قبول ہی نہیں کرتا لیکن تمام عقد سے پہلے فسخ کو قبول کر لیتا ہے۔ جیسے خیار بلوغ اور خیار عتق میں۔

رہی یہ بات کہ بائنہ کیوں ہوگی تو اس کی دلیل یہ ہے کہ تفریق قاضی سے مقصود عورت سے ظلم دور کرنا ہے اور یہ مقصود طلاق بائن ہی حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ اگر یہ تفریق طلاق بائن نہ ہو تو شوہر کے رجعت کر لینے سے یہ عورت ادھر میں لٹکی رہے گی کیونکہ مقصود (وطی) کے فوت سے شوہر والی نہیں ہوگی اور چونکہ شوہر کے نکاح میں ہے اس لئے مطلقہ نہیں کہلائے گی پس مقصود تفریق یعنی ظلم دور کرنا حاصل نہیں ہوگا۔

اور اگر اس نامرد شخص نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کی ہو تو اس کی بیوی کے لیے پورا مہر واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ نامرد کی خلوت صحیح ہوتی ہے۔ پس جب عورت نے وجود آلہ کے ساتھ مبدل (بضع) سپرد کر دیا تو شوہر پر اس کا بدل (مہر) واجب ہوگا۔

اور اگر خلوت نہیں کی ہے تو نصف مہر لازم ہوگا اور چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک یہ تفریق فسخ نکاح ہے اس لئے اس عورت کے واسطے نہ مہر ہوگا اور نہ نفقہ۔ البتہ اس عورت پر عدت بالاتفاق واجب ہوگی۔ دلیل سابق میں گذر چکی کہ رحم کے مشغول ہونے کا وہم ہے اس وجہ سے احتیاطاً استحساناً عدت واجب کر دی گئی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ نامرد کو ایک سال کی مہلت دینا اور ایک سال کے بعد تفریق کرنا اس وقت ہے جب کہ

شوہر نے یہ اقرار کیا ہو کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہیں پہنچا ہوں۔

میاں بیوی کا جماع ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہو گیا اگر عورت ثیبہ ہے تو مرد کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے

وَ لَوِ اخْتَلَفَ الزَّوْجُ وَ الْمَرْأَةُ فِي الْوُصُوْلِ اِلَيْهَا فَاِنْ كَانَتْ ثَيِّبًا فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ يَمِيْنِهِ لِاَنَّهُ يُنْكِرُ اِسْتِحْقَاقَ حَقِّ الْفُرْقَةِ وَ الْاَصْلُ هُوَ السَّلَامَةُ فِي الْجِبِلَّةِ ثُمَّ اِنْ حَلَفَ بَطَلَ حَقُّهَا وَ اِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً وَ اِنْ كَانَتْ بِكْرًا نَظَرَ اِلَيْهَا النِّسَاءُ فَاِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ اُجِّلَ سَنَةً لِظُهُوْرِ كَذِبِهِ وَ اِنْ قُلْنَ هِيَ ثَيِّبٌ يُحَلَّفُ الزَّوْجُ فَاِنْ حَلَفَ لَا حَقَّ لَهَا وَ اِنْ نَكَلَ يُؤَجَّلُ سَنَةً

ترجمہ ..... اور اگر شوہر اور عورت نے عورت کے پاس پہنچنے میں اختلاف کیا۔ پس اگر یہ عورت ثیبہ تھی تو شوہر کا قول یمین کے ساتھ قبول ہوگا۔ کیونکہ وہ جدائی کا حق ثابت ہونے سے انکار کرتا ہے اور پیدائشی خلقت میں اصل سلامت آلہ ہے۔ پھر اگر شوہر نے قسم کھائی تو عورت کا حق باطل ہو گیا اور اگر انکار کیا تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی اور اگر باکرہ ہو تو عورتیں اس کو دیکھیں پس اگر ان عورتوں نے کہا کہ یہ عورت باکرہ ہے تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے اس لئے کہ اس کا جھوٹ ظاہر ہو گیا اور اگر عورتوں نے کہا کہ ثیبہ ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی پس اگر وہ قسم کھا گیا تو عورت کے واسطے کچھ حق نہیں ہے اور اگر اس نے انکار کر دیا تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

تشریح ..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اور بیوی نے وطی کرنے میں اختلاف کیا بایں طور کہ شوہر وطی کا مدعی ہے اور عورت اس کی منکر ہے پس اگر عورت ثیبہ ہے تو شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ شوہر حقیقتاً فرقت کے ثابت ہونے کا منکر ہے اور عورت استحقاق فرقت کی مدعی ہے نیز اصل یہ ہے کہ آلہ تناسل سلامت ہو پس شوہر کا یہ کہنا کہ میں وطی کر چکا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سلامت آلہ کا قائل ہے اور عورت کا یہ کہنا کہ میرے ساتھ وطی نہیں کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سلامت آلہ کی قائل نہیں ہے حاصل یہ کہ شوہر کا قول ظاہر حال کے موافق ہے اور عورت کا قول ظہار حال کے خلاف ہے اور جس کا قول ظاہر کے موافق ہو وہ مدعیٰ علیہ ہوتا ہے اور جس کا قول ظاہر کے خلاف ہو وہ مدعی ہوتا ہے پس شوہر مدعیٰ علیہ اور عورت مدعیہ علیہ ہوئی اور چونکہ بینہ نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے اس لئے شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

پھر اگر شوہر قسم کھا گیا تو اس کی بیوی کا حق باطل ہو جائے گا اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

اور اگر وہ عورت باکرہ ہے تو عورتیں اس کو دیکھیں پس اگر ان عورتوں نے کہا کہ وہ باکرہ ہے تو اس کے شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی کیونکہ شوہر کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا اور اگر ان عورتوں نے کہا کہ وہ ثیبہ ہے تو اس کے شوہر سے قسم لی جائے گی۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بکارت کسی دوسری وجہ سے زائل ہو گئی ہو۔ اس وجہ سے ان کی شہادت کے ساتھ قسم کی شرط لگا دی گئی۔ پس اگر وہ قسم کھا گیا تو عورت کے لیے کوئی حق نہیں ہوگا اور اگر قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔

رہی یہ بات کہ یہ کیسے معلوم ہوگا کہ عورت ثیبہ ہے یا باکرہ تو صاحب عنایہ نے اس کو دریافت کرنے کی تین صورتیں بیان کی ہیں۔

ایک یہ کہ عورت کی شرم گاہ میں مرغی کا چھوٹا سا انڈا داخل کیا جائے۔ اگر آسانی سے بغیر سختی کے داخل ہو جائے تو ثیبہ ہے ورنہ باکرہ ہے۔ دوم یہ کہ اگر عورت کے لیے دیوار پر پیشاب کرنا ممکن ہے تو باکرہ ہے ورنہ ثیبہ ہے سوم یہ کہ انڈا توڑ کر عورت کی شرمگاہ میں بہایا جائے پس اگر وہ اندر چلا

گیا تو سمجھو کہ وہ عورت ثیبہ ہے ورنہ تو باکرہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر شوہر مجبوب الذکر ہے تو قاضی فوراً تفریق کردے اگر عورت مطالبہ کرے

وَ اِنْ كَانَ مَجْبُوْبًا فُرِّقَ بَيْنَهُمَا فِي الْحَالِ اِنْ طَلَبَتْ لِاَنَّهُ لَافَائِدَةَ فِي التَّاجِيْلِ وَالْخَصِيُّ يُوَجَّلُ كَمَا يُوَجَّلُ الْعِنِّيْنُ لِاَنَّ وَطْيَهُ مَرْجُوٌّ

ترجمہ ...... اور اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو دونوں میں فی الحال تفریق کردی جائے گی بشرطیکہ عورت درخواست کرے۔ اس لئے کہ مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور خصی کو بھی مہلت دی جائے گی جیسے عنین کو دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے بھی وطی کرنے کی امید ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مقطوع الذکر ہو تو مہلت دیئے بغیر دونوں میں تفریق کردی جائے بشرطیکہ عورت تفریق کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ مقطوع الذکر کی طرف سے وطی متوقع نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس کو مہلت دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اور آختہ (جس کے فوطے نکال لئے گئے ہوں) کو بھی مہلت دی جائے گی جیسے نامرد کو دی جاتی ہے۔ کیونکہ وطی کرنے کی اس سے بھی امید ہے۔ یعنی آلہ تناسل موجود ہے۔ شاید کسی وقت میں اس میں وطی کی قوت پیدا ہو جائے۔

جب عنین کو ایک سال کی مہلت دی اور اس نے کہا میں نے جماع کیا عورت انکار کرتی ہے قاضی عورتوں سے معائنہ کروائے اگر وہ باکرہ کہہ دیں تو اسے اختیار دے دیا جائے اگر وہ ثیبہ کہہ دیں زوج قسم اٹھائے

وَ اِذَا اُجِّلَ الْعِنِّيْنُ سَنَةً وَقَالَ قَدْ جَامَعْتُهَا وَ اَنْكَرَتْ نَظَرَ اِلَيْهَا النِّسَاءُ فَاِنْ قُلْنَ هِيَ بِكْرٌ خُيِّرَتْ لِاَنَّ شَهَادَتَهُنَّ تَايَّدَتْ بِمُؤَيِّدٍ وَ هِيَ الْبَكَارَةُ وَ اِنْ قُلْنَ هِيَ ثَيِّبٌ حُلِّفَ الزَّوْجُ فَاِنْ نَكَلَ خُيِّرَتْ لِتَأَيُّدِهَا بِالنُّكُوْلِ وَاِنْ حَلَفَ لَا تُخَيَّرُ

ترجمہ ...... اور جب عنین کو ایک سال کی مہلت دی گئی اور کہا اس نے کہ میں نے اس عورت سے جماع کرلیا ہے اور اس عورت نے انکار کیا تو اس کو عورتیں دیکھیں پس اگر عورتوں نے کہا کہ یہ باکرہ موجود ہے۔ تو عورت کو اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ عورتوں کی گواہی، مؤید یعنی باکرہ ہونے سے قوی ہوگئی اور اگر عورتوں نے کہا کہ یہ ثیبہ ہوگئی ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی پس اگر اس نے انکار کیا تو عورت کو اختیار دیا جائے گا کیونکہ شوہر کے انکار سے اس کی تائید ہوگئی اور اگر قسم کھا گیا تو عورت مختار نہ ہوگی۔

تشریح ...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر حاکم نے عنین کو ایک سال کی مہلت دی۔ پھر اس نے کہا میں نے ایک سال کے اندر، اندر جماع کرلیا اور عورت جماع کی منکر ہے تو اس کو عورت دیکھیں عورتوں کا یہ دیکھنا دو مرتبہ ہوگا ایک مرتبہ مہلت دینے سے پہلے اور ایک مرتبہ مدت گزر جانے کے بعد بہر حال اگر عورتوں نے مدت تاجیل کے بعد دیکھ کر کہا کہ یہ عورت ابھی بھی باکرہ ہے تو قاضی اس عورت کو اختیار دے گا۔ پس اگر اس نے فرقت کو ترجیح دی تو قاضی دونوں میں تفریق کردے گا۔

دلیل یہ ہے کہ عورتوں کی شہادت اس کے باکرہ ہونے سے قوی ہوگئی ہے اس وجہ سے مرد کا یہ کہنا کہ میں جماع کر چکا ہوں غلط ہے۔

اور اگر ان عورتوں نے دیکھ کر کہا کہ یہ تو ثیبہ ہوگئی ہے تو شوہر سے قسم لی جائے گی پس اگر شوہر نے قسم کھانے سے انکار کردیا تو بھی عورت کو اختیار

دیا جائے گا کیونکہ شوہر کے قسم کھانے سے انکار کر دینے کی وجہ سے عورت کے دعویٰ (کہ مجھ سے جماع نہیں کیا) کی تائید ہوگئی ہے اور اگر شوہر قسم کھا گیا تو عورت کو اختیار نہیں ہوگا اس لئے کہ عورتوں کی شہادت اور شوہر کے قسم کھانے سے اس کا حق باطل ہو چکا ہے۔

اگر عورت پہلے سے ثیبہ ہے مرد کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا

وَ اِنْ كَانَ ثَيِّبًا فِي الْاَصْلِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ مَعَ يَمِيْنِهٖ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فَاِنِ اخْتَارَتْ زَوْجَهَا لَمْ يَكُنْ لَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ خِيَارٌ لِاَنَّهَا رَضِيَتْ بِبُطْلَانِ حَقِّهَا وَفِي التَّاجِيْلِ تُعْتَبَرُ السَّنَةُ الْقَمَرِيَّةُ هُوَ الصَّحِيْحُ وَيُحْتَسَبُ بِاَيَّامِ الْحَيْضِ وَبِشَهْرِ رَمَضَانَ لِوُجُوْدِ ذٰلِكَ فِي السَّنَةِ وَلَا يُحْتَسَبُ بِمَرَضِهٖ وَمَرَضِهَا لِاَنَّ السَّنَةَ قَدْ تَخْلُوْ عَنْهُ

ترجمہ...... اور اگر یہ عورت پہلے سے ثیبہ ہو تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ قبول ہوگا اور ہم اس کو پہلے ذکر کر چکے۔ پس اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو اس کو اس کے بعد خیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے حق کو باطل کرنے پر راضی ہوگئی ہے اور مہلت کی مدت میں قمری سال معتبر ہے یہی صحیح قول ہے اور ایام حیض اور رمضان کا مہینہ بھی شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ سال میں ان کا وجود ضروری ہے اور مرد کی بیماری اور عورت کی بیماری (کے ایام) شمار نہیں ہوں گے۔ کیونکہ سال کبھی بیماری سے خالی ہوتا ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت پہلے سے ہی ثیبہ تھی تو اس کے شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ دلیل سابق میں گذر چکی کہ شوہر استحقاق فرقت کا منکر ہے اور عورت مدعیہ ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے جب کہ بینہ نہ ہو پس اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا یعنی نامرد ہونے کے باوجود اس کے ساتھ رہنا منظور کر لیا تو اس کے بعد بیوی کو تفریق کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ عورت بذات خود اپنا حق باطل کرنے پر راضی ہوگئی ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ نامرد کو مہلت دینے کی مدت میں قمری سال معتبر ہے یعنی ۳۵۴ یوم اور امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ شمسی سال معتبر ہے یعنی ۳۶۵ دن پورے اور ایک دن کا چوتھائی اور ایک دن کا ایک سو بیسواں حصہ۔ (عینی شرح ہدایہ)

اور ایک سال کی مدت میں حیض کے دن اور رمضان المبارک کا مہینہ منہا نہیں کیا جائے گا بلکہ سال کی مدت میں یہ ایام بھی محسوب ہوں گے کیونکہ سال کے دوران ان ایام کا پایا جانا ضروری ہے۔ البتہ شوہر کی بیماری کے ایام اور عورت کی بیماری کے ایام منہا ہوں گے۔ سال کی مدت میں ان ایام کو شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ بیماری کے ایام کا پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ بسا اوقات سال کی مدت بیماری سے خالی ہوتی ہے۔

اگر زوجہ میں کوئی عیب ہو مرد کے لیے خیار نہیں ہے، امام شافعی کا نقطہ نظر

وَ اِذَا كَانَ بِالزَّوْجَةِ عَيْبٌ فَلَا خِيَارَ لِلزَّوْجِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تُرَدُّ بِالْعُيُوْبِ الْخَمْسَةِ وَهِيَ الْجُذَامُ وَالْبَرَصُ وَالْجُنُوْنُ وَالرَّتَقُ وَالْقَرْنُ لِاَنَّهَا تَمْنَعُ الْاِسْتِيْفَاءَ حِسًّا وَطَبْعًا وَالطَّبْعُ مُؤَيَّدٌ بِالشَّرْعِ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْاَسَدِ وَلَنَا اَنَّ فَوْتَ الْاِسْتِيْفَاءِ اَصْلًا بِالْمَوْتِ لَا يُوْجِبُ الْفَسْخَ فَاخْتِلَالُهٗ بِهٰذِهِ الْعُيُوْبِ اَوْلٰى وَهٰذَا لِاَنَّ الْاِسْتِيْفَاءَ مِنَ الثَّمَرَاتِ وَالْمُسْتَحَقُّ هُوَ التَّمَكُّنُ وَهُوَ حَاصِلٌ

ترجمہ...... اور اگر بیوی میں کوئی عیب ہو، تو شوہر کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے اور امام شافعیؒ نے کہا کہ پانچ سببوں کی وجہ سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے جذام، برص، جنون، رتق، قرن کیونکہ ایسے امراض حساً یا طبعاً نفع لینے سے مانع ہیں اور طبیعت موید ہے شریعت سے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جذامی سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ موت کی وجہ سے بالکل نفع حاصل کرنے کا فوت ہونا فسخ

نکاح کو واجب نہیں کرتا پس ان عیوب کی وجہ سے نفع کا مختل ہوجانا بدرجہ اولیٰ نکاح کو فسخ نہیں کرے گا اور یہ اس لئے کہ نفع حاصل کرلینا تو نکاح کا ثمرہ ہے اور مستحق صرف قابو پانے کا ہے اور یہ حاصل ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت میں کوئی عیب ہو تو ہمارے نزدیک اس عیب کی وجہ سے شوہر کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ پانچ عیوب کی وجہ سے نکاح فسخ ہوسکتا ہے وہ پانچ عیب یہ ہیں جذام یعنی کوڑھ کی بیماری برص یعنی وہ سفیدی جو بدن کے بعض حصہ پر ظاہر ہوتی ہے اور بعض پر نہیں اور کبھی کبھی پورے بدن پر ظاہر ہوجاتی ہے۔ جنون یعنی زوال عقل ہوجانا۔ رتق یعنی عورت کے پیشاب کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ ہو قرن یعنی عورت کی شرمگاہ ہڈی وغیرہ کی وجہ سے اس قدر تنگ ہو کہ اس میں مرد کے عضو تناسل کے داخل ہونے کی راہ نہ ہو۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ عیوب حساً یا طبعاً مانع وطی ہیں۔ کیونکہ رتق اور قرن تو حساً مانع وطی ہیں۔ اس لئے کہ ان دونوں صورتوں میں داخل کرنا ممکن نہیں ہے اور جذام، برص اور جنون طبعاً مانع وطی ہیں کیونکہ ان عیوب کے ہوتے ہوئے طبیعت سلیمہ جماع سے نفرت کرتی ہے۔ پھر طبیعت کی تائید میں حدیث بھی موجود ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا فر من المجذوم فرارك من الاسد یعنی کوڑھ کے مریض سے اس طرح بھاگ جیسے شیر سے بھاگتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ایک مجذوم نے حاضر ہوکر بیعت کا ارادہ کیا تھا تو آنحضرت نے ان کو راستہ میں کہلا بھیجا کہ تم لوٹ جاؤ ہم نے تیری بیعت کرلی اور حضرت عمرؓ نے ایک عورت مجزوم کو طواف کرتے دیکھ کر فرمایا کہ تو اپنے گھر میں کیوں نہیں بیٹھی کہ لوگوں کو ایذا نہ دیتی۔ چنانچہ وہ پھر کبھی طواف کو نہ آئی رہا یہ کہ آنحضرت ﷺ نے جس مجزوم کے ساتھ کھانا کھایا تھا وہ اچھا ہوگیا۔ تو یہ آپ کا معجزہ تھا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ موت کی وجہ سے وطی کا فوت ہونا موجب فسخ نکاح نہیں ہے چنانچہ احد الزوجین کی موت سے مہر ساقط نہیں ہوتا۔ پس اگر ان عیوب کی وجہ سے وطی میں خلل واقع ہوجائے تو بدرجہ اولیٰ نکاح فسخ نہیں ہوگا۔

اور ان عیوب کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وطی نکاح کا ثمرہ ہے اور شوہر کا استحقاق صرف قابو پانے میں ہے اور ان تمام صورتوں میں وطی پر قابو پانا حاصل ہے چنانچہ جذام، برص اور جنون میں تو ظاہر ہے اور رتق اور قرن میں شگاف کرکے اپنا کام چلالے۔ (عنایہ، عینی شرح ہدایہ)

شوہر جنون یا برص یا جذام کا مرض ہو عورت کے لیے خیار نہیں، امام محمدؒ کا مذہب

وَاِذَا كَانَ بِالزَّوْجِ جُنُوْنٌ اَوْ بَرَصٌ اَوْ جُذَامٌ فَلَا خِيَارَ لَهَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهَا الْخِيَارُ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهَا كَمَا فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ بِخِلَافِ جَانِبِهٖ لِاَنَّهٗ مُتَمَكِّنٌ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ بِالطَّلَاقِ وَلَهُمَا اَنَّ الْاَصْلَ عَدَمُ الْخِيَارِ لِمَا فِيْهِ مِنْ اِبْطَالِ حَقِّ الزَّوْجِ وَاِنَّمَا يَثْبُتُ فِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ لِاَنَّهُمَا يُخِلَّانِ بِالْمَقْصُوْدِ الْمَشْرُوْعِ لَهُ النِّكَاحُ وَهٰذِهِ الْعُيُوْبُ غَيْرُ مُخِلَّةٍ بِهٖ فَافْتَرَقَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

ترجمہ..... اور جب شوہر کو جنون ہو یا برص یا جذام ہو تو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عورت کو (نکاح فسخ کرانے کا) اختیار نہیں ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ بیوی کو یہ اختیار حاصل ہے بیوی سے ضرر دور کرنے کے لیے جیسا کہ مقطوع الذکر اور عنین میں اس کے برخلاف شوہر کی جانب کہ وہ طلاق کے ذریعہ ضرر دور کرنے پر قادر ہے اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کو خیار نہ ہونا یہی اصل ہے۔ کیونکہ اس میں شوہر کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور مقطوع الذکر اور عنین کی صورت میں خیار اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں اس مقصود میں مخل ہیں جس کے لیے نکاح مشروع کیا گیا ہے اور یہ عیوب غیر مخل بالمقصود ہیں پس فرق ظاہر ہوگیا اور اللہ صحیح کو زیادہ جاننے والے ہیں۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر کو جنون ہو یا برص یا جذام ہو تو شیخینؒ کے نزدیک عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہے اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ عورت کو یہ اختیار حاصل ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل قیاس ہے۔ یعنی امام محمدؒ شوہر کے اس مرض کو اس کے مقطوع الذکر اور عنین ہونے پر قیاس کرتے ہیں اور دونوں کے درمیان علت مشترکہ عورت سے ضرر کو دور کرنا ہے یعنی جس طرح مقطوع الذکر اور عنین ہونے کی صورت میں عورت سے ضرر دور کرنے کے لیے اس کو اختیار دیا گیا ہے اسی طرح اگر شوہر ان امراض میں مبتلا ہو تو بھی عورت سے ضرر دور کرنے کے لیے اس کو اختیار دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف اگر جذام وغیرہ امراض عورت میں پائے جائیں تو شوہر کو اختیار نہیں دیا گیا کیونکہ شوہر طلاق کے ذریعہ اپنے سے ضرر دفع کرنے پر قادر ہے اس لئے اس کو فسخ نکاح کا اختیار دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ عورت کو خیار نہ ہو، کیونکہ عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دینے کی صورت میں شوہر کے حق کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور رہا یہ کہ مقطوع الذکر اور عنین کی صورت میں عورت کو خیار کیوں دیا گیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں نکاح کے مقصود شرعی یعنی وطی کو فوت کر دیتے ہیں اور برص وغیرہ عیوب بالکلیہ اس مقصود کو فوت نہیں کرتے پس مقیس یعنی جنون وغیرہ عیوب خمسہ اور مقیس علیہ یعنی مقطوع الذکر اور عنین) میں فرق ظاہر ہو گیا۔ لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جمیل احمد عفی عنہ۔

بَـابُ الْعِدَّةِ

ترجمہ...... (یہ) باب عدت کے (احکام کے بیان میں) ہے

تشریح...... چونکہ عدت فرقت کا اثر ہے اور اثر مؤثر کے بعد ہوتا ہے اس لئے پہلے مؤثر (فرقت) کی وجوہ طلاق، خلع، لعان، عنین وغیرہ کو بیان کیا ہے اب یہاں سے اثر یعنی عدت کا بیان ہے۔

لغت میں عدت کہتے ہیں عورت کا ایام حیض شمار کرنا اور شریعت میں عدت ان ایام کو کہتے ہیں جو عورت کے اوپر سے شوہر کی ملک متعہ زائل ہونے کے بعد اس کو انتظار میں گزارنے لازم ہوتے ہیں بشرطیکہ وہ عورت مدخولہ ہو گئی یا خلوت ہو گئی یا شوہر مرا ہو۔

عدت کا سبب نکاح یا شبہ نکاح ہے اور اس کی شرط زوال نکاح ہے اور اس کا رکن وہ حرمتیں ہیں جو فرقت کے وقت ثابت ہوئیں اور اس کا حکم عدم جواز نکاح اور دوسری ممنوعات ہیں عورتوں کے اعتبار سے عدت کی چار قسمیں ہیں (۱) تین حیض (۲) تین ماہ (۳) وضع حمل (۴) چار ماہ دس دن۔ پہلی ذوات الحیض کی عدت ہے دوسری غیر ذوات الحیض کی، تیسری حاملہ کی اور چوتھی متوفی عنہا زوجہا کی۔

شوہر نے بیوی کو طلاق بائنہ یا طلاق رجعی دی ہو یا فرقت بغیر طلاق کے واقع ہوئی ہو اور عورت آزاد ممن تحیض ہے اس کی عدت تین قروء ہے، امام شافعی کا نقطہ نظر

وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا اَوْ رَجْعِيًّا اَوْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُمَا بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَهِيَ حُرَّةٌ مِمَّنْ تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ اَقْرَاءٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ وَالْفُرْقَةُ اِذَا كَانَتْ بِغَيْرِ طَلَاقٍ فَهِيَ فِيْ مَعْنَى الطَّلَاقِ لِاَنَّ الْعِدَّةَ وَجَبَتْ لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ فِي الْفُرْقَةِ الطَّارِئَةِ عَلَى النِّكَاحِ وَهٰذَا يَتَحَقَّقُ فِيْهَا وَالْاَقْرَاءُ الْحِيَضُ عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ الْاَطْهَارُ وَاللَّفْظُ حَقِيْقَةٌ فِيْهِمَا اِذْ هُوَ مِنَ الْاَضْدَادِ كَذَا قَالَ ابْنُ السِّكِّيْتِ وَلَا يَنْتَظِمُهُمَا جُمْلَةً لِلْاِشْتِرَاكِ وَالْحَمْلُ عَلَى الْحَيْضِ اَوْلٰى اِمَّا عَمَلًا بِلَفْظِ الْجَمْعِ لِاَنَّهٗ لَوْ حُمِلَ عَلَى الْاَطْهَارِ وَالطَّلَاقُ يُوْقَعُ فِيْ طُهْرٍ لَمْ يَبْقَ جَمْعًا اَوْ لِاَنَّهٗ مُعَرِّفٌ لِبَرَاءَةِ الرَّحِمِ وَهُوَ الْمَقْصُوْدُ اَوْ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَعِدَّةُ الْاَمَةِ حَيْضَتَانِ فَيَلْتَحِقُ بَيَانًا بِهٖ

ترجمہ......اور جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دیدی یا دونوں میں فرقت بغیر طلاق کے واقع ہوئی، حالانکہ یہ آزاد عورت ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے۔ والمطلقات یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء، یعنی طلاق پائی ہوئی عورتیں اپنے نفوس کو تین حیض انتظار میں رکھیں اور اگر بغیر طلاق کے فرقت ہو تو وہ طلاق کے معنی میں ہے۔ کیونکہ نکاح پر جو فرقت طاری ہو اس میں رحم کو حمل سے پاک ہونے کو پہچاننے کے لیے عدت واجب ہوئی ہے اور یہ معنی ایسی فرقت میں بھی پائے جاتے ہیں اور ہمارے نزدیک قروء سے حیض مراد ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ طہر مراد ہے۔ حالانکہ لفظ قروء دونوں معنی میں حقیقت ہے کیونکہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے ایسا ہی ابن السکیت نے کہا اور (یہ لفظ) دونوں معنیٰ کو یکبارگی شامل نہیں ہوگا۔ کیوں کہ (لفظ) مشترک ہے اور حیض کے معنیٰ پر محمول کرنا اولیٰ ہے یا تو لفظ جمع پر عمل کرتے ہوئے اس لئے کہ اگر طہر کے معنیٰ پر محمول کیا جائے اور طلاق طہر میں دی جائے تو جمع نہیں رہا یا اس کی وجہ سے کہ حیض ہی رحم کا پاک ہونا بتلاتا ہے اور مقصود یہی ہے یا حضور ﷺ کے فرمان کی وجہ سے کہ باندی کی عدت دو حیض ہیں۔ پس (یہ حدیث) لفظ قروء کا بیان ہو کر لاحق ہوگی۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن یا طلاق رجعی دیدی۔ یا ان دونوں میں بغیر طلاق کے فرقت واقع ہوگئی اور یہ عورت آزاد ہے اور ذوات الحیض میں سے ہے تو اس کی عدت تین حیض ہوں گے مصنفؒ کو عبارت میں وقد دخل بہا کی قید ذکر کرنی چاہیے تھی اس لئے کہ عدت مدخول بہا پر واجب ہوتی ہے نہ کہ غیر مدخول بہا پر مگر رجعیا کہنے کے بعد اس قید کی ضرورت نہیں رہی اس لئے کہ رجعت مدخول بہا میں ہوتی ہے نہ کہ غیر مدخول بہا میں اور فرقت بغیر طلاق کی صورت یہ ہے کہ خیار بلوغ کی وجہ سے فرقت ہوئی یا خیار عتق کی وجہ سے یا عدم کفاءت کی وجہ سے یا احد الزوجین کے آخر کا مالک ہونے کی وجہ سے یا نکاح فاسد کی وجہ سے یا عورت کے مرتدہ ہونے کی وجہ سے ان تمام صورتوں میں فرقت بغیر طلاق ہوگی۔

اس کی دلیل کہ عدت تین حیض ہوں گے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ترجمہ یہ ہے کہ وہ عورتیں جن کو طلاق دیدی گئی وہ اپنے آپ کو تین حیض کی مدت تک روکیں۔ یہ آیت عدت طلاق میں ظاہر المراد ہے اور رہی فرقت بغیر طلاق تو یہ طلاق کے حکم میں ہے۔ کیونکہ عدت اس لئے واجب ہوتی ہے۔ تاکہ اس فرقت میں جو نکاح پر طاری ہوئی رحم کا پاک ہونا معلوم ہو جائے اور یہ معنی یعنی رحم کے پاک ہونے کو پہچاننا فرقت بغیر طلاق میں پائے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے فرقت بغیر طلاق طلاق کے حکم میں ہوگی۔

صاحب ہدایہ لفظ اقراء کی مراد پر کلام فرمار ہے ہیں فرماتے ہیں کہ لفظ قروء، حیض اور طہر دونوں معنی میں حقیقت ہے کیونکہ یہ لفظ اضداد میں سے ہے امام لغت ابن السکیت کی رائے بھی یہی ہے اور چونکہ یہ لفظ دو متضاد معنی میں مشترک ہے اس لئے دونوں معنی یکبارگی مراد نہیں ہو سکتے۔ پس لفظ قروء سے ہمارے نزدیک حیض مراد ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک طہر مراد ہے۔

صاحب ہدایہ نے اپنے مذہب کی تائید میں چند دلیلیں بیان کی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ لفظ اقراء بصیغہ جمع مذکور ہے اور اقل جمع تین ہیں۔ پس حیض کے معنی مراد لینے کی صورت میں جمع پر عمل ہو سکتا ہے اور اگر طہر کے معنی مراد لئے جائیں تو جمع پر عمل ناممکن ہوگا۔ کیوں کہ طلاق میں مسنون طریقہ ہے کہ طہر کے زمانہ میں واقع کی جائے پس اب دو ہی صورتیں ہیں کہ وہ طہر جس میں طلاق واقع کی گئی ہے عدت میں شمار ہوگا یا نہیں۔ اگر عدت میں شمار کیا گیا تو پورے تین طہر نہیں ہوں گے بلکہ دو طہر پورے ہوں گے اور تیسرا طہر ناقص ہوگا اور اگر اس کو عدت میں شمار نہیں کیا گیا تو تین سے زائد ہو جائیں گے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں جمع پر عمل نہیں ہوا اور اگر قروء سے حیض مراد لیا گیا تو جمع پر عمل ہو جائے گا اس طرح پر کہ طہر کے زمانہ میں طلاق دے پر اس کے بعد تین حیض شمار کر لے۔

صاحب ہدایہ کے صیغہ جمع سے استدلال کرنے پر اعتراض ہے۔ وہ یہ کہ صیغہ جمع کا اطلاق جس طرح ثین پر ہوتا ہے تین سے کم پر بھی ہوتا

ہے۔ جیسے ''الحج اشهر معلومات'' میں اشہر صیغہ جمع ہے۔ مگر مراد دو ماہ دس یوم ہیں۔ یعنی شوال، ذی قعدہ، اور دس یوم ذی الحجہ کے۔

بہت مناسب ہوتا اگر صاحب ہدایہ آیت میں مذکور لفظ ثلاثۃ سے استدلال کرتے، جیسا کہ صاحب نور الانوار نے استدلال کیا ہے۔ خادم کو اگر مقصود عبارت سے ہٹ جانے کا خوف نہ ہوتا تو یہاں وہ تمام اسرار و حکم ذکر کرتا جو ملا جیونؒ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیرات احمدیہ میں ذکر کیے ہیں۔ آپ کو موقع ہو تو ضرور مطالعہ کیجئے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عدت سے مقصود رحم کے پاک ہونے کو معلوم کرنا ہے اور یہ مقصود حیض سے حاصل ہو سکتا ہے نہ کہ طہر سے۔

تیسری دلیل حضور ﷺ کا ارشاد ہے آپ ﷺ نے فرمایا ہے طلاق الامة تطليقان وعدتها حيضتان۔ پس یہ حدیث اس آیت کے لیے بیان واقع ہو جائے گی۔

اگر عورت ممن لا تحيض ہے صغر یا کبر کی وجہ سے ان کی عدت تین مہینے ہے

وَ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَاتَحِيْضُ مِنْ صِغَرٍ اَوْكِبَرٍ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَالّٰٓئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِسَآئِكُمْ اَلْاٰيَةُ وَكَذَا الَّتِىْ بَلَغَتْ بِالسِّنِّ وَلَمْ تَحِضْ بِاٰخِرِ الْاٰيَةِ وَ اِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

ترجمہ ..... اور اگر بیوی ان عورتوں میں سے ہے جن کو صغر سنی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں اتا ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے باری تعالیٰ کے قول واللائى يئسن الاية کی وجہ سے۔ یعنی وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو گئیں (ان کی عدت تین ماہ ہیں اور ایسے ہی وہ عورت جو عمر کے لحاظ سے بالغہ ہو گئی اور اس کو حیض نہیں آتا (تو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے) دلیل اس آیت کا آخر ہے اور اگر وہ عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کرے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول ہے یعنی حاملہ عورت کی عدت یہ کہ اپنا حمل جنیں۔

تشریح ..... اس عبارت میں غیر ذوات الحیض کی چند صورتیں بیان کی ہیں ایک تو یہ کی حیض کا نہ آنا صغر سنی کی وجہ سے ہے، دوم یہ کہ عورت سن یاس (بڑھاپے) کو پہنچ گئی ہے، اس لئے حیض نہیں آتا، سوم یہ کہ عورت عمر کے لحاظ سے بالغہ ہو گئی صاحبین کے نزدیک پندرہ سال کی ہو گئی اور امام صاحب کے نزدیک ۱۷ سال ہو گئی۔ مگر ابھی تک حیض نہیں آیا ان تینوں قسم کی عورتوں کی عدت تین ماہ ہو گئی۔ جو تین حیض کے قائم مقام ہے۔ دلیل یہ آیت ہے۔ واللائى يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر واللائى لم يحضن ..... یعنی تمہاری (مطلقہ) بیویوں میں سے جو عورتیں (بوجہ زیادت سن کے) حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں۔ اگر تمہیں (ان کی عدت کی تعیین میں) شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہیں اور اسی طرح جن عورتوں کو (اب تک بوجہ کم عمری کے) حیض نہیں آیا۔ (مرشد تھانویؒ)

صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے کہ جب آیت قروء نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا کہ ذوات الحیض کی عدت تو ہمیں معلوم ہو گئی مگر جن عورتوں کو حیض نہیں آیا ان کی عدت کا ابھی تک علم نہیں ہو سکا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی اگر تم کو غیر ذوات الحیض کی عدت میں شبہ ہے اور ابھی تک علم نہیں ہو سکا تو سنو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔ دلیل یہ آیت ہے۔ واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن۔ یعنی حاملہ عورتوں کی عدت اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔ (حضرت اقدس تھانویؒ)

باندی کی عدت دو حیض اور باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں

وَاِنْ كَانَتْ اَمَةً فَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ وَلِاَنَّ الرِّقَّ

مُنَصِّفٌ وَالْحَيْضَةُ لَاتَتَجَزّٰى فَكَمُلَتْ فَصَارَتْ حَيْضَتَيْنِ وَاِلَيْهِ اَشَارَ عُمَرُ ﷺ بِقَوْلِهِ لَوِاسْتَطَعْتُ لَجَعَلْتُهَا حَيْضَةً وَنِصْفًا وَاِنْ كَانَتْ لَاتَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا شَهْرٌ وَنِصْفٌ لِاَنَّهُ مُتَجَزِّىءٌ فَاَمْكَنَ تَنْصِيْفُهُ عَمَلًا بِالرِّقِّ

ترجمہ..... اور اگر یہ عورت باندی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باندی کی طلاقیں دو ہیں اور اسکی عدت دو حیض ہیں اور اس لئے کہ مملوک ہونا (نعمت کو) آدھا کرنے والا ہے اور ایک حیض کا نصف نہیں ہوتا۔ پس وہ پورا ہو گیا تو دو حیض ہو گئے اور اسی طرف حضرت عمرؓ نے اشارہ فرمایا کہ اگر مجھ سے ہو سکتا تو اس کی عدت کو ایک حیض اور نصف کر دیتا اور اگر باندی ایسی ہو کہ اس کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے کیونکہ مہینہ متجزی ہو سکتا ہے پس رقیت پر عمل کرتے ہوئے مہینہ کو آدھا کرنا ممکن ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مطلقہ باندی ہو تو اس کی عدت دو حیض ہوں گے۔ دلیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ذکر کی گئی ہے۔ یعنی طلاق الامة تطليقتان وعدتها حيضتان۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ مملوک ہونا نعمت اور عذاب کو آدھا کرنے والا ہے۔ چنانچہ ارشاد فعليهن نصف ما على المحصنات من العذاب اور ایک حیض متجزی نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ پورا ہو گیا تو اس طرح باندی مطلقہ کی عدت دو حیض ہوں گے اور اس کی طرف حضرت عمرؓ نے اشارہ فرمایا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں مطلقہ باندی کی عدت ڈیڑھ حیض کر دیتا۔ مگر چونکہ یہ بات میرے بس میں نہیں اس لئے میں نے اس کو پورے دو حیض کر دیا اور اگر وہ مطلقہ باندی غیر ذوات الحیض میں سے ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی۔ کیونکہ مہینہ متجزی (ٹکڑے) ہو سکتا ہے۔ پس رقیت پر عمل کرتے ہوئے اس کی تنصیف کر دی جائے گی۔

متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار مہینے دس دن ہے

وَعِدَّةُ الْحُرَّةِ فِي الْوَفَاتِ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَّعَشْرٌ لِقَوْلِهِ تَعَالٰى وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَعِدَّةُ الْاَمَةِ شَهْرَانِ وَخَمْسَةُ اَيَّامٍ لِاَنَّ الرِّقَّ مُنَصِّفٌ

ترجمہ..... اور آزاد عورت کی عدت جس کا شوہر وفات پا چکا چار ماہ دس دن ہیں۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا فرمان ہے (والذين يتوفون منكم و يذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرًا اور باندی کی عدت (جس کا شوہر وفات پا چکا ہے) دو ماہ پانچ دن کیونکہ مملوک ہونا آدھا کرنے والا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ آزاد عورت متوفیٰ عنها زوجها کی عدت چار ماہ دس دن ہیں۔ خواہ یہ عورت ذوات الحیض میں سے ہو یا غیر ذوات الحیض میں سے۔ مسلمان ہو یا کتابیہ، بالغہ ہو، یا نابالغہ۔ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا۔ آئسہ ہو یا غیر آئسہ۔ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

دلیل اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ یعنی تم میں سے وہ لوگ جو اپنی بیویوں کو چھوڑ کر وفات پا جاتے ہیں تو ان کی بیویاں اپنے نفوس کو چار ماہ دس دن انتظار میں رکھیں اور اگر متوفیٰ عنہا زوجہا باندی ہے۔ تو اسکی عدت دو ماہ پانچ دن ہیں۔ کیونکہ رقیت تنصیف کر دیتی ہے۔

فوائد..... متوفیٰ عنہا زوجہا کی عدت میں اسلاف فقہاء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض کی رائے یہ ہے کہ متوفیٰ عنہا زوجہا کی دو عدتیں ہیں۔

۱۔ عدت طولیٰ ۲۔ عدت قصریٰ

عدت طولیٰ ایک سال ہے اور عدت قصریٰ چار ماہ دس دن ہیں۔ پس ایک سال عدت گذارنا عزیمت ہے اور چار ماہ دس دن رخصت ہے اور استدلال باری تعالیٰ کے قول

والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجًا وصیة لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسھن من معروف

سے کیا گیا ہے۔ یعنی اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی..... ان بیویوں کے واسطے ایک سال تک نفع اٹھانے کی۔ اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جائیں۔ ہاں اگر خود نکل جاویں تو تم کو کوئی گناہ نہیں، اس قاعدے کی بات میں جس کو وہ اپنے بارے میں بیان کریں۔ (بیان القرآن)

یہ حضرات اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت تو ایک سال ہے۔ لیکن اگر چار ماہ دس دن کے بعد وہ نکل جائیں اور عدت ختم کر دیں تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ عدت کاملہ تو ایک سال ہے مگر چار ماہ دس یوم پر اکتفاء کرنا رخصت ہے۔

اور عام اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں متوفی عنہا زوجہا کی عدت ایک سال تھی۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ لیکن بعد میں چل کر **یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشرا** کی وجہ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا اور متوفی عنہا زوجہا کی عدت میں چار ماہ دس دن مقرر ہو گئے۔
واللہ اعلم بالصواب

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

وَ اِنْ كَانَتْ حَامِلًا فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا لِاِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ مَنْ شَاءَ بَاهَلْتُهُ اَنَّ سُوْرَةَ النِّسَاءِ الْقُصْرٰى نَزَلَتْ بَعْدَالْاٰيَةِ الَّتِيْ فِيْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَقَالَ عُمَرُ ﷺ لَوْوَضَعَتْ وَزَوْجُهَا عَلٰى سَرِيْرِهٖ لَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا وَحَلَّ لَهَا اَنْ تَتَزَوَّجَ

ترجمہ..... اور اگر متوفی عنہا زوجہا حاملہ ہے تو اس کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے حمل کو جن دے۔ اس لیے کہ باری تعالیٰ کا قول **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** مطلق ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو شخص چاہے میں اس سے مباہلہ کر سکتا ہوں کہ سورہ نساء قصریٰ (سورۃ طلاق پارہ ۲۸) اس آیت کے بعد نازل ہوئی جو سورہ بقرہ میں ہے اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر عورت نے اسی حالت میں وضع حمل کیا کہ اس کا شوہر تختہ میت پر ہے تو بھی اس کی عدت گذر گئی اور اس عورت کے لیے حلال ہو گیا کہ (دوسرے شوہر) سے نکاح کر لے۔

تشریح..... فرماتے ہیں کہ متوفی عنہا زوجہا آزاد ہو یا باندی اگر حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا قول **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** مطلق ہے۔ پس اپنے اطلاق کی وجہ سے متوفی عنہا زوجہا اور غیر متوفی عنہا زوجہا سب کو شامل ہے۔

اور عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی آیت **یتربصن بانفسھن اربعة اشھر و عشرًا** پہلے نازل ہوئی اور سورہ نساء قصریٰ یعنی سورۂ طلاق کی آیت **و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** بعد میں نازل ہوئی ہے اور اگر کوئی اس پر مباہلہ کرنا چاہے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ ابن مسعود ﷺ کا منشاء یہ ہے کہ ابتداء میں متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار ماہ دس دن تھی، خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ مگر جب **و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** آیت نازل ہوئی تو حاملہ کے حق میں چار ماہ دس دن کا حکم منسوخ ہو گیا اور اس کی عدت وضعِ حمل رہ گئی خواہ متوفی عنہا زوجہا ہو یا غیر متوفی عنہا زوجہا۔

اور حضرت ابن مسعود ﷺ کے اس قول کی تائید حضرت عمر ﷺ کے فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ اگر عورت نے ایسی حالت میں وضع حمل کیا کہ اس کا شوہر ابھی تک تختہ میت پر ہے۔ یعنی تدفین نہیں ہوئی تو بھی اس کی عدت گذر گئی اور اس عورت کے لیے دوسرے شوہر سے نکاح کرنا حلال ہو گیا۔

اگر مطلقہ مرض میں وارث ہوئی اس کی عدت ابعد الاجلین ہے، امام ابو یوسفؒ کا مذہب

وَإِذَا وَرِثَتِ الْمُطَلَّقَةُ فِي الْمَرَضِ فَعِدَّتُهَا أَبْعَدُ الْأَجَلَيْنِ وَهٰذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ ثَلٰثُ حِيَضٍ وَمَعْنَاهُ إِذَا كَانَ الطَّلَاقُ بَائِنًا أَوْ ثَلٰثًا أَمَّا إِذَا كَانَ رَجْعِيًّا فَعَلَيْهَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ بِالْإِجْمَاعِ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ النِّكَاحَ قَدِ انْقَطَعَ قَبْلَ الْمَوْتِ بِالطَّلَاقِ وَلَزِمَتْهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ وَإِنَّمَا تَجِبُ عِدَّةُ الْوَفَاةِ إِذَا زَالَ النِّكَاحُ فِي الْوَفَاةِ إِلَّا أَنَّهُ بَقِيَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ لَا فِي حَقِّ تَغَيُّرِ الْعِدَّةِ بِخِلَافِ الرَّجْعِيِّ لِأَنَّ النِّكَاحَ بَاقٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَلَهُمَا أَنَّهُ لَمَّا بَقِيَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ يُجْعَلُ بَاقِيًا فِي حَقِّ الْعِدَّةِ اِحْتِيَاطًا فَيُجْمَعُ بَيْنَهُمَا وَلَوْ قُتِلَ عَلٰى رِدَّتِهِ حَتّٰى وَرِثَتْهُ اِمْرَأَتُهُ فَعِدَّتُهَا عَلٰى هٰذَا الْاِخْتِلَافِ وَقِيْلَ عِدَّتُهَا بِالْحَيْضِ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ النِّكَاحَ حِيْنَئِذٍ مَا اعْتُبِرَ بَاقِيًا إِلٰى وَقْتِ الْمَوْتِ فِي حَقِّ الْإِرْثِ لِأَنَّ الْمُسْلِمَةَ لَا تَرِثُ مِنَ الْكَافِرِ

ترجمہ......اور جب مطلقہ (شوہر کے) مرض الموت میں وارث ہوئی تو اس کی عدت دونوں مدتوں میں سے دراز ہوگی اور یہ (حکم) امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور ابو یوسف نے کہا کہ تین حیض (اس کی عدت ہیں) اور اس کے معنی یہ ہیں کہ طلاق بائن ہو یا تین طلاقیں ہوں اور اگر طلاق رجعی دی گئی ہو، تو بالاتفاق اس پر عدتِ وفات لازم ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق کی وجہ سے نکاح تو موت سے پہلے منقطع ہوگیا اور عورت کے ذمہ تین حیض لازم ہوگئے اور وفات کی عدت اسی وقت واجب ہوتی ہے جبکہ وفات کی وجہ سے نکاح زائل ہوا ہو۔ مگر یہ کہ میراث کے حق میں نکاح باقی ہے اور عدت بدلنے کے حق میں باقی نہیں رہا بر خلاف طلاق رجعی کے۔ کیونکہ نکاح من کل وجہ باقی رہتا ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب میراث کے حق میں نکاح باقی رکھا گیا تو احتیاطاً عدت کے حق میں بھی باقی رکھا گیا۔ پس دونوں میں جمع کیا جائے گا۔

اور اگر (شوہر) اپنے مرتد ہونے پر قتل کیا گیا، حتیٰ کہ بیوی اس کی وارث ہوئی تو اس کی عدت بھی اسی اختلاف پر ہے اور کہا گیا کہ اس کی عدت بالاتفاق حیض ہی سے ہوگی۔ اس واسطے کہ میراث کے حق میں (شوہر مرتد) کے قتل ہونے تک اس صورت میں نکاح باقی نہیں رکھا گیا۔ کیونکہ مسلمان عورت کسی کافر کی وارث نہیں ہوتی ہے۔

تشریح......صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے مرض الموت میں اپنی بیوی کو ایک طلاق بائنہ دی یا تین طلاقیں دیں اور پھر عدت ہی میں مر گیا تو اس کی بیوی وارث ہوگی اور اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہوگی۔ یعنی اس عورت پر طلاق کی وجہ سے تین حیض گذارنا واجب ہیں اور شوہر کی وفات کے وجہ سے چار ماہ دس دن گذرنا واجب ہیں۔ پس اگر تین حیض گذر گئے لیکن چار ماہ دس یوم پورے نہیں ہوئے تو کہا جائے گا کہ ابھی تک عدت نہیں گذری یہاں تک کہ چار ماہ دس یوم پورے ہو جائیں اور اگر چار ماہ دس یوم گذر گئے لیکن تین حیض نہیں گذرے۔ بایں طور کہ عورت ممتدۃ طہر ہے۔ تو یہی کہا جائے گا کہ ابھی تک عدت نہیں گذری۔ یہاں تک کہ تین حیض آجائیں۔ اگرچہ عورت کو چند سال انتظار کرنا پڑے۔ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی عدت صرف تین حیض ہیں۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جبکہ اس عورت کو طلاق بائنہ دی گئی یا تین طلاقیں دی گئی ہوں اور اگر طلاق رجعی دی گئی ہے تو اس پر بالاتفاق عدتِ وفات یعنی چار ماہ دس یوم واجب ہوں گے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح تو موت سے پہلے ہی طلاق بائن کی وجہ سے منقطع ہوگیا ہے اور چونکہ عدت طلاق تین حیض ہوتے ہیں۔ اس لیے اس عورت پر تین حیض گذارنا واجب ہوگئے اور رہی عدتِ وفات تو وہ اس وقت واجب ہوتی ہے جبکہ نکاح شوہر پر وفات سے زائل ہوا ہو۔ حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے اس عورت پر عدت وفات واجب نہیں ہوگی بلکہ صرف عدت طلاق واجب ہوگی۔

الا انہ بقی...... الخ سے ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب طلاق بائنہ کی وجہ سے نکاح منقطع ہو گیا تو اس عورت کو وراثت بھی نہ ملنی چاہئے۔ حالانکہ ابو یوسفؒ بھی اس کو مستحق وراثت قرار دیتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ میراث کے حق میں نکاح کو صحابہؓ کے اجماع کی وجہ سے باقی رکھا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عورت امرأۃ فار ہے اور سابق میں گذر چکا کہ امرأۃ فار کے مستحق وراثت ہونے پر صحابہ نے اجماع منعقد کیا ہے۔ پس اس دلیل کی وجہ سے عورت وارث ہوگی۔ برخلاف طلاق رجعی کے، کیونکہ طلاق رجعی سے نکاح منقطع نہیں ہوتا، بلکہ ہر اعتبار سے نکاح باقی رہتا ہے۔ اس وجہ سے اگر طلاق رجعی کے بعد شوہر کا انتقال ہوا ہے تو بالاتفاق عورت پر عدتِ وفات واجب ہوگی۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب نکاح وراثت کے حق میں باقی ہے تو احتیاط کے طور پر عدت کے حق میں باقی شمار کیا گیا۔ اس وجہ سے دونوں عدتیں جمع کر دی گئیں۔ کیونکہ وہ عورت حقیقتاً تو بائنہ ہے اور حکماً متوفی عنہا زوجہا ہے۔

ولو قتل علیٰ ردتہ سے امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا استدلال یہ ہے کہ مرتد جب مر گیا یا ردت کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو اس کی مسلمان بیوی اس کی وارث ہوگی۔ حالانکہ بالاجماع اس پر عدت وفات واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں نکاح ردت کی وجہ سے زائل ہوا ہے نہ کہ موت کی وجہ سے پس اسی طرح مسئلہ مذکورہ میں بھی نکاح کا زوال طلاق بائنہ سے ہوا ہے نہ کہ موت کی وجہ سے پس اسی طرح استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی اسی اختلاف پر ہے کہ طرفین کے نزدیک عدت ابعد الاجلین ہوگی اور ابو یوسفؒ کے نزدیک تین حیض عدت ہوں گے۔

اور مشائخ کی رائے یہ ہے کہ اس عورت کی عدت بالاجماع حیض کے ساتھ ہوگی۔ اس صورت میں طرفین کی طرف سے جواب یہ ہوگا کہ اس صورت میں نکاح وراثت کے حق میں مرتد شوہر کی موت تک باقی قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ مسلمان عورت کافر کی وارث نہیں ہوتی۔

اگر باندی طلاق رجعی کی عدت میں آزاد ہو گئی اس کی عدت حرائر کی طرف منتقل ہو جائے گی اگر مبتوتہ یا متوفی عنہا زوجہا عدت میں آزاد ہو گئی اسکی عدت حرائر کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی

فَاِنْ اُعْتِقَتِ الْاَمَةُ فِیْ عِدَّتِهَا مِنْ طَلَاقٍ رَجْعِیٍّ اِنْتَقَلَتْ عِدَّتُهَا اِلٰی عِدَّةِ الْحَرَائِرِ لِقِيَامِ النِّكَاحِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ وَاِنْ اُعْتِقَتْ وَهِیَ مَبْتُوْتَةٌ اَوْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَالَمْ تَنْتَقِلْ عِدَّتُهَا اِلٰی عِدَّةِ الْحَرَائِرِ لِزَوَالِ النِّكَاحِ بِالْبَيْنُوْنَةِ اَوِ الْمَوْتِ

ترجمہ...... پس اگر باندی اپنی طلاق رجعی کی عدت میں آزاد کی گئی تو اس کی عدت منتقل ہو کر آزاد عورتوں کی عدت کی طرف آجائے گی۔ کیونکہ نکاح ہر طرح سے قائم ہے اور اگر یہ باندی ایسی حالت میں آزاد کی گئی کہ معتدہ بائنہ ہے یا متوفی عنہا زوجہا ہے۔ تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ کیونکہ نکاح بینونت یا موت کی وجہ سے زائل ہو گیا ہے۔

تشریح...... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ منکوحہ باندی کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی پھر اس کو اسکے مولیٰ نے عدت ہی میں آزاد کر دیا تو اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ یعنی اگر وہ ذوات الحیض میں سے ہے تو تین حیض شمار کرے اور اگر غیر ذوات الحیض میں سے ہے تو تین ماہ شمار کرے گی۔

دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی سے نکاح منقطع نہیں ہوتا بلکہ من کل وجہ باقی رہتا ہے۔ پس گویا اس کو اس کے مولیٰ نے منکوحہ ہونے کی حالت میں

آزاد کیا ہے اور اگر وہ منکوحہ باندی ایسی حالت میں آزاد کی گئی کہ وہ مطلقہ بائنہ ہے یا اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا اور عدت وفات گذار رہی ہے۔ تو اس صورت میں اس کی عدت آزاد عورتوں کی عدت کی طرف منتقل نہیں ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ طلاق بائن یا موت کی وجہ سے نکاح زائل ہو گیا ہے۔ پس گویا مولیٰ نے اس کو غیر منکوحہ ہونے کی حالت میں آزاد کیا ہے۔

آئسہ مہینوں سے عدت گذار رہی تھی پھر حیض والی ہوگئی پہلی گذری ہوئی عدت ختم ہو جائے گی پھر نئے سرے سے حیض کے ساتھ عدت گذارے گی

وَ اِنْ كَانَتْ اٰئِسَةً فَاعْتَدَّتْ بِالشُّهُوْرِ ثُمَّ رَأَتِ الدَّمَ اِنْتَقَضَ مَامَضٰى مِنْ عِدَّتِهَا وَعَلَيْهَا اَنْ تَسْتَانِفَ الْعِدَّةَ بِالْحَيْضِ وَمَعْنَاهُ اِذَارَأَتِ الدَّمَ عَلَى الْعَادَةِ لِاَنَّ عَوْدَهَا يُبْطِلُ الْاِيَاسَ هُوَ الصَّحِيْحُ فَظَهَرَ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ خَلَفًا وَهٰذَا لِاَنَّ شَرْطَ الْخَلْفِيَّةِ تَحَقُّقُ الْيَاْسِ وَذٰلِكَ بِاسْتِدَامَةِ الْعِجْزِ اِلَى الْمَمَاتِ كَالْفِدْيَةِ فِيْ حَقِّ الشَّيْخِ الْفَانِيْ

ترجمہ..... اور اگر (مطلقہ عورت) اپنے حیض سے مایوس ہو۔ پس اس نے مہینوں سے عدت پوری کرنی شروع کر دی۔ پھر اس نے خون دیکھا تو جو کچھ مدت اس کی عدت میں سے گذری وہ ٹوٹ گئی اور اس پر از سر نو حیض کے ساتھ عدت گذارنا واجب ہوگا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے جب خون عادت کے مطابق دیکھا۔ کیونکہ خون عود کرنا مایوسی کو ختم کرتا ہے۔ یہی صحیح ہے تو ظاہر ہو گیا کہ مہینوں کے ساتھ عدت گذارنا اس کا خلیفہ نہیں تھی اور یہ اس وجہ سے ہے کہ خلیفہ ہونے کی شرط مایوسی کا متحقق ہونا ہے اور یہ موت تک عجز کے برابر پائے جانے کی وجہ سے ہوگا۔ جیسے شیخ فانی کے حق میں فدیہ۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مطلقہ عورت حیض سے مایوس ہو گئی۔ پس اس نے مہینوں کے ساتھ عدت گذارنی شروع کی۔ پھر خون آنے لگا تو حکم یہ ہے کہ جو کچھ عدت مہینوں کے ساتھ گذر گئی وہ باطل ہو گئی اور اب یہ عورت از سر نو حیض کے ساتھ عدت گذارے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قدوری کی مراد یہ ہے کہ اس عورت نے یاس سے پہلے جو عادت تھی اس کے مطابق خون دیکھا ہو تو بالشہور باطل ہوگی ورنہ نہیں۔

دلیل یہ ہے کہ عادت کے طور پر خون کا عود کرنا حیض سے مایوس ہونے کو باطل کر دیتا ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ مہینہ کی عدت اس کا خلیفہ نہیں تھی اور خلیفہ کا باطل ہونا اس وجہ سے ہے کہ خلیفہ ہونے کی شرط یہ ہے کہ اصل یعنی حیض سے مایوسی متحقق ہو اور یہ جب ہوگا جبکہ برابر موت تک یاس رہے۔ پس جب اس عورت کو عادت کے مطابق خون آنے لگا تو اب اس کی عدت حیض کے ساتھ ہوگی نہ کہ مہینوں کے ساتھ۔ کیونکہ اصل پر قدرت کی صورت میں بدل اور خلیفہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شیخ فانی کے لیے روزے کے بدلے فدیہ دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ پس اگر یہ شخص روزہ رکھنے پر قادر ہو گیا تو فدیہ کا حکم باطل ہو جائے اور روزہ کے ساتھ قضاء کرنا واجب ہوگا۔ اسی طرح متیمم اگر پانی کے استعمال پر قادر ہو گیا۔ تو تیمم کا حکم باطل ہو جائے گا۔

اگر حیض کے ساتھ عدت گذار رہی تھی پھر آئسہ ہوگئی تو مہینوں سے عدت گذارے گی

وَ لَوْ حَاضَتْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ اَيِسَتْ تَعْتَدُّ بِالشُّهُوْرِ تَحَرُّزًا عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْبَدَلِ وَالْمُبْدَلِ

ترجمہ..... اور اگر عورت کو دو حیض آ گئے، پھر وہ حیض سے مایوس ہو گئی تو مہینوں سے عدت شمار کرے۔ تاکہ بدل اور مبدل دونوں کے جمع کرنے سے احتراز ہو۔

تشریح.....مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو دو حیض آ گئے، پھر وہ حیض سے مایوس ہو گئی ایسی صورت میں وہ نئے سرے سے تین ماہ سے عدت پوری کرے۔ کیونکہ عدت پوری کرنے میں یا تو حیض ہیں یا مہینے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ دو حیض اور ایک مہینہ جمع کر کے عدت پوری کرے۔ کیونکہ اس میں اصل اور بدل کا جمع کرنا لازم آتا ہے اور اصل اور بدل کو جمع کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

منکوحہ نکاح فاسد اور موطوءہ شبہ دونوں کی فرقت اور موت میں عدت حیض کے اعتبار سے ہوگی

وَالْمَنْكُوحَةُ نِكَاحًا فَاسِدًا وَالْمَوْطُوْءَةُ بِشُبْهَةٍ عِدَّتُهُمَا الْحَيْضُ فِي الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ لِاَنَّهَا لِلتَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحِمِ لَا لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ وَالْحَيْضُ هُوَ الْمُعَرِّفُ

ترجمہ.....اور جس عورت سے نکاح فاسد کیا گیا اور جس عورت سے شبہ میں وطی کی گئی۔ ان دونوں کی عدت فرقت کی حالت اور موت میں حیض ہے۔ کیونکہ یہ عدت تو برأت رحم کو معلوم کرنے کے لیے ہے نہ کہ حق نکاح ادا کرنے کے واسطے اور حیض ہی شناخت کرانے والا ہے۔

تشریح.....صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح فاسد کیا گیا۔ مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح کیا۔ یا کسی عورت سے وطی بالشبہ کی گئی مثلاً دھوکے میں اپنی بیوی کے علاوہ کسی کے پاس چلا گیا اور اس سے وطی کر بیٹھا۔ تو اس صورت میں واطی (وطی کرنے والے) پر مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت واجب ہوگی۔ خواہ واطی مر گیا ہو یا دونوں میں تفریق کر دی گئی ہو۔ پس اگر یہ عورت ذوات الحیض میں سے ہے اور آزاد ہے تو اس کی عدت تین حیض ہیں اور اگر باندی ہے تو اس کی عدت دو حیض ہیں اور اگر یہ عورت غیر ذوات الحیض میں سے ہے اور آزاد ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہیں اور اگر باندی ہے تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے حاصل یہ ہے کہ اگر یہ واطی مر گیا تب بھی اس کی عدت حیض کے ساتھ ہوگی اور حیض نہ آنے کی صورت میں مہینہ اس کے قائم مقام ہوگا اور عدت وفات (چار ماہ دس یوم) واجب نہیں ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ ان دونوں عورتوں کی عدت رحم کے پاک ہونے کو معلوم کرنے کے لیے ہوتی ہے نہ کہ حق نکاح ادا کرنے کے لیے اس لیے کہ نکاح فاسد اور وطی بالشبہ کا کوئی حق نہیں ہوتا اور رحم کے پاک ہونے کا علم، حیض سے ہوتا ہے۔ اس لیے ان دونوں کی عدت حیض کے ساتھ مقرر کی گئی ہے اور حیض نہ آنے کی صورت میں مہینہ حیض کے قائم مقام ہو جائے گا۔

لیکن اگر یہ اشکال کیا جائے کہ یہ مقصد تو ایک حیض یا ایک ماہ سے پورا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تین حیض واجب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شبہ نکاح کو حقیقت نکاح کے ساتھ لاحق کر کے تین حیض گذارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مولیٰ ام الولد سے فوت ہو گیا یا اسے آزاد کر دیا اس کی عدت تین حیض ہیں

وَاِذَا مَاتَ مَوْلٰى اُمِّ الْوَلَدِ عَنْهَا اَوْ اَعْتَقَهَا فَعِدَّتُهَا ثَلٰثُ حِيَضٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ حَيْضَةٌ وَاحِدَةٌ لِاَنَّهَا تَجِبُ بِزَوَالِ مِلْكِ الْيَمِيْنِ فَشَابَهَتِ الْاِسْتِبْرَاءَ وَلَنَا اَنَّهَا وَجَبَتْ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ فَاَشْبَهَ عِدَّةَ النِّكَاحِ ثُمَّ اِمَامُنَا فِيْهِ عُمَرُ ﷺ فَاِنَّهٗ قَالَ عِدَّةُ اُمِّ الْوَلَدِ ثَلٰثُ حِيَضٍ وَلَوْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ فَعِدَّتُهَا ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ كَمَا فِي النِّكَاحِ

ترجمہ.....اور اگر ام ولد کا مولیٰ (ام ولد کو چھوڑ کر) مر گیا یا اسکو آزاد کر دیا تو اس کی عدت تین حیض ہیں اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ایک حیض ہے۔ اس لیے کہ ام ولد کی عدت ملک یمین کے زائل ہونے سے واجب ہوئی ہے۔ تو استبراء سے مشابہ ہوگئی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ام ولد کی عدت فراش کے زائل ہونے کی وجہ سے واجب ہوئی ہے۔ تو عدت نکاح کے مشابہ ہوگئی۔ پھر اس حکم میں ہمارے امام حضرت عمرؓ ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہیں اور اگر ام ولد ایسی عورت ہو جس کو حیض نہیں آتا ہے۔ تو اس کی عدت تین ماہ ہیں۔ جیسے نکاح میں ہوتا ہے۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ام ولد کے مولیٰ کا انتقال ہو گیا یا مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو اس ام ولد کی عدت تین حیض ہیں اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس کی عدت ایک حیض ہے اور اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام محمدؒ ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ ملک یمین زائل ہونے کی وجہ سے ام ولد پر عدت واجب کی گئی ہے۔ پس یہ استبراء کے مشابہ ہو گئی اور استبراء کے لیے ایک حیض کافی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی ایک حیض کافی ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ام ولد کی عدت زوال فراش کی وجہ سے واجب ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ عدت نکاح کے مشابہ ہو گئی اور چونکہ نکاح کی عدت میں تین حیض ہوتے ہیں۔ اس لیے یہاں بھی تین حیض ہوں گے۔

پھر اس حکم میں ہمارے پیشوا حضرت عمرؓ ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے فرمایا کہ ام ولد کی عدت تین حیض ہیں اور اگر وہ ام ولد غیر ذوات الحیض میں سے ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہیں، جیسا کہ نکاح میں ہوتا ہے۔

صغیر اپنی بیوی چھوڑ کر فوت ہو گیا اور وہ حاملہ تھی اس کی عدت وضع حمل ہے، امام ابو یوسفؒ کا مذہب

وَ اِذَا مَاتَ الصَّغِيْرُ عَنْ اِمْرَأَتِهٖ وَبِهَا حَبَلٌ فَعِدَّتُهَا اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا وَ هٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَؒ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ عِدَّتُهَا اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَ عَشْرٌ وَ هُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِاَنَّ الْحَمْلَ لَيْسَ بِثَابِتِ النَّسَبِ مِنْهُ فَصَارَ كَالْحَادِثِ بَعْدَالْمَوْتِ لَهُمَا اِطْلَاقُ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَلِاَنَّهَا مُقَدَّرَةٌ بِمُدَّةِ وَضْعِ الْحَمْلِ فِيْ اُولَاتِ الْاَحْمَالِ قَصُرَتِ الْمُدَّةُ اَوْطَالَتْ لَالِلتَّعَرُّفِ عَنْ فِرَاغِ الرَّحْمِ لِشَرْعِهَا بِالْاَشْهُرِ مَعَ وُجُوْدِالْاَقْرَاءِ لٰكِنْ لِقَضَاءِ حَقِّ النِّكَاحِ وَهٰذَا الْمَعْنٰى يَتَحَقَّقُ فِي الصَّبِيِّ وَاِنْ لَمْ يَكُنِ الْحَمْلُ مِنْهُ بِخِلَافِ الْحَمْلِ الْحَادِثِ لِاَنَّهٗ وَجَبَتِ الْعِدَّةُ بِالشُّهُوْرِ فَلَاتَتَغَيَّرُ بِحُدُوْثِ الْحَمْلِ وَفِيْمَا نَحْنُ فِيْهِ كَمَاوَجَبَتْ وَجَبَتْ مُقَدَّرَةً بِمُدَّةِ الْحَمْلِ فَافْتَرَقَاوَلَا يَلْزَمُ اِمْرَأَةُ الْكَبِيْرِاِذَاحَدَثَ لَهَاالْحَبَلُ بَعْدَالْمَوْتِ لِاَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ مِنْهُ فَكَانَ كَالْقَائِمِ عِنْدَالْمَوْتِ حُكْمًا وَ لَا يَثْبُتُ نَسَبُ الْوَلَدِفِي الْوَجْهَيْنِ لِاَنَّ الصَّبِيَّ لَامَاءَ لَهٗ فَلَايُتَصَوَّرُ مِنْهُ الْعُلُوْقُ وَالنِّكَاحُ يُقَامُ مَقَامَهٗ فِيْ مَوْضِعِ التَّصَوُّرِ

ترجمہ..... اور اگر نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو چھوڑ کر مرا۔ حالانکہ اس کی یہ بیوی حاملہ ہے تو اس کی عدت یہ ہے کہ اپنا حمل وضع کرے اور یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اس وجہ سے کہ (اس) حمل (کا نسب) صغیر سے ثابت نہیں ہے۔ پس ایسا ہو گیا جیسے صغیر کے مرنے کے بعد (حمل) پیدا ہوا ہو۔

اور طرفینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً حکم دیا کہ حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ وضع حمل کریں۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حمل والی عورتوں میں عدت کا اندازہ وضع حمل پر ہے۔ خواہ تھوڑی مدت ہو یا زیادہ ہو۔ (اور یہ) اس لیے نہیں کہ رحم کا حمل سے خالی ہونا معلوم کیا جائے۔ کیونکہ عدتِ وفات حیض کے موجود رہتے ہوئے مہینوں کے ساتھ مشروع کی گئی ہے، بلکہ حق نکاح ادا کرنے کے لیے ہے اور حق نکاح کا ادا کرنا طفل صغیر میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگر چہ اس کے نطفہ سے حمل نہ ہو۔ بخلاف ایسے حمل کو جو (شوہر کی وفات کے بعد) پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ عدت مہینوں کے ساتھ واجب ہو چکی تو پھر حمل پیدا ہو جانے سے متغیر نہ ہوگی اور ہمارے اس مسئلہ میں جب عدت واجب ہوئی تب ہی سے حمل کی مدت کے ساتھ واجب ہوئی۔ پس (دونوں مسئلوں میں) فرق ظاہر ہو گیا۔ (اور اس پر) مرد بالغ کی بیوی کا اعتراض لازم نہیں آتا جبکہ بالغ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کا حمل ظاہر ہوا ہو۔ کیونکہ (حمل کا) نسب اس بالغ سے ثابت ہوگا۔ تو گویا وہ حکماً موت کے

وقت موجود تھا اور بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ صغیر کا نطفہ نہیں ہوتا۔ تو اس کی طرف سے حمل بھی متصور نہیں ہے اور نکاح موضع تصور میں وطی کے قائم مقام ہے۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک نابالغ لڑکا اپنی حاملہ بیوی کو چھوڑ کر مر گیا تو طرفین کے نزدیک اس کی عدت وضع حمل ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس کی عدت چار ماہ دس یوم ہے۔ یہی قول ہے امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ اس حمل کا نسب صغیر سے ثابت نہیں ہے۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ صغیر کی موت کے بعد حمل ظاہر ہوا ہو اور اس صورت میں بالاتفاق عدتِ وفات یعنی چار ماہ دس دن واجب ہوں گے۔ پس اسی طرح مسئلہ مذکورہ میں بھی چار ماہ دس یوم پورے کرنا ضروری ہیں۔

طرفین کی دلیل..... یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً حکم دیا کہ حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ خواہ وہ عدت طلاق ہو یا عدتِ وفات اور خواہ حمل شوہر کا ہو یا غیر شوہر کا۔ پس یہ آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے اس نابالغ بچہ کی بیوی کو بھی شامل ہوگی۔ کیونکہ یہ بھی حاملہ ہے۔ اگر چہ اس کا حمل ثابت النسب نہیں ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حاملہ عورتوں کے حق میں عدتِ وفات کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ وضع حمل کی مدت کے ساتھ۔ خواہ یہ مدت تھوڑی ہو یا زیادہ اور اس عدت کا مقصد حقِ نکاح کو ادا کرنا ہے۔ نہ کہ حمل سے رحم کے خالی ہونے کو دریافت کرنا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عدتِ وفات حیض کی موجودگی میں مہینوں کے ساتھ مشروع کی گئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس عدت کا مقصد حقِ نکاح کو ادا کرنا ہے نہ کہ فراغ رحم کو معلوم کرنا اور یہ معنی یعنی حقِ نکاح کو ادا کرنا بچہ میں بھی پائے جاتے ہیں اگر چہ حمل اس سے ثابت نہ ہو۔

بخلاف الحمل الحادث سے امام ابو یوسفؒ کے قیاس کا لحادث بعد الموت کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ حمل قائم عند الموت کو حادث بعد الموت پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ موت کے وقت حمل نہ ہونے کی صورت میں ابتداء ہی مہینوں کے ساتھ عدت واجب کی گئی تا کہ حقِ نکاح ادا ہو سکے۔ پس اب اگر بعد میں حمل ظاہر ہو تو وہ حدوثِ حمل کی وجہ سے عدت متغیر نہیں ہوگی۔

اور اس مسئلہ میں عدت ابتداء ہی مدت حمل کے مقدر کی گئی ہے۔ کیونکہ حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے حمل کو وضع کریں۔ پس مقیس اور مقیس علیہ میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اس وجہ سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔

مگر اس پر اشکال ہوگا وہ یہ کہ بالغ مرد کی بیوی میں عدت کیوں متغیر ہوتی ہے۔ یعنی اگر بالغ مرد اور اس وقت اس کی بیوی کو حمل ظاہر نہیں ہوا ہے۔ حتیٰ کہ مہینوں سے عدت لازم آئی۔ پھر ظاہر ہوا کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت متغیر کر کے وضع حمل مقرر کی جاتی ہے۔ واجب یہ ہے کہ اس صورت میں نسب مرد بالغ سے ثابت ہوتا ہے۔ پس یہ حمل ایسا ہو گیا جیسا کہ موت کے وقت موجود تھا۔

صاحب قدوری فرماتے ہیں کہ نابالغ سے بچہ کا نسب دونوں صورتوں میں ثابت نہیں ہوگا۔ خواہ حمل موت کے وقت موجود ہو یا بعد میں پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ نابالغ کا نطفہ نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے حمل بھی متصور نہیں ہوگا۔

لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ نکاح موجود ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے قول الولد للفراش کی وجہ سے نکاح کو وطی کے قائم مقام کر دیا جائے تو جواب یہ ہوگا کہ نکاح وطی کے قائم مقام جبھی ہوگا جبکہ اس سے وطی ممکن ہو اور یہاں نابالغ سے وطی متصور ہی نہیں ہے۔ لہٰذا نکاح بھی وطی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

شوہر نے بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اس حیض کو عدت میں شمار نہیں کیا جائے گا جس میں طلاق واقع ہوئی

وَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهٗ فِیْ حَالَةِ الْحَیْضِ لَمْ تَعْتَدَّ بِالْحَیْضَةِ الَّتِیْ وَقَعَ فِیْهَا الطَّلَاقُ لِاَنَّ الْعِدَّةَ مُقَدَّرَةٌ بِثَلٰثِ

حِيَضٍ كَوَامِلَ فَلَا يُنْقَصُ عَنْهَا

ترجمہ......اور جب مرد نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو عورت اس حیض کو جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔ عدت میں شمار نہ کرے۔ کیونکہ عدت پورے تین حیض کے ساتھ مقدر کی گئی ہے تو اس سے کمی نہ کی جائے گی۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو عدت میں وہ حیض شمار نہیں کیا جائے گا۔ جس میں طلاق واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ بالاجماع عدت میں پورے تین حیض کا گذارنا ضروری ہے۔ اس لیے اس سے کمی نہیں کی جائے گی۔

معتدہ کے ساتھ وطی بالشبہہ ہوئی اس پر دوسری عدت ہے اور دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا اور عورت جو حیض دیکھے گی دونوں سے شمار کرے گی دوسری عدت کا اتمام لازم ہے، امام شافعیؒ کا نقطہ نظر

وَ إِذَا وُطِئَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِشُبْهَةٍ فَعَلَيْهَا عِدَّةٌ أُخْرَىٰ وَتَدَاخَلَتِ الْعِدَّتَانِ وَيَكُوْنُ مَاتَرَاهُ الْمَرْأَةُ مِنَ الْحَيْضِ مُحْتَسَبًا مِنْهُمَا جَمِيْعًا وَإِذَا انْقَضَتِ الْعِدَّةُ الْأُوْلَىٰ وَلَمْ تُكْمِلِ الثَّانِيَةُ فَعَلَيْهَا إِتْمَامُ الْعِدَّةِ الثَّانِيَةِ وَهٰذَا عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَتَدَاخَلَانِ لِأَنَّ الْمَقْصُوْدَ هُوَ الْعِبَادَةُ فَإِنَّهَا عِبَادَةُ كَفٍّ عَنِ التَّزَوُّجِ وَالْخُرُوْجِ فَلَا تَتَدَاخَلَانِ كَالصَّوْمَيْنِ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ وَلَنَا أَنَّ الْمَقْصُوْدَ التَّعَرُّفُ عَنْ فَرَاغِ الرَّحِمِ وَقَدْ حَصَلَ بِالْوَاحِدَةِ فَتَتَدَاخَلَانِ وَ مَعْنَى الْعِبَادَةِ تَابِعٌ أَلَاتَرَىٰ أَنَّهَا تَنْقَضِيْ بِدُوْنِ عِلْمِهَا وَمَعَ تَرْكِهَا الْكَفَّ

ترجمہ......اور جو عورت (کہ طلاق بائن کی) عدت میں تھی۔ اگر اس سے وطی بالشبہ کر لی گئی تو اس عورت پر دوسری عدت واجب ہوگی اور دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی اور عورت جو حیض دیکھے گی وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور جب پہلی عدت پوری ہو چکی، حالانکہ دوسری عدت پوری نہیں ہوئی ہے۔ تو عورت پر دوسری عدت پوری کرنی واجب ہے اور یہ (حکم) ہمارے نزدیک ہے، اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ دونوں عدتیں ایک دوسرے میں داخل نہ ہوں گی۔ کیونکہ مقصود تو عبادت ہے کیونکہ یہ نکاح کرنے اور باہر نکلنے سے رکنے کی عبادت ہے۔ پس دونوں میں تداخل نہیں ہوگا۔ جیسے ایک دن میں دو روزے متداخل نہیں ہوتے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عدت کا مقصود فراغِ رحم کو معلوم کرنا ہے اور (یہ بات) ایک عدت سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لیے دونوں عدتوں میں تداخل ہو جائے گا اور عبادت کے معنیٰ تابع ہیں۔ کیا نہیں دیکھتا تو کہ عدت بغیر عورت کے علم کے گذر جاتی ہے اور اس کے باوجود (گذر جاتی ہے) کہ عورت اپنے آپ کو روکنا چھوڑ دے۔

تشریح......صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت پر دو عدتیں واجب ہو جائیں تو اسکی دو صورتیں ہیں یہ دو عدتیں دو مردوں سے ہوں گی یا ایک مرد سے اگر ایک مرد سے ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر حلال سمجھ کر اسی شوہر نے عدت میں نکاح کر دیا اور وطی کی یا حلال سمجھ کر مطلقہ ثلاث سے وطی کی یا مطلقہ بائنہ سے عدت میں وطی کی پس اس صورت میں بالاتفاق دونوں عدتوں میں تداخل ہو جائے گا اور اگر دونوں عدتیں دو مردوں سے ہیں تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں دونوں عدتوں کی جنس ایک ہوگی یا دو اگر دونوں کی جنس مختلف ہے مثلاً متوفی عنہا زوجہا سے وطی بالشبہ کی گئی تو اسکا حکم آئندہ مسئلہ میں مذکور ہے اور اگر دونوں عدتوں کی جنس ایک ہے مثلاً مطلقہ نے اپنی عدت میں دوسرے شوہر سے نکاح کیا اور دوسرے شوہر نے اس سے وطی بھی کی اور پھر دونوں میں تفریق کر دی گئی تو اس صورت میں ہمارے نزدیک دونوں عدتوں میں تداخل ہو

جائے گا۔

اور عورت جو بھی حیض دیکھے گی وہ دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور اگر پہلی عدت پوری ہوگئی اور دوسری پوری نہیں ہوئی تو اس پر دوسری عدت کا پورا کرنا واجب ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ عورت کے ایک حیض دیکھ لینے کے بعد دوسرے شوہر نے اس کے ساتھ وطی کی پس زوج ثانی کی وطی کے بعد اس عورت پر تین حیض واجب ہوں گے اور دو حیض چار کے قائم مقام ہوں گے اس طرح پر کہ دو حیض پہلی عدت میں اور دو حیض دوسری عدت میں شمار ہوں گے اور تیسرا حیض صرف دوسری عدت میں شمار ہوگا۔

اور اگر زوج ثانی کی وطی سے پہلے کوئی حیض نہیں آیا تو اس پر تین حیض واجب ہوں گے اور یہ تین حیض چھ کے قائم مقام ہوں گے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی تداخل نہیں ہوگا بلکہ پوری پوری دونوں عدتیں گذارنی ہوں گی۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت سے مقصود عبادت ہے اس طرح پر عدت نام ہے نکاح کرنے اور باہر نکلنے سے رکنے کا جیسے روزہ نام ہے شہوت بطن اور شہوت فرج سے رکنے کا اور عبادات میں تداخل نہیں ہوتا جیسے ایک دن میں دو روزے نہیں رکھے جاسکتے ہیں اسی طرح دو عدتوں میں بھی تداخل نہیں ہوگا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ عدت سے مقصود حمل سے رحم کے خالی ہونے کو معلوم کرنا ہے اور یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے ایک عدت سے اس وجہ سے دونوں عدتیں متداخل ہوں گی۔ صاحب ہدایہ نے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ عدت میں عبادت کے معنی تابع ہیں اور اس پر دلیل یہ ہے کہ عدت بغیر عورت کے علم کے گذر جاتی ہے حالانکہ عبادت بغیر نیت اور بغیر علم کے ادا نہیں ہوتی اسی طرح اگر معتدہ گھر سے باہر نکل جائے یا دوسرے شوہر سے نکاح کر لے تو عدت باطل نہیں ہوتی پس اگر عبادت کے معنی مقصود ہوتے تو اس وقت تک عدت نہ گذرتی جب تک کہ وہ گھر سے نکلنے اور نکاح کرنے سے نہ رکتی۔ اس لئے کہ ان دونوں کاموں سے رکنا رکن عدت ہے اور عبادت بغیر رکن کے متحقق نہیں ہوتی پس ثابت ہوگیا کہ عدت میں عبادت کے معنی تابع ہیں مقصود نہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل کے جواب میں صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ عدت کا رکن نکاح کرنے اور گھر سے باہر نکلنے کا حرام ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تعزموا عقدۃ النکاح اور فرمایا و لا یخرجن ...... الآیۃ ان دونوں آیتوں میں صیغہ نہی مذکور ہے اور نہی کا موجب تحریم ہے پس ثابت ہوا کہ عدت کا رکن حرمت ہے اور چند حرمتیں جمع ہو جاتی ہیں مثلاً حرم کا شکار محرم کے لیے حرام ہے احرام کی وجہ سے اور حرم کی وجہ سے ایسے ہی ایک شخص نے شراب نہ پینے کی قسم کھائی درانحالیکہ یہ شخص روزے سے ہے تو اس صورت میں شراب پینا حرام ہوگا روزے کی وجہ سے قسم کی وجہ سے اور بذات خود شراب حرام ہونے کی وجہ سے۔

اس کے برخلاف روزہ ہے کہ اس کا رکن کف (رکنا) ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ثم اتموا الصیام الی اللیل اور دو امساک ایک دن میں جمع نہیں ہوسکتے پس چونکہ مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان فارق موجود ہے اس لئے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

معتدہ وفات کے ساتھ جب وطی کی گئی مہینوں کے اعتبار سے عدت گذارے گی

وَالْمُعْتَدَّةُ عَنْ وَفَاةٍ اِذَا وُطِئَتْ بِشُبْهَةٍ تَعْتَدُّ بِالشُّهُوْرِ وَتَحْتَسِبُ بِمَاتَرَاهُ مِنَ الْحَيْضِ فِيْهَا تَحْقِيْقًا لِلتَّدَاخُلِ بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ

ترجمہ...... اور (جو عورت اپنے شوہر) کی وفات سے عدت میں ہے اگر شبہ میں (اس سے) وطی کی گئی تو وہ مہینوں سے (اپنی) عدت پوری کرے

اور اس عدت میں جو حیض دیکھے (اس کو دوسری عدت میں) شمار کرے تا کہ جہاں تک ممکن ہو تداخل ہو جائے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر متوفیٰ عنہا زوجہا کے ساتھ اس کی عدت میں وطی بالشبہ کی گئی تو یہ عورت مہینوں سے اپنی عدت پوری کرے اور اس چار ماہ دس یوم کی مدت میں جو حیض دیکھے تو اس کو دوسری عدت میں شمار کرے تا کہ حتی الامکان تداخل ہو جائے۔

عدت طلاق طلاق کے بعد اور عدت وفات وفات کے بعد شروع ہوگی

وَ اِبْتِدَاءُ الْعِدَّةِ فِي الطَّلَاقِ عَقِيْبَ الطَّلَاقِ وَ فِي الْوَفَاةِ عَقِيْبَ الْوَفَاةِ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمْ بِالطَّلَاقِ اَوِ الْوَفَاةِ حَتّٰى مَضَتْ مُدَّةُ الْعِدَّةِ فَقَدِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا لِاَنَّ سَبَبَ وُجُوْبِ الْعِدَّةِ الطَّلَاقُ اَوِ الْوَفَاةُ فَيُعْتَبَرُ اِبْتِدَاؤُهَا مِنْ وَقْتِ وُجُوْدِ السَّبَبِ وَمَشَايِخُنَا يُفْتُوْنَ فِي الطَّلَاقِ اَنَّ اِبْتِدَاءَ هَا مِنْ وَقْتِ الْاِقْرَارِ اَوْنَفْيًا لِتُهْمَةِ الْمُوَاضَعَةِ

ترجمہ...... اور طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق کی بعد ہی سے ہوگی اور وفات کی صوت میں وفات کے بعد سے ہوگی۔ پھر اگر (عورت کو) طلاق یا وفات کا علم نہیں ہوا یہاں تک کہ مدتِ عدت گذر گئی تو اس کی عدت پوری ہو چکی کیونکہ عدت واجب ہونے کا سبب (یہی) طلاق یا وفات ہے تو سبب پائے جانے کی وقت سے عدت کی ابتداء معتبر ہوگی۔

اور ہمارے مشائخ طلاق کی صورت میں یہ فتویٰ دیتے تھے کہ عدت کی ابتداء اقراء کے وقت سے ہوگی تا کہ باہمی اتفاق کر لینے کی تہمت دو ہو۔

تشریح...... مصنفؒ نے فرمایا کہ طلاق کی صورت میں عدت کی ابتداء طلاق دینے کے بعد سے ہوگی اور وفات کی صورت میں شوہر کی وفات کے بعد سے عدت کی ابتداء ہوگی چنانچہ اگر شوہر نے طلاق دی اور عورت کو اس کا علم نہیں ہو سکا یا شوہر کی وفات ہوگئی اور عورت بے خبر رہی یہاں تک عدت کا زمانہ گذر گیا تو حکم یہ ہے کہ اس کی عدت پوری ہو چکی معلوم ہونے کے بعد عدت کا اعادہ نہیں ہوگا۔ ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے۔

دلیل یہ ہے عدت کو واجب کرنے والی علت طلاق یا وفات ہے پس وجوبِ عدت معلول ہوا اور طلاق یا وفات علت ہوئی اور معلول اپنی علت کے ساتھ متصل ہوتا ہے اس لئے وجوب عدت اپنی علت یعنی طلاق یا وفات کے ساتھ متصل ہوگا اور علت اور سبب پائے جانے کے وقت سے ہی عدت کی ابتداء معتبر ہوگی فتح القدیر میں لکھا ہے وجوب عدت کا سبب طلاق کو قرار دینا تسامل ہے کیونکہ عدت کا سبب وہ نکاح ہے جو دخول کیساتھ متأکد ہوا اور طلاق وجوب عدت کے لیے شرط ہے۔

مناسب یہ تھا کہ صاحب ہدایہ یوں فرماتے لان عند الطلاق والموت یتم السبب فیتعقبھا من غیر فصل یعنی طلاق اور موت کے وقت سبب پورا ہو جاتا ہے لہذا عدت اس کے فوراً بعد بغیر کسی فصل کے واجب ہوگی۔

صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ بخارا سمرقند کے علماء کا طلاق کی صورت میں فتویٰ یہ تھا کہ عدت کی ابتداء اقرار کے وقت سے ہوگی مثلاً مرد اپنی بیوی سے ایک زمانہ جدا رہا پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تجھے اتنے روز پہلے طلاق دے چکا اور عورت کو اس کا علم نہیں پس اگر عورت نے اس کی تصدیق کی تو اس کی عدت کی ابتداء اسی وقت سے ہوگی۔

اور دلیل اس پر یہ ہے باہمی اتفاق کر لینے کی تہمت دور ہو سکے یعنی ممکن ہے کہ میاں بیوی نے طلاق اور انقضاء عدت پر اتفاق کر لیا ہو تا کہ شوہر اس کے لیے دین کا اقرار کرے یا وصیت کر دے پس اس تہمت کو دور کرنے کے لیے اقرار کے وقت سے اس کی عدت کا اعتبار کیا جائے گا۔

عدت نکاح فاسد میں تفریق کے بعد سے ہوگی یا جب واطی نے ترک وطی پر عزم کر لیا امام زفر کا نقطہ نظر

وَالْعِدَّةُ فِي النِّكَاحِ الْفَاسِدِ عَقِيْبَ التَّفْرِيْقِ اَوْعَزْمِ الْوَاطِئِ عَلٰى تَرْكِ وَطْيِهَا وَقَالَ زُفَرُ مِنْ اٰخِرِ الْوَطْيَاتِ لِاَنَّ

الْوَطْيِ هُوَ السَّبَبُ الْمُوْجِبُ وَلَنَا اَنَّ كُلَّ وَطْيٍ وُجِدَفِي الْعَقْدِالْفَاسِدِ يَجْرِيْ مَجْرَى الْوَطْيَةِ الْوَاحِدَةِ لِاِسْتِنَادِ الْكُلِّ اِلٰى حُكْمِ عَقْدٍوَاحِدٍ وَلِهٰذَا يَكْتَفِيْ فِي الْكُلِّ بِمَهْرٍ وَاحِدٍ فَقَبْلَ الْمُتَارَكَةِ اَوِالْعَزْمِ لَاتَثْبُتُ الْعِدَّةُ مَعَ جَوَازِوُجُوْدِغَيْرِهٖ وَلِاَنَّ التَّمَكُّنَ عَلٰى وَجْهِ الشُّبْهَةِ اُقِيْمَ مَقَامَ حَقِيْقَةِ الْوَطْيِ لِخَفَائِهٖ وَمَسَاسِ الْحَاجَةِ اِلٰى مَعْرِفَةِ الْحُكْمِ فِيْ حَقِّ غَيْرِهٖ

ترجمہ..... اور عدت نکاح فاسد کی صورت میں تفریق کی بعد سے یا وطی کرنے والے کے ترک وطی پر پختہ ارادہ کر لینے سے شروع ہوگی اور زفرؒ نے کہا کہ آخری وطی سے شروع ہوگی کیونکہ وطی ہی عدت واجب ہونے کا سبب ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح فاسد میں جتنی بار وطی پائی گئی (سب) ایک وطی کے مرتبہ میں ہے کیونکہ سب کی نسبت ایک ہی عقد کی طرف ہے اور اسی وجہ سے سب میں ایک مہر کافی ہو جاتا ہے پس باہمی جدائی یا ترک وطی کے عزم سے پہلے عدت ثابت نہ ہوگی (کیونکہ) ابھی اس کے غیر کے پائے جانے کا امکان ہے اور اس لئے کہ شبہ کے طور پر وطی پر قدرت ہونا حقیقی وطی کے قائم مقام ہے کیونکہ وطی ایک امر خفی ہے اور اس کی ضرورت درپیش ہے کہ وطی کرنے والے کے علاوہ دوسرے مرد کے حق میں حکم معلوم ہو۔

تشریح..... مصنفؒ نے فرمایا کہ نکاح فاسد کی صورت میں عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جبکہ حاکم زوجین کے درمیان تفریق کر دے یا واطی ترک وطی کا عزم محکم کرے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ نکاح فاسد میں عدت کی ابتداء آخری وطی سے ہوگی۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ وطی ہی عدت کے واجب ہونے کا سبب ہے اس لئے کہ اگر یہ شخص وطی نہ کرتا تو اس عورت پر عدت واجب نہ ہوتی۔ اس وجہ سے ہم نے کہا کہ آخری وطی سے عدت کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ہمیں تسلیم ہے کہ وطی ہی عدت واجب ہونیکا سبب ہے مگر جتنی وطیات عقد فاسد میں پائی گئیں وہ سب ایک ہی کے مرتبہ میں ہیں، کیونکہ تمام وطیات ایک عقد کی طرف منسوب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام وطیات کی وجہ سے ایک مہر واجب ہوتا ہے۔ پس آخری وطی جس پر عدت کا ترتب ہو وہ تفریق کر دینے سے ثابت ہوگی یا ترک وطی کا عزم کر لینے سے کیونکہ اس سے پہلے عدت ثابت نہیں ہوگی اس لئے کہ ابھی اس کے غیر یعنی وطی کا پایا جانا ممکن نہیں ہے۔

دلیل ثانی کا حاصل یہ ہے کہ حقیقی وطی ایسا امر خفی ہے جس کا سبب ظاہر یعنی شبہ کے طور پر قدرت علی الوطی موجود ہے اور ہر وہ امر خفی جس کے لیے سبب ظاہر ہو تو وہ سبب ظاہر اس امر خفی کا قائم مقام اور مدار حکم ہوتا ہے جیسے شبہ کے طور پر قدرت علی الوطی حقیقی وطی کے قائم مقام ہے۔ پس جب تک قدرت علی الوطی باقی ہے تو گویا وطی باقی ہے لہٰذا اس پر قدرت رہتے ہوئے آخری وطی متعین نہیں ہوگی کیونکہ ہر وطی کے بعد قدرت علی الوطی باقی رہتی ہے، اس وجہ سے ہم نے کہا کہ دونوں کے درمیان تفریق یا ترک وطی کا عزم بالجزم ضروری ہے تاکہ قدرت علی الوطی مرتفع ہو جائے اور آخری وطی متعین ہو جائے۔

و مساس الحاجة سے ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ حقیقت وطی کا امر خفی ہونا ہمیں تسلیم نہیں، اس لئے کہ عدت کی معرفت کی حاجت زوجین کو ہے اور زوجین کے نزدیک حقیقت وطی مخفی نہیں۔

جواب یہ ہے کہ بسا اوقات غیر واطی کو بھی عدت کا حکم معلوم کرنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے مثلاً یہ شخص اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس بات کے دریافت کرنے کی ضرورت پڑے گی کہ اس عورت کی عدت کب شروع ہوئی اور ختم ہوئی یا نہیں؟ پس زوجین کے حق میں حقیقت وطی اگرچہ مخفی نہیں مگر ان کے علاوہ کے حق میں یقیناً امر خفی ہے۔

معتدہ نے کہا میری عدت گذر چکی زوج نے تکذیب کی مرد کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا

وَ اِذَا قَالَتِ الْمُعْتَدَّةُ اِنْقَضَتْ عِدَّتِیْ وَ كَذَّبَهَا الزَّوْجُ كَانَ الْقَوْلُ قَوْلَهَا مَعَ الْيَمِيْنِ لِاَنَّهَا اَمِيْنَةٌ فِی ذٰلِكَ وَ قَدْ اُتُّهِمَتْ بِالْكِذْبِ فَتُحَلَّفُ كَالْمُوْدَعِ

ترجمہ...... اور اگر معتدہ نے کہا میری عدت گذر گئی اور شوہر نے اس کو جھٹلایا تو قول عورت ہی کا (معتبر) ہوگا۔ (مگر) قسم کے ساتھ کیونکہ وہ عدت کے بارے میں امین ہے حالانکہ وہ جھوٹ کے ساتھ متہم ہے لہذا اس سے قسم لی جائے گی جیسے وہ شخص جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہو۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ معتدہ عورت نے کہا کہ میری عدت پوری ہوگئی اور اس کے شوہر نے اس کی تکذیب کی اور عدت گذرنے کا انکار کیا تو اس صورت میں عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ عورت عدت گذرنے کی خبر دینے میں امین ہے کیونکہ اس کا علم سوائے عورت کے کسی دوسرے کو نہیں ہوسکتا مگر چونکہ عورت کے جھوٹ بولنے کا بھی احتمال ہے اس لئے عورت سے قسم لی جائے گی جیسے وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی اس نے دعویٰ کیا کہ میں امانت واپس کر چکا یا ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا اور جس کی امانت تھی اس نے اس کی تکذیب کی تو اس صورت میں مودع سے قسم لی جائے گی اور مع الیمین اس کا قول معتبر ہوگا۔

شوہر نے عورت کو طلاق بائنہ دیدی پھر عورت سے نکاح کرلیا اور دخول سے پہلے طلاق دے دی مرد پر کامل مہر اور عورت پر مستقل عدت لازم ہے، اقوال فقہاء

وَاِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ طَلَاقًا بَائِنًا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فِی عِدَّتِهَا وَطَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُوْلِ بِهَا فَعَلَيْهِ مَهْرٌ كَامِلٌ وَعَلَيْهَا عِدَّةٌ مُسْتَقِلَّةٌ وَ هٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ وَاَبِیْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ نِصْفُ الْمَهْرِ وَعَلَيْهَا اِتْمَامُ الْعِدَّةِ الْاُوْلٰى لِاَنَّ هٰذَا طَلَاقٌ قَبْلَ الْمَسِيْسِ فَلَا يُوْجِبُ كَمَالَ الْمَهْرِ وَلَا اِسْتِيْنَافَ الْعِدَّةِ وَاِكْمَالُ الْعِدَّةِ الْاُوْلٰى اِنَّمَا يَجِبُ بِالطَّلَاقِ الْاَوَّلِ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ حَالُ التَّزَوُّجِ الثَّانِیْ فَاِذَا ارْتَفَعَ بِالطَّلَاقِ الثَّانِیْ ظَهَرَ حُكْمُهُ كَمَا لَوِ اشْتَرٰى اُمَّ وَلَدٍ ثُمَّ اَعْتَقَهَا وَلَهُمَا اَنَّهَا مَقْبُوْضَةٌ فِیْ يَدِهٖ حَقِيْقَةً بِالْوَطْيَةِ الْاُوْلٰى وَبَقِیَ اَثَرُهُ وَهُوَ الْعِدَّةُ فَاِذَا جَدَّدَ النِّكَاحَ وَهِیَ مَقْبُوْضَةٌ نَابَ ذٰلِكَ الْقَبْضُ عَنِ الْقَبْضِ الْمُسْتَحَقِّ فِیْ هٰذَا النِّكَاحِ كَالْغَاصِبِ يَشْتَرِی الْمَغْصُوْبَ الَّذِیْ فِیْ يَدِهٖ يَصِيْرُ قَابِضًا بِمُجَرَّدِ الْعَقْدِ فَوَضَحَ بِهٰذَا اَنَّهُ طَلَاقٌ بَعْدَ الدُّخُوْلِ وَقَالَ زُفَرُ لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا اَصْلًا لِاَنَّ الْاُوْلٰى قَدْ سَقَطَتْ بِالتَّزَوُّجِ فَلَا تَعُوْدُ وَالثَّانِيَةُ لَمْ تَجِبْ وَ جَوَابُهُ مَا قُلْنَا

ترجمہ...... اور اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دیدی پھر اس کی عدت میں اس سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول سے پہلے اس کو طلاق دیدی تو شوہر پر (اس کا) پورا مہر اور عورت پر مستقلاً عدت واجب ہے اور یہ ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے امام محمدؒ نے کہا کہ شوہر پر نصف مہر واجب ہے اور عورت پر پہلی عدت پوری کرنا واجب ہے کیونکہ یہ طلاق قبل الدخول ہے پس پورے مہر کو واجب نہیں کریگا اور نہ جدید عدت واجب ہوگی اور پہلی عدت کو پورا کرنا تو وہ طلاق اول کی وجہ سے واجب ہے مگر یہ کہ دوسرے نکاح کا حال ظاہر نہیں ہوا۔ پس جب (دوسرا نکاح) دوسری طلاق سے دور ہوگیا تو طلاق اول کا حکم ظاہر ہوگیا جیسے کسی نے اپنی ام ولد کو خریدا پھر اس کو آزاد کر دیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت اپنے شوہر کے ہاتھ میں درحقیقت پہلی وطی کی وجہ سے مقبوضہ ہے اور پہلی وطی کا اثر یعنی عدت ابھی باقی ہے پس جب اس نے جدید نکاح کیا حالانکہ وہ اس کے قبضہ میں ہے تو قبضہ دوسرے نکاح کے قبضۂ واجبہ کا قائم مقام ہوگیا جیسے غاصب اس شئی مغصوب کو خریدتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہے تو یہ غاصب مشتری محض عقد

کی وجہ سے قبضہ کرنے والا ہو جائے گا۔

پس اس (بیان) سے ظاہر ہو گیا کہ یہ طلاق بعد الدخول ہے اور امام زفرؒ نے کہا کہ اس عورت پر بالکل عدت واجب نہیں ہے کیونکہ پہلی عدت نکاح ثانی کی وجہ سے ساقط ہو گئی سو وہ نہیں لوٹے گی اور دوسری عدت واجب ہی نہیں ہوئی اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی پھر اس کی عدت میں دوبارہ اس سے نکاح کیا اور وطی اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہی اس کو طلاق دیدی تو اس بارے میں علمائے احناف کا اختلاف ہے، چنانچہ شیخین کے نزدیک دوسرے نکاح اور طلاق کی وجہ سے شوہر پر پورا مہر واجب ہوگا اور عورت پر مستقلاً دوسری عدت واجب ہوگی اور امام محمدؒ کے نزدیک شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر پہلی عدت کا پورا کرنا واجب ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک شوہر پر نصف مہر واجب ہے اور عورت پر بالکلیہ عدت واجب نہیں ہے نہ پہلی اور نہ دوسری۔

یہ مسئلہ ایک ضابطہ پر موقوف ہے، ضابطہ یہ ہے کہ نکاح اول میں عورت کے ساتھ دخول نکاح ثانی میں دخول شمار ہوگا یا نہیں اس بارے میں امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ نکاح اول میں دخول نکاح ثانی میں دخول شمار نہیں ہوگا اور شیخین کے نزدیک نکاح اول میں دخول نکاح ثانی میں بھی دخول شمار ہوگا۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح ثانی کے بعد جو طلاق دی گئی ہے وہ وطی اور خلوتِ صحیحہ سے پہلے ہے اور طلاق قبل الوطی اور قبل الخلوت کی صورت میں نہ شوہر پر پورا مہر واجب ہوتا ہے اور نہ ہی عورت پر عدت واجب ہوتی ہے اس لئے اس صورت میں شوہر پر نصف مہر واجب ہوگا نہ کہ کل مہر، اور عورت پر جدید عدت واجب نہیں ہوگی، بلکہ پہلی عدت کا پورا کرنا واجب ہے۔

رہی یہ بات کہ پہلی عدت کا پورا کرنا کیوں واجب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق اول کی وجہ سے عدت واجب ہوئی تھی مگر نکاح ثانی کیا تو اس کا حکم ظاہر نہیں ہوا۔ پس جب اس عورت کو بغیر دخول کے دوسری بار طلاق دی تو نکاح ثانی معدوم ہو گیا اور ایسا ہو گیا گویا دوسرا نکاح ہوا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا طلاق اول کا حکم ظاہر ہو گیا اور اس عورت پر پہلی عدت کا پورا کرنا واجب ہو گیا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا اور اس باندی سے بچہ پیدا ہوا پھر اس شخص نے اپنی اس منکوحہ باندی کو اس کے مولیٰ سے خرید لیا، پھر اس کو آزاد کیا تو اس معتقہ باندی پر تین حیض واجب ہیں، دو حیض زوال نکاح کی وجہ سے اور ایک حیض آزاد ہونے کی وجہ سے، اس لئے کہ جب اس شخص نے اپنی منکوحہ باندی کو خریدا تو نکاح فاسد ہو گیا اور اس لیے کہ جب اس شخص نے اپنی منکوحہ باندی کو خریدا تو نکاح فاسد ہو گیا اور اس باندی پر دو حیض بطور عدت واجب ہو گئے۔ چنانچہ اس باندی کا نکاح کسی دوسرے سے جائز نہیں تاوقتیکہ عدت کا زمانہ گذر جائے۔ مگر خود اس کے حق میں عدت کا حکم ظاہر نہیں ہوا کیونکہ مانع عدت یعنی ملک یمین موجود ہے پس جب اس کو آزاد کر دیا تو مانع عدت زائل ہو گیا اس وجہ سے اب خود اس کے حق میں بھی عدت کا حکم ظاہر ہوگا، لہٰذا دو حیض بطور عدت کے فسادِ نکاح کی وجہ سے واجب ہوں گے اور اس میں اس کو سوگ منانا لازم ہوگا اور تیسرا حیض آزاد ہونے کی وجہ سے واجب ہوگا اور اس میں سوگ لازم نہیں ہوگا۔

اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت درحقیقت پہلی وطی کی وجہ سے اپنے شوہر کے ہاتھ میں مقبوضہ ہے اور ابھی تک وطی اولیٰ کا اثر یعنی عدت بھی باقی ہے پس جب شوہر نے عدت کے زمانہ میں تجدید نکاح کیا درانحالیکہ وہ عورت نکاح اول میں دخول کی وجہ سے مقبوضہ ہے تو وہ قبضہ جو نکاح اول میں دخول کی وجہ سے تھا اس دوسرے نکاح کے قبضۂ واجبہ کے قائم مقام ہو جائے گا۔ پس جب اس کو طلاق دی تو ایسا ہو گیا گویا اس نے اس کو نکاح ثانی میں بھی دخول کے بعد طلاق دی ہے اس وجہ سے شوہر پر پورا مہر اور عورت پر مستقلاً دوسری عدت واجب ہوگی اور اس کی نظیر یہ ہے کہ غاصب نے مالک سے اس شئ مغصوب کو خریدا جو غاصب کے قبضہ میں ہے تو اس صورت میں غاصب محض عقد بیع کی وجہ سے قبضہ کرنے والا ہو گیا۔ کسی جدید قبضہ کی ضرورت نہیں کیونکہ جو قبضہ حالت غصب میں تھا وہی اس قبضہ کے قائم مقام ہو گیا جو بیع کی وجہ سے واجب ہوا ہے پس ثابت ہو گیا کہ نکاح

ثانی کے بعد طلاق بعد الدخول ہے نہ کہ قبل الدخول۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح ثانی کی وجہ سے عدت اولیٰ ساقط ہوگئی ہے لہٰذا وہ لوٹ کر نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے الساقط لا یعود اور عدت ثانیہ واجب نہیں ہوگی کیونکہ نکاح ثانی کے بعد طلاق قبل الدخول واقع ہوئی ہے اور طلاق قبل الدخول کی وجہ سے عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی۔ امام زفرؒ کی دلیل کا جواب سابق میں گذر چکا، ملاحظہ فرمالیا جائے۔

ذمی نے ذمیہ کو طلاق دی عدت لازم نہیں اسی طرح جب حربیہ دار الاسلام کی طرف نکلی

وَاِذَا طَلَّقَ الذِّمِّيُّ الذِّمِّيَّةَ فَلَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَكَذَا اِذَا خَرَجَتِ الْحَرْبِيَّةُ اِلَيْنَا مُسْلِمَةً فَاِنْ تَزَوَّجَتْ جَازَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا وَهٰذَا كُلُّهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا عَلَيْهَا وَعَلَى الذِّمِّيَّةِ الْعِدَّةُ اَمَّا الذِّمِّيَّةُ فَالْاِخْتِلَافُ فِيْهَا نَظِيْرُ الْاِخْتِلَافِ فِيْ نِكَاحِهِمْ مَحَارِمَهُمْ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ وَقَوْلُ اَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْمَا اِذَا كَانَ مُعْتَقَدُهُمْ اَنَّهُ لَا عِدَّةَ عَلَيْهَا وَ اَمَّا الْمُهَاجِرَةُ فَوَجْهُ قَوْلِهِمَا اَنَّ الْفُرْقَةَ لَوْ وَقَعَتْ بِسَبَبٍ اٰخَرَ وَجَبَتِ الْعِدَّةُ فَكَذَا بِسَبَبِ التَّبَايُنِ بِخِلَافِ مَا اِذَا هَاجَرَ الرَّجُلُ وَتَرَكَهَا لِعَدَمِ التَّبْلِيْغِ وَلَهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَلِاَنَّ الْعِدَّةَ حَيْثُ وَجَبَتْ كَانَ فِيْهَا حَقُّ بَنِيْ اٰدَمَ وَالْحَرْبِيُّ مُلْحَقٌ بِالْجَمَادِ حَتّٰى كَانَ مَحَلًّا لِلتَّمَلُّكِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا لِاَنَّ فِيْ بَطْنِهَا وَلَدًا ثَابِتَ النَّسَبِ وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ يَجُوْزُ نِكَاحُهَا وَلَا يَطَاُهَا كَالْحُبْلٰى مِنَ الزِّنَاءِ وَالْاَوَّلُ اَصَحُّ

ترجمہ ..... اور اگر ذمی نے ذمیہ کو طلاق دی تو ذمیہ عورت پر عدت نہیں ہے اور ایسے ہی اگر حربیہ عورت مسلمان ہو کر ہمارے (ملک میں) نکل آئی (تو اس پر عدت نہیں) چنانچہ اگر اس نے نکاح کیا تو جائز ہے مگر یہ کہ حاملہ ہو اور یہ سب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اس عورت پر اور ذمیہ پر عدت واجب ہے۔

بہر حال ذمیہ تو اس کے بارے میں اختلاف کی نظیر ہے جو ذمیوں کا اپنی محارم کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں ہے اور ہم اس کو کتاب النکاح میں بیان کر چکے اور ابوحنیفہؒ کا قول اسی صورت میں ہے کہ جب ذمیوں کا اعتقاد یہ ہو کہ ذمیہ مطلقہ پر عدت نہیں ہے اور رہی مہاجرہ (یعنی جو مسلمان ہو کر دار الاسلام کی طرف ہجرت کر آئی) تو اس کے بارے میں صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جدائی اگر کسی دوسرے سبب سے واقع ہوتی تو عدت واجب ہوتی۔ اسی طرح دار الکفر چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے آنے سے جو جدائی واقع ہوئی (اس میں بھی عدت واجب ہوگی) برخلاف اس کے جب مرد نے ہجرت کی اور عورت کو (دار الحرب) میں چھوڑا۔ (تو اس پر عدت نہیں) کیونکہ اس کو حکم شرع نہیں پہنچا ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا جناح علیکم ان تنکحوھن یعنی تم پر گناہ نہیں ہے کہ ان سے نکاح کرو۔

اور اس لئے کہ جہاں عدت واجب ہوتی ہے اس میں آدمی کا حق ہوتا ہے اور حربی جماد کے ساتھ ملحق ہے حتیٰ کہ وہ ملکیت کا محل ہو سکتا ہے مگر یہ کہ وہ حاملہ ہو کیونکہ اس کے پیٹ میں ثابت النسب بچہ ہے اور ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ اس حاملہ سے نکاح جائز ہے اور اس سے وطی نہ کرے، جیسے حاملہ من الزنا اور قول اول اصح ہے۔

تشریح ..... اس عبارت میں دو صورتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ ذمی مرد نے اپنی ذمیہ بیوی کو طلاق دی دوم یہ کہ حربیہ عورت مسلمان ہو کر دار الکفر یا دار الاسلام کی طرف نکل آئی، تو ان دونوں صورتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت پر عدت واجب نہیں ہے۔ چنانچہ اگر یہ عورت نکاح کرے تو شرعاً درست ہے لیکن اگر یہ عورت حاملہ ہو تو نکاح جائز نہیں ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں عورت پر عدت واجب ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ذمیہ عورت پر عدت کے وجوب اور عدم وجوب میں امام صاحبؒ اور صاحبین کا اختلاف ایسا ہے جیسا کہ نکاح

محارم میں تھا اور یہ اختلاف بالدلائل باب نکاح اہل الشرک میں گذر چکا۔ یہ خیال رہے کہ امام صاحبؒ کا قول اس صورت میں ہے جبکہ اہل ذمہ کا اعتقاد یہ ہو کہ ذمیہ مطلقہ پر عدت نہیں ہوتی۔

اور رہی وہ عورت جو دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ گئی تو اس کے بارے میں صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اگر دارالاسلام میں تباین دارین کے علاوہ اور کسی سبب سے فرقت واقع ہوئی مثلاً طلاق کی وجہ سے یا موت کی وجہ سے تو بالاتفاق عدت واجب ہوتی پس ایسے ہی جب تباین دارین یعنی عورت کے دارالاسلام میں آنے سے فرقت واقع ہوئی تو بھی عدت واجب ہوگی۔ البتہ اگر مرد کے دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں آ گیا اس کی بیوی دارالحرب میں مقیم رہی تو اس صورت میں عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی کیونکہ دارالحرب میں اس کو شریعت کا حکم نہیں پہنچا ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے، **لا جناح علیکم ان تنکحوھن** پوری آیت اس طرح ہے:

یا ایھا الذین امنوا اذا جآء کم المؤمنات مھاجرات فامتحنوھن اللہ اعلم بایمانھن فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار لا ھن حل لھم ولا ھم یحلون لھن و اتوھم ما انفقوا و لا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اتیتموھن اجورھن ...... الایة (سورۂ ممتحنہ)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں (دارالحرب سے) ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے پس اگر ان کو (اس امتحان کی رو سے) مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو (کیونکہ) نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کافران عورتوں کے لیے حلال ہیں اور ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو، ان کو ادا کر دو اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہ ہوگا جب کہ تم ان کے مہر ان کو دو۔ (بیان القرآن)

اس آیت سے استدلال اس طرح پر ہوگا اللہ نے مہاجرہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی مطلقاً اجازت دی ہے چنانچہ فرمایا **لا جناح علیکم ان تنکحوھن** پس اگر اس نکاح کی اجازت کو عدت گذرنے کی بعد کے ساتھ مقید کیا گیا تو نص قرآنی پر زیادتی کرنا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے اور دلیل عقلی یہ ہے کہ عدت جہاں بھی ہوگی اس میں آدمی کا حق ہوتا ہے کیونکہ عورت پر عدت شوہر کے پانی کی حفاظت کے لیے واجب ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ طلاق قبل الدخول کی صورت میں عورت پر عدت واجب نہیں ہوتی اور حربی کافر پتھروں اور بہائم کے مشابہ ہے حتیٰ کہ اس پر رقیت ثابت ہو جاتی ہے اور اس کو بازار میں جانور کی طرح فروخت کیا جاتا ہے پس جب حربی جماد کے ساتھ ملحق ہے تو اس کا پانی قابلِ احترام نہیں لہٰذا اس کی حفاظت بھی نہیں کی جائے گی اور جب اس کے پانی کی حفاظت واجب نہیں تو اس کی بیوی پر عدت بھی واجب نہیں ہوگی۔

ہاں اگر حربی کی بیوی حاملہ ہو تو وضع حمل سے پہلے اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے پیٹ میں جو بچہ وہ ثابت النسب ہے اور فراش موجود ہے اب اگر اس کو نکاح کی اجازت دیدی جائے تو جمع بین الفراشین لازم آئے گا حالانکہ شرعاً جمع بین الفراشین ممنوع ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مہاجرہ حاملہ کے ساتھ نکاح جائز ہے البتہ وطی کرنا جائز نہیں، جیسا کہ حاملہ من الزنا کے ساتھ نکاح صحیح ہے مگر وطی کرنا صحیح نہیں ہے اور قول اول یعنی عدمِ جواز نکاح کا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ حمل من الزنا کا نسب ثابت نہیں ہے اور یہاں حربی سے نسب ثابت ہے لہٰذا اس کو حاملہ من الزنا پر قیاس کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

مبتوتہ اور متوفی عنہا زوجہا جب بالغہ مسلمہ ہو تو اس پر سوگ ہے

فَصْلٌ قَالَ وَعَلَی الْمَبْتُوْتَةِ وَالْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا اِذَا کَانَتْ بَالِغَةً مُسْلِمَةً اَلْحِدَادُ اَمَّا الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا فَلِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَایَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تَحِدَّ عَلٰی مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجِهَا

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا وَاَمَّا الْمَبْتُوْتَةُ فَمَذْهَبُنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَاحِدَادَ عَلَيْهَا لِاَنَّهُ وَجَبَ اِظْهَارًا لِلتَّاَسُّفِ عَلٰى فَوْتِ زَوْجٍ وَفِيْ بِعَهْدِ هَااِلٰى مَمَاتِهِ وَقَدْاَوْحَشَهَابِالْاِبَانَةِ فَلَاتَاَسُّفَ بِفَوْتِهِ وَلَنَامَارُوِيَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى الْمُعْتَدَّةَ اَنْ تَخْتَضِبَ بِالْحِنَاءِ وَقَالَ الْحِنَاءُ طِيْبٌ وَلِاَنَّهُ يَجِبُ اِظْهَارًا لِلتَّاَسُّفِ عَلٰى فَوْتِ نِعْمَةِ النِّكَاحِ الَّذِيْ هُوَسَبَبٌ لِصَوْنِهَا وَكِفَايَةِ مُؤْنِهَا وَالْاِبَانَةُ اَقْطَعُ لَهَامِنَ الْمَوْتِ حَتّٰى كَانَ لَهَااَنْ تَغْسِلَهُ مَيِّتًا قَبْلَ الْاِبَانَةِ لَابَعْدَهَا

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا جس عورت کی اپنے شوہر سے قطعی جدائی ہوئی (خواہ بیک طلاق یا بسہ طلاق یا بخلع) اور جس عورت کو چھوڑ کر اس کا شوہر مر گیا تو اس پر سوگ رکھنا واجب ہے جب وہ مسلمان بالغہ ہو۔ بہر حال متوفیٰ عنہا زوجہا تو اس لئے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو عورت اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھے اس کو حلال نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ کسی مرد پر سوگ کرے سوائے اپنے شوہر کے کہ اس پر چار ماہ دس یوم (سوگ کرے) اور رہی مبتوتہ تو یہ ہمارا مذہب ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس پر سوگ لازم نہیں ہے۔ کیونکہ سوگ کرنا تو ایسے شوہر کے فوت ہونے پر تأسف ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے جس نے اپنے مرنے تک اس عورت کا معاہدہ پورا کیا ہو حالانکہ اس شخص نے جدا کر کے اس کو وحشت میں ڈال دیا تو اس کی جدائی پر سوگ سے تأسف لازم نہیں ہے اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس میں روایت کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے معتدہ کو رنگ حنا استعمال کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ حنا خوشبو ہے اور اس لئے کہ سوگ اس نعمت نکاح کے فوت ہونے پر تأسف ظاہر کرنے کے لیے واجب ہوتا ہے جو اس عورت کی حفاظت اور اس کی ضروریات کی کفایت کا سبب تھا اور جدائی واقع ہونا عورت کے حق میں شوہر کے مرنے سے زیادہ گھبراہٹ کی چیز ہے چنانچہ جدائی سے پہلے وہ اپنے مردار شوہر کو غسل دے سکتی ہے نہ کہ جدائی کے بعد۔

تشریح..... ماسبق میں نفس وجوب عدت اور کیفیت وجوب عدت کو بیان کیا گیا ہے اور کن عورتوں پر عدت واجب ہوگی اور کن پر نہیں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ اس فصل میں مصنف ہدایہ ان چیزوں کو ذکر کریں گے جن کا کرنا معتدات پر واجب ہے اور جن کا نہ کرنا واجب ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ مبتوتہ یعنی وہ عورت جس سے حق رجعت منقطع ہو گیا ہو خواہ تین طلاقیں دی گئی ہوں یا ایک طلاق بائنہ واقع کی گئی ہو یا خلع کیا گیا ہو اور وہ عورت جس کا شوہر وفات پا گیا ہو اگر یہ مسلمان بالغہ ہیں تو ان پر سوگ کرنا واجب ہے۔

متوفیٰ عنہا زوجہا پر سوگ واجب ہونے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائی اس کے لیے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حلال نہیں ہے سوائے اس کے کہ اپنے شوہر پر چار ماہ دس روز تک سوگ کر سکتی ہے۔

اور رہی مبتوتہ تو اس پر سوگ کا واجب ہونا ہمارا مذہب ہے ورنہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ سوگ ایسے شوہر کے فوت ہونے پر افسوس ظاہر کرنے کے لیے ہوتا ہے جس نے اپنی موت کے وقت تک اپنا معاہدہ پورا کیا ہو۔ حالانکہ اس مرد نے اس کو بائنہ کرنے کی وجہ سے وحشت میں مبتلا کر دیا ہے لہذا اس نالائق کے فوت ہونے پر کوئی افسوس نہیں ہوگا۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معتدہ عورت کو رنگ حنا استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ حنا خوشبو ہے اس حدیث کی راویہ حضرت ام سلمہؓ ہیں اور اس حدیث میں معتدۂ وفات اور معتدۂ غیر وفات کی تفصیل نہیں کی گئی ہے پس معلوم ہوا کہ مطلقاً معتدہ پر سوگ کرنا واجب ہے معتدۂ وفات ہو یا معتدۂ غیر وفات کی تفصیل نہیں کی گئی ہے پس معلوم ہوا کہ مطلقا معتدہ پر سوگ کرنا واجب ہے۔ معتدۂ وفات ہو یا معتدۂ غیر وفات ہو۔ اسی کے ہم معنی ایک اور روایت امام طحاویؒ نے نقل کی ہے جس کی سند حماد عن ابراہیم النخعی ہے الفاظ حدیث یہ ہیں: قال المطلقة والمختلعة و المتوفیٰ عنها زوجها والملاعنة لا یختضبن و لا یتطیبن ولا یلبسن ثوبا مصبوغا و لا یخرجن من بیوتهن۔ یعنی فرمایا کہ مطلقہ اور جس سے خلع کیا گیا ہے اور جس کا شوہر مر گیا اور جس سے لعان کیا گیا ہے یہ سب عورتیں خضاب نہ کریں اور نہ خوشبو

لگائیں اور نہ رنگا ہوا کپڑا پہنیں اور نہ اپنے گھروں سے نکلیں۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ مبتوتہ کو متوفی عنہا زوجہا کے ساتھ لاحق کر دیا جائے اور تقریر یہ کی جائے کہ متوفی عنہا زوجہا پر سوگ واجب ہونے پر نص وارد ہوئی ہے جیسا کہ ابھی حدیث گذری ہے اور سوگ واجب ہونے کی وجہ اس نعمت نکاح کے فوت ہونے پر اظہار افسوس کرنا ہے جو اس عورت کی حفاظت اور ضروریات کی کفایت کا سبب ہے اور بینونت واقع ہونا عورت کے حق کو شوہر کی موت سے زیادہ قطع کرنے والا ہے کیونکہ نکاح کا حکم وفات کے بعد عدت گذرنے تک باقی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ عورت اپنے مردہ شوہر کو بائنہ کرنے سے پہلے غسل دے سکتی ہے مگر بائنہ کرنے کے بعد اگر مر گیا تو اس کو یہ عورت غسل نہیں دے سکتی۔ پس جب مبتوتہ کو متوفی عنہا زوجہا کے ساتھ لاحق کر دیا تو جو حکم متوفی عنہا زوجہا کا ہے وہی مبتوتہ کا ہوگا یعنی دونوں پر سوگ کرنا واجب ہے۔

حداد کا مصداق

وَالْحِدَادُ وَيُقَالُ الْاِحْدَادُ وَهُمَا لُغَتَانِ اَنْ تَتْرُكَ الطِّيْبَ وَالزِّيْنَةَ وَالْكُحْلَ وَالدُّهْنَ الْمُطَيَّبَ وَ غَيْرَ الْمُطَيَّبِ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ وَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ اِلَّا مِنْ وَجَعٍ وَالْمَعْنٰى فِيْهِ وَجْهَانِ اَحَدُهُمَا مَاذَكَرْنَا مِنْ اِظْهَارِ التَّاَسُّفِ وَالثَّانِيْ اَنَّ هٰذِهِ الْاَشْيَاءَ دَوَاعِيَ الرَّغْبَةِ فِيْهَا وَهِيَ مَمْنُوْعَةٌ عَنِ النِّكَاحِ فَتَجْتَنِبُهَا كَيْلَا تَصِيْرَ ذَرِيْعَةً اِلَى الْوُقُوْعِ فِي الْمُحَرَّمِ وَ قَدْصَحَّ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَاْذَنْ لِلْمُعْتَدَّةِ فِي الْاِكْتِحَالِ وَالدُّهْنِ لَايَعْرٰى عَنْ نَوْعِ طِيْبٍ وَفِيْهِ زِيْنَةُ الشَّعْرِ وَلِهٰذَا يُمْنَعُ الْمُحْرِمُ عَنْهُ قَالَ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ لِاَنَّ فِيْهِ ضُرُوْرَةً وَالْمُرَادُ الدَّوَاءُ لَا الزِّيْنَةُ وَلَوِاعْتَادَتِ الدُّهْنَ فَخَافَتْ وَجَعًا فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ اَمْرًا ظَاهِرًا يُبَاحُ لَهَا لِاَنَّ الْغَالِبَ كَالْوَاقِعِ وَكَذَا لُبْسُ الْحَرِيْرِ اِذَا احْتَاجَتْ اِلَيْهِ لِعُذْرٍ لَا بَاْسَ بِهِ وَلَاتَخْتَضِبُ بِالْحِنَاءِ لِمَا رَوَيْنَا وَلَاتَلْبَسُ ثَوْبًامَصْبُوْغًا بِعُصْفُرٍ وَلَابِزَعْفَرَانٍ لِاَنَّهُ يَفُوْحُ مِنْهُ رَائِحَةُ الطِّيْبِ

ترجمہ......اور حداد اور کہا جاتا ہے احداد یہ دونوں لغتیں ہیں (یہ ہے کہ) عورت خوشبو لگانا اور زینت کرنا اور سرمہ لگانا اور تیل لگانا خواہ خوشبو دار ہو یا غیر خوشبو ہو سب چھوڑ دے مگر عذر کی وجہ سے اور جامع صغیر میں ہے کہ مگر دکھ درد کی وجہ سے اور سوگ کرنے میں دلیل دو طرح مفہوم ہے۔ اول وہ جو ہم نے ذکر کر دیا یعنی تاسف ظاہر کرنا، اور دوم یہ کہ ایسی چیزیں اس عورت میں زیادہ رغبت دلاتی ہیں حالانکہ یہ عورت نکاح سے منع کی گئی ہے تو وہ ان چیزوں سے بھی باز رہے تاکہ یہ چیزیں حرام میں پڑ جانے کا ذریعہ نہ ہو جائیں اور یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے معتدہ کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی اور تیل ایک طرح کی خوشبو سے خالی نہیں ہوتا اور اس میں بالوں کی زینت ہے اسی وجہ سے محرم کو تیل کے استعمال سے منع کیا گیا ہے۔ (اور) قدوریؒ نے کہا الا من عذر تو یہ اس لئے کہ اسی حالت میں ضرورت ہے اور (اس سے) زینت مقصود نہیں (بلکہ) دوا کرنا مراد ہے اور اگر عورت کو تیل لگانے کی عادت ہو پس اس کو درد کا خوف ہوا۔ پس اگر یہ امر ظاہر ہے تو اس کو (تیل کا استعمال) مباح ہوگا کیونکہ غالب واقع ہونے کے مانند ہوتا ہے اور ایسے ہی ریشم پہننا جبکہ اس کو ضرورت ہو تو عذر کی وجہ سے کوئی مضائقہ نہیں ہے اور حنا کا رنگ استعمال نہ کرے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے اور نہ ایسا کپڑا پہنے جو کسم یا زعفران سے رنگا ہو کیونکہ اس سے خوشبو اڑتی ہے۔

تشریح......حداد بمعنی سوگ میں دوسری لغت احداد ہے اول نصر اور ضرب سے ہے اور ثانی افعال سے۔ بہر حال عورت کا سوگ یہ ہے کہ وہ خوشبو لگانا اور زینت کرنا اور سرمہ لگانا اور تیل لگانا خواہ خوشبو دار ہو یا بغیر خوشبو کا ہو سب چھوڑ دے ہاں اگر کوئی عذر ہو اور جامع صغیر کے بیان کے مطابق درد وغیرہ ہو تو ان چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کو چھوڑنے کے وجوب پر دو دلیلیں

ہیں، ایک تو وہ جس کو ہم پہلے مسئلہ میں ذکر کر چکے ہیں یعنی نکاح جیسی نعمت کے زائل ہونے پر اظہار تأسف اور دوسری دلیل یہ ہے کہ یہ چیزیں عورت کی طرف رغبت بڑھاتی ہیں حالانکہ جب تک عورت عدت میں ہے تو اس کو نکاح سے باز رکھا گیا ہے۔ لہٰذا خدا کے واسطے معتدہ ان چیزوں سے اجتناب کرے تاکہ یہ چیزیں فعل حرام میں مبتلا ہونے کا ذریعہ نہ ہو جائیں۔

اور بطریق صحت ثابت ہے کہ ایک معتدہ نے حضور ﷺ سے سرمہ لگانے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے اس کو اجازت نہیں دی۔

اور ام سلمہؓ سے روایت ہے انها جاءت امرأة الى رسول الله ﷺ و قالت ان زوج ابنتي توفي و قد اشتكت عينها افنكحلها فقال رسول الله ﷺ لا مرتين او ثلاثاً ام سلمہؓ نے کہا کہ ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے داماد کی وفات ہوگئی اور اس کی معتدہ وفات آشوب چشم میں مبتلا ہوگئی کیا اس کی آنکھوں میں سرمہ ڈالدیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، یہ کلمہ دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ معتدہ ان چیزوں کو ترک کردے۔

اور تیل کا استعمال اس لئے ممنوع ہے کہ تیل میں بھی ایک گونہ خوشبو ہوتی ہے اور تیل سے بالوں کی آراستگی بھی ہوتی ہے اسی وجہ سے محرم کو تیل کے استعمال سے منع کیا گیا ہے۔

قدوری کے قول الا من عذر یا جامع صغیر کے بیان کے مطابق الا من وجع کا مطلب یہ ہے کہ معتدہ عورت کے لیے سرمہ اور تیل کا استعمال دواءً جائز ہے نہ کہ آرائش کے طور پر اور اگر عورت تیل لگانے کی عادی ہے اور اس کو ڈر ہے کہ اگر تیل لگانا چھوڑ دیا تو سر میں درد ہو جائے گا تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر غالب گمان ہے کہ تیل کے استعمال نہ کرنے سے بیمار ہو جائے گی تو غالب کو واقع کے مانند قرار دے کر اس کی اجازت دیدی جائے گی ورنہ نہیں۔ اسی طرح عذر کی وجہ سے ریشم کا کپڑا پہننے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اور امام مالکؒ نے معتدہ کو سیاہ ریشم کا کپڑا پہننے کی اجازت دی ہے۔

امام قدوریؒ نے کہا کہ حناء (مہندی) کا رنگ بھی استعمال نہ کرے۔ دلیل مذکورہ روایت ہے، اور معتدہ کسم اور زعفران میں رنگا ہوا کپڑا بھی نہ پہنے۔ کیونکہ اس سے بھی ایک قسم کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسکو مالک، نسائی اور ابوداود نے روایت کیا ہے عن ام سلمه قالت قال النبي ﷺ لا تلبس المتوفى عنها زوجها المعصفر من الثياب و لا الممشقة و لا الحلي و لا تختضب و لا تكتحل۔ یعنی ام سلمہؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ متوفی عنہا زوجہا کسم میں رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے اور نہ گیرو رنگ کے کپڑے پہنے اور نہ زیور پہنے اور نہ خضاب کرے اور نہ سرمہ لگائے۔

کافرہ پر سوگ منانا نہیں ہے

قَالَ وَلَاحِدَادَ عَلٰی کَافِرَةٍ لِاَنَّهَا غَيْرُ مُخَاطَبَةٍ بِحُقُوْقِ الشَّرْعِ وَلَاعَلٰی صَغِيْرَةٍ لِاَنَّ الْخِطَابَ مَوْضُوْعٌ عَنْهَا وَعَلَی الْاَمَةِ اَلْاِحْدَادُ لِاَنَّهَا مُخَاطَبَةٌ بِحُقُوْقِ اللهِ تَعَالٰی فِيْمَا لَيْسَ فِيْهَا اِبْطَالُ حَقِّ الْمَوْلٰی بِخِلَافِ الْمَنْعِ مِنَ الْخُرُوْجِ لِاَنَّ فِيْهِ اِبْطَالَ حَقِّهٖ وَ حَقُّ الْعَبْدِ مُقَدَّمٌ لِحَاجَتِهٖ

ترجمہ ...... قدوری نے فرمایا کہ کافرہ عورت پر سوگ نہیں ہے کیونکہ وہ شرعی حقوق کے ساتھ مخاطب نہیں ہوئی اور صغیرہ پر بھی سوگ نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کا خطاب اس پر سے اٹھا لیا گیا ہے اور باندی پر سوگ کرنا واجب ہے کیونکہ وہ اللہ کے حقوق کی مخاطب ہے جن میں مولی کا حق باطل نہیں ہوتا بخلاف باہر جانے کی ممانعت کیونکہ اس میں مولی کا حق باطل ہو جاتا ہے اور بندہ کا حق اس کی حاجت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

تشریح ...... اس عبارت میں ان معتدات کا ذکر کیا ہے جن پر سوگ واجب نہیں ہے چنانچہ فرمایا کہ کافر عورت پر سوگ نہیں ہے دلیل یہ ہے کہ کافر حقوق

الٰہی کی مخاطب نہیں ہے اور سوگ اللہ کے حقوق میں سے ہے چنانچہ حضور ﷺ کی حدیث لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ البتہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کافرہ عورت پر بھی سوگ واجب ہے اور صغیرہ پر سوگ نہیں ہے۔ کیونکہ خطاب الٰہی کو اس پر سے اٹھا لیا گیا ہے۔ یعنی وہ خطاب الٰہی میں داخل ہی نہیں ہوئی اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر بھی سوگ واجب ہے۔

اور باندی اگر عدتِ وفات یا طلاق بائن کی عدت میں ہو تو اس پر بھی سوگ کرنا واجب ہے۔ کیونکہ باندی ان تمام حقوقِ شرع کی مخاطب ہوتی ہے جن میں اس کے مولیٰ کا حق باطل نہ ہوتا ہو اور سوگ کرنا ایسی ہی چیز ہے جس میں اسکے مولیٰ کا حق باطل نہیں ہوتا ہے۔

اور برخلاف گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کے۔ یعنی باندی کو عدت کے زمانے میں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت حاصل ہوگی۔ کیونکہ گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت کی صورت میں مولیٰ کا حق استخدام باطل ہو جاتا ہے اور چونکہ مولیٰ ایک بندہ محتاج ہے۔ یعنی اس کو اپنی باندی سے خدمت لینے کی حاجت پڑتی ہے تو اس کی حاجت کو حقِ شرع پر مقدم کیا۔

ام ولد کی عدت میں اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں

قَالَ وَ لَيْسَ فِيْ عِدَّةِ اُمِّ الْوَلَدِ وَلَا فِي عِدَّةِ النِّكَاحِ الْفَاسِدِ اِحْدَادٌ لِاَنَّهُمَا مَافَاتَهَانِعْمَةُ النِّكَاحِ لِتَظْهَرَ التَّاَسُّفَ وَالْاِبَاحَةُ اَصْلٌ

ترجمہ......اور ام ولد کی عدت میں اور نکاح فاسد کی عدت میں سوگ نہیں ہے۔ کیونکہ ان عورتوں میں سے کسی کی نعمت نکاح زائل نہیں ہوئی ہے۔ تاکہ افسوس کرنا ظاہر ہوتا اور مباح ہونا اصل ہے۔

تشریح......اگر ام ولد کے مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کیا یا مولیٰ مر گیا تو ام ولد پر اس کی عدت میں سوگ واجب نہیں ہے اور اگر کوئی عورت نکاح فاسد میں جدا ہوئی تو اس کی عدت میں بھی سوگ نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ سوگ واجب ہوتا ہے نعمتِ نکاح زائل ہونے کی وجہ سے اور یہاں ان عورتوں میں سے کسی کی نعمتِ نکاح زائل نہیں ہوئی۔ تاکہ سوگ سے اس کا اظہار واجب ہوتا اور اصل یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو آراستہ کرے۔ یعنی سوگ نہ کرے۔ اس لیے حکم اپنی اصل پر باقی رہے گا۔

معتدہ کو خطبہ دینا غیر مناسب ہے تعریض میں کوئی حرج نہیں

وَ لَايَنْبَغِيْ اَنْ تُخْطَبَ الْمُعْتَدَّةُ وَلَابَاْسَ بِالتَّعْرِيْضِ فِي الْخِطْبَةِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ اِلٰى اَنْ قَالَ وَلٰكِنْ لَّاتُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّااَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًاقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ السِّرُّالنِّكَاحُ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلتَّعْرِيْضُ اَنْ يَّقُوْلَ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَتَزَوَّجَ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍفِي الْقَوْلِ الْمَعْرُوْفِ اِنِّيْ فِيْكِ رَغْبَةٌ وَاِنِّيْ اُرِيْدُاَنْ نَجْتَمِعَ

ترجمہ......اور معتدہ کو منگنی کا پیغام دینا مناسب نہیں اور منگنی کی تعریض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ولا جناح...... الآیۃ تم پر کچھ گناہ نہیں ہے جو (ان مذکورہ) عورتوں کو پیغام (نکاح) دینے کے بارے میں کوئی بات اشارۃً کہو یا اپنے دل میں (ارادۂ نکاح کو) پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا (ضرور) ذکر مذکور کرو گے۔ لیکن ان سے نکاح کا وعدہ (اور گفتگو) مت کرو۔ مگر یہ کہ کوئی بات قاعدے کے موافق کہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سر (کے معنی) نکاح ہیں اور ابن عباسؓ نے کہا کہ تعریض یہ ہے کہ کہے میں چاہتا ہوں کہ نکاح کروں اور قول معروف میں سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ مجھے تیری رغبت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ ہم (یکجا) جمع ہو جاویں۔

تشریح ...... امام ابوالحسن قدوری فرماتے ہیں کہ معتدہ عورتوں کو منگنی کا پیغام دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے ولا تعزموا عقدة النكاح حتىٰ يبلغ الكتاب اجله یعنی (معتدہ عورتوں کے ساتھ) عقد نکاح کا ارادہ مت کرو۔ یہاں تک کہ عدت کا زمانہ ختم ہو جائے اور منگنی کی تعریض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ دلیل خداوند قدوس کا ارشاد ہے ولا جناح عليكم فيما عرضتم به من خطبة النساء...... الآیة آیت کا اردو ترجمہ ترجمۂ عبارت کے تحت گذر چکا۔

تعریض یہ ہے کہ کسی ایسی شیء کو ذکر کیا جائے جس سے دوسری چیز پر دلالت ہو سکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ سر کے معنی نکاح کے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ معتدہ عورتوں سے نکاح کا وعدہ مت لو۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تعریض یہ ہے کہ کہے کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ یا کہے کہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی نیک عورت مل جائے۔ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ قول معروف یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں تیری طرف راغب ہوں یا یوں کہے کہ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں ایک جگہ رہیں۔ یا اس کے ہم معنی کوئی بات کہہ دے۔ مثلاً معتدہ سے کہے کہ تو بڑی خوبصورت ہے، بڑی نیک ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اشاروں میں سب کچھ کہے مگر نکاح کی تصریح نہ کرے۔

مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ کا رات اور دن کو گھر سے نکلنا ناجائز ہے اور متوفی عنہا زوجہا دن کو نکل سکتی ہے اور رات کے بعض حصے کو نکل سکتی ہے

وَلَا يَجُوْزُ لِلْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ الْمَبْتُوْتَةِ الْخُرُوْجُ مِنْ بَيْتِهَا لَيْلًا وَلَا نَهَارًا وَالْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَبَعْضَ اللَّيْلِ وَلَا تَبِيْتُ فِيْ غَيْرِ مَنْزِلِهَا اَمَّا الْمُطَلَّقَةُ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّا اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ قِيْلَ الْفَاحِشَةُ نَفْسُ الْخُرُوْجِ وَقِيْلَ الزِّنَا وَيَخْرُجْنَ لِاِقَامَةِ الْحَدِّ وَاَمَّا الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا فَلِاَنَّهٗ لَا نَفَقَةَ لَهَا فَيَحْتَاجُ اِلَى الْخُرُوْجِ نَهَارًا لِطَلَبِ الْمَعَاشِ وَقَدْ يَمْتَدُّ اِلٰى اَنْ يَّهْجُمَ اللَّيْلُ وَلَا كَذٰلِكَ الْمُطَلَّقَةُ لِاَنَّ النَّفَقَةَ دَارَّةٌ عَلَيْهَا مِنْ مَّالِ زَوْجِهَا حَتّٰى لَوِ اخْتَلَعَتْ عَلٰى نَفَقَةِ عِدَّتِهَا قِيْلَ اِنَّهَا تَخْرُجُ نَهَارًا وَقِيْلَ لَا تَخْرُجُ لِاَنَّهَا اَسْقَطَتْ حَقَّهَا فَلَا يَبْطُلُ بِهٖ حَقٌّ عَلَيْهَا

ترجمہ ...... اور جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی یا بائنہ دی گئی (اس کو) اپنے گھر سے نکلنا رات یا دن میں جائز نہیں ہے اور جس کا شوہر مر گیا ہو وہ دن بھر اور کچھ رات تک نکل سکتی ہے۔ (لیکن) اپنے گھر کے علاوہ میں رات نہ گذارے۔

بہر حال مطلقہ (کے واسطے اس حکم کی دلیل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا تخرجوهن ...... الآية۔ یعنی ان عورتوں کو ان کے (رہنے کے) گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں۔ (تو اور بات ہے) بیان القرآن اور بعض نے کہا کہ فاحشہ، نفس خروج ہے اور کہا گیا کہ زنا ہے اور نکلیں گی اقامت حد کے واسطے رہی وہ عورت جس کا شوہر مر گیا تو اس لیے کہ اس کا کچھ نفقہ نہیں۔ پس دن میں روزی تلاش کرنے کے لیے نکلنے کی محتاج ہے اور کبھی طلب معاش رات کے آنے تک دراز ہو جاتا ہے اور مطلقہ ایسی نہیں۔ کیونکہ نفقہ برابر اس کے شوہر کے مال سے اس پر جاری رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس نے اپنی عدت کے نفقہ پر خلع کیا تو بعض حضرات کہتے ہیں کہ دن میں نکلے گی اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں نکلے گی۔ اس لیے کہ اس نے اپنا حق (خود) ساقط کر دیا۔ پس اس کی وجہ سے وہ حق باطل نہیں ہوگا۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی یا طلاق بائن دی گئی وہ رات یا دن میں اس مکان سے باہر نہ نکلے جس میں وہ مفارقت کے وقت رہتی تھی۔ ہاں اگر وہ نکلنے پر مجبور ہو جائے (مثلاً مکان کے گرنے کا اندیشہ ہے یا اپنی جان یا مال پر غارت گری کا خطرہ ہے یا مالک مکان اس کو نکال

دے مثلاً کرایہ پر رہتی تھی اور اب کرایہ ادا کرنے کی قدرت نہیں) تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اور متوفی عنہا زوجہا کے لیے دن بھر اور رات کا کچھ حصہ گھر سے باہر رہنے کی شرعاً اجازت ہے۔ البتہ رات اپنے مکان عدت ہی میں گذارے۔ اس کے علاوہ میں رات گذارنے کی اجازت نہیں ہے۔ پس مطلقہ عورت کے لیے گھر سے باہر نہ نکلنے پر دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **واتقوا اللہ ربکم لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ** یعنی تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے۔ ان عورتوں کو ان کے رہنے کے گھروں سے مت نکالو (کیونکہ سکنیٰ مطلقہ کا مثل منکوحہ کے واجب ہے) اور نہ وہ عورتیں خود نکلیں مگر ہاں کوئی کھلی بے حیائی کریں تو اور بات ہے۔

مثلاً بدکاری کا ارتکاب کیا ہو یا چوری کی ہو تو سزا کے لیے نکالی جاویں۔ یا بقول بعض علماء زبان درازی اور ہر وقت کا رنج و تکرار رکھتی ہوں تو ان کو نکال دینا جائز ہے۔ (بیان القرآن) لفظ فاحشہ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ فاحشہ سے مراد نفس خروج ہے۔ یہ قول ابراہیم نخعی کا ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے۔ اس صورت میں آیت کے معنیٰ ہوں گے کہ معتدہ عورتیں اپنے گھروں سے نہ نکلیں مگر یہ کہ ان کا نکلنا فاحشہ یعنی بے حیائی کی بات ہوگی۔ یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے **لا یسب النبی علیہ السلام الا کافر ولا یزنی احد الا ان یکون فاسقًا** یعنی نبی علیہ السلام کو گالی دینا کفر ہے اور زنا کرنا فسق ہے اور بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ فاحشہ سے مراد زنا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ معتدہ عورتیں نہ نکلیں۔ ہاں اگر انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا ہو تو حد جاری کرنے کے لیے ان کو نکالا جائے گا۔ یہ قول ہے ابن مسعود کا اور اسی کو اختیار کیا ہے امام ابو یوسفؒ نے اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فاحشہ سے مراد عورت کا ناشزہ اور نافرمان ہونا ہے۔

اور متوفی عنہا زوجہا کے دن بھر اور رات کے کچھ حصہ گھر سے باہر رہنے کی اجازت پر دلیل یہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کے واسطے نفقہ نہیں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کو طلب معاش کے لیے گھر سے باہر رہنے کی ضرورت ہے اور چونکہ بسا اوقات کام کرتے کرتے رات آجاتی ہے اور کچھ حصہ رات کا گذر بھی جاتا ہے۔ اس لیے دن کے ساتھ رات کے کچھ حصہ تک باہر رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔

اور مطلقہ کا یہ حال نہیں ہے۔ اس لیے کہ عدت کے زمانہ میں اس کا نفقہ شوہر کے مال میں واجب ہوگا۔ لہٰذا اس کو نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ متوفی عنہا زوجہا کے جواز خروج کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

(قال ﷺ للتی قتل زوجھا) ھی فریعۃ قتل بنت مالک بن ابی سنان اخت ابی سعید الخدری لما قتل زوجھا جائت الی رسول اللہ ﷺ استاذنت ان تعتد فی بنی خدرۃ لا فی بیت زوجھا فاذن لھا رسول اللہ ﷺ فلما خرجت دعاھا رسول اللہ ﷺ فقال لھا اعیدی المسئلۃ فاعادت فقال لھا لا حتیٰ یبلغ الکتاب اجلہ یعنی لا تخرجی حتی تنقضی عدتک

یعنی آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے فرمایا جس کا شوہر قتل کر دیا گیا تھا اور وہ فریعہ مالک بن ابی سنان کی بیٹی اور ابوسعید خدری کی بہن تھی۔ جب اس کا شوہر قتل کر دیا گیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی (اور) اس نے بنی خدرہ میں عدت گذارنے کی اجازت چاہی نہ کہ اپنے شوہر کے مکان میں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اجازت دے دی۔ پس جب وہ نکل کر چلی تو آپ ﷺ نے اس کو آواز دی اور فرمایا کہ مسئلہ کا اعادہ کرو۔ اس نے مسئلہ دوبارہ بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ یہاں تک کہ عدت کا زمانہ ختم ہو جائے۔ یعنی اپنے شوہر کے مکان سے مت نکل۔ یہاں تک کہ تیری عدت پوری ہو جائے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ متوفی عنہا زوجہا پر شوہر کے مکان میں عدت گذارنا واجب ہے۔ دوم یہ کہ اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے نکلنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ عورت فتویٰ لینے کے لیے نکلی تھی۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

آخر میں صاحبِ ہدایہ نے فرمایا کہ اگر کسی عورت نے اپنی عدت کے نفقہ پر خلع کیا تو بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ طلبِ معاش کے لیے اس کو بھی دن میں نکلنے کی اجازت ہے اور بعض حضرات نے اجازت نہیں دی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت نے اپنا حق (نفقہ عدت) بذاتِ خود ساقط کیا ہے۔ لہٰذا اس پر جو شریعت کا حق واجب ہے۔ یعنی عدمِ خروج وہ باطل نہیں ہوگا۔

معتدہ پر لازم ہے کہ عدت اس مکان میں گذارے جس میں فرقت واقع ہوتے وقت رہائش تھی

وَ عَلَى الْمُعْتَدَّةِ اَنْ تَعْتَدَّ فِي الْمَنْزِلِ الَّذِىْ يُضَافُ اِلَيْهَا بِالسُّكْنٰى حَالَ وُقُوْعِ الْفُرْقَةِ وَالْمَوْتِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَالْبَيْتُ الْمُضَافُ اِلَيْهَا هُوَ الْبَيْتُ الَّذِىْ تَسْكُنُهُ وَلِهٰذَا لَوْزَارَتْ اَهْلَهَا وَطَلَّقَهَا زَوْجُهَا كَانَ عَلَيْهَا اَنْ تَعُوْدَ اِلٰى مَنْزِلِهَا فَتَعْتَدَّ فِيْهِ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلَّتِىْ قُتِلَ زَوْجُهَا اُسْكُنِىْ فِىْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهٗ

ترجمہ ...... اور معتدہ پر واجب ہے کہ اس مکان میں عدت گذارے، جو اس کی طرف رہنے کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ جدائی اور موت کے وقت کیونکہ اللہ تعالیٰ نے **و لا تخرجوهن من بيوتهن** یعنی ان عورتوں کو ان کے گھروں سے مت نکالو اور ان کا گھر وہی ہے جس میں وہ رہتی تھیں۔ لہٰذا اگر وہ عورت اپنے میکے والوں کی زیارت کے لیے گئی ہو اور یہاں اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی تو اس عورت پر واجب ہے کہ لوٹ کر اس گھر میں آئے اور اس میں عدت گذارے اور آنحضرت ﷺ نے اس عورت سے جس کا شوہر شہید ہوا تھا یوں فرمایا کہ تو اپنے اسی گھر میں ٹھہری رہ یہاں تک کہ قرآن کے موافق مدت پوری ہو۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ معتدہ عورت شوہر کی وفات کے وقت اور فرقت واقع ہونے کے وقت جس مکان میں رہتی تھی اسی میں عدت گذارنا واجب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **و لا تخرجوهن من بيوتهن** اور عورت کا بیت وہ کہلائے گا جس میں وہ رہتی تھی۔

اور سکنٰی یعنی رہنا عام ہے بطریق ملک رہتی ہو یا بطریق استعارہ یا بطریق استاجرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر عورت اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔ پس شوہر نے وہیں رہتے ہوئے اس کو طلاق دے دی تو اس عورت پر واجب ہے کہ یہ لوٹ کر اپنے اسی گھر میں عدت گذارے جس میں یہ رہتی تھی۔

اور حضور ﷺ نے اس عورت سے جس کا شوہر شہید ہوا تھا یوں فرمایا کہ تو اپنے اسی گھر میں ٹھہری رہ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق تیری عدت پوری ہو جائے۔

اگر شوہر کے گھر سے اس عورت کا حصہ اس کے لیے ناکافی ہو اور ورثہ اس کو اپنے حصے سے نکال دیں تو عورت منتقل ہو جائے

وَ اِنْ كَانَ نَصِيْبُهَا مِنْ دَارِ الْمَيِّتِ لَايَكْفِيْهَا فَاَخْرَجَهَا الْوَرَثَةُ مِنْ نَصِيْبِهِمْ اِنْتَقَلَتْ لِاَنَّ هٰذَا اِنْتِقَالٌ بِعُذْرٍ وَالْعِبَادَاتُ تُؤَثِّرُ فِيْهَا الْاَعْذَارُ فَصَارَ كَمَا اِذَا خَافَتْ عَلٰى مَتَاعِهَا اَوْخَافَتْ سُقُوْطَ الْمَنْزِلِ اَوْ كَانَتْ فِيْهَا بِاَجْرٍ وَلَا تَجِدُ مَا تُؤَدِّيْهِ

ترجمہ ...... اور اگر شوہر متوفی کے گھر میں سے اس عورت کا حصہ اس کے واسطے ناکافی ہو اور ورثہ اس کو اپنے حصہ سے نکال دیں تو یہ عورت منتقل ہو

جائے۔ کیونکہ (یہ) منتقل ہونا عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں اعذار مؤثر ہوتے ہیں اور (یہ) ایسا ہو گیا جیسا کہ عورت کو اپنے سامان کا خوف ہوا یا گھر کے گرنے کا خوف ہوا۔ یا اس گھر میں کرایہ پر رہتی تھی اور (اب) وہ کرایہ ادا نہیں کر سکتی۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر متوفی کے مکان میں سے عورت کا حصہ اتنا نا کافی ہے کہ وہ اس میں نہیں رہ سکتی اور دوسرے ورثہ نے بھی اپنے حصہ میں رہنے کی اجازت نہیں دی۔ تو ایسی صورت میں یہ عورت دوسرے کسی مکان میں منتقل ہو سکتی ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس کا منتقل ہونا عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں عذر معتبر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے یہاں بھی عذر معتبر ہوگا اور اس پر ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کو بیت العدت سے منتقل فرمایا۔ کیونکہ حضرت عمرؓ خلیفہ ہونے کی وجہ سے سرکاری مکان میں سکونت پذیر تھے اور آپ کی شہادت کے بعد یہ مکان تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنیؓ کے استعمال میں آ گیا۔ اس وجہ سے ام کلثوم (زوجہ عمر) کو اس مکان سے منتقل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ (عینی شرح ہدایہ)

اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ عورت کو اس بات کا خوف ہو کہ میرا سامان چور اٹھا لے جائیں گے۔ یا مکان گرنے کا ڈر ہو۔ یا یہ کہ اس مکان میں کرایہ پر تھی اور اب کرایہ ادا کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔ تو جس طرح ان صورتوں میں معتدۂ وفات کو منتقل ہونے کی اجازت ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا صورت میں بھی منتقل ہونے کی اجازت ہے۔

اگر فرقت طلاق بائن یا تین طلاقوں سے واقع ہوئی ہو تو دونوں کے درمیان سترہ ہونا ضروری ہے

ثُمَّ اِنْ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بِطَلَاقٍ بَائِنٍ اَوْثَلٰثٍ لَابُدَّمِنْ سُتْرَةٍ بَيْنَهُمَا ثُمَّ لَابَاْسَ لِاَنَّهٗ مُعْتَرِفٌ بِالْحُرْمَةِ اِلَّااَنْ يَّكُوْنَ فَاسِقًايُخَافُ عَلَيْهَا مِنْهُ فَحِيْنَئِذٍ تَخْرُجُ لِاَنَّهٗ عُذْرٌ وَلَاتَخْرُجُ عَمَّا اِنْتَقَلَتْ اِلَيْهِ وَالْاَوْلٰى اَنْ يَّخْرُجَ هُوَوَيَتْرُكَهَا

ترجمہ..... پھر اگر طلاق بائن یا تین طلاقوں کی وجہ سے فرقت واقع ہوئی تو دونوں کے درمیان پردہ ہونا ضروری ہے۔ پھر (ایک گھر میں رہنے کا) مضائقہ نہیں۔ کیونکہ شوہر اس کے حرام ہونے کا مقر ہے۔ لیکن اگر یہ مرد فاسق ہو جس سے عورت پر خوف کیا جاتا ہے تو اس وقت یہ عورت (اس مکان سے) نکل جائے۔ کیونکہ یہ عذر ہے اور جس مکان میں منتقل ہو گئی وہاں سے نہ نکلے اور بہتر یہ ہے کہ مرد خود نکل جائے اور عورت کو (یہیں) چھوڑ دے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ زوجین کے درمیان اگر فرقت طلاق بائن یا تین طلاقوں کی وجہ سے واقع ہوئی تو عدت کے زمانے میں میاں بیوی کے درمیان پردہ ہونا ضروری ہے۔ پردہ ڈالنے کے بعد دونوں ایک مکان میں رہ سکتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ مرد اس عورت کے حرام ہونے کا مقر ہے۔ اس لیے وہ فعل حرام سے بچے گا۔ ہاں اگر شوہر فاسق ہو اور اس سے بدفعلی کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں عورت کو اس مکان سے نکل جانا چاہئے۔ کیونکہ یہ شرعی عذر ہے اور جس مکان میں منتقل ہو کر چلی گئی اس سے بغیر عذر نہ نکلے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اگر مکان ایک ہی ہو اور وہ بھی تنگ ہو تو اس صورت میں اس مکان سے عدت گذرنے تک کے لیے مرد کو نکل جانا چاہئے اور عورت اس مکان میں عدت گذارے۔ کیونکہ شوہر کے مکان میں اس معتدہ عورت کا ٹھہرنا واجب ہے اور مرد کا ٹھہرنا مباح ہے اور واجب کی رعایت اولیٰ ہے۔

اگر دونوں نے اپنے درمیان ایک ثقہ عورت کو حائل کر دیا جس کو درمیانی روک کی قدرت حاصل ہے تو اچھا ہے اور اگر مکان دونوں پر تنگ ہو عورت کو نکل جانا چاہئے لیکن مرد کا نکلنا بہتر ہے

وَاِنْ جَعَلَا بَيْنَهُمَا اِمْرَاَةً ثِقَةً تَقْدِرُ عَلَى الْحَيْلُوْلَةِ فَحَسَنٌ وَاِنْ ضَاقَ عَلَيْهِمَا الْمَنْزِلُ فَلْتَخْرُجْ وَالْاَوْلٰى خُرُوْجُهُ وَاِذَا خَرَجَتِ الْمَرْاَةُ مَعَ زَوْجِهَا اِلٰى مَكَّةَ فَطَلَّقَهَا ثَلٰثًا اَوْمَاتَ عَنْهَا فِيْ غَيْرِ مِصْرٍ فَاِنْ كَانَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مِصْرِهَا اَقَلُّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ رَجَعَتْ اِلٰى مِصْرِهَا لِاَنَّهُ لَيْسَ بِاِبْتِدَاءِ الْخُرُوْجِ مَعْنًى بَلْ هُوَ بِنَاءٌ

ترجمہ...... اور اگر دونوں نے اپنے درمیان ایک ثقہ عورت کو حائل کر دیا، جس کو درمیانی روک کی قدرت ہے تو اچھا ہے اور اگر وہ مکان دونوں پر تنگ ہو تو عورت کو نکل جانا چاہئے اور بہتر مرد کا نکلنا ہے اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ تک چلی پس شوہر نے اس کو غیر مصر میں تین طلاقیں دیں۔ یا شوہر اس کو چھوڑ کر مرا۔ پس اگر (اس مقام سے) عورت اور اس کے شہر کے درمیان تین دن سے کم مسافت ہو تو اپنے شہر کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ یہ نکلنا معنیً ابتدائی نکلنا نہیں بلکہ (سفر اول پر) مبنی ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر زوجین نے اپنے درمیان کسی قابل اعتماد عورت کو حائل کر لیا جس کو درمیانی روک کی قدرت ہے تو اچھا ہے اور اگر وہ مکان دونوں پر تنگ ہو کہ دونوں کا رہنا مشکل ہے تو عورت کے لیے نکل کر دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونا جائز ہے۔ لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ مرد نکل جائے اور عورت اسی مکان میں عدت گذارے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ مکہ معظمہ کی طرف چلی۔ پھر شوہر نے راستہ میں ایسی جگہ جہاں آبادی نہ ہو اس کو تین طلاقیں دے دیں یا شوہر مر گیا۔ پس اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مقام سے اس عورت کے شہر تک تین دن سے کم مسافت ہے تو یہ لوٹ کر اپنے شہر (وطن) چلی جائے اور وہاں جا کر عدت پوری کرے۔ خواہ اس مقام سے وہ جگہ جہاں کا ارادہ ہے۔ تین دن کی مسافت پر ہو یا اس سے کم۔ دلیل یہ ہے کہ یہ نکلنا ابتداء خروج نہیں بلکہ خروج اول پر مبنی ہے۔ اس لیے گھر کی طرف لوٹ کر آنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اگر تین دن کی مسافت ہو تو عورت چاہے لوٹ آئے اور اگر چاہے جہاں جا رہی ہے چلی جائے

وَ اِنْ كَانَتْ مَسِيْرَةُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ اِنْ شَاءَتْ رَجَعَتْ وَ اِنْ شَاءَتْ مَضَتْ سَوَاءٌ كَانَ مَعَهَا وَلِيٌّ اَوْلَمْ يَكُنْ مَعْنَاهُ اِذَا كَانَ اِلَى الْمَقْصَدِ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ اَيْضًا لِاَنَّ الْمَكْثَ فِيْ ذٰلِكَ الْمَكَانِ اَخْوَفُ عَلَيْهَا مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَّا اَنَّ الرُّجُوْعَ اَوْلٰى لِيَكُوْنَ الْاِعْتِدَادُ فِيْ مَنْزِلِ الزَّوْجِ

ترجمہ...... اور اگر تین دن کی راہ ہو تو چاہے لوٹ آوے اور چاہے تو (مکہ کی طرف) چلی جاوے۔ خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو اور اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں، جب مقصد کی طرف بھی تین دن کی مسافت ہو۔ کیونکہ اس مکان میں پڑے رہنے میں چلے جانے کی بہ نسبت اس کے حق میں زیادہ خوف ہے۔ مگر یہ کہ (اپنے شہر میں) لوٹ آنا زیادہ بہتر ہے۔ تا کہ شوہر کے گھر میں اپنی عدت پوری کرے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت اور اس کے شہر کے درمیان تین دن کی مسافت ہے اور جہاں وہ جانا چاہتی ہے وہ بھی تین دن کی مسافت

پر ہے تو اس عورت کو اختیار ہے جی چاہے لوٹ کر اپنے وطن چلی جائے اور جی چاہے وہاں چلی جائے جہاں جانا مقصود تھا۔ خواہ اس کے ساتھ ولی ہو یا نہ ہو۔

دلیل یہ ہے کہ اس جگہ جنگل میں پڑے رہنے میں چلے جانے کی بہ نسبت زیادہ خوف ہے۔ لیکن اپنے وطن لوٹ کر آنا زیادہ بہتر ہے۔ تاکہ شوہر کے گھر میں عدت پوری کرے۔ ہاں اگر عورت کے شہر کی طرف تین دن کی مسافت ہے اور جہاں جانا مقصود تھا اس کی مسافت تین دن سے کم ہے تو یہ عورت اپنے مقصد کی طرف چلی جائے۔

شوہر نے تین طلاقیں دیں یا چھوڑ کر مرا شہر میں تو عورت نہیں نکلے گی حتیٰ کہ عدت گذارے پھر اگر محرم ہو تو نکلے

قَالَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ طَلَّقَهَا اَوْمَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا فِيْ مِصْرٍ فَاِنَّهَا لَاتَخْرُجُ حَتّٰى تَعْتَدَّثُمَّ تَخْرُجُ اِنْ كَانَ لَهَا مَحْرَمٌ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ اِنْ كَانَ مَعَهَا مَحْرَمٌ فَلَابَاْسَ بِاَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمِصْرِ قَبْلَ اَنْ تَعْتَدَّلَهُمَا اَنَّ نَفْسَ الْخُرُوْجِ مُبَاحٌ دَفْعًالِاَذَى الْغُرْبَةِ وَ وَحْشَةِ الْوَحْدَةِ وَهٰذَا عُذْرٌوَاِنَّمَا الْحُرْمَةُ لِلسَّفَرِ وَقَدِ ارْتَفَعَتْ بِالْمَحْرَمِ وَلَهٗ اَنَّ الْعِدَّةَ اَمْنَعُ مِنَ الْخُرُوْجِ مِنْ عَدَمِ الْمَحْرَمِ فَاِنَّ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَخْرُجَ اِلٰى مَادُوْنَ السَّفَرِ بِغَيْرِ مَحْرَمٍ وَ لَيْسَ لِلْمُعْتَدَّةِ ذَالِكَ فَلَمَّا حَرُمَ عَلَيْهَا الْخُرُوْجُ اِلَى السَّفَرِ بِغَيْرِ الْمَحْرَمِ فِي الْعِدَّةِ الْاَوْلٰى

ترجمہ ...... امام محمدؒ نے (جامع صغیر میں) فرمایا۔ لیکن اگر شوہر نے اس عورت کو کسی شہر میں تین طلاقیں دیں یا چھوڑ مرا ہو۔ تو عورت (اس شہر سے) ہرنہ نکلے۔ یہاں تک کہ اپنی عدت پوری کرلے۔ پھر نکلے بشرطیکہ کوئی محرم ساتھ ہو اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے کہا اگر عورت کے ساتھ کوئی محرم موجود ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ عدت پوری کرنے سے پہلے اس شہر سے چلی جاوے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے خالی نکلنا مسافرت کی تکلیف اور تنہائی کی وحشت دور کرنے کے واسطے مباح ہے اور یہ عذر ہے۔ البتہ سفر کرنا حرام تھا تو محرم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے دور ہو گیا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بغیر محرم سفر کرنے سے عدت میں نکلنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔

تشریح ...... سابق میں مصنفؒ نے فرمایا تھا کہ اگر مفارقت غیر مصر (جنگل) میں ہوئی اور اس عورت کا وطن اور اس کی منزل مقصود جہاں جا رہی تھی ان کی مسافت تین تین دن کی ہے تو اس عورت کو اختیار ہے چاہے لوٹ کر وطن چلی جائے اور چاہے منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جائے۔

حضرت امام محمدؒ نے اس حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر مفارقت حالت سفر میں کسی آبادی میں واقع ہوئی ہو تو یہ عورت اس شہر (آبادی) سے نہ نکلے یہاں تک کہ اپنی عدت پوری کرلے۔ پھر عدت پوری ہونے کے بعد اگر اس کے ساتھ کوئی محرم ہو تو نکل سکتی ہے اور یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر اس عورت کے ساتھ محرم ہے تو عدت پوری کرنے سے پہلے بھی اس شہر سے نکلنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مسافرت کی تکلیف اور تنہائی کی وحشت کو دور کرنے کے لیے نفس خروج مباح اور جائز ہے۔ چنانچہ بالاتفاق مدت سفر سے کم نکلنے کی شرعاً اجازت ہے۔ حاصل یہ کہ مسافرت کی تکلیف اور تنہائی کی وحشت ایک عذر ہے اور عذر کی وجہ سے معتدہ عورت کے لیے

مکانِ عدت سے نکلنا مباح ہے۔

زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مقدار سفر نکلنا حرام ہے تو جواب دیں گے کہ سفر کا ہونا محرم کا ساتھ ہونے کی وجہ سے دور ہو گیا۔ پس محرم کے ساتھ سفر کرنا ایسا ہو گیا جیسا کہ مدت سفر سے کم بغیر محرم کے سفر کرنا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بغیر محرم سفر کرنے کے مقابلہ میں عدت میں نکلنا زیادہ ممنوع ہے۔ چنانچہ عورت مدتِ سفر سے کم بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے۔ لیکن معتدہ کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے۔ پس جب عورت کے لیے بغیر محرم کے مدت سفر کی مقدار سفر کرنا حرام ہے۔ تو عدت میں اس عورت کا سفر کرنا بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ واللہ اعلم۔

جمیل احمد غفرلہٗ

باب ثبوت النسب

ترجمہ..... (یہ) باب ثبوتِ نسب (کے احکام کے بیان میں) ہے۔

تشریح..... مصنفؒ نے سابق میں معتدہ کی انواع (ذوات الحیض، ذوات الاشہر اور ذوات الاحمال) کو بیان فرمایا ہے۔ اس باب میں ذوات الاحمال کے لازم یعنی ثبوتِ نسب کا ذکر فرمائیں گے۔

مرد نے کہا ان تزوجت فلانة فهي طالق اس کے ساتھ نکاح کیا اس نے نکاح کے دن سے لے کر چھ ماہ میں بچہ جنا یہ اس کا بیٹا ہے اور مرد پر مہر لازم ہے

وَمَنْ قَالَ اِنْ تَزَوَّجْتُ فَلَانَةً فَهِيَ طَالِقٌ فَتَزَوَّجَهَا فَوَلَدَتْ وَلَدًا لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا فَهُوَ اِبْنُهُ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ اَمَّا النَّسَبُ فَلِاَنَّهَا فِرَاشُهُ لِاَنَّهَا لَمَّا جَاءَتْ بِالْوَلَدِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْ وَقْتِ النِّكَاحِ فَقَدْ جَاءَتْ بِهِ لِاَقَلَّ مِنْهَا مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ فَكَانَ الْعُلُوْقُ قَبْلَهُ فِيْ حَالَةِ النِّكَاحِ وَالتَّصَوُّرُ ثَابِتٌ بِاَنْ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ يُخَالِطُهَا فَوَافَقَ الْاِنْزَالُ النِّكَاحَ وَالنَّسَبُ يُحْتَاطُ فِيْ اِثْبَاتِهِ وَاَمَّا الْمَهْرُ فَلِاَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ مِنْهُ جُعِلَ وَاطِئًا حُكْمًا فَتَاَكَّدَ الْمَهْرُ بِهِ

ترجمہ..... اور جس مرد نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو وہ طالقہ ہے۔ پھر اس سے نکاح کیا۔ نکاح کے وقت سے چھ ماہ پر اس نے بچہ جنا، تو یہ بچہ اس مرد کا بیٹا ہے اور اس پر پورا مہر واجب ہے۔ بہر حال نسب تو اسلئے کہ وہ عورت اس مرد کی فراش ہے۔ کیونکہ جب نکاح کے وقت سے چھ ماہ پر اس نے بچہ جنا تو طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ لائی۔ پس علوق طلاق سے پہلے نکاح کی حالت میں ہوا اور امکان بھی ثابت ہے۔ اس طرح پر کہ مرد نے اس عورت سے وطی کرنے کی حالت میں نکاح کیا اور نکاح ہو جانے پر انزال ہو کر نطفہ ٹھہر گیا اور نسب ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے اور بہر حال مہر تو اسلئے کہ جب اس سے نسب ثابت ہو گیا تو حکماً وطی کرنے والا قرار پایا۔ پس اس کی وجہ سے پورا مہر ثابت ہو گیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت کے ساتھ نکاح کروں تو اس کو طلاق ہے۔ پھر اس شخص نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور اس عورت نے نکاح کے وقت سے چھ ماہ پر ایک بچہ جنا۔ تو یہ بچہ اس کا فرزند ہوگا۔ یعنی بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اس شخص پر پورا مہر واجب ہوگا اور اگر چھ ماہ سے زائد مدت میں بچہ پیدا ہوا یا چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا تو اس شخص سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ پہلی صورت میں تو اسلئے نہیں ثابت ہوگا کہ جب بچہ نکاح کے وقت سے چھ ماہ سے زائد میں پیدا ہوا تو ممکن ہے کہ علوق طلاق کے بعد ہوا۔ لہٰذا نہ نسب ثابت ہوگا اور نہ عورت پر عدت واجب ہوگی اور دوسری صورت میں نسب اسلئے ثابت نہیں ہوگا کہ جب بچہ نکاح کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا تو یقیناً علوق نکاح سے پہلے ہے۔ لہٰذا اس صورت میں بھی نسب ثابت نہیں ہوگا۔

بہر حال متن کے مسئلہ میں ثبوتِ نسب کی دلیل یہ ہے کہ یہ عورت اس کی فراش ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا الولد للفراش و للعاهر الحجر۔ یعنی بچہ صاحبِ فراش کا ہوتا ہے اور زانی کیلئے پتھر ہوتا ہے اور امام کرخیؒ نے فراش کی تفسیر عقد کے ساتھ کی ہے۔ یعنی بچہ صاحبِ عقد نکاح کیلئے ہوتا ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ نے اس دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب نکاح کے وقت سے چھ ماہ پر بچہ پیدا ہوا تو لازماً طلاق کے وقت سے چھ

ماہ سے کم میں بچہ کی ولادت ہوگی اور جب طلاق کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو گویا نکاح کی حالت میں طلاق سے پہلے علوق (وطی) ہوا اور وطی علوق کا امکان بھی موجود ہے۔ اس طرح پر کہ اس عورت کے پیٹ پر لیٹ کر نکاح کیا اور لوگوں نے ان کے ایجاب وقبول کو سن بھی لیا اور نکاح ہو جانے پر انزال ہو کر نطفہ قرار پایا۔

اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ یہ تصور بہت بعید اور امر نادر ہے تو مناسب یہ ہے کہ نسب ثابت نہ ہو تو جواب یہ ہوگا نسب ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے۔ لہٰذا استحساناً نسب ثابت ہو جائیگا۔

اور بعض مشائخ نے کہا کہ اس تکلیف کی کوئی ضرورت نہیں۔ نسب ثابت کرنے کیلئے فراش کا موجود ہونا کافی ہے اور امکان دخول کے اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نکاح وطی کے قائم مقام ہوتا ہے۔ جیسے زوجین کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے۔ پھر چھ ماہ میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہو جائیگا۔ اگر چہ دخول اور وطی کا وہم بھی نہیں ہے۔ مگر بعض حضرات نے مشائخ کے اس قول کو رد فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ثبوت نسب کیلئے وطی کا متصور اور ممکن ہونا شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نابالغ کی بیوی سے بچہ پیدا ہوا، تو اس بچہ کا نسب نابالغ سے ثابت نہیں ہوتا اور بعض مشائخ کا یہ کہنا کہ اگر شوہر مشرق میں رہتا ہے اور بیوی مغرب میں اور دونوں کے درمیان ایک سال کی مسافت ہے اور چھ ماہ میں بچہ پیدا ہوا تو اس مشرقی سے بچہ کا نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ درانحالیکہ اس صورت میں وطی متصور اور ممکن نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرقی کے حق میں امکان وطی موجود ہے۔ بایں طور کہ شوہر ولی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ایک سال کی مسافت کو ایک قدم کے برابر کر دے کیونکہ اولیاء کی کرامت ہمارے نزدیک برحق ہے۔ اولیاء کے بہت سے واقعات اس کی تائید میں موجود ہیں اور شوہر پر پورا مہر اسلئے واجب ہوگا کہ جب اس سے نسب ثابت ہو گیا تو گویا وہ بحکم شرع وطی کرنے والا ہوا اور چونکہ وطی کی وجہ سے پورا مہر واجب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس صورت میں بھی پورا مہر واجب ہوگا۔

مطلقہ رجعیہ کے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا جب اس نے بچہ دو سال یا دو سال سے زیادہ میں جنا جب تک عورت نے انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا ہو

قَالَ وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُطَلَّقَةِ الرَّجْعِيَّةِ اِذَاجَاءَتْ بِهٖ لِسَنَتَيْنِ اَوْ اَكْثَرَمَالَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا لِاحْتِمَالِ الْعُلُوْقِ فِيْ حَالَةِ الْعِدَّةِ لِجَوَازِ اَنَّهَا تَكُوْنُ مُمْتَدَّةُ الطُّهْرِ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ بَانَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ وَثَبَتَ نَسَبُهٗ لِوُجُوْدِ الْعُلُوْقِ فِي النِّكَاحِ اَوْفِي الْعِدَّةِ وَلَايَصِيْرُ مُرَاجِعًا لِاَنَّهٗ يُحْتَمَلُ الْعُلُوْقُ قَبْلَ الطَّلَاقِ وَيُحْتَمَلُ بَعْدَهٗ فَلَايَصِيْرُ مُرَاجِعًا بِالشَّكِّ وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ لِاَكْثَرِمِنْ سَنَتَيْنِ كَانَتْ رَجْعِيَّةً لِاَنَّ الْعُلُوْقَ بَعْدَ الطَّلَاقِ وَالظَّاهِرُاَنَّهٗ مِنْهُ لِاِنْتِفَاءِ الزِّنَاءِ مِنْهَا فَيَصِيْرُ بِالْوَطْيِ مُرَاجِعًا

ترجمہ..... فرمایا کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہے۔ اسکے بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ اس نے بچہ دو سال یا دو سال سے زیادہ میں جنا ہو جب تک کہ عورت نے اپنی عدت گذر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔ کیونکہ احتمال ہے کہ عدت کی حالت میں نطفہ رہا ہو۔ اسلئے کہ ممکن ہے کہ یہ عورت ممتدۃ طہر ہو اور اگر اس عورت نے دو سال سے کم میں بچہ جنا ہو تو وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہو گئی۔ عدت گذر جانے کی وجہ سے اور بچہ کا نسب (شوہر سے) ثابت ہو گیا۔ کیونکہ علوق (نطفہ) نکاح میں پایا گیا یا عدت میں اور شوہر رجعت کرنے والا نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ علوق قبل الطلاق کا احتمال ہے اور بعد الطلاق کا بھی احتمال ہے۔ لہٰذا شوہر شک کی وجہ سے رجعت کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر اس عورت نے دو سال سے زائد میں بچہ جنا تو رجعت ہو جائے گی۔ کیونکہ علوق بعد الطلاق ہے اور ظاہر یہ ہے کہ نطفہ اسی مرد سے ہو۔ اسلئے کہ عورت سے زنا منتفی ہے۔ پس وہ وطی سے مراجعت کرنے والا ہو جائے گا۔

تشریح ...... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت جس کو اس کے شوہر نے طلاق رجعی دی ہے۔ اپنے طلاق کے وقت سے دو سال پر یا دو سال سے زیادہ پر بچہ جنا تو شوہر سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ عورت نے عدت گذر جانے کا اقرار نہ کیا ہو۔

دلیل یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت ممتدۃ طہر ہو اور طہر کے دراز ہونے کی وجہ سے اس کی عدت دراز ہوگئی ہو اور شوہر نے عدت کے زمانہ میں وطی کرلی ہو۔ کیونکہ معتدہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے۔ پس اس وطی سے رجعت بھی ثابت ہوگی اور بچہ کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا۔

اور اگر دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہے تو یہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہوگئی اور اس بچہ کا نسب اس کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا۔ بائنہ تو اسلئے ہوگئی کہ وضع حمل کی وجہ سے بائنہ ہو جاتی ہے۔

اور ثبوت نسب کی وجہ یہ ہے کہ اگر وطی حالتِ نکاح میں کی گئی ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر عدت میں وطی کی گئی ہے تب بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ معتدۂ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا شرعاً حلال ہے۔ لیکن شوہر اس وطی سے مراجعت کرنے والا شمار نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ اگر یہ احتمال ہے کہ وطی طلاق کے بعد کی گئی ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ طلاق سے پہلے وطی کی گئی ہو۔ پس رجعت میں شبہ ہوگیا اور شبہ اور شک کی وجہ سے رجعت ثابت نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے اس صورت میں رجعت ثابت نہیں ہوگی۔

اور اگر بچہ طلاق کے وقت سے دو سال سے زیادہ میں پیدا ہوا تو بلا شبہ رجعت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں علوق یقیناً طلاق کے بعد ہوا ہے۔ اسلئے کہ اکثر مدت حمل دو سال ہے اور ظاہر حال یہی ہے کہ یہ علوق اسی شخص سے ہوا ہوگا۔ کیونکہ عورت کی طرف سے زنا منتفی ہے۔ پس جب زمانۂ عدت میں مطلقہ رجعیہ کے ساتھ وطی کی گئی ہے تو یہ شخص اس وطی کی وجہ سے مراجعت کرنے والا شمار ہوگا۔

مبتوتہ کے بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے جبکہ وہ دو سال سے کم میں جنے

وَالْمَبْتُوْتَةُ يَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِهَا اِذَاجَاءَ تْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سَنَتَيْنِ لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ الْوَلَدُقَائِمًاوَقْتَ الطَّلَاقِ فَلَايَتَيَقَّنُ بِزَوَالِ الْفِرَاشِ قَبْلَ الْعُلُوْقِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ اِحْتِيَاطًا وَاِذَا جَاءَ تْ بِهٖ لِتَمَامِ سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْفُرْقَةِ لَمْ يَثْبُتْ لِاَنَّ الْحَمْلَ حَادِثٌ بَعْدَ الطَّلَاقِ فَلَايَكُوْنُ مِنْهُ لِاَنَّ وَطْيَهَاحَرَامٌ اِلَّااَنْ يَّدَّعِيَهٗ لِاَنَّهٗ اِلْتَزَمَهٗ وَلَهٗ وَجْهٌ بِاَنْ وَطْيَهَابِشُبْهَةٍ فِي الْعِدَّةِ

ترجمہ ...... اور وہ عورت جس کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کے بچہ کا نسب (شوہر سے) ثابت ہو جائے گا۔ جبکہ اس نے اس کو دو سال سے کم میں جنا۔ اسلئے کہ طلاق کے وقت بچہ کے موجود ہونے کا احتمال ہے۔ پس علوق سے پہلے فراش کے زائل ہونے کا یقین نہیں ہے۔ لہٰذا احتیاطاً نسب ثابت ہو جائے گا۔

اور اگر اس عورت نے فرقت کے وقت سے پورے دو سال پر بچہ جنا تو نسب ثابت نہ ہوگا۔ اسلئے کہ حمل طلاق کے بعد پیدا ہوا ہے۔ تو اس مرد سے نہ ہوگا۔ کیونکہ (شوہر کا) اس عورت کے ساتھ وطی کرنا حرام ہے۔ مگر یہ کہ وہ اس کا مدعی ہو۔ کیونکہ اس نے اس کا نسب اپنے ذمہ خود لازم کرلیا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے عدت کے اندر شبہ میں وطی کی ہو۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دی گئی ہوں اور پھر فرقت کے وقت سے دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب اس مطلقہ بائنہ کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ طلاق کے وقت بچہ کا نطفہ قرار پاچکا ہو۔ پس اس امر کا یقین نہیں ہے کہ نطفہ قرار پانے سے پہلے عورت کا فراش صحیح ہونا زائل ہوگیا تھا۔ لہٰذا احتیاطاً نسب ثابت ہوگا۔

اور اگر فرقت کے وقت سے پورے دو سال پر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس صورت میں حمل بالیقین طلاق کے بعد پیدا ہوا

ہے۔ اسلئے کہ اگر طلاق سے پہلے حدوثِ حمل تسلیم کیا جائے تو مدت حمل دو سال سے زیادہ ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ پس جب حمل بعد الطلاق پیدا ہوا اور مرد کا مطلقہ بائنہ سے وطی کرنا حرام ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ یہ حمل اس مرد کے نطفہ سے نہیں ہے اور جب حمل اس کے نطفہ سے نہیں ہے تو اس سے نسب بھی ثابت نہیں ہوگا۔ ہاں اگر یہ شخص اس کا مدعی ہو کہ یہ بچہ میرے ہی نطفہ سے ہے، تو اس سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ اگرچہ بچہ فرقت کے وقت سے دو سال سے زائد مدت میں پیدا ہوا ہو۔

دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے اس بچہ کا نسب خود اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے اور اس کی ایک شرعی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس شخص نے عدت کے زمانہ میں حلال سمجھ کر اس معتدہ بائنہ کے ساتھ وطی کر لی ہو اور چونکہ ثبوتِ نسب میں احتیاط کی جاتی ہے اسلئے اس صورت میں بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

مبتوتہ صغیرہ ہو کہ اس جیسی عورت کے ساتھ جماع کیا جا سکتا ہے اس نے نو ماہ میں بچہ جنا اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا حتیٰ کہ وہ نو ماہ سے کم میں بچہ جنے، اقوال فقہاء

فَاِنْ كَانَتِ الْمَبْتُوْتَةُ صَغِيْرَةً يُجَامَعُ مِثْلُهَا فَجَائَتْ بِوَلَدٍ لِتِسْعَةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَلْزَمْهُ حَتّٰى تَاتِيَ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ تِسْعَةِ اَشْهُرٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَ قَالَ اَبُوْيُوْسُفَ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُ اِلٰى سَنَتَيْنِ لِاَنَّهَا مُعْتَدَّةٌ يَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ حَامِلًا وَلَمْ تُقِرَّ بِانْقِضَاءِ الْعِدَّةِ فَاَشْبَهَتِ الْكَبِيْرَةَ وَ لَهُمَا اَنَّ لِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةً مُعَيَّنَةً وَهُوَ الْاَشْهُرُ فَبِمُضِيِّهَا يَحْكُمُ الشَّرْعُ بِالْاِنْقِضَاءِ وَهُوَ فِي الدَّلَالَةِ فَوْقَ اِقْرَارِهَا لِاَنَّهٗ لَايَحْتَمِلُ الْخِلَافَ وَالْاِقْرَارُ يَحْتَمِلُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مُطَلَّقَةً طَلَاقًا رَجْعِيًّا فَكَذَالِكَ الْجَوَابُ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَهٗ يَثْبُتُ اِلٰى سَبْعَةٍ وَّعِشْرِيْنَ شَهْرًا لِاَنَّهٗ يُجْعَلُ وَاطِيًا فِيْ اٰخِرِ الْعِدَّةِ وَهِيَ الثَّلٰثَةُ الْاَشْهُرُ ثُمَّ تَاتِيْ بِهٖ لِاَكْثَرِ مُدَّةِ الْحَمْلِ وَهُوَ سَنَتَانِ وَاِنْ كَانَتِ الصَّغِيْرَةُ ادَّعَتِ الْحَبَلَ فِي الْعِدَّةِ فَالْجَوَابُ فِيْهَا وَفِي الْكَبِيْرَةِ سَوَاءٌ لِاَنَّ بِاِقْرَارِهَا يُحْكَمُ بِبُلُوْغِهَا

ترجمہ ...... پس اگر مطلقہ بائنہ ایسی صغیرہ ہے جس سے جماع کیا جا سکتا ہے۔ پھر (طلاق کے وقت سے) نو ماہ پر بچہ جنا، تو مرد کے ذمہ اس کا نسب لازم نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ (اگر) نو ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو (نسب ثابت ہوگا)۔ (یہ) امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دو سال تک اس سے نسب ثابت ہوگا۔ ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس معتدہ میں احتمال ہے کہ حاملہ ہو اور اس نے عدت گذر جانے کا اقرار نہیں کیا ہے۔ پس بالغہ عورت کے مشابہ ہو گئی اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت کی عدت گذر جانے کا ایک وقت معین ہے اور وہ عدت کے مہینے ہیں۔ تو ان کے گذر جانے پر شریعت نے اس کی عدت گذرنے کا حکم دے دیا اور یہ اس عورت کے اقرار سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ حکم شرع خلاف کا احتمال نہیں رکھتا ہے اور اقرار اس کا احتمال رکھتا ہے اور اگر اس صغیرہ کو طلاق رجعی دی گئی ہو، تو طرفین کے نزدیک یہی حکم ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ عدت کے آخر میں شوہر کو وطی کرنے والا قرار دیا جائے گا اور وہ تین ماہ ہیں۔ پھر یہ عورت اکثر مدتِ حمل میں بچہ لائی اور وہ دو سال ہیں اور اگر صغیرہ نے عدت کے اندر حاملہ ہونے کا دعویٰ کیا ہو تو اس میں اور کبیرہ میں حکم یکساں ہے۔ کیونکہ صغیرہ کے اقرارِ حمل سے اس کے بالغہ ہونے کا حکم دے دیا جائے گا۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ عورت جس کو ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دی گئی ہوں۔ ایسی نابالغہ ہے۔ جس کے ساتھ جماع کیا جا سکتا ہے اور پھر طلاق کے وقت سے نو ماہ پر اس نے بچہ جنا، اور اس عورت نے عدت گذرنے کا بھی اقرار نہیں کیا، تو ایسی صورت میں اس کے شوہر کے ذمہ نسب لازم نہیں ہوگا۔ ہاں! اگر نو ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہو گیا تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ یہ تفصیل طرفین کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ

طلاق کے وقت سے دو سال تک نسب ثابت ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہمارا کلام مراہقہ مدخول بہا میں ہے اور مراہقہ مدخول بہا حاملہ ہونے کا احتمال رکھتی ہے اور حاملہ ہونے کے وقت میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ وہ طلاق کے وقت ہی حاملہ تھی تو اس صورت میں وضع حمل سے اس کی عدت گذر جائے گی اور نسب ثابت ہو جائے گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ تین ماہ کے ساتھ عدت گذر جانے کے بعد حاملہ ہوئی ہے۔ پس یہ مراہقہ بالغہ کے مشابہ ہوگئی۔ اسلئے کہ اس نے عدت گذرنے کا اقرار نہیں کیا۔ لہٰذا بالغہ کی طرح دو سال تک اس کے بچہ کا نسب ہوگا۔

اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس عورت کی عدت گذر جانے کا ایک وقت معین سب کو معلوم ہے اور وہ عدت کے تین ماہ ہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے **واللائی لم یحضن...... الآیة** ۔ یعنی جن عورتوں کو حیض کا خون نہیں آتا ان کی عدت تین ماہ ہیں۔ پس ان تین ماہ کے گذر جانے پر شریعت اس کی عدت گذرنے کا حکم دے دے گی۔ خواہ یہ عورت عدت گذرنے کا اقرار کرے یا اقرار نہ کرے اور انقضاءِ عدت پر دلالت کرنے میں شریعت کا حکم عورت کے اقرار سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ حکمِ شرع خلاف کا احتمال نہیں رکھتا ہے اور عورت کا اقرار خلاف اور جھوٹ کا احتمال رکھتا ہے۔ پس اگر عورت عدت گذرنے کا اقرار کر لیتی اور اس کے بعد چھ ماہ پر بچہ پیدا ہوتا تو نسب ثابت نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہوگیا کہ اگر مراہقہ نے طلاق کے وقت سے نو ماہ پر بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

اور اگر وہ صغیرہ مطلقہ رجعیہ ہو تو طرفین کے نزدیک یہی حکم ہے۔ یعنی اگر طلاق کے وقت سے نو ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ ورنہ نہیں اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ستائیس ماہ تک نسب ثابت ہو جائے گا۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ مطلقہ رجعیہ کے ساتھ عدت کے زمانہ میں وطی کرنا جائز ہے۔ اسلئے ممکن ہے کہ عدت کے آخری وقت میں وطی کی ہو اور پھر اکثر مدتِ حمل میں بچہ کی ولادت ہوئی ہو۔ تو اس طرح ستائیس ماہ ہو جائیں گے۔ تین ماہ عدت کے اور چوبیس ماہ اکثر مدت حمل کے۔ لہٰذا اگر طلاق کے وقت سے ستائیس ماہ پر بچہ پیدا ہوا تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اگر صغیرہ نے عدت کے زمانے میں اپنے حاملہ ہونے کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں بالغہ اور نابالغہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔ کیونکہ اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کرنے کی وجہ سے اس کے بالغہ ہونے کا حکم لگا دیا جائے گا۔ اسلئے کہ وہ اپنی عدت کے حال سے زیادہ واقف ہے۔ لہٰذا طلاق بائن کی صورت میں اگر دو سال سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہوگا اور طلاق رجعی کی صورت میں ستائیس ماہ سے کم میں اگر بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت ہوگا۔

متوفی عنہا زوجہا کے دو سال کے درمیان میں جنے ہوئے بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے، امام زفر کا نقطہ نظر

وَيَثْبُتُ نَسَبُ وَلَدِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا مَابَيْنَ الْوَفَاةِ وَبَيْنَ السَّنَتَيْنِ وَقَالَ زُفَرُ اِذَا جَاءَتْ بَعْدَ اِنْقِضَاءِ عِدَّةِ الْوَفَاةِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ لَايَثْبُتُ النَّسَبُ لِاَنَّ الشَّرْعَ حَكَمَ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا بِالشُّهُوْرِ لِتَعَيُّنِ الْجِهَةِ فَصَارَ كَمَا اِذَا اَقَرَّتْ بِالْاِنْقِضَاءِ كَمَا بَيَّنَّا فِي الصَّغِيْرَةِ اِلَّا اَنَّا نَقُوْلُ لِاِنْقِضَاءِ عِدَّتِهَا جِهَةٌ اُخْرٰى وَهُوَ وَضْعُ الْحَمْلِ بِخِلَافِ الصَّغِيْرَةِ لِاَنَّ الْاَصْلَ فِيْهَا عَدَمُ الْحَمْلِ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ بِمَحَلٍّ قَبْلَ الْبُلُوْغِ وَفِيْهِ شَكٌّ

ترجمہ......اور متوفی عنہا زوجہا کے بچہ کا نسب وفات (کے وقت) سے دو برس کے اندر ثابت ہوگا اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ اگر عدتِ وفات گذرنے کے بعد چھ ماہ پر بچہ جنا تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ شریعت نے اس کی عدت مہینوں کے ساتھ گذر جانے کا حکم دے دیا۔ کیونکہ (اس کی عدت کی) یہی راہ متعین ہے۔ تو ایسا ہوگیا کہ اس نے عدتِ گذر جانے کا اقرار کر لیا جیسا ہم نے صغیرہ کی صورت میں بیان کیا۔ مگر ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت گذرنے کا دوسرا طریق بھی ہے اور وہ وضع حمل ہے۔ برخلاف صغیرہ کے اسلئے کہ صغیرہ کے حق میں اصل حمل کا

نہ ہونا ہے۔ کیونکہ وہ صغیرہ بالغہ ہونے سے پہلے محل حمل نہیں ہے اور بالغہ ہونے میں شک ہے۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کا شوہر مر گیا اگر وہ صغیرہ ہے تو اس کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔ بشرطیکہ دس ماہ دس یوم سے کم میں پیدا ہوا ہو اور اگر اس سے زیادہ مدت میں پیدا ہوا تو طرفینؒ کے نزدیک نسب ثابت نہیں ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ثابت ہو جائے گا اور اگر متوفی عنہا زوجہا صغیرہ نہ ہو تو اس کے بچہ کا نسب شوہر کی وفات سے دو سال کے اندر ثابت ہوگا۔

امام زفرؒ نے فرمایا کہ اگر عدتِ وفات یعنی چار ماہ دس دن گذرنے کے بعد چھ ماہ پر بچہ پیدا ہوا تو اسکا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ حمل ظاہر نہیں ہوا اسلئے اس کی عدت کی راہ متعین ہے۔ یعنی چار ماہ دس یوم۔ پس چار ماہ دس یوم گذر جانے پر شریعت نے اس کی عدت کے گذرنے کا حکم دے دیا۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ عورت بذاتِ خود عدت گذرنے کا اقرار کر چکی ہو اور عدت گذرنے کے بعد اگر چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہو تو نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں عدت گذرنے سے پہلے حمل کا ہونا یقینی ہے اور اگر چھ ماہ سے زائد مدت میں پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں احتمال ہے کہ عدت گذرنے کے بعد حاملہ ہوئی ہو۔ لہٰذا شک کی وجہ سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ صغیرہ کے حکم کے تحت یہ تفصیل بیان کی جا چکی کہ جس طرح صغیرہ کی عدت کا طریق متعین ہے۔ یعنی تین ماہ اسی طرح متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا بھی طریق متعین ہے۔ یعنی چار ماہ دس یوم۔ مگر ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت گذرنے کا چار ماہ دس یوم کے علاوہ ایک دوسرا طریقہ بھی ہے یعنی وضع حمل۔ اس کے برخلاف صغیرہ ہے کہ اس کا حاملہ نہ ہونا اصل ہے۔ کیونکہ بالغہ ہونے سے پہلے وہ محل حمل نہیں ہو سکتی اور صغیرہ کے بالغ ہونے میں شک ہے۔ اس لئے کہ صغر تو بالیقین ثابت ہے۔ لہٰذا شک کی وجہ سے صغر زائل نہیں ہوگا۔ حاصل جواب یہ کہ متوفی عنہا زوجہا کو صغیرہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

جب معتدہ انقضاء عدت کا اقرار کرے پھر چھ ماہ سے کم بچہ جنے اس بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے

وَ اِذَا اعْتَرَفَتِ الْمُعْتَدَّةُ بِانْقِضَاءِ عِدَّتِهَا ثُمَّ جَاءَ تْ بِالْوَلَدِ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ يَثْبُتُ نَسَبُهُ لِاَنَّهُ ظَهَرَ كِذْبُهَا بِيَقِيْنٍ فَبَطَلَ الْاِقْرَارُ وَاِنْ جَاءَ تْ بِهٖ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ لَمْ يَثْبُتْ لِاَ نَّا لَمْ نَعْلَمْ بُطْلَانَ الْاِقْرَارِ لِاِحْتِمَالِ الْحُدُوْثِ بَعْدَهٗ وَهٰذَا اللَّفْظُ بِاِطْلَاقِ يَتَنَاوَلُ كُلَّ مُعْتَدَّةٍ

ترجمہ..... اور جب معتدہ نے اپنی عدت گذرنے کا اقرار کیا پھر اس نے (اقرار کے وقت سے) چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ معتدہ کا جھوٹا ہونا یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا۔ اس وجہ سے اس کا اقرار باطل ہو گیا اور اگر اس نے چھ ماہ میں بچہ جنا تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اقرار کے باطل ہونے کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اسلئے کہ اقرار کے بعد حمل پیدا ہونے کا احتمال ہے اور یہ لفظ اپنے اطلاق کی وجہ سے ہر معتدہ کو شامل ہے۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ معتدہ نے کہا کہ میری عدت گذر گئی۔ پھر اس کے اقرار کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ ہو گیا تو اس بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

دلیل یہ ہے کہ جب اقرار کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اقرار کے وقت یہ معتدہ حاملہ تھی اور چونکہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہوتی ہے۔ اسلئے یہ معتدہ انقضاء عدت کا اقرار کرنے میں جھوٹی ہوگی اور جب اقرار میں جھوٹی قرار پائی تو اقرار ہی باطل ہو گیا اور جب عدت گذرنے کے بارے میں اقرار باطل ہو گیا تو بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر اقرار کے وقت سے پورے چھ ماہ میں بچہ پیدا ہوا تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال ہے کہ اقرار کے بعد حمل پیدا ہوا ہو۔ اس وجہ سے بطلانِ اقرار کا یقین نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ماتن کا قول اذا اعترفت المعتدہ اپنے اطلاق کی وجہ سے ہر معتدہ کو شامل ہے۔خواہ معتدہ رجعیہ ہو یا معتدہ بائنہ اور یا معتدۂ وفات سب کا حکم یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا۔

معتدہ کے بچے کا نسب کب ثابت ہوگا، اقوال فقہاء

وَاِذَاوَلَـدَتِ الْمُعْتَدَّةُ وَلَدًالَمْ يَثْبُتُ نَسَبُهُ عَنْهُ عِنْدَ اَبِیْ حَنِيْفَةَ اِلَّا اَنْ يَّشْهَدَ بِوِلَادَتِهَا رَجُلَانِ اَوْرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ هُنَاكَ حَبَلٌ ظَاهِرٌاَوِاعْتِرَافٌ مِنْ قِبَلِ الزَّوْجِ فَيَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْ غَيْرِشَهَادَةٍ وَقَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ يَثْبُتُ فِی الْجَمِيْعِ بِشَهَادَةِ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ لِاَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ بِقِيَامِ الْعِدَّةِ وَهُوَمُلْزِمٌ لِلنَّسَبِ وَالْحَاجَةُ اِلٰی تَعْيِيْنِ الْوَلَدِاَنَّهُ مِنْهَا فَيَتَعَيَّنُ بِشَهَادَتِهَا كَمَافِیْ حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ وَلِاَبِیْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْعِدَّةَ تَنْقَضِیْ بِاِقْرَارِهَا بِوَضْعِ الْحَمْلِ وَالْمُنْقَضِیْ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فَمَسَّتِ الْحَاجَةُ اِلٰی اِثْبَاتِ النَّسَبِ اِبْتِدَاءً فَيُشْتَرَطُ كَمَالُ الْحُجَّةِ بِخِلَافِ مَااِذَاكَانَ ظَهَرَ الْحَبَلُ اَوْصَدَرَ الْاِعْتِرَافُ مِنَ الزَّوْجِ لِاَنَّ النَّسَبَ ثَابِتٌ قَبْلَ الْوِلَادَةِ وَالتَّعَيُّنُ يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهَا

ترجمہ......اور جب کسی معتدہ نے بچہ جنا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ اس کے پیدا ہونے کی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں۔مگر یہ کہ وہاں حمل ظاہر ہو۔یا شوہر کی جانب سے اقرار پایا جائے۔تو بغیر گواہی کے نسب ثابت ہو جائے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تمام صورتوں میں ایک عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت موجود ہونے کی وجہ سے (عورت اپنے شوہر کی) فراش ہے اور فراش ہونا نسب کو لازم کرنے والا ہے اور حاجت تعیین ولد کی ہے کہ یہ بچہ اسی عورت کا جنا ہوا ہے۔تو یہ بات ایک عورت کی گواہی سے متعین ہو جائے گی۔جیسے نکاح قائم ہونے کی صورت میں۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کے وضع حمل کا اقرار کرنے کی وجہ سے عدت گذر گئی اور گذری ہوئی چیز حجت نہیں ہوتی ہے۔تو نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورت پڑی۔پس اس میں پوری گواہی ہونا شرط ہے۔بخلاف اس صورت کے جبکہ حمل ظاہر ہوا یا شوہر کی جانب سے اقرار صادر ہوا ہو (تو وہاں یہ شرط نہیں) کیونکہ (بچہ کا) نسب تو پیدا ہونے سے پہلے ثابت ہے اور تعیین ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر معتدہ عورت نے بچہ جنا اور حمل پہلے سے ظاہر تھا۔یا شوہر حمل کا اعتراف کر چکا تو دونوں صورتوں میں بغیر شہادت کے نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر معتدہ عورت نے بچہ جنا اور شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک نسب اس وقت ثابت ہوگا جبکہ بچہ کی ولادت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں اور صاحبین نے فرمایا کہ تمام صورتوں میں ایک آزاد مسلمان عادل عورت کی گواہی سے نسب ثابت ہو جائے گا۔خواہ پہلے سے حمل ظاہر ہو یا نہ ہوا اور شوہر نے حمل کا اقرار کیا ہو یا نہ کیا ہو۔اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کی گواہی شرط ہے اور امام مالکؒ اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک دو عورتوں کی شہادت سے نسب ثابت ہو جائے گا۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت موجود ہونے کی وجہ سے عورت اپنے شوہر کی فراش ہے اور فراش ہونا نسب کو لازم کر دیتا ہے۔لہٰذا نسب ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ہاں یہ حاجت ہے کہ یہ بچہ اسی عورت کا جنا ہوا ہے تو یہ بات ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی۔جیسے نکاح قائم ہونے کی صورت میں بالاتفاق ایک عورت کی گواہی سے تعیین ولد ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب عورت نے وضع حمل کا اقرار کیا تو اس کی عدت گذر گئی اور جو چیز گذر گئی وہ حجت نہیں ہوتی۔ بلکہ حجت وہ ہوتی ہے جو موجود ہو پس نئے سرے سے نسب ثابت کرنے کی ضرورت پڑی۔ اس وجہ سے شہادتِ تامہ کا ہونا ضروری ہے اور شہادتِ تامہ یہ ہے کہ دو مرد گواہی دیں یا دو عورتیں اور ایک مرد گواہی دے۔ ہاں اگر حمل ظاہر ہو گیا یا شوہر حمل کا اقرار کر چکا تو کمالِ شہادت کی شرط نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں نسب یا تو ولادت سے پہلے ہی ثابت ہو چکا اور رہا یہ کہ یہ بچہ اسی عورت سے پیدا ہوا ہے۔ تو یہ بات ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی۔

حضرت امام صاحبؒ کے مذہب پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اثباتِ نسب کیلئے مرد کی شہادت کو شرط قرار دینا کیسے درست ہوگا۔ درانحالیکہ مرد کا عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ جواب یہ ہوگا دیکھنا ضروری نہیں بلکہ بغیر دیکھے بھی گواہی دینا ممکن ہے۔ اس طرح پر کہ یہ عورت گواہوں کے سامنے ایک کمرے میں داخل ہوئی اور گواہوں کو اس کا علم ہے کہ اس کمرے میں اس عورت کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پھر وہ عورت ایک بچہ کے ساتھ نکلی، تو اداءِ شہادت کیلئے اتنا کافی ہے۔

معتدہ وفات کے بچے کی پیدائش کی تصدیق ورثہ نے کی اور کسی نے ولادت پر گواہی نہیں دی بچہ کا نسب ثابت ہوگا

فَاِنْ كَانَتْ مُعْتَدَّةً عَنْ وَفَاةٍ فَصَدَّقَهَا الْوَرَثَةُ فِي الْوِلَادَةِ وَلَمْ يَشْهَدْ عَلَى الْوِلَادَةِ اَحَدٌ فَهُوَ اِبْنُهُ فِيْ قَوْلِهِمْ جَمِيْعًا وَهٰذَا فِيْ حَقِّ الْاِرْثِ ظَاهِرٌ لِاَنَّهُ خَالِصُ حَقِّهِمْ فَيُقْبَلُ فِيْهِ تَصْدِيْقُهُمْ اَمَّا فِيْ حَقِّ النَّسَبِ هَلْ يَثْبُتُ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمْ قَالُوْا اِذَا كَانُوْا مِنْ اَهْلِ الشَّهَادَةِ يَثْبُتُ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ وَلِهٰذَا قِيْلَ تُشْتَرَطُ لَفْظَةُ الشَّهَادَةِ وَقِيْلَ لَا تُشْتَرَطُ لِاَنَّ الثُّبُوْتَ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِمْ تَبَعٌ لِلثُّبُوْتِ فِيْ حَقِّهِمْ بِاِقْرَارِهِمْ وَ مَاثَبَتَ تَبَعًا لَايُرَاعٰى فِيْهِ الشَّرَائِطُ

ترجمہ..... پس اگر عورت (اپنے شوہر کی) وفات سے عدت میں ہے (اور اس نے ولادت کا دعویٰ کیا) اور وارثوں نے ولادت میں اس کی تصدیق کی۔ مگر ولادت پر کسی نے گواہی نہیں دی۔ تو بالاتفاق یہ اس کے شوہر کا بیٹا ہے اور یہ (ثبوتِ بنوت) وراثت کے حق میں ظاہر ہے۔ کیونکہ میراث ان کا خالص حق ہے۔ لہٰذا میراث کے حق میں ان کا تصدیق کرنا قبول ہوگا۔ رہا نسب کے حق میں۔ کیا ان کے علاوہ کے حق میں نسب ثابت ہوگا۔ تو مشائخ نے فرمایا کہ اگر تصدیق کرنے والے ورثا اہل شہادت میں سے ہوں۔ تو (نسب) ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ حجت (شرعیہ) قائم ہو گئی۔ اسی وجہ سے کہا گیا کہ لفظ شہادت شرط ہے اور کہا گیا کہ شرط نہیں۔ کیونکہ تصدیق کرنے والوں کے علاوہ کے حق میں نسب ثابت ہونا تابع ہے ان کے اقرار کی وجہ سے ان کے حق میں ثابت ہونے کے اور جو چیز تابع ہو کر ثابت ہوتی ہے، اس میں شرائط کی رعایت (ضروری) نہیں۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے انتقال کی وجہ سے عدت میں ہے۔ پھر اس نے دو سال مکمل ہونے سے پہلے بچہ پیدا ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے تمام ورثہ یا بعض ورثہ (جو جواز شہادت میں کفایت کر جائیں یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں) نے بچہ کی ولادت کا اقرار بھی کر لیا۔ لیکن کسی نے بچہ پیدا ہونے پر شہادت نہیں دی تو فقہاء احناف کے نزدیک بالاتفاق یہ بچہ مرنے والے کا بیٹا ہوگا۔ یعنی اس بچہ کا مرنے والے سے نسب ثابت ہوگا۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ بیٹا ہونے کا ثبوت میراث کے حق میں ظاہر ہے۔ یعنی یہ بچہ میراث لینے میں دوسرے ورثہ کا شریک ہوگا۔ کیونکہ میراث خالص ورثہ کا حق ہے۔ لہٰذا اپنے حق میں ان کا اقرار کرنا قبول ہوگا۔

رہی یہ بات کہ عام لوگوں کے حق میں اس بچہ کا نسب مرنے والے سے ثابت ہوگا یا نہیں تو اس بارے میں مشائخ کا قول یہ ہے کہ اگر تصدیق

اور اقرار کرنے والے ورثہ اہل شہادت میں سے ہوں۔ بایں طور کہ سب مرد ہوں۔ یا عورتیں دونوں ہوں اور وہ عادل بھی ہیں تو تمام لوگوں کے حق میں اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ حجت شرعی یعنی شہادتِ کاملہ پائی گئی۔ حتیٰ کہ یہ بچہ مقرین اور منکرین دونوں کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا اور دوسرے ورثہ کی طرح اس بچہ کو بھی میت کے مدیون سے دین کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

اور چونکہ تصدیق کرنے والے ورثہ کا اہل شہادت میں سے ہونا شرط ہے۔ اسی وجہ سے بعض مشائخ نے کہا کہ لفظ شہادت شرط ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ شہادت کا لفظ شرط نہیں ہے۔ قول ثانی کی دلیل یہ ہے کہ ورثہ کے اقرار اور تصدیق کی وجہ سے اصل میں تو نسب انہیں کے حق میں ثابت ہوگا اور ان کے علاوہ کے حق میں ان کے تابع ہو کر نسب ثابت ہوگا اور قاعدہ ہے کہ جو چیز تابع ہو کر ثابت ہوتی ہے، اس میں شرائط کا لحاظ ضروری نہیں ہوتا۔

مثلاً مولیٰ نے سفر میں کسی جگہ اقامت کی نیت کی تو اقامت کے شرائط مولیٰ کے حق میں معتبر ہوں گے نہ غلام اور خدام کے حق میں۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے مولیٰ کے تابع ہیں۔

جب مرد نے عورت سے نکاح کیا اس نے نکاح کے دن سے لے کر چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا

وَ اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ امْرَأَةً فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ تَزَوَّجَهَا لَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ لِاَنَّ الْعُلُوْقَ سَابِقٌ عَلَى النِّكَاحِ فَلَا يَكُوْنُ مِنْهُ وَ اِنْ جَاءَتْ بِهِ لِسِتَّةِ اَشْهُرٍ فَصَاعِدًا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ اِعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ اَوْ سَكَتَ لِاَنَّ الْفِرَاشَ قَائِمٌ وَالْمُدَّةُ تَامَّةٌ فَاِنْ جَحَدَ الْوِلَادَةَ يَثْبُتُ بِشَهَادَةِ امْرَاَةٍ وَاحِدَةٍ تَشْهَدُ بِالْوِلَادَةِ حَتّٰى لَوْ نَفَاهُ الزَّوْجُ يُلَاعِنُ لِاَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ بِالْفِرَاشِ الْقَائِمِ وَاللِّعَانُ اِنَّمَا يَجِبُ بِالْقَذْفِ وَلَيْسَ مِنْ ضَرُوْرَتِهٖ وُجُوْدُ الْوَلَدِ فَاِنَّهٗ يَصِحُّ بِدُوْنِهٖ

ترجمہ...... اور اگر مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ پس نکاح کے دن سے چھ ماہ سے کم میں اس نے بچہ جنا، تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ نطفہ نکاح پر مقدم ہے۔ لہٰذا (یہ) نطفہ اس مرد سے نہ ہوگا اور اگر (وقت نکاح سے) چھ ماہ پر یا زیادہ پر جنا تو شوہر سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ خواہ شوہر اس کا اقرار کرے یا خاموش رہے کیونکہ فراش قائم ہے اور مدت بھی پوری ہے۔ پھر اگر شوہر نے ولادت کا انکار کیا تو ولادت ایک عورت کی گواہی سے جو ولادت کی شاہد ہو ثابت ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ اگر شوہر بچہ کی نفی کر دے تو لعان کرے گا۔ اسلئے کہ نسب ثابت ہو جاتا ہے فراش کے موجود ہونے سے اور لعان واجب ہوتا ہے زنا کی تہمت لگانے سے اور لعان کیلئے بچہ کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسلئے کہ لعان بغیر بچہ کے بھی ہوتا ہے۔

تشریح...... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ پس نکاح کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں اس عورت سے بچہ پیدا ہوا۔ تو اس بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہیں اور بچہ پیدا ہوا چھ ماہ سے کم میں تو معلوم ہوا کہ نطفہ نکاح سے پہلے قرار پا گیا تھا۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہ نطفہ اس شوہر سے نہیں ہے۔ اور جب نطفہ اس کا نہیں تو اس سے نسب بھی ثابت نہیں ہوگا اور اگر نکاح کے وقت سے چھ ماہ یا زائد میں بچہ پیدا ہوا۔ تو اس بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔ خواہ شوہر اس بچہ کا اقرار کرے یا خاموش رہے۔ کیونکہ عورت کا فراش ہونا بھی ثابت ہے اور حمل کی مدت بھی پوری ہے۔

اور اگر بچہ چھ ماہ یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہوا مگر شوہر نے بچہ پیدا ہونے کا انکار کیا تو ایک عورت جو ولادت کی شاہد ہو اس کی شہادت سے

ولادت ثابت ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ اگر شوہر نے اس بچہ کی نفی کی اور کہا کہ یہ بچہ میرے نطفہ سے نہیں ہے۔ تو شوہر اپنی بیوی کے ساتھ لعان کرے گا۔

دلیل یہ ہے عورت کے فراش ہونے کی وجہ سے بچہ کا نسب ثابت ہو گیا اور رہا ولادت کا انکار تو وہ ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو گئی۔

واللعان انما یجب بالقذف سے **اعتراض** کا جواب ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ یہاں بچہ کی نفی کر دینے سے لعان واجب ہوا ہے اور بچہ کی ولادت ایک عورت (دایہ) کی شہادت سے ثابت ہو جاتی ہے۔ پس نتیجہ نکلا کہ لعان ایک عورت (دایہ) کی شہادت سے ثابت ہو جائے گا حالانکہ یہ جائز نہیں۔ کیونکہ لعان معنی حد ہے اور حد عورتوں کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتی۔

جواب:..... اس کا جواب یہ ہے کہ لعان واجب ہوتا ہے زنا کی تہمت لگانے سے اور یہاں زنا کی تہمت موجود ہے۔ اسلئے شوہر کا قول لیس منی عورت کو زنا کی تہمت لگانا ہے اور تہمت لگانا وجود ولد کو مستلزم نہیں کیونکہ بغیر ولد کے بھی قذف (تہمت لگانا) ثابت ہو جائے گا۔ پس قذف میں اس ولد کا اعتبار نہیں کیا گیا جو ایک عورت (دایہ) کی شہادت سے ثابت ہوا ہے۔ واللہ اعلم

اگر بچہ جنا پھر اختلاف ہو گیا شوہر کہتا ہے میں نے چار مہینے سے نکاح کیا ہے اور عورت چھ ماہ گذرنے کا دعویٰ کرتی ہے کس کا قول معتبر ہوگا بچے کا نسب ثابت ہوگا یا نہیں؟

فَاِنْ وَلَدَتْ ثُمَّ اخْتَلَفَا فَقَالَ الزَّوْجُ تَزَوَّجْتُكِ مُنْذُ اَرْبَعَةٍ وَ قَالَتْ هِيَ مُنْذُ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُهَا وَهُوَ ابْنُهُ لِاَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهَا فَاِنَّهَا تَلِدُ ظَاهِرًا مِنْ نِكَاحٍ لَا مِنْ سِفَاحٍ وَلَمْ يَذْكُرِ الْاِسْتِحْلَافَ وَهُوَ عَلَى الْاِخْتِلَافِ

ترجمہ..... پس اگر عورت سے بچہ پیدا ہوا۔ پھر میاں بیوی نے اختلاف کیا۔ پس شوہر نے کہا میں نے تجھے چار ماہ سے نکاح میں لیا ہے اور عورت نے کہا کہ چھ ماہ سے تو قول عورت ہی کا (قبول) ہوگا اور یہ بچہ اس کے شوہر کا بیٹا ہے۔ کیونکہ ظاہر اس عورت کا شاہد ہے۔ اسلئے کہ وہ نکاح سے بچہ جنے گی نہ کہ زنا سے اور امام محمدؒ نے قسم لینا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ وہ مختلف فیہ ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت سے بچہ پیدا ہوا۔ پھر زوجین نے اختلاف کیا۔ چنانچہ شوہر کہتا ہے میں نے تجھے صرف چار ماہ سے نکاح میں لیا ہے اور بیوی کہتی ہے کہ ایسا نہیں بلکہ پورے چھ ماہ سے میں آپ کے نکاح میں ہوں۔ تو اس صورت میں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور یہ بچہ اس کے شوہر کا برخوردار کہلائے گا۔ یعنی اس سے اس بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ ظاہر حال عورت کے موافق ہے۔ کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ مسلمان عورت سے بچہ کی ولادت نکاح کی وجہ سے ہے نہ کہ زنا کی وجہ سے اور ظاہر حال جس کے موافق ہو وہ مدعیٰ علیہ ہے۔ پس اس مسئلہ میں عورت (بیوی) مدعیٰ علیہ اور اس کا شوہر مدعی ہے اور حدیث البینۃ علی المدعی الحدیث کی رو سے اگر مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعیٰ علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے اور چونکہ یہاں مسئلہ مفروضہ یہی ہے کہ شوہر کے پاس بینہ نہیں ہے۔ اسوجہ سے عورت جو مدعیٰ علیہ ہے اس کا قول معتبر ہوگا۔

صاحب عنایہ نے اس موقع پر دو اعتراض مع جواب ذکر کیے ہیں۔ خادم بھی ان کو ذکر کرتا ہے۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ عورت علوق (نطفہ) شوہر کے بیان کردہ زمانے یعنی چار ماہ سے پہلے زمانے کی طرف منسوب کرتی ہے اور شوہر اس کا منکر ہے اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول معتبر ہوتا ہے۔ لہٰذا شوہر کا قول معتبر ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معارض ہے۔ اس طور پر کہ شوہر علوق کو نکاح سے پہلے زمانے کی طرف منسوب کرنے کا مدعی ہے اور عورت اس کی منکر ہے۔ لہٰذا عورت کا قول معتبر ہونا چاہئے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ظاہر حال شوہر کے قول کا شاہد ہے۔ اسلئے کہ نکاح امر حادث ہے اور حوادث میں اصل یہ ہے کہ ان کو اقرب اوقات کی طرف منسوب کیا جائے اور اقرب اوقات کا قائل شوہر ہے نہ کہ اس کی بیوی۔ پس شوہر مدعیٰ علیہ ہوا اور چونکہ مدعیٰ علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اسلئے شوہر کا قول معتبر ہونا چاہئے۔ جواب۔ نسب ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے۔ پس جب دو ظاہر متعارض ہو گئے تو مثبت کو نافی پر ترجیح ہوگی اور چونکہ عورت کا قول مثبت للنسب ہے اور شوہر کا قول نافی للنسب ہے۔ اسلئے عورت کا قول راجح ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ عورت سے قسم لی جائے یا نہ لی جائے۔ حالانکہ یہ بات مختلف فیہ ہے۔ چنانچہ صاحبین کے نزدیک قسم لی جائے اور امام صاحب کے نزدیک نہ لی جائے۔ واللہ اعلم

مرد نے اپنی بیوی سے اذا ولدت ولداً فانت طالق کہا ایک عورت نے بچے کی پیدائش پر گواہی دی مطلقہ ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء

وَاِنْ قَالَ لِامْرَاَتِہٖ اِذَا وَلَدَتْ، وَلَدًا فَاَنْتِ طَالِقٌ فَشَهِدَتْ اِمْرَاَةٌ عَلَى الْوِلَادَةِ لَمْ تُطَلَّقْ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَ اَبُوْیُوْسُفَ وَ مُحَمَّدٌ تُطَلَّقُ لِاَنَّ شَهَادَتَهَا حُجَّةٌ فِیْ ذٰلِكَ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِیْمَا لَا یَسْتَطِیْعُ الرِّجَالُ النَّظَرَ اِلَیْهِ وَلِاَنَّهَا لَمَّا قُبِلَتْ فِی الْوِلَادَةِ تُقْبَلُ فِیْمَا یَبْتَنِیْ عَلَیْهَا وَهُوَ الطَّلَاقُ وَلِاَبِیْ حَنِیْفَةَ اَنَّهَا اِدَّعَتِ الْحِنْثَ فَلَا یَثْبُتُ اِلَّا بِحُجَّةٍ تَامَّةٍ وَهٰذَا لِاَنَّ شَهَادَتَهُنَّ ضَرُوْرِیَّةٌ فِیْ حَقِّ الْوِلَادَةِ فَلَا تَظْهَرُ فِیْ حَقِّ الطَّلَاقِ لِاَنَّهٗ یَنْفَكُّ عَنْهَا

ترجمہ...... اور جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا جب تو بچہ جنے تو، تو طالقہ ہے۔ پھر ایک عورت نے بچہ جننے پر گواہی دی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی اور صاحبین نے فرمایا کہ طلاق پڑ جائے گی۔ اسلئے کہ اس باب میں ایک عورت کی شہادت حجت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ عورتوں کی گواہی ایسے امر میں جائز ہے۔ جس میں مردوں کو نظر کرنے کی قدرت نہیں اور اسلئے کہ جب ایک عورت کی شہادت ولادت ثابت کرنے میں قبول ہے تو جو چیز ولادت پر مبنی ہے اس میں بھی قبول کی جائے گی اور وہ طلاق ہے۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے حانث ہونے کا دعویٰ کیا۔ پس حنث ثابت نہیں ہوگا مگر حجت تامہ سے اور یہ اس وجہ سے کہ ولادت کے بارے میں عورتوں کی شہادت جائز ہونا بضرورت ہے۔ تو طلاق کے بارے میں (اس کا اثر) ظاہر نہ ہوگا۔ کیونکہ طلاق ولادت سے جدا بھی ہوتی ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا اذا ولدت ولدًا فانت طالق پس ایک عورت (دایہ) نے بچہ پیدا ہونے پر شہادت دی اور شوہر ولادت کا منکر ہے۔ درانحالیکہ اس عورت کا حمل نہ ظاہر تھا اور نہ شوہر نے اس کے حاملہ ہونے کا اقرار کیا تو امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ البتہ نسب ثابت ہو جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے ایک عورت کی گواہی سے ولادت ثابت ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عورتوں کی شہادت ہر ایسے امر میں جائز ہے جس کی طرف مردوں کو دیکھنا شرعاً ممنوع ہو۔ پس جب ایک عورت کی شہادت سے ولادت ثابت ہو گئی تو طلاق بھی واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ طلاق ولادت پر معلق کی گئی ہے۔ اس حدیث کے غریب ہونے کی وجہ سے اکثر شراح نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔

اس کے علاوہ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ایک روایت بیان کی ہے **عن الزهری قال مضت السنة ان یجوز شهادة النساء فیما لا یطلع علیه غیرهن** فرمایا کہ ان امور میں جن پر عورتوں کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہو سکتا عورتوں کی شہادت کے جواز پر سنت جاری ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب ایک عورت (دایہ) کی شہادت ولادت ثابت کرنے میں حجت ہے تو طلاق جو ولادت پر معلق اور مبنی ہے اس کو

ثابت کرنے میں بھی یقیناً حجت ہوگی۔

اورامام اعظمؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت (بیوی) نے اپنے شوہر پر حانث ہونے کا دعویٰ کیا یعنی وقوع طلاق کا اور شوہر اس کا منکر ہے۔لہٰذا عورت کا یہ دعویٰ بغیر حجت کاملہ کے ثابت نہیں ہوگا اور رہی یہ بات کہ طلاق موقوف ہے ولادت پر اور ولادت ثابت ہو جاتی ہے ایک عورت کی شہادت سے۔لہٰذا طلاق جو موقوف ہے اس کا ثبوت بھی ایک عورت کی شہادت سے ہونا چاہئے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ ولادت کے حق میں عورتوں کی شہادت ضرورۃً معتبر ہے اور جو چیز ضرورۃً ثابت ہو وہ بقدر ضرورت ثابت ہوتی ہے۔یعنی موضع ضرورت سے تجاوز نہیں کرتی۔پس ایک عورت کی شہادت سے ولادت ثابت ہو جائے گی۔کیونکہ ولادت کے وقت مرد موجود نہیں رہتے۔اسلئے ولادت کے حق میں عورتوں کی شہادت کا ضرورۃً اعتبار کیا گیا ہے۔البتہ طلاق کے حق میں ایک عورت کی شہادت کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔کیونکہ طلاق اور ولادت میں کوئی الزام نہیں بلکہ طلاق بغیر ولادت کے اور ولادت بغیر طلاق کے پائی جاتی ہے۔

خادم کا خیال ہے کہ حضرت امام صاحبؒ کی دلیل میں ضعف ہے۔اس طرح پر کہ بلا شبہ طلاق اور ولادت کے درمیان تلازم نہیں۔لیکن اس مسئلہ میں طلاق ولادت کے لوازم میں سے ہے۔اسلئے کہ طلاق ولادت پر معلق کی گئی ہے اور معلق بالشئی شیء کے لوازم میں سے ہوتی ہے اور قاعدہ ہے کہ اذا ثبت الشیء ثبت بلوازمہ یعنی جب شیء ثابت ہوگی تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوگی۔لہٰذا جب ایک عورت کی شہادت سے ولادت ثابت ہوگی تو اس کا لازم یعنی طلاق بھی ثابت ہو جائے گی۔پس دلیل کی روشنی میں صاحبینؒ کا مسلک راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اگر شوہر نے عورت کے حاملہ ہونے کا اقرار کیا تو کب مطلقہ ہوگی، اقوال فقہاء

وَاِنْ كَانَ الزَّوْجُ قَدْاَقَرَّبِالْحَبَلِ طَلُقَتْ مِنْ غَيْرِشَهَادَةٍ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَعِنْدَهُمَا تُشْتَرَطُ شَهَادَةُ الْقَابِلَةِ لِاَنَّهُ لَابُدَّ مِنْ حُجَّةٍ لِدَعْوَاهَا الْحِنْثَ وَشَهَادَتُهَا حُجَّةٌ فِيْهِ عَلٰى مَابَيَّنَّا وَلِاَنَّ الْاِقْرَارَ بِالْحَبَلِ اِقْرَارٌ بِمَا يُفْضِىْ اِلَيْهِ وَهُوَ الْوِلَادَةُ وَلِاَنَّهُ اَقَرَّبِكَوْنِهَا مُؤْتَمِنَةً فَيُقْبَلُ قَوْلُهَا فِىْ رَدِّ الْاَمَانَةِ

ترجمہ...... اور اگر شوہر نے اس عورت کے حاملہ ہونے کا اقرار کیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر گواہی کے مطلقہ ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک دایہ کی گواہی شرط ہے کیونکہ عورت کے دعویٰ حنث کیلئے حجت کا ہونا ضروری ہے اور ایک عورت (دایہ) کی شہادت اس باب میں حجت ہے۔جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ حاملہ ہونے کا اقرار اس چیز کا اقرار ہے جس کی طرف یہ پہنچے گا اور وہ ولادت ہے، اور اس لئے کہ شوہر نے عورت کے امانت دار ہونے کا اقرار کیا ہے۔پس امانت واپس کرنے میں اس کا قول قبول ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کے حاملہ ہونے کا اقرار کر چکا پھر اس نے اس کی طلاق کو بچہ پیدا ہونے پر معلق کیا۔پس عورت نے دعویٰ کیا کہ بچہ پیدا ہو گیا اور شوہر نے اس کی تکذیب کی۔تو اس صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر شہادت کے یہ عورت مطلقہ ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک وقوع طلاق کیلئے دایہ کی شہادت شرط ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ میرا شوہر اپنی قسم اذ ولدت ولدًا فانت طالق میں حانث ہو گیا اور شوہر کے حانث ہونے کو ثابت کرنے کیلئے ایک عورت (دایہ) کی شہادت کافی ہے جیسا کہ اوپر والے مسئلہ میں گذر چکا۔اسلئے ہم نے کہا کہ ایک عورت (دایہ) کی شہادت شرط ہے۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر کی جانب سے اپنی بیوی کے حاملہ ہونے کا اقرار درحقیقت نتیجہ حمل یعنی ولادت کا اقرار کرنا ہے اور جب شوہر کی طرف سے ولادت کا اقرار پایا گیا تو شہادت کی ضرورت باقی نہ رہی اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ بغیر شہادت کے ولادت

ثابت ہوگی اور طلاق واقع ہوجائے گی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نے اس بات کا اقرار کیا کہ میری بیوی حاملہ ہے۔ تو گویا اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ امانت دار ہے۔ یعنی اسکے پیٹ میں میرا بچہ ودیعت ہے اور امانت واپس کرنے میں امین کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اسلئے یہاں بھی امانت واپس کرنے یعنی بچہ جننے میں امین یعنی عورت کا قول قبول ہوگا۔ شہادت وغیرہ کی ضرورت نہیں۔

حمل کی اکثر مدت دو سال ہے

قَالَ وَاَكْثَرُ مُدَّةِ الْحَمْلِ سَنَتَانِ لِقَوْلِ عَائِشَةَ اَلْوَلَدُ لَايَبْقٰى فِي الْبَطْنِ اَكْثَرَ مِنْ سَنَتَيْنِ وَلَوْبِظِلِّ مِغْزَلٍ وَاَقَلُّهُ سِتَّةُ اَشْهُرٍ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ ثُمَّ قَالَ وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ فَبَقِيَ لِلْحَمْلِ سِتَّةُ اَشْهُرٍ وَالشَّافِعِيُّ يُقَدِّرُ الْاَكْثَرَ بِاَرْبَعِ سِنِيْنَ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَارَوَيْنَاهُ وَالظَّاهِرُ اَنَّهَا قَالَتْهُ سِمَاعًا اِذِ الْعَقْلُ لَايَهْتَدِيْ اِلَيْهِ

ترجمہ ...... قدوریؒ نے فرمایا کہ حمل کی اکثر مدت دو سال ہیں۔ دلیل حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ بچہ پیٹ میں دو برس سے زیادہ نہیں رہتا۔ اگر چہ تکلے کے سایہ بھر ہو اور حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و حمله و فصاله الآية ۔ بچہ کا حمل میں رہنا اور دودھ چھوڑنا تیس ماہ ہیں۔ پھر فرمایا و فصاله في عامين اور بچہ کا دودھ چھوڑنا دو برس میں ہوتا ہے۔ تو حمل کے واسطے چھ ماہ باقی رہے اور شافعیؒ کی اکثر مدتِ حمل کا اندازہ چار برس لگایا ہے اور امام شافعیؒ کے خلاف وہ حدیث حجت ہے جس کو ہم نے روایت کیا اور ظاہر یہی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس کو (آنحضرت ﷺ) سے سن کر بیان کیا ہے۔ اسلئے کہ عقل کو ایسا اندازہ لگانے کی کوئی راہ نہیں ہے۔

تشریح ...... ہمارے نزدیک حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک چار سال ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ بعض حکایات سے استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً فرمایا کہ محمد بن عجلان اپنی ماں کے پیٹ میں چار برس رہے۔ ایسے ہی ہرم بن حبان اور ضحاک بن مزاحم اپنی ماں کے پیٹ میں چار برس رہے۔

ہماری دلیل حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ فرمایا کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ نہیں رہتا اگر چہ تکلے کے سایہ بھر ہو اور ظاہر یہی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس کو آنحضرت ﷺ سے سن کر بیان کیا ہے۔ پس حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہوگی اور حکایات روایات کے معارض نہیں ہوسکتیں۔

اور حمل کی اقل مدت بالاتفاق چھ ماہ ہیں۔ دلیل قرآن پاک کی آیت و حمله و فصاله ثلاثون شهراً ہے۔ یعنی حمل میں رہنے اور دودھ چھوڑنے کی مدت تیس ماہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا و فصاله في عامين یعنی بچہ کا دودھ چھوڑنا دو برس میں ہوتا ہے۔ پس مدت حمل چھ ماہ رہی۔ صاحب ہدایہ کے کلام میں تناقض ہے۔ اس طرح پر کہ کتاب الرضاع میں امام صاحب کی دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ حمل اور فصال دونوں میں سے ہر ایک کی مدت تیس تیس ماہ ہیں۔ مگر یہ کہ مدت حمل میں منقص موجود ہے۔ یعنی حدیث عائشہ الولد لا يبقى في البطن اكثر من سنتين یعنی وہاں اس مدت کو دونوں پر تقسیم نہیں فرمایا تھا بلکہ دونوں میں سے ہر ایک کی مدت پورے تیس ماہ قرار دے کر حدیث عائشہ سے مدت حمل میں کمی کی گئی تھی اور یہاں جب اس آیت کو پیش کیا تو حمل اور فصال دونوں پر اس مدت کو تقسیم فرمایا۔ بایں طور کہ چوبیس ماہ مدت فصال مقرر کی ہے۔ آیت و فصاله في عامين کی وجہ سے اور باقی چھ ماہ اقلِ مدتِ حمل کی مقرر کی ہے۔

دراصل اقل مدت حمل کو بیان کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے جو طریقہ استدلال اختیار کیا ہے یہ ابن عباسؓ کی تاویل ہے۔ چنانچہ مروی ہے،

ان رجلاً تزوج امرأة فولدت لستة اشهر فهم عثمان برجمها فقال ابن عباس رضي الله عنهما اما انها

لو خاصمتكم بكتاب الله تعالیٰ لخصمتكم قال الله تعالیٰ و حماله و فصاله ثلاثون شهراً و قال و فصاله في عامين فلم يبق للحمل الاستة اشهر فدرأ عثمان رضى الله تعالیٰ عنه الحد عنها. (فتح القدیر)

ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا۔ پس چھ ماہ پر اس عورت سے بچہ پیدا ہوا تو حضرت عثمانؓ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا ارادہ فرمایا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ اگر یہ عورت آپ حضرات سے کتاب اللہ کے ذریعہ جھگڑا کرے گی تو میں بھی آپ سے جھگڑا کروں گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و حمله و فصاله ثلاثون شهراً اور فرمایا و فصاله في عامين۔ پس حمل کی مدت صرف چھ ماہ رہی۔ (یہ سن کر) حضرت عثمانؓ نے اس عورت سے حد دور کر دی۔

پس حضرت عثمان کا حد دفع کرنا اور کسی صحابی کا مخالفت نہ کرنا اجماع کی دلیل ہے۔ بہر حال اگر ابن عباسؓ کی تاویل کے مطابق استدلال کیا جائے جیسا کہ یہاں کہا گیا تو کتاب الرضاع میں جو طریقہ استدلال اختیار کیا گیا ہے وہ باطل ہو جائے گا اور اگر وہ صحیح ہے تو یہ باطل ہو جائے گا۔ حاصل یہ کہ مصنف پر سے تناقض کا اشکال ختم نہیں ہوا۔

جس نے باندی سے نکاح کیا پھر طلاق دے دی پھر اسے خرید لیا اگر وہ خریدنے کے دن سے لے کر بچہ چھ ماہ سے کم میں لائی نسب ثابت ہوگا یا نہیں

وَمَنْ تَزَوَّجَ اَمَةً فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا فَاِنْ جَاءَتْ بِوَلَدٍ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مُنْذُ يَوْمِ اِشْتَرَاهَا لَزِمَهُ وَاِلَّا لَمْ يَلْزَمْهُ لِاَنَّهُ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ وَلَدُ الْمُعْتَدَّةِ فَاِنَّ الْعُلُوْقَ سَابِقٌ عَلَى الشِّرَاءِ وَ فِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَلَدُ الْمَمْلُوْكَةِ لِاَنَّهُ يُضَافُ الْحَادِثُ اِلٰى اَقْرَبِ وَقْتِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَعْوَةٍ وَهٰذَا اِذَا كَانَ الطَّلَاقُ وَاحِدًا بَائِنًا اَوْ خُلْعًا اَوْ رَجْعِيًّا اَمَّا اِذَا كَانَ اثْنَتَيْنِ يَثْبُتُ النَّسَبُ اِلٰى سَنَتَيْنِ مِنْ وَقْتِ الطَّلَاقِ لِاَنَّهَا حُرِّمَتْ عَلَيْهِ حُرْمَةً غَلِيْظَةً فَلَا يُضَافُ الْعُلُوْقُ اِلَّا اِلٰى مَا قَبْلَهٗ لِاَنَّهَا لَا تَحِلُّ بِالشِّرَاءِ

ترجمہ ..... اور جس شخص نے (دوسرے کی) باندی کے ساتھ نکاح کیا پھر (وطی کے بعد) اس کو طلاق دے دی۔ پھر اس کو (اس کے مالک سے) خرید لیا۔ پس اگر خریدنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم پر بچہ جنا تو نسب اس کو لازم ہوگا۔ ورنہ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں وہ عورت والی کا بچہ ہے۔ اسلئے کہ علوق (نطفہ) خریدنے پر سابق ہے اور دوسری صورت میں مملوکہ باندی کا بچہ ہے۔ اس وجہ سے کہ اس کو حدوث سب سے نزدیک وقت کی طرف منسوب ہوگا۔ پس نسب کا دعویٰ کرنا ضروری ہے اور یہ (حکم) اس وقت ہے جبکہ ایک طلاق بائنہ ہے یا خلع یا ایک رجعی ہو۔ بہر حال جب دو طلاقیں دیں تو طلاق کے وقت سے دو سال تک نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ باندی اپنے شوہر پر بحرمت غلیظہ حرام ہوگی۔ پس نطفہ منسوب نہیں کیا جائے گا۔ مگر طلاق سے پہلے کی طرف۔ کیونکہ خریدنے کی وجہ سے یہ باندی حلال نہیں ہو سکتی۔

تشریح ..... مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا۔ پھر وطی کے بعد اس کو طلاق دے دی۔ پھر اس کو اس کے مالک سے خرید لیا۔ پس اگر خریدنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو بغیر دعویٰ نسب کے، نسب اس کو لازم ہوگا اور اگر چھ ماہ یا زائد میں بچہ پیدا ہوا ہے تو بغیر دعویٰ نسب کے نسب اس کو لازم نہیں ہوگا۔

دلیل یہ ہے پہلی صورت میں چونکہ چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا ہے۔ اسلئے معلوم ہوا کہ نطفہ خریدنے سے پہلے ہی قرار پا چکا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہ بچہ معتدہ کا ہے اور معتدہ کے بچہ کا نسب بغیر دعویٰ نسب کے ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ زمانہ عدت میں حکماً عورت کا فراش ہونا موجود رہتا ہے۔ اس وجہ سے ہم نے کہا کہ اس صورت میں نسب اس شخص کو لازم ہوگا اور دوسری صورت میں چونکہ بچہ کی ولادت چھ ماہ یا زیادہ مدت میں ہوئی

ہے۔تو یہ مملوکہ باندی کا بچہ ہوگا۔کیونکہ نطفہ کا قرار پانا اقرب اوقات کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور اقرب اوقات اس کا مملوکہ ہوتا ہے۔پس ثابت ہوا کہ خریدنے کے بعد ملک یمین میں نطفہ قرار پایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ بچہ مملوکہ باندی کا ہے اور مملوکہ باندی کے بچہ کا نسب بغیر دعویٰ کے ثابت نہیں ہوتا۔اسلئے اس صورت میں نسب کا دعویٰ کرنا ضروری ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل اس وقت ہے جبکہ اس کو ایک طلاق بائن یا رجعی دی ہو یا خلع کیا ہو اور اگر دو طلاقیں دی ہیں تو طلاق کے وقت سے دو سال تک نسب ثابت ہو جائے گا۔

دلیل یہ ہے کہ باندی دو طلاقوں سے حرام بحرمتِ غلیظہ ہوگئی ہے اور جب حرمتِ غلیظہ ثابت ہوگئی تو ملک یمین کے طور پر بھی اس سے وطی کرنا حرام ہوگا۔پس جب اس سے وطی کرنا حرام ہے تو علوق (نطفہ) اقرب اوقات کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔بلکہ مسلمان کو فعل حرام سے بچانے کیلئے اس کو ابعد اوقات کی طرف منسوب کیا جائے گا اور ابعدِ اوقات ماقبل الطلاق ہے نہ کہ مابعد الطلاق۔اسلئے اگر طلاق کے وقت سے دو سال سے کم میں۔بچہ پیدا ہوا تو نسب لازم ہوگا اور اگر شوہر نے اس کو ایک طلاق دی ہے تو طلاق کے بعد ملک یمین کے طور پر اس سے وطی کرنا حلال ہے۔ لہٰذا بچہ کو اس صورت میں اقرب اوقات یعنی مابعد الطلاق کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔پس اس وقت یہ مملوک کا بچہ ہوگا اور مملوکہ کے بچہ کا نسب بغیر دعویٰ کے ثابت نہیں ہوگا۔

یہاں ایک سوال ہو سکتا ہے۔وہ یہ کہ منکوحہ باندی کو دو طلاقیں دینے کے بعد جب اس کو خرید لیا تو ملک یمین کی وجہ سے حرمتِ ختم ہو جانی چاہئے۔اگر چہ حرمتِ غلیظہ ہی کیوں نہ ہو۔اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

والذین ھم لفروجھم حافظون الا علیٰ ازواجھم او ما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین

اور جو اپنی شرمگاہوں کی (حرام شہوت رانی سے) حفاظت رکھنے والے ہیں لیکن اپنی بیویوں سے یا اپنی (شرعی) لونڈیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں۔ (بیان القرآن) پ۱۸ع۱

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مملوکہ باندی کے ساتھ وطی کرنا علی الاطلاق جائز ہے۔لہٰذا دو طلاقوں کے بعد جب اس کو خرید لیا تو بھی اس کے ساتھ وطی کرنا جائز ہونا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے **فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتیٰ تنکح زوجًا غیرہ** اور باندی کے حق میں دوسری طلاق ایسی ہے جیسے آزاد عورت کے حق میں تیسری۔پس یہ آیت محرم ہے اور پہلی آیت مبیح۔اور تعارض کے وقت مبیح پر محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔واللہ اعلم بالصواب

باندی سے کہا ان کان فی بطنک ولد فھو فی منی ایک عورت نے بچہ کی ولادت پر گواہی دی باندی ام ولد ہوگی

وَمَنْ قَالَ لِاَمَتِهٖ اِنْكَانَ فِیْ بَطْنِكِ وَلَدٌ فَهُوَمِنِّیْ فَشَهِدَتْ عَلَى الْوِلَادَةِ اِمْرَأَةٌ فَهِیَ اُمُّ وَلَدِهٖ لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلٰی تَعَیُّنِ الْوَلَدِوَیَثْبُتُ ذٰلِكَ بِشَهَادَةِ الْقَابِلَةِ بِالْاِجْمَاعِ

ترجمہ.....اور جس نے اپنی باندی سے کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں بچہ ہو تو وہ میرے (نطفہ) سے ہے۔پھر بچہ پیدا ہو کر ایک عورت نے گواہی دی تو یہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔اس لئے کہ (یہاں) صرف ولادت متعین ہونے کی حاجت ہے۔اور یہ بات بالاتفاق دایہ کی شہادت سے

ثابت ہوجاتی ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے کہا ان کان فی بطنك ولد فهو منی۔ پھر ایک عورت یعنی دایہ نے بچہ پیدا ہونے کی گواہی دی تو یہ باندی اپنے مولیٰ کی ام ولد ہو جائے گی۔ دلیل یہ ہے نسب ثابت ہونے کا سبب یہ ہے کہ مولیٰ نسب کا دعویٰ کرے اور مولیٰ کی طرف سے یہ پایا گیا۔ کیونکہ مولیٰ نے کہا ہے فهو منی۔ یعنی یہ حمل میرے نطفہ سے ہے۔

اب صرف یہ متعین کرنا ہے کہ بچہ پیدا ہوا یا نہیں تو یہ بالاتفاق دایہ کی شہادت سے ثابت ہو جاتا ہے۔ پس جب دایہ ولادت پر شہادت دیدے تو مولیٰ سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور باندی اس کی ام ولد ہوگی۔ مگر یہ حکم اس وقت ہے جب باندی نے مولیٰ کے فهو منی کہنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں بچہ جنا ہو۔ اور اگر چھ ماہ یا زائد میں جنا ہے تو بغیر دعویٰ کے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ مولیٰ کے فهو منی کہنے کے بعد حاملہ ہوئی ہو۔ پس مولیٰ اس بچہ کا مدعی نہیں ہوا۔ اور پہلی صورت میں مولیٰ کے فهو منی کہتے وقت بچہ کا پیٹ میں ہونا یقینی ہے۔ اس لئے اس صورت میں دعویٰ نسب صحیح ہے۔

غلام کو کہا هو ابنی پھر فوت ہو گیا غلام کی ماں آئی اس نے کہا انا امرأته یہ عورت اس کی بیوی ہوگی اور دونوں وارث ہوں گے

وَمَنْ قَالَ لِغُلَامٍ هُوَ ابْنِيْ ثُمَّ مَاتَ فَجَاءَتْ اُمُّ الْغُلَامِ وَقَالَتْ اَنَا امْرَأَتُهُ فَهِيَ امْرَأَتُهُ وَهُوَ ابْنُهُ يَرِثَانِهِ وَفِي النَّوَادِرِ جَعَلَ هٰذَا جَوَابَ الْاِسْتِحْسَانِ وَالْقِيَاسُ اَنْ لَّايَكُوْنَ لَهَا الْمِيْرَاثُ لِاَنَّ النَّسَبَ كَمَا يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الصَّحِيْحِ يَثْبُتُ بِالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ وَبِالْوَطْيِ عَنْ شُبْهَةٍ وَبِمِلْكِ الْيَمِيْنِ فَلَمْ يَكُنْ قَوْلُهُ اِقْرَارًا بِالنِّكَاحِ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ الْمَسْاَلَةَ فِيْمَا اِذَا كَانَتْ مَعْرُوْفَةً بِالْحُرِّيَّةِ وَبِكَوْنِهَا اُمَّ الْغُلَامِ وَالنِّكَاحُ الصَّحِيْحُ هُوَ الْمُتَعَيَّنُ لِذٰلِكَ وَضْعًا وَ عَادَةً

ترجمہ..... اور جس نے ایک لڑکے کو کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ پھر مر گیا۔ پھر اس لڑکے کی ماں آئی۔ اور کہا کہ میں اس کی بیوی ہوں۔ تو یہ عورت اس کی بیوی ہوگی۔ اور وہ لڑکا اس کا بیٹا ہوگا۔ دونوں میت کے وارث ہوں گے۔ اور نوادر میں اس کو حکم استحسانی قرار دیا ہے اور قیاس یہ تھا کہ عورت کے واسطے میراث نہ ہو۔ کیونکہ اس سے نسب جیسے نکاح صحیح سے ثابت ہوتا ہے ویسے ہی نکاح فاسد سے بھی ثابت ہوتا ہے اور وطی بالشبہ اور ملک یمین کے طور پر وطی سے بھی (ثابت ہوتا ہے) پس میت کا قول ہوا بنی نکاح کا اقرار نہیں ہوا۔ اور وجہ استحسان یہ ہے کہ مسئلہ ایسی صورت میں ہے کہ عورت کا آزاد ہونا اور لڑکے کی ماں ہونا معروف ہو۔ اور نکاح صحیح ثبوت نسب کے لئے شرعاً اور عادتاً متعین ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی نے ایک لڑکے کو کہا ہو ابنی (یہ میرا بیٹا ہے) پھر یہ شخص مر گیا۔ اس کے بعد اس کی ماں آئی اور بولی کہ میں اس مرنے والے کی بیوی ہوں، تو یہ عورت اس کی بیوی ہوگی۔ اور وہ لڑکا اس کا بیٹا ہوگا۔ اور ماں، بیٹا دونوں میت کے وارث ہوں گے۔

امام محمدؒ نے نوادر میں فرمایا کہ یہ استحسانی حکم ہے۔ ورنہ قیاس تو یہ تھا کہ اس عورت کے واسطے میراث نہ ہو۔ کیونکہ نسب جس طرح نکاح صحیح سے ثابت ہوتا ہے اسی طرح نکاح فاسد، وطی بالشبہ اور وطی بملک یمین سے بھی ہو جاتا ہے۔ پس اقرار کرنے والے (میت) کی جانب سے لڑکے کے بیٹا ہونے کا اقرار نکاح کے اقرار کو مستلزم نہیں ہے۔ اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کو میراث کا حق نہ ہو۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ استحساناً بھی عورت کو میراث نہ ملنی چاہیے۔ کیونکہ یہاں نکاح اقتضاءً ثابت ہے۔ لہٰذا بقدر ضرورت ثابت ہوگا۔ اور ضرورت پوری ہو جاتی ہے تصحیح نسب سے اس وجہ سے صرف نسب ثابت ہونا چاہیے۔ نہ کہ عورت کے لئے استحقاق وراثت۔

جواب یہ ہے کہ دراصل نکاح منقسم نہیں ہے کہ آپ یوں کہیں کہ نکاح کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو استحقاق میراث کا سبب ہے۔ اور ایک وہ جو

میراث کے استحقاق کا سبب نہیں۔ پس نکاح جب اقتضاءً ثابت ہوگا تو اپنے ان تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوگا جو شرعاً اس سے جدا نہیں ہوتے۔ اور میراث بھی ایسے ہی لوازم میں سے ہے لہٰذا جب نکاح ثابت ہوگیا تو عورت کیلئے استحقاق میراث بھی ثابت ہوگا۔

اور وجہ استحسان یہ ہے کہ مسئلہ ایسی صورت میں فرض کیا گیا ہے۔ جبکہ لڑکے کی ماں کا آزاد ہونا اور اس کی ماں ہونا لوگوں میں مشہور ہو۔ اور ثبوت نسب کیلئے شرعاً اور عادۃً نکاح صحیح متعین ہے۔ پس چونکہ لڑکے کی ماں کا آزاد ہونا مشہور ہے۔ اس لئے ملک یمین کے طور پر وطی کرنے کا احتمال ختم ہوگیا۔ اور چونکہ ثبوت نسب کیلئے نکاح صحیح متعین ہے۔ اس لئے نکاح فاسد اور وطی بالشبہ کا احتمال جاتا رہا۔

اگر اس کے آزاد ہونے کے بارے میں علم نہیں ورثہ نے کہا انت ام ولد اس کیلئے میراث نہیں ہوگی

وَلَوْلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّهَا حُرَّةٌ فَقَالَتِ الْوَرَثَةُ اَنْتِ اُمُّ وَلَدٍ فَلَامِيْرَاثَ لَهَالِاَنَّ ظُهُوْرَ الْحُرِّيَّةِ بِاعْتِبَارِ الدَّارِ حُجَّةٌ فِيْ دَفْعِ الرِّقِّ لَافِيْ اِسْتِحْقَاقِ الْمِيْرَاثِ

ترجمہ...... اور اگر یہ معلوم نہیں کہ یہ عورت آزاد ہے۔ پس ورثہ نے کہا کہ تو ام ولد ہے تو اس کیلئے میراث نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ آزاد ہونے کا ظہور دارالاسلام میں رقیت کو دفع کرنے میں حجت ہے۔ نہ کہ استحقاق میراث کے لئے۔

تشریح...... اور اگر لڑکے کی ماں کا آزاد ہونا مشہور نہ ہو۔ اور ورثہ نے کہا کہ تو ہمارے مورث (میت) کی ام ولد تھی۔ تو اس عورت کے واسطے میراث نہیں ہوگی۔ کیونکہ دارالاسلام کی راہ سے آزادی ظاہر ہونا مملوکیت دور کرنے کے لئے حجت ہوتا ہے۔ اور استحقاق میراث کے لئے حجت نہیں ہوتا۔ یعنی اگر کہا جائے کہ یہ عورت جب دارالاسلام میں موجود ہے۔ اور ظاہر میں کسی کی مملوک معلوم نہیں ہوتی۔ تو یہی دلیل ظاہر ہے کہ وہ اصلی آزاد ہے۔ پس وارثوں کا قول قبول نہ ہوگا۔ تو اس کا جواب دیا کہ دارالاسلام کی راہ سے ظاہری آزادی صرف اس واسطے حجت ہوتی ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ میری مملوکہ ہے تو اس کا قول قبول نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے ذمہ سے مملوکیت دور رکھی جائے گی اور یہ حجت استحقاق میراث کے واسطے کافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب اللّٰھم اغفرلی ولوالدی ولکاتبہ ولوالدیہ ومن سعی فیہ جمیل احمد سکروڈھوی۔

باب حضانة الولد ومن احق به

ترجمہ...... (یہ) باب بچہ کی پرورش کرنے اور جو شخص اس کا اول حقدار ہے اسکے (بیان میں) ہے

تشریح...... چونکہ بچہ اپنی دیکھ ریکھ اور اپنی ضروریات پوری کرنے سے عاجز اور قاصر ہوتا ہے اس لئے شریعت نے ولادیت کا حق اس شخص کو دیا جو متفق علیہ ہے۔ پس ولایت تصرف باپ کے سپرد کی ہے۔ کیونکہ باپ کی رائے قوی ہوتی ہے۔ اور پرورش اور تربیت کا حق ماں کو دیا کیونکہ ماں اپنے بچہ پر زیادہ مہربان اور شفیق ہوتی ہے۔ اور چونکہ ماں ہمہ وقت گھر رہتی ہے۔ اس لئے باپ کے مقابلہ میں ماں پرورش کرنے پر زیادہ قدرت بھی رکھتی ہے۔ اور چونکہ ثبوت نسب کے بعد ہی تربیت اور پرورش کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس لئے مصنف ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے ثبوت نسب کے بعد پرورش کرنے کے احکام ذکر فرمائے۔

بچہ کی حضانت کی کون زیادہ مستحق ہے

وَاِذَاوَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَ الزَّوْجَيْنِ فَالْاُمُّ اَحَقُّ بِالْوَلَدِلِمَارُوِيَ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَّ اِبْنِيْ هٰذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهٗ وِعَاءً وَحِجْرِيْ لَهٗ حِوَاءً وَثَدْيِيْ لَهٗ سِقَاءً وَزَعَمَ اَبُوْهُ اَنَّهٗ يَنْزِعُهٗ مِنِّيْ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَالَمْ تَتَزَوَّجِيْ وَلِاَنَّ الْاُمَّ اَشْفَقُ وَاَقْدَرُ عَلَى الْحِضَانَةِ فَكَانَ الدَّفْعُ اِلَيْهَااَنْظَرَ وَاِلَيْهِ اَشَارَ الصِّدِّيْقُ بِقَوْلِهٖ رِيْقُهَاخَيْرٌلَّهٗ مِنْ

شَهْدٍ وَعَسَلٍ عِنْدَكَ يَا عُمَرُ قَالَهُ حِيْنَ وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اِمْرَاَتِهٖ وَالصَّحَابَةُ حَاضِرُوْنَ مُتَوَافِرُوْنَ

ترجمہ...... اور جب میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو تو بچہ کی زیادہ حقدار اس کی ماں ہے۔ کیونکہ روایت ہے کہ ایک عورت نے کہا اے اللہ کے رسول یہ میرا بیٹا ہے۔ جس کیلئے میرا پیٹ ظرف رہا۔ اور میری گود اس کے لئے خیمہ رہی اور میری چھاتی اس کے (پینے کا) ڈول رہی۔ اور اب اس کا باپ کہتا ہے۔ کہ وہ اس کو مجھ سے چھین لے گا۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تو ہی اس بچہ کی زیادہ حقدار ہے۔ جب تک تو اپنا نکاح نہ کرے۔ اور اس لئے کہ ماں کی شفقت زیادہ ہوتی ہے اور وہ پرورش پر زیادہ قادر ہے۔ تو ماں کو دینا (بچہ کے حق میں) زیادہ بہتر ہے۔ اور اسی طرف صدیق اکبرؓ نے اشارہ کیا کہ اے عمر اس بچہ کو تیرے شہد مصفا کھلانے سے اس عورت کا تھوک زیادہ پسند ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوگئی تھی۔ درانحالیکہ اس وقت صحابہ بہت کثرت سے موجود تھے۔

تشریح...... مسئلہ، اگر شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی واقع ہوگئی تو بچہ کی زیادہ حقدار اس کی ماں ہے۔

دلیل حدیث ہے جس کو عمر بن شعیب نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی کہ یہ میرا بیٹا ہے جس کے لئے میرا پیٹ ظرف رہا۔ اور میری گود اس کے لئے خیمہ رہی۔ اور میرا پستان اس کے لئے ڈول رہا۔ اور اب اس کا باپ کہتا ہے کہ وہ مجھ سے اس کو چھین لے گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو ہی اس بچہ کی زیادہ حقدار ہے۔ جب تک کہ تو نکاح نہ کرے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بچہ پر ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے۔ کیونکہ بچہ ماں کا حقیقتاً جزو ہے۔ چنانچہ بچہ کو قینچی سے کاٹ کر ماں سے جدا کیا جاتا ہے۔ اور ماں بچہ کی پرورش اچھی طرح کر سکتی ہے تو ماں کے سپرد کرنا بچہ کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

اور اسی کی طرف حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے اشارہ کیا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر ﷺ نے حضرت ابوبکر ﷺ کے سامنے اپنی بیوی ام عاصم سے جھگڑا کیا تاکہ حضرت عمر ﷺ اپنی بیوی سے عاصم کو چھین لیں تو حضرت عمر ﷺ سے صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا۔ اے عمر اس بچہ کو تیرے شہد مصفا کھلانے سے اس عورت کا تھوک اس کو زیادہ پسند ہے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت عمر ﷺ نے ام عاصم کو طلاق دیدی تھی۔ اور یہ واقعہ بہت سے صحابہ کی موجودگی میں پیش آیا۔ اور کسی نے کوئی نکیر نہیں کی۔ گویا صدیق اکبر ﷺ کے اس فیصلہ پر ایک طرح کا اجماع منعقد ہوگیا۔ واللہ اعلم

حضانت (پرورش) کا نفقہ باپ پر لازم ہے اور ماں پر جبر نہیں کیا جائے گا

وَالنَّفَقَةُ عَلَى الْاَبِ عَلٰى مَانَذْكُرُ وَلَا تُجْبَرُ الْاُمُّ عَلَيْهِ لِاَنَّهَا عَسَتْ تَعْجِزُ عَنِ الْحِضَانَةِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهٗ اُمٌّ فَاُمُّ الْاُمِّ اَوْلٰى مِنْ اُمِّ الْاَبِ وَاِنْ بَعُدَتْ لِاَنَّ هٰذِهِ الْوِلَايَةَ تُسْتَفَادُ مِنْ قِبَلِ الْاُمَّهَاتِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ اُمٌّ لِاُمٍّ فَاُمُّ الْاَبِ اَوْلٰى مِنَ الْاَخَوَاتِ لِاَنَّهَا مِنَ الْاُمَّهَاتِ وَلِهٰذَا تُحْرِزُ مِيْرَاثَهُنَّ السُّدُسَ وَلِاَنَّهَا اَوْفَرُ شَفْقَةً لِلْوِلَادِ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهٗ جَدَّةٌ فَالْاَخَوَاتُ اَوْلٰى مِنَ الْعَمَّاتِ وَالْخَالَاتِ لِاَنَّهُنَّ بَنَاتُ الْاَبَوَيْنِ وَلِهٰذَا قُدِّمْنَ فِي الْمِيْرَاثِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْخَالَةُ اَوْلٰى مِنَ الْاُخْتِ لِاَبٍ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْخَالَةُ وَالِدَةٌ وَقِيْلَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ اِنَّهَا كَانَتْ خَالَتَهٗ

ترجمہ...... اور بچہ کا نفقہ اس کے باپ پر لازم ہوگا۔ چنانچہ (باب النفقہ میں) ذکر کریں گے اور پرورش کرنے پر اس کی ماں مجبور نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ پرورش کرنے سے عاجز ہو جائے۔ پھر اگر اس کی ماں نہ ہو تو ماں کی ماں (نانی) زیادہ حقدار ہے بہ نسبت باپ کی ماں (دادی) کے اگرچہ اونچے درجے کی ہو کیونکہ یہ ولایت ماؤں کی طرف سے آتی ہے پس اگر ماں کی ماں نہ ہو تو باپ کی ماں زیادہ حقدار ہے (بہ نسبت) بہنوں کے۔ کیونکہ وہ بھی ماؤں میں سے ہے۔ اور اسی وجہ سے دادی کو بھی ماؤں کی میراث یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے۔ اور اس دلیل سے کہ

اس کی شفقت پیدائشی قرابت کی وجہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔پھر اگر اس کی دادی بھی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالاؤں سے بہنیں زیادہ مستحق ہیں۔کیونکہ وہ اس کے ماں باپ کی لڑکیاں ہیں۔اور اسی وجہ سے میراث میں مقدم کی گئی ہیں۔اور ایک روایت میں ہے کہ خالہ باپ شریکی بہن سے زیادہ مستحق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالہ ماں ہوتی ہے۔اور باری تعالیٰ کے قول ورفع ابویہ علی العرش کی (تفسیر) میں کہا گیا کہ (ابویہ سے مراد) حضرت یوسف کے والد اور خالہ ہیں۔

تشریح ...... بچہ کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔جیسا کہ باب النفقات میں اس کی تفصیل آجائیگی ماں بچہ کی پرورش کرنے کی زیادہ حقدار ہے۔بشرطیکہ وہ مطالبہ کرے۔لیکن اگر اس نے پرورش کرنے سے انکار کر دیا یا مطالبہ نہیں کیا تو ماں کو پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ پرورش کرنے سے عاجز ہو۔ہاں! اگر ماں کے علاوہ بچہ کا کوئی ذی رحم محرم نہ ہو تو ایسی صورت میں بچہ کی پرورش کرنے پر ماں کو مجبور کیا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ ایسی صورت میں ماں کو مجبور نہ کیا گیا تو بچہ کا حق فوت ہو جائے گا۔کیونکہ اجنبیہ عورت بچہ پر مہربان نہیں ہوسکتی۔اور اگر بچہ کی ماں نہ ہو بایں طور کہ وہ مرگئی یا کسی اجنبی شخص سے نکاح کر لیا تو نانی بچہ کی زیادہ حقدار ہوگی۔بہ نسبت دادی کے، نانی خواہ اوپر کے درجہ کی ہو یعنی پرنانی یا اس کے بعد دلیل یہ ہے کہ ولایت ماؤں کی جانب سے ان کی شفقت کی وجہ سے مستفاد ہے۔لہٰذا جو عورت ماں سے قریب ہوگی وہ اس سے زیادہ حقدار ہوگی جو باپ سے قریب ہے اور اس حکم میں مسلمان عورت اور کافرہ دونوں برابر ہیں۔کیونکہ پرورش کرنے کا حق شفقت کی وجہ سے ہوتا ہے۔اور شفقت اختلاف دین کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتی۔

اور اگر بچہ کی نانی، پرنانی بھی نہیں ہے تو بہنوں کے مقابلہ میں بچہ کی زیادہ حقدار دادی ہوگی کیونکہ دادی بھی ماں ہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ دادی کو ماؤں کی میراث یعنی چھٹا حصہ ملتا ہے۔حاصل یہ کہ جس طرح میت کے ترکہ میں سے میت کی ماں کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔بشرطیکہ میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں۔ارشاد ہے ان کان لہٗ اخوۃ فلامہ السدس۔اسی طرح اگر میت کی دادی زندہ ہو تو اس کو بھی میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا مگر اتنا فرق ہے کہ دادی کو ہر حال میں چھٹا حصہ ملے گا۔خواہ میت کے بھائی بہن ہوں یا نہ ہوں اور ماں کے حصہ میں ذرا سی تفصیل ہے۔وہ یہ کہ اگر میت کی اولاد اور بھائی، بہن نہ ہوں تو ماں کو تہائی حصہ ملے گا۔(فان لم یکن لہٗ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث) اور اگر ایک سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔(فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس) خلاصہ یہ کہ دادی ماں ہی کے درجہ میں ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ دادی کی شفقت پیدائشی قرابت کی وجہ سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور یہ ولایت شفقت پر مبنی ہے۔اس وجہ سے بھی دادی بچہ کی پرورش کرنے کی حقدار ہوگی۔اور اگر بچہ کی دادی نہ ہو تو پھوپھیوں اور خالاؤں کی بہ نسبت بہنیں زیادہ حقدار ہیں۔کیونکہ وہ اس کی ماں باپ کی لڑکیاں ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بہنیں میراث میں مقدم ہیں۔یہ مبسوط کی کتاب النکاح کی روایت ہے۔اس میں قرب قرابت کی رعایت کی گئی ہے۔اس لئے کہ بہن خالہ کی بہ نسبت اقرب ہے۔کیونکہ بہن اس کے باپ کی بیٹی ہے۔اور خالہ اس کے نانا کی بیٹی ہے۔مگر مبسوط کی کتاب الطلاق میں ہے کہ بچہ کی زیادہ حقدار خالہ ہے۔بہ نسبت باپ شریکی بہن کے۔کیونکہ خالہ ماں سے زیادہ قریب ہے۔اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

ان علیا و جعفرا الطیار و زید بن حارثہ اختصموا فی بنت حمزۃ فقال علی انا احق بها هی ابنة عمی و قال زید بنت اخی و قال جعفر بنت عمی و خالتها تحتی فقضیٰ بها النبی ﷺ لخالتها و قال الخالة بمنزلة الام و قال لعلی انت منی و انا منك و قال لجعفر اشبهت خلقی و خلقی و قال لزید انت اخونا و مولانا

صحیحین میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عمرۂ قضاء میں حدیث طویل مروی ہے۔اور اس میں آیا کہ جب ہم لوگ مکہ سے باہر نکلے تو حضرت حمزہؓ کی بیٹی اے چچا اے چچا کہتی ہوئی ہمارے پیچھے دوڑی تو علی جعفر طیار اور زید حضرت حمزہ کی لڑکی کے بارے میں جھگڑنے

لگے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔ کہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ اور زید بن حارثہ نے کہا کہ یہ تو میرے بھائی کی بیٹی ہے (زید کی والدہ نے حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کو دودھ پلایا تھا اس وجہ سے کہا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے) اور حضرت جعفر بن ابی طالب نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے تحت (نکاح) میں ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ (جعفر کے یہاں اپنی خالہ کے پاس رہ اور فرمایا کہ خالہ بمنزلہ ماں کے ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں)۔ اور حضرت جعفر کو کہا کہ تو میری صورت وسیرت سے مشابہ ہے۔ اور زید بن حارثہ کو فرمایا کہ تو ہمارا بھائی اور مولیٰ ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ خالہ مقدم ہے۔ اور ایک روایت میں ہے الخالة والدة اور ایک میں الخالة ام۔ اور ورفع ابویہ علی العرش کی تفسیر میں کہا گیا کہ ابویہ سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے والد اور خالہ ہیں۔ اس سے بھی خالہ کا حق ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

کن کن عورتوں کو پرورش کا حق بالترتیب حاصل ہے

وَتُقَدَّمُ الْاُخْتُ لِاَبٍ وَاُمٍّ لِاَنَّهَا اَشْفَقُ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاُمِّ ثُمَّ الْاُخْتُ مِنَ الْاَبِ لِاَنَّ الْحَقَّ لَهُنَّ مِنْ قِبَلِ الْاُمِّ ثُمَّ الْخَالَاتُ اَوْلٰى مِنَ الْعَمَّاتِ تَرْجِيْحًا لِقَرَابَةِ الْاُمِّ وَيُنْزَلْنَ كَمَانَزَلْنَا الْاَخَوَاتِ مَعْنَاهُ تَرْجِيْحُ ذَاتِ قَرَابَتَيْنِ ثُمَّ قَرَابَةُ الْاُمِّ ثُمَّ الْعَمَّاتُ يُنْزَلْنَ كَذَالِكَ

ترجمہ ...... اور جو بہن باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہو وہ دوسری بہنوں پر مقدم ہوگی کیونکہ اس کی شفقت زیادہ ہے۔ پھر جو بہن صرف ماں کی طرف سے ہو۔ پھر جو بہن فقط باپ کی طرف سے ہو۔ کیونکہ ان عورتوں کا حق ماں کی جانب سے ہے۔ پھر خالائیں بہ نسبت پھوپھیوں کے مقدم ہیں۔ کیونکہ مادری قرابت کو ترجیح حاصل ہے۔ پھر خالائیں درجہ بدرجہ اتریں گی۔ جیسے ہم نے بہنوں کو اتارا۔ اس کے معنی ہیں دو قرابت والی کو ترجیح ہوگی۔ (ایک قرابت والی پر) پھر ماں والی کو پھر خالاؤں کی طرح پھوپھیاں اتریں گی۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کے ساتھ دو طرح کی قرابت ہو وہ ایک قرابت والی سے زیادہ حقدار ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ حقیقی بہن یعنی باپ اور ماں دونوں کی طرف سے ہو وہ دوسری بہنوں یعنی فقط ماں شریکی اور فقط باپ شریکی پر مقدم ہوگی۔ کیونکہ حقیقی بہن کی شفقت دوسری بہنوں سے زیادہ ہے اس لئے اس کو ترجیح دی گئی۔ پھر ماں شریکی بہن کو باپ شریکی بہن پر ترجیح ہوگی۔ کیونکہ بہنوں کے لئے پرورش کرنے کا حق ماں ہی کی جانب سے ہے۔ اس وجہ سے ماں شریکی بہن کو باپ شریکی بہن پر ترجیح ہوگی۔

امام زفرؒ نے فرمایا کہ حقیقی بہن اور ماں شریکی بہن پرورش کرنے میں دونوں برابر ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے۔ پھر خالائیں پھوپھیوں سے مقدم ہیں۔ کیونکہ خالہ کو ماں کے ساتھ قرابت حاصل ہے نہ کہ پھوپھی کو۔ اور پرورش کرنے میں مادری قرابتداری کو ترجیح ہے نہ کہ پدری قرابت کو۔ پھر خالائیں درجہ بدرجہ اسی طرح رکھی جائیں گی جیسے ہم نے بہنوں کو بیان کیا۔ یعنی بچہ کی جو خالہ اس کی ماں کی حقیقی بہن ایک ماں باپ سے ہو وہ اولیٰ ہے۔ پھر اس کی ماں کی بہن جو ماں شریکی ہو پھر جو فقط باپ شریکی ہو۔

حاصل یہ کہ دو قرابت والی کو ایک قرابت والی پر ترجیح ہوگی۔ پھر قرابت ام کو قرابت اب پر ترجیح ہوگی۔ پھر اسی طرح درجہ بدرجہ پھوپھیاں ہیں۔ یعنی باپ کی حقیقی بہن مقدم ہے پھر باپ کی ماں شریکی بہن پھر باپ کی باپ شریکی بہن ہے۔

ان عورتوں کا حق حضانت کب ساقط ہوتا ہے

وَكُلُّ مَنْ تَزَوَّجَتْ مِنْ هٰؤُلَاءِ يَسْقُطُ حَقُّهَا لِمَارَوَيْنَاوَلِاَنَّ زَوْجَ الْاُمِّ اِذَاكَانَ اَجْنَبِيًّا يُعْطِيْهِ نَزْرًا وَيَنْظُرُ اِلَيْهِ شَزْرًا فَلَا نَظَرَ قَالَ اِلَّا الْجَدَّةَ اِذَاكَانَ زَوْجُهَا الْجَدَّ لِاَنَّهٗ قَامَ مَقَامَ اَبِيْهِ فَيَنْظُرُ لَهٗ وَكَذَالِكَ كُلُّ زَوْجٍ هُوَ ذُوْرَحِمٍ

مَحْرَمٍ مِنْهُ لِقِيَامِ الشَّفَقَةِ نَظْرًا اِلَى الْقَرَابَةِ الْقَرِيْبَةِ وَمَنْ سَقَطَ حَقُّهَا بِالتَّزَوُّجِ يَعُوْدُ اِذَا ارْتَفَعَتِ الزَّوْجِيَّةُ لِاَنَّ الْمَانِعَ قَدْ زَالَ

ترجمہ..... اور ان عورتوں میں سے ہر وہ عورت جس نے اپنا نکاح کر لیا ہو اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم روایت کر چکے۔ اور اس لئے کہ جب ماں کا شوہر اجنبی ہے تو وہ اس کو حقیر چیز دے گا۔ اور اس کو تیز نگاہ سے دیکھے گا۔ تو (بچہ کے حق میں) کوئی نگہداشت نہیں ہے۔ سوائے نانی کے جبکہ اس کا شوہر (بچہ کا) دادا ہو۔ کیونکہ دادا بچہ کے باپ کے قائم مقام ہے۔ پس اس پر نظر شفقت رکھے گا۔ اور یہی حال ہر ایسے شوہر کا ہے جو اس بچہ کا ذو رحم محرم ہو۔ کیونکہ قرابت قریبہ کی طرف نظر کرتے ہوئے شفقت موجود ہے اور جس عورت کا حق پرورش نکاح کرنے کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ تو جب بھی زوجیت دور ہو جائے (اس کا حق پرورش) لوٹ آئے گا کیونکہ مانع دور ہو گیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ جن عورتوں کو بچہ کی پرورش کرنے کا حق ہے۔ ان میں سے اگر کسی نے نکاح کر لیا تو اس کا حق پرورش ساقط ہو جائے گا۔ دلیل وہ حدیث ہے جس کو سابق میں روایت کر چکے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کی ماں سے فرمایا تھا انتِ احق به مالم تتزوجی تو بچہ کی زیادہ حقدار ہے۔ جب تک تو نکاح نہ کرے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اس بچہ کی ماں کا شوہر جب اجنبی مرد ہے تو وہ اس بچہ کو تھوڑی چیز دے گا۔ اور تیز نگاہ سے دیکھے گا۔ حاصل یہ کہ یہ شخص اس بچہ کی طرف کم التفات کرے گا۔ لہٰذا بچہ کو ان کی پرورش میں دینا اس کے حق میں کچھ نظر شفقت نہیں ہے۔ ہاں اگر اس بچہ کی نانی نے اپنا نکاح اس بچہ کے دادا سے کیا یا اس کی دادی نے اپنا نکاح بچہ کے نانا سے کیا تو اس نانی یا دادی کا حق پرورش ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ جد (دادا اور نانا) اس بچہ کے باپ کے قائم مقام ہے۔ لہٰذا اس کی شفقت باقی رہے گی۔ یہی حال ہر ایسے شوہر کا ہے جو اس بچہ کا ذو رحم محرم ہو۔ کیونکہ قرابت قریبہ کی طرف نظر کرتے ہوئے شفقت باقی رہے گی۔ اور جس عورت کا حق پرورش کسی اجنبی مرد سے نکاح کرنے کی وجہ سے زائل ہو گیا تو جب بھی ان دونوں میں زوجیت دور ہو جائے تو اس کا حق پرورش لوٹ آوے گا۔ کیونکہ جو چیز روکنے والی تھی وہ جاتی رہی۔ مثلاً بچہ کی ماں سب سے زیادہ حقدار ہے۔ لیکن اس نے کسی اجنبی مرد سے نکاح کر لیا حتیٰ کہ اس کا حق زائل ہو گیا۔ اور بچہ کی نانی زیادہ حقدار ہو گئی۔ پس نانی نے اس کو اپنی پرورش میں لے لیا۔ پھر چند روز کے بعد اس کی ماں کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی۔ غرض یہ کہ نکاح زائل ہو گیا۔ پھر ماں کا استحقاق بہ نسبت نانی کے مقدم ہو گیا۔

بچے کی پرورش کیلئے اس کے اہل میں سے کوئی عورت نہ ہو تو مردوں میں سے کون حضانت کا مستحق ہوتا ہے

فَاِنْ لَمْ تَكُنْ لِلصَّبِيِّ امْرَأَةٌ مِنْ اَهْلِهِ فَاخْتَصَمَ فِيْهِ الرِّجَالُ فَاَوْلَاهُمْ اَقْرَبُهُمْ تَعْصِيْبًا لِاَنَّ الْوِلَايَةَ لِلْاَقْرَبِ وَقَدْ عُرِفَ التَّرْتِيْبُ فِيْ مَوْضِعِهِ غَيْرَ اَنَّ الصَّغِيْرَةَ لَاتُدْفَعُ اِلَى عَصَبَةٍ غَيْرِ مَحْرَمٍ كَمَوْلَى الْعَتَاقَةِ وَابْنِ الْعَمِّ تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ

ترجمہ..... پس اگر بچوں کی پرورش کرنے والی اس کے کنبہ سے کوئی عورت نہ ہو۔ پس اس کی پرورش میں مردوں نے جھگڑا کیا۔ تو ان مردوں میں سب سے زیادہ مستحق وہ مرد ہے جو عصبہ ہونے میں سب سے قریب ہو کیونکہ ولایت اقرب کے لئے ہے اور عصبات کی ترتیب اپنی جگہ پر معلوم ہو چکی مگر یہ کہ صغیرہ غیر محرم عصبہ کو نہیں دی جائے گی۔ جیسے مولیٰ عتاقہ اور (صغیرہ کے) چچا کا بیٹا تا کہ فتنہ سے بچا جا سکے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ کی پرورش کرنے والی اس کے خاندان اور کنبہ میں کوئی عورت نہ ہو پھر مردوں نے اس بچہ کی پرورش کرنے

میں اختلاف کیا تو ان مردوں میں پرورش کرنے کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جو عصبہ ہونے میں اس بچہ سے سب سے قریب ہو کیونکہ ولایت کا حق زیادہ قرابت والے کو ہوتا ہے۔ اور عصبات کی ترتیب اپنی جگہ معلوم ہو چکی۔ یعنی باب میراث اور نکاح کرانے کی ولایت کے باب میں اور وہ ترتیب یہ ہے۔ باپ پھر دادا پردادا اگرچہ اس سے بھی اوپر ہو۔ پھر حقیقی بھائی' پھر باپ شریک بھائی' پھر حقیقی بھائی کا بیٹا' پھر باپ شریک بھائی کا بیٹا' پھر وہ چچا جو باپ کا حقیقی بھائی ہو پھر وہ چچا جو باپ کا باپ شریک بھائی ہو۔ اور رہی چچا کی اولاد تو ان کی پرورش میں لڑکا دیا جا سکتا ہے اور ان میں ترتیب یہ ہوگی۔ پہلے اس چچا کا بیٹا مستحق ہوگا جو اس بچہ کے باپ کا حقیقی بھائی ہے۔ پھر اس کا بیٹا جو اس بچہ کے باپ کا باپ شریک بھائی ہے۔ اور لڑکی اس کے چچا کی اولاد کی پرورش میں نہ دی جائے کیونکہ لڑکی کے چچا کی اولاد لڑکی کے غیر محرم ہیں۔

اور اگر بچی کا کوئی ولی عصبہ نہ ہو تو اس بچی کو اس کے ماں شریک بھائی کی تربیت میں دیدیا جائے۔ اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس کا بیٹا ولی ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو اس بچی کا ولی اس کا وہ چچا ہوگا جو اس کے باپ کا ماں شریک بھائی ہے۔ اور اگر یہ نہ ہو تو اس بچی کا ولی اس کا حقیقی ماموں ہوگا۔ یعنی اس بچی کی ماں کا حقیقی بھائی ہوگا۔ پھر اس بچی کی ماں کا باپ شریک بھائی پھر اس بچی کی ماں کا ماں شریک بھائی۔ یہ واضح رہے کہ غیر عصبات کے لئے ولایت کا حق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اور چونکہ مولیٰ عتاقہ آخری عصبہ ہے۔ اس لئے اگر کوئی ولی نہ ہو تو لڑکا مولیٰ عتاقہ کی تربیت میں دیدیا جائے گا۔ مگر لڑکی کسی عصبہ غیر محرم کی تربیت میں نہ دی جائے۔ جیسے چچا کا بیٹا اور مولیٰ عتاقہ کیونکہ اس میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔

اور اگر کسی بچہ کے چند بھائی ہیں تو ان میں جو سب سے زیادہ صالح اور متقی ہے اس کو پرورش کرنے کا زیادہ حق ہوگا۔ اور اگر صلاح اور تقویٰ میں سب برابر ہوں تو ان میں عمر میں جو سب سے بڑا ہے وہ زیادہ حقدار ہوگا۔

ماں اور نانی بچے کی پرورش کی کب تک مستحق ہیں

وَالْاُمُّ وَالْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْغُلَامِ حَتّٰی یَاْكُلَ وَحْدَهٗ وَ یَشْرَبَ وَحْدَهٗ وَ یَسْتَنْجِیَ وَحْدَهٗ وَفِی الْجَامِعِ الصَّغِیْرِ حَتّٰی یَسْتَغْنِیَ فَیَاْكُلُ وَحْدَهٗ وَیَشْرَبُ وَحْدَهٗ وَ یَلْبَسُ وَحْدَهٗ وَالْمَعْنٰی وَاحِدٌ لِاَنَّ تَمَامَ الْاِسْتِغْنَاءِ بِالْقُدْرَةِ عَلَی الْاِسْتِنْجَاءِ وَوَجْهُهٗ اَنَّهٗ اِذَااسْتَغْنٰی یَحْتَاجُ اِلَی التَّاَدُّبِ وَ التَّخَلُّقِ بِاٰدَابِ الرِّجَالِ وَاَخْلَاقِهِمْ وَالْاَبُ اَقْدَرُ عَلَی التَّاْدِیْبِ وَ التَّثْقِیْفِ وَالْخَصَّافُ قَدَّرَ الْاِسْتِغْنَاءَ بِسَبْعِ سِنِیْنَ اِعْتِبَارًا لِلْغَالِبِ

ترجمہ ...... ماں اور نانی لڑکے کی زیادہ حقدار ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اکیلا کھائے اور اکیلا پئے اور اکیلا پہن لے اور اکیلا استنجا کر لے اور جامع صغیر میں ہے یہاں تک کہ لڑکا بے پرواہ ہو جائے کہ اکیلا کھائے، اور اکیلا پئے، اکیلا پہن لے اور معنی (دونوں کے) ایک ہی ہیں۔ کیونکہ پورا استغناء تو استنجا پر قادر ہونے سے ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ مستغنی ہو گیا تو اس کو مردوں کے آداب اور اخلاق سیکھنے کی حاجت ہے۔ اور ادب سکھلانے اور مہذب کرنے کی باپ کو زیادہ قدرت ہے۔ اور شیخ خصاف نے مستغنی ہو جانے کا اندازہ سات برس سے کیا ہے۔ کیونکہ غالب حالت یہی ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ ماں اور نانی بچہ کی زیادہ حقدار اس وقت تک کے لئے ہے جب کہ بچہ اکیلا کھانا کھانے لگے۔ اور اکیلا پئے اور اکیلا کپڑے پہن لے۔ اور اکیلا استنجا کر لے۔ حضرت امام محمدؒ نے جامع صغیر میں ذکر کیا کہ ماں اور نانی زیادہ حقدار لڑکے کی اس وقت تک ہیں جبتک کہ بچہ مستغنی ہو جائے کہ وہ اکیلا کھا سکے۔ اکیلا پی سکے اور اکیلا کپڑے پہن سکے۔ دونوں روایتوں میں یہ فرق ہے کہ قدوری میں استنجا مذکور ہے نہ کہ استغنا اور جامع صغیر میں اس کے برعکس ہے حاصل دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے کیونکہ پورا استغناء اسی وقت ہوگا جبکہ بچہ استنجے پر قادر ہو جائے اور استنجاء کرنے پر قدرت یہ ہے کہ ابتداء میں پائجامہ کھولنے پر قادر ہو اور فراغت کے بعد باندھنے پر قادر ہو جائے۔

اور استغنا کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ بچہ جب مستغنی ہو گیا تو وہ مردوں کے آداب و اخلاق سیکھنے کا محتاج ہوگا اور بچہ کو مؤدب اور مہذب بنانے میں

باپ کو زیادہ قدرت ہے۔ لہٰذا اب وہ ماں کی تربیت سے نکل کر باپ کی تربیت میں داخل ہوگا۔ امام ابوبکر حصاف نے مستغنی ہو جانے کا اندازہ سات برس کے ساتھ کیا ہے۔ کیونکہ بچہ سات سال کی عمر میں بالعموم ماں کی پرورش سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اور وہ اکیلا استنجا کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔

ابوبکر رازی نے نو برس کے ساتھ اندازہ لگایا ہے۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک ماں لڑکے کی پرورش کرنے کی مستحق اس وقت تک ہوگی کہ بچہ کو احتلام ہونے لگے۔ یعنی بالغ ہونے تک بچہ ماں کی پرورش میں رہے گا۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو اس کو اختیار دیا جائے کہ والدین میں سے جس کو اختیار کرے اس کو دیدیا جائے گا۔

ماں اور نانی لڑکی کی پرورش کی زیادہ مستحق ہیں

وَ الْاُمُّ وَ الْجَدَّةُ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَحِيْضَ لِاَنَّ بَعْدَ الْاِسْتِغْنَاءِ تَحْتَاجُ اِلٰى مَعْرِفَةِ اٰدَابِ النِّسَاءِ وَالْمَرْاَةُ عَلٰى ذَالِكَ اَقْدَرُ وَبَعْدَ الْبُلُوْغِ تَحْتَاجُ اِلَى التَّحْصِيْنِ وَالْحِفْظِ وَالْاَبُ فِيْهِ اَقْوٰى وَاَهْدٰى وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهَا تُدْفَعُ اِلَى الْاَبِ اِذَا بَلَغَتْ حَدَّ الشَّهْوَةِ لِتَحَقُّقِ الْحَاجَةِ اِلَى الصِّيَانَةِ

ترجمہ..... اور ماں اور نانی لڑکی کی پرورش میں زیادہ مستحق ہیں۔ یہاں تک کہ اس کو حیض آوے کیونکہ (پرورش سے) مستغنی ہونے کے بعد اس کو عورتوں کے آداب سیکھنے کی حاجت ہے۔ اور عورت اس کام پر زیادہ قادر ہوتی ہے۔ اور بالغ ہونے کے بعد (اس کو نکاح سے) محصنہ کرنے اور (زنا سے) حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کام پر باپ کو زیادہ قوت اور رہنمائی ہے۔ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ جب لڑکی حد شہوت کو پہنچ جائے۔ تو باپ کو دیدی جائے۔ کیونکہ اس کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

تشریح..... قدوری نے فرمایا کہ لڑکی حیض آنے کے وقت تک ماں اور نانی کی پرورش میں رہے گی۔ کیونکہ پرورش سے مستغنی ہونے کے بعد اس کو عورتوں کے آداب سیکھنے کی حاجت ہے۔ مثلاً کاتنا، سینا، پرونا، کھانا پکانا، کپڑے دھونا اور عورت بہ نسبت مرد کے ان چیزوں پر زیادہ قادر ہے۔ کیونکہ اگر لڑکی باپ کے حوالہ کردی گئی تو مردوں کے ساتھ گھل ملکر رہنے کی وجہ سے اسے حیا کم ہو جائے گی۔ حالانکہ حیاء عورتوں کی زینت ہے۔ اور بالغ ہونے کے بعد اس کو نکاح کے ذریعہ محصنہ کرنے اور زنا سے حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔ اور باپ کو اس کام پر زیادہ قدرت حاصل ہے۔ اور اس کام کی طرف زیادہ رہنمائی حاصل ہے۔ اس لئے بالغ ہونے کے بعد لڑکی کا زیادہ حقدار اس کا باپ ہے۔

اور ہشام نے امام محمدؒ سے روایت کی ہے کہ لڑکی جب حد شہوت کو پہنچ جائے تو باپ کے حوالہ کردی جائے گی۔ کیونکہ اب اس کی حفاظت کی ضرورت ہے اور حد شہوت میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض کا مذہب ہے کہ گیارہ سال کی عمر حد شہوت ہے اور فقیہ ابواللیث نے کہا نو سال کی عمر حد شہوت ہے اور ایک قول چھ سال کے بارے میں ہے اور ایک سات سال کے اور ایک آٹھ سال کے بارے میں ہے۔ واللہ اعلم۔

ماں اور نانی کے علاوہ عورت کو کب تک حق پرورش ہے

وَمَنْ سِوَى الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ اَحَقُّ بِالْجَارِيَةِ حَتّٰى تَبْلُغَ حَدًّا تُشْتَهٰى وَفِى الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ حَتّٰى تَسْتَغْنِىَ لِاَنَّهَا لَا تَقْدِرُ عَلَى اسْتِخْدَامِهَا وَلِهٰذَا لَا تُؤَاجِرُهَا لِلْخِدْمَةِ فَلَا يَحْصُلُ الْمَقْصُوْدُ بِخِلَافِ الْاُمِّ وَالْجَدَّةِ لِقُدْرَتِهِمَا عَلَيْهِ شَرْعًا

ترجمہ..... اور ماں اور نانی کے علاوہ (باقی عورتیں) صغیرہ لڑکی کی پرورش میں اس حد تک حقدار ہیں کہ لڑکی مردوں کی خواہش کے قابل ہو جائے۔ اور جامع صغیر میں ہے کہ وہ (دوسرے کی مددگاری سے) مستغنی ہو جائے کیونکہ ماں اور نانی کے علاوہ کوئی عورت اس لڑکی سے خدمت لینے

پر قادر نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے اس لڑکی کو خدمت کے لئے اجارہ اور نوکری پر نہیں دے سکتی تو مقصود حاصل نہ ہوگا۔ برخلاف ماں اور نانی کے۔ اس لئے کہ یہ دونوں شرعاً خدمت لینے پر قادر ہیں۔

تشریح ...... شیخ قدوری نے فرمایا کہ صغیرہ کو ماں اور نانی اور دادی کے علاوہ دوسری عورتوں کے پاس حد شہوت کو پہنچنے تک رکھا جاسکتا ہے اور امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ صغیرہ کو ماں اور نانی، دادی کے علاوہ کے پاس اتنی مدت رکھا جائے کہ وہ صغیرہ دوسرے کی مدد کی محتاج نہ رہے۔ یعنی اکیلی کھا سکے اور اکیلی پہن سکے۔ کیونکہ صغیرہ اگرچہ عورتوں کے آداب سیکھنے کی محتاج ہے۔ لیکن آداب سکھانے میں صغیرہ سے ایک گونہ خدمت لینی پڑتی ہے۔ اور ماں اور نانی، دادی کے علاوہ کو شرعاً خدمت لینے کا حق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لڑکی کو خدمت کے لئے اجرت پر دینا ممنوع ہے۔ پس اگر حد شہوت کو پہنچنے کے بعد لڑکی کو ماں اور نانی، دادی کے علاوہ کے پاس چھوڑا گیا تو مقصود (آداب سکھانا) حاصل نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف ماں اور نانی، دادی کہ ان کے پاس لڑکی کو چھوڑا جاسکتا ہے۔ کیونکہ ماں اور نانی لڑکی سے خدمت لینے پر شرعاً قادر ہے۔

باندی کو جب اس کے مولیٰ نے آزاد کردیا اور ام ولدہ جب آزاد کردی گئی ولد کی پرورش میں آزاد عورت کی طرح ہیں

قَالَ وَالْاَمَةُ اِذَا اَعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَاُمُّ الْوَلَدِ اِذَا اُعْتِقَتْ كَالْحُرَّةِ فِيْ حَقِّ الْوَلَدِ لِاَنَّهُمَا حُرَّتَانِ اَوَانَ ثُبُوْتِ الْحَقِّ وَلَيْسَ لَهُمَا قَبْلَ الْعِتْقِ حَقٌّ فِي الْوَلَدِ لِعَجْزِهِمَا عَنِ الْحِضَانَةِ بِالْاِشْتِغَالِ بِخِدْمَةِ الْمَوْلٰى

ترجمہ ...... قدوری نے کہا باندی کو جب اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا اور ام ولد جب آزاد کردی گئی تو بچہ کے حق میں آزاد عورت کے مانند ہیں۔ اس لئے کہ حق ثابت ہونے کے وقت یہ دونوں بھی آزاد ہیں۔ اور آزاد ہونے سے پہلے ان دونوں کا بچہ کی (پرورش) میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ دونوں پرورش کرنے سے عاجز ہیں۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر باندی کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا اور جب ام ولد آزاد کردی گئی۔ تو بچہ کی پرورش میں ان کا حق بھی آزاد عورت کے مانند ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنی باندی کا کسی مرد سے نکاح کیا۔ اس سے بچہ پیدا ہوا۔ پھر مولیٰ نے اس کو آزاد کر دیا تو اس بچہ کی پرورش کرنے کی زیادہ حقدار اس کی یہ ماں ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ پرورش کرنے کا حق ثابت ہونے کے وقت یہ دونوں آزاد ہیں۔ لہٰذا اپنے مولیٰ کے مقابلہ میں یہ دونوں بچہ کی پرورش کرنے کی زیادہ حقدار ہوں گی۔ اور آزاد ہونے سے پہلے باندی اور ام ولد بچہ کی پرورش میں کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دونوں مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے بچہ کی پرورش کرنے سے عاجز ہیں یہی قول امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے۔

ذمیہ اپنے مسلمان بچے کی حضانت کی کب تک مستحق ہے

وَالذِّمِّيَّةُ اَحَقُّ بِوَلَدِهَا الْمُسْلِمِ مَالَمْ يَعْقِلِ الْاَدْيَانَ اَوْيُخَافَ اَنْ يَّاْلَفَ الْكُفْرَ لِلنَّظَرِ قَبْلَ ذَالِكَ وَاِحْتِمَالُ الضَّرَرِ بَعْدَهُ

ترجمہ ...... اور ذمیہ عورت اپنے مسلمان بچہ کی زیادہ حقدار ہے۔ تاوقتیکہ بچہ دینوں کو نہ پہچانے یا یہ خوف نہ ہو کہ وہ کفر سے مانوس ہو جائے گا۔ کیونکہ اس سے بچہ کے (حق میں) نظر شفقت ہے۔ اور اس کے بعد ضرر کا احتمال ہے۔

تشریح ...... مسئلہ! اگر کسی مسلمان مرد نے کسی ذمیہ کتابیہ عورت سے نکاح کیا۔ پھر اس سے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ خیر الابوین دیناً یعنی مسلمان باپ کے تابع ہو کر مسلمان ہوگا۔ مگر اس کی پرورش کرنے کی زیادہ مستحق اس کی ذمیہ ماں ہوگی۔ لیکن یہ استحقاق ذمیہ کے واسطے اسی وقت تک ہوگا جب تک

کہ بچہ میں دین کی سمجھ نہ ہو۔ اور بچہ کے کفر سے مانوس ہونے کا ڈر نہ ہو۔ اور جب بچہ دین و مذہب کو سمجھنے لگے۔ یا بچہ کے کفر سے مانوس ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں بچہ کی پرورش کرنے کی مستحق ذمیہ عورت نہیں ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ اس حالت سے پہلے بچہ کو ذمیہ کے سپرد کرنے میں اس پر شفقت ہے۔ اور اس حالت کے بعد ضرر کا احتمال ہے۔ اس لئے بچہ جب دین کو سمجھنے لگے تو اس کو ذمیہ سے لیکر مسلمان باپ کو دیدیا جائے۔

لڑکے اور لڑکی کو خیار ہے یا نہیں، امام شافعیؒ کا نقطۂ نظر

وَلَاخِيَارَ لِلْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَهُمَا الْخِيَارُ لِاَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَيَّرَ وَلَنَا اَنَّهُ لِقُصُوْرِ عَقْلِهِ يَخْتَارُ مَنْ عِنْدَهُ الدَّعَةُ لِتَخْلِيَتِهِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّعِبِ فَلَا يَتَحَقَّقُ النَّظْرُ وَقَدْ صَحَّ اَنَّ الصَّحَابَةَ لَمْ يُخَيِّرُوْا وَاَمَّا الْحَدِيْثُ فَقُلْنَا قَدْ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَللّٰهُمَّ اهْدِهِ فَوُفِّقَ لِاِخْتِيَارِهِ الْاَنْظَرِ بِدُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَوْيُحْمَلُ عَلٰى مَا اِذَا كَانَ بَالِغًا

ترجمہ...... اور لڑکا اور لڑکی کو خود کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا انہیں دونوں کو اختیار ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار دیا تھا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے اسی کو اختیار کرے گا۔ جس کے پاس (اس کو) آرام ملے۔ بچہ اور کھیل کے درمیان تخلیہ کر دینے کی وجہ سے پس نظر شفقت متحقق نہ ہوگی۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ صحابہ نے بچوں کو مختار نہیں کیا ہے اور رہی حدیث تو ہم کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اس کی ہدایت فرما دے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بچہ کو اپنی پسند میں ٹھیک توفیق مل گئی۔ یا یہ حدیث ایسی صورت پر محمول کی جائے جب بچہ بالغ ہو۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کو خود اختیار نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہوگا کہ ماں اور باپ میں سے کسی ایک کو پسند کرنے کا اختیار لڑکے اور لڑکی کو دیدیا جائے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب لڑکا اور لڑکی سن تمیز کو پہنچ جائیں تو ماں اور باپ میں سے جس کو اختیار کریں اسی کے سپرد کیا جائے گا۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اختیار دیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ میں سے جس کو چاہے اختیار کرے۔ اور روایت کیا گیا ہے۔

رافع بن سنان انه اسلم وابت امرته ان تسلم فاتت النبی ﷺ فقالت ابنتی وهی فطيم و قال رافع ابنتی فقال النبی ﷺ اقعد ناحية و قال لها اقعدی ناحية فاقعد الصبية بينهما ثم قال ادعواها فمالت الصبيةَ الیٰ امها فقال النبی ﷺ اللهم اهدها فمالت الیٰ ابيها فاخذها

یعنی رافع بن سنان مسلمان ہو گیا تھا اور اس کی بیوی نے اسلام لانے سے انکار کر دیا۔ پس وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی میری دودھ چھٹی بیٹی ہے۔ اور رافع نے کہا کہ میری بیٹی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کنارے بیٹھو اور ان کی بیوی سے بھی کہا کہ تو بھی ایک کنارے بیٹھ اور بچی کو دونوں کے درمیان بٹھلایا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اس بچی کو دونوں پکارو پس بچی اپنی ماں کی طرف مائل ہونے لگی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ اس کو ہدایت فرما پس وہ بچی اپنے باپ کی طرف مائل ہو گئی۔ اور اس نے اس بچی کو اپنی تربیت میں لے لیا۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ لڑکی اور لڑکے کو ماں باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا جس کو وہ پسند کریں وہ پرورش کرنے کا زیادہ حقدار ہوگا۔ (عنایہ)

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ اپنی کم عقلی کی وجہ سے اس کو اختیار کرے گا۔ جس کے پاس اسے راحت ملے گی، یعنی جو اس کو کھیل کے واسطے فارغ

چھوڑ دے اس کو ترجیح دیگا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنے میں نظر شفقت متحقق نہیں ہوتا اس لئے بچہ کے اختیار کرنے پر پرورش کا حق نہیں دیا جائے گا اور یہ بات صحت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بچہ کو مختار نہیں کیا اور رہی وہ حدیث جس کو حضرت امام شافعیؒ نے دلیل میں پیش کیا تو صاحب ہدایہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ اول یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس بچہ کو اسی کے اختیار کرنے کی توفیق دی گئی جو اس کے لئے باعث شفقت تھا۔ اور ظاہر ہے کہ عام لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا جبکہ بچہ بالغ ہو گیا ہو۔ صاحب ہدایہ کی طرف سے پیش کردہ دوسرا جواب قابل قبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں وھی فطیم کی تصریح موجود ہے اور فطیم کہتے ہیں اس بچہ کو جس کا ابھی دودھ چھڑا یا گیا ہو۔ پس اس تصریح کے بعد حدیث کو بالغ ہونے کے بعد پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے۔

مطلقہ اپنے بچے کو شہر سے نکال کر لے جا سکتی ہے یا نہیں

فَصْلٌ وَاِذَا اَرَادَتِ الْمُطَلَّقَةُ اَنْ تَخْرُجَ بِوَلَدِهَا مِنَ الْمِصْرِ فَلَيْسَ لَهَا ذٰلِكَ لِمَافِيْهِ مِنَ الْاِضْرَارِ بِالْاَبِ اِلَّا اَنْ تَخْرُجَ بِهٖ اِلٰى وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ الزَّوْجُ تَزَوَّجَهَا فِيْهِ لِاَنَّهٗ اِلْتَزَمَ الْمَقَامَ فِيْهِ عُرْفًا وَشَرْعًا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ تَاَهَّلَ بِبَلْدَةٍ فَهُوَ مِنْهُمْ وَلِهٰذَا يَصِيْرُ الْحَرْبِيُّ بِهٖ ذِمِّيًّا وَاِنْ اَرَادَتِ الْخُرُوْجَ اِلٰى مِصْرٍ غَيْرِ وَطَنِهَا وَقَدْ كَانَ التَّزَوُّجُ فِيْهِ اَشَارَ فِي الْكِتَابِ اِلٰى اَنَّهٗ لَيْسَ لَهَا ذَالِكَ وَهٰذِهٖ رِوَايَةُ كِتَابِ الطَّلَاقِ وَذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ اَنَّ لَهَا ذَالِكَ لِاَنَّ الْعَقْدَ مَتٰى وُجِدَ فِيْ مَكَانٍ يُوْجِبُ اَحْكَامَهٗ فِيْهِ كَمَا يُوْجِبُ الْبَيْعُ التَّسْلِيْمَ فِيْ مَكَانِهٖ وَمِنْ جُمْلَةِ ذَالِكَ حَقُّ اِمْسَاكِ الْاَوْلَادِ وَجْهُ الْاَوَّلِ اَنَّ التَّزَوُّجَ فِيْ دَارِ الْغُرْبَةِ لَيْسَ اِلْتِزَامًا لِلْمُكْثِ فِيْهِ عُرْفًا وَهٰذَا اَصَحُّ وَالْحَاصِلُ اَنَّهٗ لَابُدَّ مِنَ الْاَمْرَيْنِ جَمِيْعًا الْوَطَنُ وَوُجُوْدُ النِّكَاحِ وَهٰذَا كُلُّهٗ اِذَا كَانَ بَيْنَ الْمِصْرَيْنِ تَفَاوُتٌ اَمَّا اِذَا تَقَارَبَا بِحَيْثُ يُمْكِنُ لِلْوَالِدِ اَنْ يُّطَالِعَ وَلَدَهٗ وَيَبِيْتُ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَا بَاْسَ بِهٖ وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الْقَرْيَتَيْنِ وَلَوِ انْتَقَلَتْ مِنْ قَرْيَةِ الْمِصْرِ اِلَى الْمِصْرِ لَا بَاْسَ بِهٖ لِاَنَّ فِيْهِ نَظْرًا لِلصَّغِيْرِ حَيْثُ يَتَخَلَّقُ بِاَخْلَاقِ اَهْلِ الْمِصْرِ وَلَيْسَ فِيْهِ ضَرَرٌ بِالْاَبِ وَفِيْ عَكْسِهٖ ضَرَرٌ بِالصَّغِيْرِ لِتَخَلُّقِهٖ بِاَخْلَاقِ اَهْلِ السَّوَادِ فَلَيْسَ لَهَا ذَالِكَ

ترجمہ...... اگر مطلقہ عورت نے چاہا کہ اپنے بچہ کو اس شہر سے باہر لے جائے تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں باپ کو ضرر پہنچانا ہے۔ مگر یہ کہ اس کو اپنے وطن لے جا سکتی ہے اور حال یہ کہ شوہر نے اس عورت سے اسی مقام میں نکاح کیا ہو۔ کیونکہ اس نے عرفاً اور شرعاً وہیں قیام کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مرد نے کسی شہر میں بیاہ کیا تو یہ بھی انہیں میں سے ہے۔ اور اسی وجہ سے حربی کافر نکاح کرنے سے ذمی ہو جاتا ہے اور اگر عورت نے سوائے اپنے وطن کے کسی دوسرے شہر میں (بچہ کو) لے جانا چاہا، حالانکہ وہیں نکاح واقع ہوا ہے۔ تو کتاب میں یہ اشارہ ہے کہ عورت کو یہ اختیار نہیں ہے۔ اور یہ (مبسوط) کی کتاب الطلاق کی روایت ہے۔ اور حاصل یہ کہ جب مرد نے کسی عورت سے اس کے وطن میں نکاح کیا تو مرد بھی اس شہر کا باشندہ ہوگا اور عورت کا یہ شہر اس کا بھی وطن شمار ہوگا یہی وجہ ہے کہ اگر کسی حربی کافر نے دارالاسلام میں آکر ذمیہ کافرہ سے نکاح کر لیا، تو وہ ذمی قرار دیا جائے گا۔

صاحب نہایہ نے کہا کہ مصنف کا قول ولھذا یصیر الحربی به ذمیاً کاتب کی غلطی ہے۔ اس لئے کہ ہدایہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں یہ عبارت ہے ان المستامن اذاتزوج ذمية لا يصير ذميا لا نه يمكنه ان يطلقها و يرجع یعنی جو حربی دارالاسلام میں امن لیکر آیا۔ اور کسی ذمیہ سے نکاح کیا تو وہ ذمی نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ طلاق دیکر واپس چلا جائے۔ صاحب نہایہ مزید تائید میں فرماتے ہیں کہ میرے استاد

نے خود فرمایا کہ شیخ مصنف کے نسخہ میں یہ عبارت نہیں ہے۔ اور غایۃ البیان میں ہے کہ شیخ حافظ الدین الکبیر سے نقل کیا گیا کہ شیخ مصنف کے نسخہ سے مقابلہ کرنے میں یہ عبارت نہیں پائی گئی پس یہ کاتب کا سہو ہے۔

اور بعض حضرات نے حربی کی جگہ حربیہ لکھا۔ یعنی اگر حربیہ عورت نے دارالاسلام میں آکر کسی ذمی سے نکاح کیا۔ تو وہ ذمیہ ہو جائے گی۔ کیونکہ شوہر اس کا دارالحرب جانے سے روکے گا۔ واللہ اعلم۔ (عینی شرح ہدایہ)

اور اگر عورت نے اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں بچہ کو لے جانا چاہا۔ حالانکہ وہیں نکاح واقع ہوا ہے تو کتاب یعنی قدوری میں اشارہ ہے کہ عورت کو یہ اختیار نہیں ہے۔ اور یہ مبسوط کی کتاب الطلاق کی روایت ہے۔ اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ عورت کو اختیار حاصل ہے کیونکہ جس مقام میں عقد واقع ہو، تو عقد کے احکام بھی اسی مقام میں واجب ہوتے ہیں۔ جیسے بیع جس جگہ واقع ہو وہیں مبیع سپرد کرنا واجب ہوتا ہے۔ اور عقد کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ اولاد کو اپنے ساتھ رکھ کر پرورش کرے۔ اور اول یعنی مبسوط کی کتاب الطلاق کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کرنا جب پردیس میں واقع ہوا تو یہ عرف نہیں ہے کہ وہیں ٹھہرنا اپنے اوپر لازم کیا گیا۔ اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور حاصل یہ نکلا کہ عورت کو بچہ باہر لے جانے کے واسطے جب ہی اجازت ہوگی کہ دونوں باتیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ وہ عورت کا وطن ہو اور دوم یہ کہ وہیں نکاح پایا گیا ہو۔ اور یہ تفصیل اس وقت ہے جب دونوں کے درمیان اتنا تفاوت اور دوری ہو، کہ باپ اپنے بچہ کو دیکھ کر اپنے گھر رات نہیں گزار سکتا۔

اور اگر دونوں شہر ایسے نزدیک ہوں کہ باپ جب چاہے جا کر اپنے بچہ کو دیکھ کر واپس ہو کر رات اپنے گھر بسر کر سکتا ہے تو عورت کے لئے بچہ کو وہاں لے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں اور یہی حکم دو گاؤں کے درمیان ہے۔ اور اگر عورت نے شہر کے گاؤں سے نکل کر شہر میں لے جانا چاہا تو کوئی مضائقہ نہیں۔

جامع صغیر میں مذکور ہے کہ عورت کو یہ اختیار ہے۔ کیونکہ عقد جس مقام میں پایا جائے اسی مقام میں عقد کے احکام واجب ہوتے ہیں۔ جیسے بیع مبیع کے سپرد کرنے کو مکان بیع میں واجب کرتی ہے اور منجملہ عقد کے احکام میں اولاد کو روکنے کا حق بھی ہے۔ اور اول کی وجہ یہ ہے کہ پردیس میں نکاح کرنا عرفاً وہاں ٹھہرنے کو لازم کرنا نہیں ہے۔ اور یہی روایت اصح ہے۔ حاصل یہ کہ دو باتوں کا جمع ہونا ضروری ہے۔ (۱) وطن (۲) نکاح کا پایا جانا۔ اور یہ تمام تفصیلات اس وقت ہے جبکہ دو شہروں کے درمیان فاصلہ ہو۔ اور اگر ایسے قریب ہوں کہ باپ کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنے بچہ کو دیکھ کر رات اپنے گھر گذارے تو اس بچہ کو لے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور یہی حکم دو گاؤں کے درمیان ہے۔ اور اگر عورت شہر کے گاؤں سے (نکل کر) شہر کی طرف منتقل ہوگئی تو کچھ مضائقہ نہیں۔ کیونکہ اس میں بچہ کے حق میں بہتری ہے کہ شہر والوں کے اخلاق سیکھ جائے گا۔ اور اس میں باپ کا کوئی نقصان نہیں۔ اور اس کے برعکس کرنے میں بچہ کا ضرر ہے۔ اس لئے کہ بچہ گنواروں کے اخلاق سیکھے گا۔ تو عورت کو ایسا اختیار نہیں ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد اگر مطلقہ عورت نے چاہا کہ اپنے بچہ کو اس شہر سے باہر لے جائے تو اسکو یہ اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں باپ کو اپنے بچہ کی جدائی سے صدمہ ہوگا۔ ہاں اگر عورت اس بچہ کو اپنے وطن لے جانا چاہے۔ درانحالیکہ شوہر نے اس عورت سے اسی مقام میں نکاح کیا تھا۔ تو عورت کو اس کا اختیار ہے۔ صاحب عنایہ نے اس مسئلہ کی چار صورتیں ذکر کی ہیں۔ اسلئے کہ عورت بچہ کو یا تو اپنے وطن لیکر جائے گی، اور حال یہ کہ عقد نکاح بھی وہیں واقع ہوا ہے۔ یا اپنے وطن کے علاوہ لے کر جائے گی۔ حالانکہ وہاں عقد نکاح بھی نہیں واقع ہوا۔ یا عورت بچہ کو اپنے وطن لے جائے گی حالانکہ وہاں عقد واقع نہیں ہوا ہے۔ اور یا اپنے وطن کے علاوہ لے جائے گی۔ اور وہیں عقد واقع ہوا ہے۔ پس اگر دو باتیں جمع ہو جائیں وطن اور وجود عقد نکاح۔ تو بچہ کو وہاں لے جانا جائز ہے ورنہ نہیں۔

جواز کی صورت میں دلیل یہ ہوگی کہ عورت کے وطن میں نکاح کرنے سے عرفاً اور شرعاً شوہر نے وہیں قیام کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا تھا۔ عرفاً تو اسلئے کہ شوہر عادۃً اس شہر میں قیام کرتا ہے جس میں نکاح کرتا ہے۔ اور شرعاً اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **من تاھل ببلدة**

فهو منهم ۔یعنی جس مرد نے کسی شہر میں نکاح کیا۔ تو یہ بھی انہی میں سے ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت عثمانؓ سے روایت کی کہ انھوں نے منٰی میں پوری چار رکعت پڑھیں۔ پھر فرمایا:۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تاهل في بلدة فهو من اهلها يصلي بصلاة المقيم واني تاهلت منذ قدمت مكة ۔یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مرد نے کسی شہر میں نکاح کر لیا تو وہ اسی شہر والوں میں سے ہو جاتا ہے کہ مقیم کی نماز پڑھے۔ اور جس وقت مکہ میں داخل ہوا تو میں نے ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ اور ایک روایت میں ہے سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من تاهل في بلدة فيصلي بصلاة المقيم ۔نہیں۔ کیونکہ اس میں بچہ کے حق میں بہتری ہے کہ وہ شہر والوں کے اخلاق سیکھ جائے گا۔ اور اس میں باپ کے حق میں بھی کچھ ضرر نہیں۔ اور اگر اس کے برعکس اس نے شہر سے نکل کر گاؤں میں لے جانا چاہا تو بچہ کے حق میں ضرر ہے۔ کیونکہ گنواروں کے اخلاق سیکھے گا۔ لہٰذا عورت کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں۔ جمیل احمد سکروڈھوی۔

بـــاب الـــنـفـــقـة

ترجمہ...... (یہ) باب نفقہ کے (احکام کے بیان میں) ہے۔

تشریح...... پہلے باب میں مصنفؒ نے بچہ کی پرورش کرنے کے حق کو بیان فرمایا اور ان کو بیان فرمایا جن کے لئے پرورش کرنے کا حق ہے۔ اس سے فراغت کے بعد اس باب میں نفقہ کے احکام اور جن پر نفقہ واجب ہے ان کو بیان کریں گے۔

نفقہ اسم ہے انفاق کے معنی میں اور اصطلاح میں نفقہ وہ روزینہ ہے جو زندگی باقی رکھنے کے واسطے برابر جاری رہے۔ اور نفقہ کا واجب ہونا چند اسباب سے ہوتا ہے۔ منجملہ ان میں سے زوجیت ہے نسب ہے اور ملک ہے۔ ہر ایک کا بیان بالترتیب مذکور ہے۔

بیوی کا نفقہ شوہر پر ہے بیوی مسلمان ہو یا کافرہ، عورت کب مستحق نفقہ بنتی ہے اور نفقہ کیا کیا چیز ہے

قَالَ اَلنَّفَقَةُ وَاجِبَةٌ لِلزَّوْجَةِ عَلٰى زَوْجِهَا مُسْلِمَةً كَانَتْ اَوْ كَافِرَةً اِذَا سَلَّمَتْ نَفْسَهَا اِلٰى مَنْزِلِهٖ فَعَلَيْهِ نَفَقَتُهَا وَكِسْوَتُهَا وَسُكْنَاهَا وَالْاَصْلُ فِيْهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ﴾ وَقَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ حَدِيْثِ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِاَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ اِحْتِبَاسٍ وَكُلُّ مَنْ كَانَ مَحْبُوْسًا بِحَقٍّ مَقْصُوْدٍ لِغَيْرِهٖ كَانَتْ نَفَقَتُهُ عَلَيْهِ اَصْلُهُ الْقَاضِيْ وَالْعَامِلُ فِي الصَّدَقَاتِ وَهٰذِهِ الدَّلَائِلُ لَا فَصْلَ فِيْهَا فَتَسْتَوِيْ فِيْهَا الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ

ترجمہ...... امام قدوری نے فرمایا کہ بیوی کے واسطے اس کے شوہر پر نفقہ واجب ہے۔ خواہ وہ بیوی مسلمان ہو یا کافر جبکہ وہ اپنی ذات کو شوہر کے گھر سپرد کر دے تو شوہر پر اس کا نفقہ، لباس اور سکنی واجب ہے۔ اور نفقہ واجب ہونے میں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وسعت والا اپنی وسعت کے موافق نفقہ دے۔ اور باری تعالیٰ کا قول ہے کہ بچہ کے والد پر بچوں کی ماؤں کا کھانا اور کپڑا بطور اعتدال واجب ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا کہ تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے لئے ان کا کھانا اور کپڑا بطور اعتدال واجب ہے۔ اور اس لئے کہ نفقہ روکنے کا عوض ہے۔ اور جو کوئی دوسرے کے حق مقصود کی وجہ سے محبوس ہو تو نفقہ اسی پر ہوگا۔ اس کی اصل قاضی ہے۔ اور جو شخص زکوٰۃ کے واسطے عامل ہو۔ اور ان دلیلوں میں کوئی تفصیل نہیں ہے لہٰذا حق نفقہ میں مسلمان بیوی اور کافر دونوں برابر ہیں۔

تشریح...... مسئلہ بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے۔ بیوی خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ بشرطیکہ وہ اپنی ذات اپنے شوہر کے گھر سپرد کر دے۔ پس

شوہر پر اس کا نفقہ اس کا کپڑا اور اس کی سکونت واجب ہے۔ اور نفقہ واجب ہونے میں دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاتقوا اللہ فی النساء فانھن عوان عند کم اخذ تموھن بامانۃ اللہ و استحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ ولکم علیھن ان لا یوطین فر شکم احدا تکرھونہ فان فعلن فاضربوھن ضربًا غیر مبرح ولھن علیکم رزقھن و کسوتھن بالمعروف (رواہ مسلم) عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اس لئے کہ تمہارے پاس مقید ہیں۔ تم نے انکو اللہ کی امانت کے ساتھ لیا۔ اور ان کی شرمگاہوں کو اللہ کے حکم سے حلال کیا۔ اور تمہارے واسطے ان پر واجب ہے کہ وہ تمہارے بچھونے کو کسی ایسے آدمی سے نہ روندوائیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کو آہستہ مارو۔ اور ان کے واسطے تمہارے اوپر ان کا کھانا، کپڑا اعتدال کے طور پر واجب ہے۔

دلیل عقلی یہ ہے کہ نفقہ محبوس کرنے کا عوض ہے۔ تو جو کوئی دوسرے کے حق مقصود کی وجہ سے محبوس ہوگا تو نفقہ بھی اسی پر ہوگا۔ پس چونکہ عورت بھی اپنے شوہر کے واسطے محبوس ہے۔ لہٰذا عورت کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہوگا۔ اور اس کی اصل قاضی ہے۔ اور جو شخص زکوٰۃ کے واسطے عامل ہو اس لئے کہ یہ دونوں اپنی ذات کے واسطے کوئی کام نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کے مصالح پورے کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے عام حق یعنی بیت المال سے بقدر کفایت ان کو دینا واجب ہے۔ اور یہی حکم مفتی کا اور وقف کے متولی کا اور وصیت کے وصی کا۔ اور کفار سے لڑنے والے مسلمانوں کا ہے۔ اور چونکہ ان دلائل میں کوئی تفصیل نہیں۔ اسلئے نفقہ میں مسلمان بیوی اور کتابیہ سب برابر ہونگی۔ یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ محبوس کا نفقہ اس پر واجب ہوگا جس کے حق کی وجہ سے اس کو محبوس کیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ رہن کا نفقہ راہن پر واجب ہے۔ درانحالیکہ رہن مرتہن کے حق کی وجہ سے محبوس ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ تو تسلیم ہے کہ رہن مرتہن کے پاس محبوس ہے۔ مگر یہ تسلیم نہیں کہ وہ صرف مرتہن کے حق کی وجہ سے محبوس ہے بلکہ جس طرح مرتہن کا مقصود حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راہن کا مقصود بھی حاصل ہوگا۔ چنانچہ اگر دین ہلاک ہو جائے تو راہن، رہن ہی کے ذریعہ دین ادا کرے گا۔ اسی لئے نفقہ مرتہن پر واجب نہیں کیا گیا۔

نفقہ میں مرد اور عورت دونوں کی حالت کا اعتبار ہے

وَ تُعْتَبَرُ فِیْ ذٰلِکَ حَالُھُمَا جَمِیْعًا قَالَ الْعَبْدُالضَّعِیْفُ وَھٰذَا اِخْتِیَارُ الْخَصَّافِ وَ عَلَیْهِ الْفَتْوٰی وَ تَفْسِیْرُهٗ اَنَّھُمَا اِذَا کَانَا مُوْسِرَیْنِ تَجِبُ نَفَقَۃُ الْیَسَارِوَاِنْ کَانَا مُعْسِرَیْنِ فَنَفَقَۃُ الْاِعْسَارِوَاِنْ کَانَتْ مُعْسِرَۃً وَ الزَّوْجُ مُوْسِرًا فَنَفَقَتُھَا دُوْنَ نَفَقَۃِ الْمُوْسِرَاتِ وَ فَوْقَ نَفَقَۃِ الْمُعْسِرَاتِ وَقَالَ الْکَرْخِیُّ یُعْتَبَرُ حَالُ الزَّوْجِ وَھُوَقَوْلُ الشَّافِعِیِّ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰی لِیُنْفِقْ ذُوْسَعَۃٍ مِنْ سَعَتِهٖ وَجْهُ الْاَوَّلِ قَوْلُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لِھِنْدٍاِمْرَاَۃِ اَبِیْ سُفْیَانَ خُذِیْ مِنْ مَّالِ زَوْجِکِ مَایَکْفِیْکِ وَوَلَدَکِ بِالْمَعْرُوْفِ اِعْتَبَرَ حَالَھَا وَھُوَالْفِقْهُ فَاِنَّ النَّفَقَۃَ تَجِبُ بِطَرِیْقِ الْکِفَایَۃِ وَ الْفَقِیْرَۃُ لَاتَفْتَقِرُاِلٰی کِفَایَۃِ الْمُوْسِرَاتِ فَلَامَعْنٰی لِلزِّیَادَۃِ وَاَمَّا النَّصُّ فَنَحْنُ نَقُوْلُ بِمُوْجَبِهٖ اَنَّهٗ یُخَاطَبُ بِقَدْرِوُسْعِهٖ وَالْبَاقِیْ دَیْنٌ فِیْ ذِمَّتِهٖ وَمَعْنٰی قَوْلِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ الْوَسْطُ وَھُوَالْوَاجِبُ وَبِهٖ یَتَبَیَّنُ اَنَّهٗ لَا مَعْنٰی لِلتَّقْدِیْرِ کَمَاذَھَبَ اِلَیْهِ الشَّافِعِیُّ اَنَّهٗ عَلَی الْمُوْسِرِمُدَّانِ وَعَلَی الْمُعْسِرِ مُدٌّ وَعَلَی الْمُتَوَسِّطِ مُدٌّ وَنِصْفُ مُدٍّ لِاَنَّ مَا وَجَبَ کِفَایَۃً لَا یُتَقَدَّرُ شَرْعًا فِیْ نَفْسِهٖ

ترجمہ..... اور نفقہ کی مقدار میں شوہر اور بیوی دونوں کے حال کا اعتبار ہے۔ عبد ضعیف (شیخ مصنفؒ) نے فرمایا کہ یہ خصاف کا مذہب مختار ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور اس قول کی تفسیر یہ ہے کہ جب دونوں خوشحال ہوں تو آسودگی کا نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو تنگی کا نفقہ واجب ہوگا اور اگر بیوی تنگدست ہو اور شوہر مالدار ہو تو غریب عورتوں سے بڑھ کر اور مالدار عورتوں سے گھٹ کر نفقہ واجب ہوگا۔ اور امام کرخی

نے فرمایا کہ (صرف) شوہر کے حال کا اعتبار ہے۔ اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا قول ہے لینفق ذوسعة من سعته اور قول اول کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو فرمایا کہ تو اپنے شوہر کے مال سے اس قدر لے لے جو تجھ کو اور تیرے بچوں کو اعتدال کے ساتھ کافی ہو (اس حدیث میں) حضور اقدس ﷺ نے عورت کے حال کا اعتبار کیا اور فقہ (سمجھ کی بات) بھی یہی ہے۔ کیونکہ نفقہ تو بطور کفایت واجب ہوتا ہے۔ اور جو عورت فقیر ہو اس کو مالدار عورتوں کی کفالت درکار نہیں ہے تو زیادتی کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ اور رہا نص کا حکم تو ہم اس کے حکم کے قائل ہیں کہ اس کو اپنی وسعت کے لائق دینے کا حکم ہے اور جس قدر باقی رہا وہ اس کے ذمہ قرضہ رہے گا۔ اور باری تعالیٰ کے قول بالمعروف کے معنی درمیانی درجہ کا۔ اور یہی واجب ہے۔ اور اس کے کلام سے ظاہر ہو گیا کہ اندازہ مقدر کرنے کے کچھ معنی نہیں جیسا کہ اس کی طرف امام شافعیؒ گئے ہیں۔ کہ خوشحال کے ذمہ دو مد (نصف صاع) اور تنگدست کے ذمہ چوتھائی صاع یعنی ایک مد اور درمیانہ شخص پر ڈیڑھ مد واجب ہے۔ کیونکہ جو چیز بطور کفالت واجب ہوتی ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے شرعاً مقدر نہیں ہوتی ہے۔

تشریح ...... اس عبارت میں مصنفؒ اس مسئلہ کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ نفقہ اور اس کی مقدار میں میاں بیوی میں سے کس کا حال معتبر ہوگا۔ چنانچہ امام قدوری نے فرمایا کہ نفقہ میں میاں بیوی دونوں کا حال معتبر ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام خصاف کا مذہب مختار یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امام خصافؒ کے قول کی تفسیر یہ ہے کہ اس میں عقلی طور پر چار قسمیں ہیں۔ کیونکہ میاں بیوی دونوں خوشحال ہوں گے یا دونوں تنگدست ہوں گے اور یا شوہر مالدار اور بیوی تنگدست ہوگی یا برعکس ہوگا۔ یعنی شوہر تنگدست اور بیوی مالدار۔ پہلی قسم میں خوشحالی کا نفقہ واجب ہوگا۔ اور دوسری قسم میں تنگی کا نفقہ واجب ہوگا۔ اور تیسری اور چوتھی قسم میں عورت کے لئے اوسط درجہ کا نفقہ واجب ہوگا۔ یعنی موسرات عورتوں کے نفقہ سے کمتر اور غریب عورتوں کے نفقہ سے بڑھ کر ہوگا۔ اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ شوہر کے حال کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور یہی قول ہے امام شافعیؒ کا امام کرخیؒ کی دلیل باری تعالیٰ کا قول ہے لینفق ذو سعة من سعة و من قدر علیه رز قه فلینفق مما اتاه الله یعنی وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور تنگدست اس میں سے خرچ کرے جو اسکو اللہ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں حالتوں میں مرد کے حال کا اعتبار کیا ہے اور اس کو خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اور اول یعنی امام خصاف کے قول کی وجہ وہ حدیث ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

ان هنداً بنت عتبة (امرأة ابی سفیان) قالت یا رسول الله ان ابا سفیان رجل شحیح لا یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منه وهو لا یعلم فقال خذی من مال زوجك و ما یکفیك وولدك بالمعروف

یعنی ہندہ بنت عتبہ (ابوسفیان کی بیوی) نے کہا اے اللہ کے رسول ابوسفیان بہت بخیل آدمی ہے۔ وہ مجھ کو اتنا نہیں دیتا جو مجھ کو اور میری اولاد کو کفالت کرے۔ مگر یہ کہ میں بغیر بتلائے لے لوں۔ پس آپ نے فرمایا کہ تو اپنے شوہر کے مال میں سے اس قدر لے لے جو تجھ کو اور تیری اولاد کو اعتدال کے طور پر کفایت کر جائے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے حال کا اعتبار کیا ہے۔ اور سمجھ کی بات بھی یہی ہے کہ عورت کے حال کا اعتبار کیا جائے کیونکہ نفقہ تو بطور کفایت واجب ہوتا ہے۔ اور جو عورت غریب ہو اس کو مالدار عورتوں کی کفایت درکار نہیں ہے۔ تو زیادتی کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ اور ابوسفیان مالدار آدمی تھے۔ پس اگر مرد ہی کا اعتبار ہوتا تو فراغت کی مقدار لینے کا حکم دیا جاتا۔

اور رہی نص قرآنی یعنی لینفق ذوسعة من سعته تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم بھی اس کے حکم کے موافق قائل ہیں۔ یعنی اس آیت میں حکم یہ ہے کہ مرد اپنی وسعت کے لائق نفقہ دے اور جو باقی رہا وہ اس کے ذمہ قرضہ رہے گا۔ مثلاً فقیر مرد پر مالدار عورت کا یومیہ آدھ درجہ کا نفقہ آٹھ روپیہ ہیں اور مرد اس کو تنگی کا نفقہ پانچ روپیہ یومیہ کے حساب سے دیتا رہا تو تین روپیہ اس پر قرضہ رہیگا حتیٰ کہ جب اس کو وسعت ہو تو ادا کر دے۔ اور باری

تعالیٰ۔کے قول بالمعروف سے اوسط درجہ کا نفقہ مراد ہے۔اور یہی واجب ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ امراۃ ابی سفیان سے جو فرمایا کہ خذی من مال زوجك مایكفیك وولدك ۔اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نفقہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔کہ خوشحالی کے ذمہ یومیہ دو مد یعنی نصف صاع ہے اور تنگدست کے ذمہ ایک مد واجب ہوتی ہے وہ شرعاً اپنی ذات سے کسی اندازہ سے متعین نہیں ہوتی۔اس لئے کہ لوگوں کے حالات مختلف ہیں۔بڑھاپے اور جوانی کی غذا میں فرق ہے۔اور اوقات اور جگہوں کے اختلاف سے بھی لوگوں کے حالات بدلتے رہتے ہیں۔پس مقدار مقرر کرنے سے کبھی ضرر بھی ہوسکتا ہے۔اس لئے کوئی مقدار مقرر نہیں کی جاسکتی۔

بیوی مہر کی وصولی کیلئے اپنے آپ کو روکے تو مستحق نفقہ ہوگی

وَاِنِ امْتَنَعَتْ مِنْ تَسْلِیْمِ نَفْسِهَا حَتّٰی یُعْطِیَهَا مَهْرَهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ لِاَنَّهٗ مَنْعٌ بِحَقٍّ فَكَانَ فَوْتُ الْاِحْتِبَاسِ بِمَعْنًی مِنْ قِبَلِهٖ فَیُجْعَلُ كَلَافَائِتٍ

ترجمہ......اور اگر عورت نے اپنی ذات کو سپرد کرنے سے انکار کیا یہاں تک کہ شوہر اس کو اس کا مہر دیدے تو عورت کے واسطے نفقہ واجب ہے۔کیونکہ یہ روکنا ایک حق کے ساتھ ہے تو (عورت کا) محبوس نہ ہونا ایک ایسی وجہ سے ہوا جو شوہر کی طرف سے پیدا ہوئی پس ایسا قرار دیا جائے گا کہ محبوس کرنا فوت نہیں ہوا۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کرنے سے روک لیا یہاں تک کہ شوہر اس کا مہر معجل دیدے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔بلکہ شوہر پر واجب ہے دلیل یہ ہے کہ عورت کا اپنے آپ کو روکنا اپنے حق کی وجہ سے ہے۔پس احتباس فوت ہی نہیں ہوا۔اور جب عورت کی جانب سے احتباس فوت نہیں ہوا تو اس کا نفقہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔

ناشزہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں حتیٰ کہ شوہر کے گھر لوٹ آئے

وَاِنْ نَشَزَتْ فَلَا نَفَقَةَ لَهَا حَتّٰی تَعُوْدَ اِلٰی مَنْزِلِهٖ لِاَنَّ فَوْتَ الْاِحْتِبَاسِ مِنْهَا وَاِذَا عَادَتْ جَاءَ الْاِحْتِبَاسُ فَتَجِبُ النَّفَقَةُ بِخِلَافِ مَا اِذَا امْتَنَعَتْ مِنَ التَّمْكِیْنِ فِیْ بَیْتِ الزَّوْجِ لِاَنَّ الْاِحْتِبَاسَ قَائِمٌ وَالزَّوْجِ یَقْدِرُ عَلَی الْوَطْیِ كَرْهًا

ترجمہ......اور اگر عورت نے نافرمانی اور سرکشی کی تو اس کے واسطے نفقہ نہیں ہوگا۔یہاں تک کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کی طرف لوٹے۔اس لئے کہ احتباس کا فوت ہونا عورت کی جانب سے ہوا اور جب واپس آگئی تو احتباس بھی واپس آگیا۔پس نفقہ واجب ہوگا۔بخلاف اس صورت کے جبکہ عورت نے شوہر کے گھر میں (اپنے اوپر) قدرت دینے سے روکا۔کیونکہ احتباس موجود ہے۔اور شوہر زبردستی وطی کرنے پر قادر ہے۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے نافرمانی اور سرکشی کی تو اس کے واسطے نفقہ نہیں ہوگا۔یہاں تک کہ وہ سرکشی چھوڑ کر شوہر کے گھر واپس آوے۔کیونکہ اس نے اپنا محبوس ہونا اپنی طرف سے دور کیا۔یعنی نفقہ اس کے احتباس پر واجب تھا۔اور جب اس نے احتباس خود کھویا تو نفقہ بھی ساقط ہوگیا۔اور جب وہ لوٹ کر شوہر کے گھر آگئی تو پھر محبوس ہوگئی۔لہٰذا پھر نفقہ واجب ہوجائے گا اس کے برخلاف اگر عورت شوہر کے گھر رہتے ہوئے اس کو وطی کی قدرت نہ دے تو عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔کیونکہ احتباس موجود ہے۔اور شوہر اس سے زبردستی کرسکتا ہے۔

عورت صغیرہ ہو جس سے استمتاع نہ ہوسکتا ہو وہ بھی مستحق نفقہ نہیں

وَاِنْ كَانَتْ صَغِیْرَةً لَا یُسْتَمْتَعُ بِهَا فَلَا نَفَقَةَ لَهَا لِاَنَّ امْتِنَاعَ الْاِسْتِمْتَاعِ لِمَعْنًی فِیْهَا وَالْاِحْتِبَاسُ الْمُوْجِبُ

مَایَکُوْنُ وَسِیْلَةً اِلٰی مَقْصُوْدٍ مُسْتَحِقٍّ بِالنِّکَاحِ وَلَمْ یُوْجَدْ بِخِلَافِ الْمَرِیْضَةِ عَلٰی مَانُبَیِّنُ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ لَهَا النَّفَقَةُ لِاَنَّهَا عِوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ عِنْدَهٗ کَمَافِی الْمَمْلُوْکَةِ بِمِلْكِ الْیَمِیْنِ وَلَنَا اَنَّ الْمَهْرَعِوَضٌ عَنِ الْمِلْكِ وَلَایَجْتَمِعُ الْعِوَضَانِ عَنْ مُعَوَّضٍ وَاحِدٍ فَلَهَا الْمَهْرُدُوْنَ النَّفَقَةِ وَاِنْ کَانَ الزَّوْجُ صَغِیْرًا لَایَقْدِرُ عَلَی الْوَطْیِ وَهِیَ کَبِیْرَةٌ فَلَهَا النَّفَقَةُ مِنْ مَّالِهٖ لِاَنَّ التَّسْلِیْمَ تَحَقَّقَ مِنْهَا وَاِنَّمَا الْعِجْزُ مِنْ قِبَلِهٖ فَصَارَ کَالْمَجْبُوْبِ وَالْعِنِّیْنِ

ترجمہ......اور اگر صغیرہ ہو جس سے تمتع (جماع) نہیں ہوسکتا تو اس کے واسطے نفقہ نہیں ہے کیونکہ وطی ممتنع ہونا ایسے معنی کی وجہ سے ہے جو عورت میں موجود ہیں۔ اور جو احتباس نفقہ واجب کرتا ہے یہ وہ احتباس ہے جو نکاح کا مقصود حاصل ہونے کا وسیلہ ہو۔ اور ایسا احتباس نہیں پایا گیا برخلاف مریضہ عورت کے چنانچہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ صغیرہ کے واسطے نفقہ واجب ہے۔ کیونکہ نفقہ امام شافعیؒ کے نزدیک شوہر کی ملک کا عوض ہے۔ جیسا کہ اس عورت کا نفقہ جس کی ذات کا مالک ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ملک کا معوض تو مہر ہے۔ اور ایک معوض کے دو عوض جمع نہیں ہوتے ہیں۔ پس صغیرہ عورت کے لئے مہر ہے نفقہ نہیں۔ اور اگر شوہر صغیر ہو جو جماع پر قادر نہیں ہے حال یہ کہ عورت بالغہ ہے تو اس کے لئے شوہر کے مال میں سے نفقہ واجب ہوگا کیونکہ عورت کی طرف سے اپنے آپ کو سپرد کرنا متحقق ہوگیا۔ اور عجز فقط شوہر کی طرف سے ہے پس مقطوع الذکر اور عنین کے مانند ہوگیا۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت ایسی صغیرہ ہے کہ اس کے ساتھ جماع نہیں کیا جاسکتا تو اس کے لئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ خواہ یہ شوہر کے مکان میں ہو یا شوہر کے مکان میں نہ ہو یہاں تک کہ جماع کے قابل ہو جائے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جماع کا ممتنع ہونا ایسی وجہ سے ہے جو عورت میں موجود ہے۔ یعنی صغیرہ کا اپنے آپ کو شوہر کے سپرد نہ کرنا۔ پس صغیرہ ایسی ہوگئی جیسا کہ ناشزہ (نافرمان) اور جو احتباس نفقہ واجب کرتا ہے یہ وہ ہے جو نکاح کے مقصود (جماع یا دواعی جماع) حاصل ہونے کا وسیلہ ہو۔ اور ایسا احتباس پایا نہیں گیا اس وجہ سے صغیرہ کے لئے اس کے شوہر پر نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ برخلاف مریضہ کے کہ اسکا نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل عنقریب بیان کریں گے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ صغیرہ کے واسطے نفقہ واجب ہے۔ دلیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نفقہ شوہر کی ملک کا عوض ہے جیسے اس عورت کا نفقہ جس کی ذات کا مالک ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نفقہ واجب ہونے کا سبب حاجت ہے۔ اور حاجت میں صغیرہ اور کبیرہ سب برابر ہیں۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ملک کا عوض تو مہر ہے۔ کیونکہ عوض وہ ہے جو داخل عقد ہو کر مذکور ہو۔ اور عقد کے تحت مہر داخل ہوتا ہے نہ کہ نفقہ۔ پس ثابت ہوگیا کہ ملک کا عوض مہر ہے۔ اور جب ملک کا عوض مہر ہے تو نفقہ عوض نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ ایک شئی کے کئی عوض جمع نہیں ہوتے ہیں۔ پس صغیرہ کے واسطے مہر ہوگا نہ کہ نفقہ۔

اور اگر شوہر نابالغ ہے جماع پر قدرت نہیں رکھتا اور اس کی بیوی بالغہ ہے تو شوہر کے مال سے اس کے لئے نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ عورت کی جانب سے اپنے آپ کو سپرد کرنا پایا گیا۔ اور عجز فقط شوہر کی طرف سے ہے۔ لہٰذا جس طرح مقطوع الذکر اور نامرد کی بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اس نابالغ کی بیوی کا نفقہ بھی واجب ہوگا۔ اور اگر میاں بیوی دونوں نابالغ ہوں کہ جماع پر قادر نہیں ہیں تو بالا جماع بیوی کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ (الذخیرہ)

عورت محبوس فی الدین ہو یا جبراً غصب کر لی گئی ہو یا بغیر محرم کے حج کیا ہو تو بھی نفقہ شوہر پر لازم نہیں

وَ اِذَا حُبِسَتِ الْمَرْاَةُ فِیْ دَیْنٍ فَالنَّفَقَةُ لَهَا لِاَنَّ فَوْتَ الْاِحْتِبَاسِ مِنْهَا بِالْمُمَاطَلَةِ وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ مِنْهَا بِاَنْ کَانَتْ

عَاجِزَةً فَلَيْسَ مِنْهُ وَكَذَا اِذَا غَصَبَهَا رَجُلٌ كَرْهًا فَذَهَبَ بِهَا وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ وَالْفَتْوٰى عَلَى الْاَوَّلِ لِاَنَّ فَوْتَ الْاِحْتِبَاسِ لَيْسَ مِنْهُ لِيُجْعَلَ بَاقِيًا تَقْدِيْرًا وَكَذَا اِذَا حَجَّتْ مَعَ مَحْرَمٍ لِاَنَّ فَوْتَ الْاِحْتِبَاسِ مِنْهَا وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّ لَهَا النَّفَقَةَ لِاَنَّ اِقَامَةَ الْفَرْضِ عُذْرٌ وَلٰكِنْ تَجِبُ عَلَيْهِ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُوْنَ السَّفَرِ لِاَنَّهَا هِيَ الْمُسْتَحَقَّةُ عَلَيْهِ وَلَوْ سَافَرَ مَعَهَا الزَّوْجُ تَجِبُ النَّفَقَةُ بِالْاِتِّفَاقِ لِاَنَّ الْاِحْتِبَاسَ قَائِمٌ لِقِيَامِهٖ عَلَيْهَا وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْحَضَرِ دُوْنَ السَّفَرِ وَلَا تَجِبُ الْكِرَاءُ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ...... اور اگر عورت کو دین کی وجہ سے محبوس کر دیا گیا تو اس کے لئے نفقہ (واجب) نہیں ہوگا۔ کیونکہ احتباس کا زائل کرنا خود عورت کی طرف سے پایا گیا کہ (اس نے ادائے قرض میں) ٹال مٹول کی اور اگر عورت کی طرف سے نہ ہو۔ اس طرح پر کہ وہ عورت ادائے فرض سے عاجز ہو تو بھی شوہر کی طرف سے نہیں ہے۔ اور اگر عورت کو کوئی مرد زبردستی غصب کر کے لے گیا۔ تو بھی یہی حکم ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ مغصوبہ عورت کے واسطے نفقہ ہوگا۔ اور فتویٰ قول اول پر ہے۔ کیونکہ احتباس زائل کرنا شوہر کی طرف سے نہیں ہے تاکہ حکماً باقی قرار دیا جائے اور اسی طرح اگر عورت نے اپنے محرم کے ساتھ حج کیا۔ کیونکہ احتباس زائل کرنا عورت کی جانب سے ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس عورت کے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ فرض ادا کرنا ایک عذر ہے لیکن شوہر پر حضر کا نفقہ واجب ہوگا نہ کہ سفر کا کیونکہ حضر ہی کا نفقہ شوہر پر واجب ہوا ہے اور اگر عورت کے ساتھ شوہر نے بھی سفر کیا ہو تو بالاتفاق نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ احتباس موجود ہے۔ اسلئے کہ شوہر اسکے ساتھ موجود ہے۔ (لیکن) حضر کا نفقہ واجب ہوگا نہ کہ سفر کا۔ اور کرایہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت دین اور قرض کی وجہ سے قید کر لی گئی تو اس کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں احتباس زائل کرنا عورت کی جانب سے متحقق ہوا ہے۔ کیونکہ اس نے قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کی۔ جس کی وجہ سے اس کو قید کیا گیا۔ پس یہ ایسا ہو گیا گویا اس نے اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کرنے سے روک لیا۔ اور جو عورت بلا وجہ اپنے آپ کو شوہر کے حوالے نہ کرے وہ ناشزہ (نافرمان) ہوتی ہے۔ اور چونکہ ناشزہ کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اس لئے اس عورت کا نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر احتباس زائل کرنا عورت کی جانب سے نہ ہوا اس طرح پر کہ وہ قرضہ ادا کرنے سے عاجز ہے تب بھی شوہر کی جانب سے نہیں ہے۔ لہٰذا شوہر سے نفقہ کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

اور اگر عورت کو کوئی مرد زبردستی غصب کر کے لے گیا تو بھی یہی حکم ہے کہ اس کے واسطے نفقہ نہیں ہوگا۔ یہی ظاہر الروایت ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے نوادر میں روایت ہے کہ مغصوبہ عورت کے لئے شوہر پر نفقہ واجب ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ غصب کی صورت میں عورت کی جانب سے اپنے آپ کو روکنا نہیں پایا گیا۔ لیکن فتویٰ قول اول (ظاہر الروایت) پر ہے کیونکہ احتباس زائل کرنا شوہر کی جانب سے نہیں ہے۔ تاکہ یہ کہا جائے کہ احتباس حکماً باقی ہے حاصل یہ کہ عورت کا نفقہ اس بات کا عوض ہے کہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں محبوس کر دے پس اگر احتباس زائل کرنا شوہر کی جانب سے نہ ہو تو احتباس حکماً بھی باقی نہیں قرار دیا جا سکتا اور چونکہ بغیر احتباس کے عورت کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ اس لئے اس صورت میں نفقہ نہیں ہوگا۔

اور اگر عورت نے بغیر شوہر کے اپنے محرم کے ساتھ حج کیا تو بھی اس کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں احتباس زائل کرنا عورت کی جانب سے ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ عورت کے لئے اس صورت میں نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ فریضہ حج ادا کرنا ایک عذر ہے۔ مگر یہ واضح رہے کہ اس صورت میں شوہر پر حضر کا نفقہ واجب ہے۔ سفر کا نفقہ واجب نہیں۔ یعنی کھانے پر حضر میں جو مصارف آتے ہیں شوہر پر وہ واجب ہوں گے۔ اس لئے کہ سفر میں مصارف نفقہ زائد ہوتے ہیں۔ بہ نسبت نفقہ حضر کے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شوہر پر حضر ہی کا نفقہ واجب ہوا ہے۔ کیونکہ آیت اور روایت دونوں میں اس نفقہ کا حکم دیا گیا ہے۔ جو معروف کی قید

کے ساتھ مقید ہے۔ اور معروف سے مراد یہ ہے کہ اس میں نہ تو اسراف ہو اور نہ تنگی اور چونکہ سفر میں ہر چیز گراں قیمت میں ملتی ہے۔ اس لئے سفر کے نفقہ میں اسراف ہے۔ پس سفر کا نفقہ معروف (اعتدال کے طور) نہیں ہے۔ اور جب معروف نہیں تو واجب بھی نہیں ہوگا۔

اور اگر عورت کے ساتھ شوہر نے بھی سفر کیا تو بالاتفاق عورت کے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ عورت پر شوہر کے قیام کی وجہ سے احتباس ابھی موجود ہے۔ لیکن حضر کا نفقہ واجب ہوگا نہ کہ سفر کا۔ اور عورت کا کرایہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

دلیل سابق میں گذر چکی کہ شوہر پر حضر ہی کا نفقہ واجب ہوا ہے۔

شوہر کے گھر میں مریض ہو جائے نفقہ کی مستحق ہوگی

وَ اِنْ مَرِضَتْ فِیْ مَنْزِلِ الزَّوْجِ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالْقِيَاسُ اَنْ لَانَفَقَةَ لَهَااِذَاكَانَ مَرَضًا يَمْنَعُ مِنَ الْجِمَاعِ لِفَوَاتِ الْاِحْتِبَاسِ لِلْاِسْتِمْتَاعِ وَجْهُ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ الْاِحْتِبَاسَ قَائِمٌ فَاِنَّهٗ يَسْتَانِسُ بِهَاوَيَمُسُّهَا وَتَحْفَظُ الْبَيْتَ وَالْمَانِعُ بِعَارِضٍ فَاَشْبَهَ الْحَيْضَ وَعَنْ اَبِیْ يُوْسُفَ اَنَّهَا اِذَاسَلَّمَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ مَرِضَتْ تَجِبُ النَّفَقَةُ لِتَحَقُّقِ التَّسْلِيْمِ وَ لَوْ مَرِضَتْ ثُمَّ سَلَّمَتْ لَاتَجِبُ لِاَنَّ التَّسْلِيْمَ لَمْ يَصِحَّ قَالُوْاهٰذَاحَسَنٌ وَفِیْ لَفْظِ الْكِتَابِ مَا يُشِيْرُ اِلَيْهِ

ترجمہ...... اور اگر اپنے شوہر کے گھر عورت بیمار ہوئی تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔ اور قیاس یہ ہے کہ عورت کے واسطے نفقہ واجب نہ ہو جبکہ ایسا مرض ہے جو جماع سے مانع ہے کیونکہ جماع کے لئے احتباس فوت ہو گیا۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ احتباس موجود ہے۔ کیونکہ شوہر اس سے مانوس ہوگا۔ اور اس کو چھوئے گا۔ اور وہ اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے۔ اور مانع وطی ایک عارضہ کی وجہ سے ہے۔ پس یہ بیماری حیض کے مشابہ ہو گئی۔ اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ عورت نے جب اپنے آپ کو سپرد کر دیا پھر بیمار ہوئی تو نفقہ واجب رہے گا۔ اس لئے کہ سپرد کرنا متحقق ہو گیا اور اگر بیمار ہوئی پھر (اپنے آپ کو) سپرد کیا۔ تو نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ سپرد کرنا صحیح نہیں ہوا (ہمارے مشائخ) نے کہا کہ یہ قول اچھا ہے۔ اور کتاب میں بھی ایسا لفظ موجود ہے جو اس جانب اشارہ کرتا ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ عورت اگر اپنے شوہر کے گھر رہتے ہوئے بیمار ہو گئی تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہے۔ مرض خواہ مانع جماع ہو یا مانع جماع نہ ہو اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مرض مانع جماع ہو تو عورت کے واسطے نفقہ واجب نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ جماع کے واسطے جو احتباس تھا بیماری کی وجہ سے وہ فوت ہو گیا۔ اور چونکہ نفقہ احتباس کا عوض ہے۔ اس لئے احتباس کے فوت ہونے کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ احتباس ابھی بھی موجود ہے۔ کیونکہ شوہر مریضہ عورت کے ساتھ انس پاتا ہے۔ اور اس کو چھو کر اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے گھر کی حفاظت کرتی ہے۔ اور مانع وطی عارض کی وجہ سے ہے پس یہ مرض حیض کے مشابہ ہو گیا کہ جس طرح حیض مانع وطی ہے مگر مدت حیض میں عورت کے لئے نفقہ واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح مرض اگر چہ مانع وطی ہے لیکن مرض کے زمانہ میں عورت کیواسطے نفقہ واجب ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر عورت نے پہلے اپنے آپ کو شوہر کے حوالہ کیا پھر بیمار ہو گئی تو اسکے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔ اور اگر پہلے بیمار ہوئی پھر سپرد کیا تو نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں عورت کی جانب سے اپنے آپ کو سپرد کرنا پایا گیا۔ اور دوسری صورت میں مرض کی وجہ سے سپرد کرنا صحیح نہیں ہوا۔ اور ہمارے مشائخ نے کہا کہ یہ تفصیل مناسب ہے۔ اور قدوری کی عبارت بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

موسر مرد پر عورت اور اس کے خادم کا نفقہ لازم ہے

قَالَ وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ النَّفَقَةُ اِذَاكَانَ مُوْسِرًاوَنَفَقَةُ خَادِمِهَا وَالْمُرَادُبِهٰذَا بَيَانُ نَفَقَةِ الْخَادِمِ وَلِهٰذَاذُكِرَفِیْ بَعْضِ النُّسَخِ وَتُفْرَضُ عَلَى الزَّوْجِ اِذَاكَانَ مُوْسِرًانَفَقَةُ خَادِمِهَا وَوَجْهُهٗ اَنَّ كِفَايَتَهَا وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ

وَهٰذَا مِنْ تَمَامِهَا اِذْ لَابُدَّلَهَا مِنْهُ

ترجمہ..... امام قدوری نے کہا۔ اور جب شوہر مالدار ہو تو اس پر بیوی کا نفقہ اور اس کے خادم کا نفقہ فرض کیا جائے گا۔ اور مراد اس سے خادم کے نفقہ کا بیان کرنا ہے۔ اور اسی وجہ سے بعض نسخوں میں مذکور ہے وتفرض علی الزوج اذا کان موسراً نفقة خادمها یعنی شوہر جب مالدار ہو تو اس پر اس کی بیوی کے خادم کا نفقہ فرض کیا جائے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کی کفایت واجب ہے۔ اور خادم کا نفقہ عورت کی کفایت پورا کرنے میں سے ہے۔ اس لئے کہ عورت کے واسطے خادم کا ہونا ضروری ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مالدار ہو تو اس پر اس کی بیوی اور بیوی کے خادم کا نفقہ واجب ہوگا۔ چونکہ بظاہر یہ عبارت بیوی کے نفقہ میں مکرر ہے۔ اس لئے مصنفؒ نے عذر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں بیوی کے خادم کا نفقہ بیان کرنا مقصود ہے نہ کہ بیوی کا نفقہ۔ اسی وجہ سے قدوری کے بعض نسخوں میں عبارت اس طرح ہے۔ تفرض علی الزوج اذا کان موسرا نفقة خادمها ۔ خادم کے نفقہ کے واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ شوہر پر عورت کی کفایت واجب ہے۔ اور عورت کی پوری کفایت ہوگی خادم کا نفقہ فرض کرنے سے۔ اس لئے عورت کے واسطے اس کے خادم کا نفقہ ضروری ہے۔ خادم غلام ہو یا باندی۔ رہی یہ بات کہ اگر عورت کے لئے خادم نہ ہو تو کیا اس کو خود کام کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت کام کرنے سے انکار کر دے تو اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ عورت پر فقط شوہر کو اپنے نفس پر قدرت دینا واجب ہے۔ یہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ اس کے برخلاف خادم اگر خدمت کرنے سے رک گیا تو وہ نفقہ کا مستحق نہیں ہوگا۔

ایک خادم سے زیادہ کا نفقہ لازم کیا جائے گا یا نہیں، اقوال فقہاء

وَ لَا تُفْرَضُ لِاَكْثَرَ مِنْ نَفَقَةِ خَادِمٍ وَاحِدٍ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ تُفْرَضُ الْخَادِمَيْنِ لِاَنَّهَا تَحْتَاجُ اِلٰى اَحَدِهِمَا لِمَصَالِحِ الدَّاخِلِ وَاِلَى الْاٰخَرِ لِمَصَالِحِ الْخَارِجِ وَلَهُمَا اَنَّ الْوَاحِدَ يَقُوْمُ بِالْاَمْرَيْنِ فَلَا ضُرُوْرَةَ اِلَى اثْنَيْنِ وَ لِاَنَّهُ لَوْتَوَلّٰى كِفَايَتَهَا بِنَفْسِهٖ كَانَ كَافِيًا فَكَذَا اِذَا اَقَامَ الْوَاحِدُ مَقَامَ نَفْسِهٖ وَقَالُوْا اِنَّ الزَّوْجَ الْمُوْسِرَ يَلْزَمُهُ مِنْ نَفَقَةِ الْخَادِمِ مَا يَلْزَمُ الْمُعْسِرَ مِنْ نَفَقَةِ امْرَاَتِهٖ وَهُوَ اَدْنَى الْكِفَايَةِ وَقَوْلُهٗ فِي الْكِتَابِ اِذَا كَانَ مُوْسِرًا اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّهٗ لَا تَجِبُ نَفَقَةُ الْخَادِمِ عِنْدَ اِعْسَارِهٖ وَهُوَ رِوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ الْاَصَحُّ خِلَافًا لِمَا قَالَهُ مُحَمَّدٌ لِاَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمُعْسِرِ اَدْنَى الْكِفَايَةِ وَ هِيَ قَدْ تَكْتَفِيْ بِخِدْمَةِ نَفْسِهَا

ترجمہ..... اور ایک خادم سے زیادہ کا نفقہ فرض نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دو خادموں کا نفقہ فرض کیا جائے گا۔ کیوں کہ عورت کو ضرورت ہے کہ ان میں سے ایک گھر کے اندر کی ضروریات پوری کرے اور دوسرا گھر کے باہر کے (کام بجالاوے) اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ایک خادم دونوں کاموں کو پورا کر سکتا ہے۔ تو دو آدمیوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اس لئے کہ اگر شوہر خود اپنی بیوی کی کفایت کرے تو کافی ہو جائیگا۔ پس ایسے ہی جب اس نے اپنی جگہ ایک شخص کو مقرر کر دیا تو بھی کافی ہے۔ اور مشائخ نے فرمایا کہ مالدار شوہر کو (بیوی کے) خادم کے نفقہ میں اسی قدر دینا لازم ہے جس قدر مفلس (شوہر) کو اپنی بیوی کے نفقہ میں لازم ہوتا ہے۔ اور وہ ادنیٰ درجہ کی کفایت ہے اور جو امام قدوری نے کتاب میں فرمایا کہ خادم کا نفقہ اس وقت لازم ہوگا جب شوہر مالدار ہو تو اشارہ ہے کہ اگر شوہر تنگدست ہو (تو اس پر) خادم کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اور یہی امام ابوحنیفہؒ سے حسن کی روایت ہے اور یہی اصح ہے۔ برخلاف امام محمدؒ کے قول کے کیونکہ تنگدست پر ادنیٰ درجہ کی کفایت واجب ہے۔ اور بیوی کبھی بذات خود اپنے کاموں کی کفایت کر لیتی ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کے ایک خادم سے زائد کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے اور یہی قول جمہور علماء اور امام

مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ کا ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ شوہر پر عورت کے دو خادموں کا نفقہ فرض کیا جائے امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کو دو خادموں کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ایک خادم گھر کے اندر کا کام کرے گا۔ اور دوسرا گھر کے باہر کا۔ امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر عورت بہت مالدار ہو جس کے ساتھ جہیز میں بہت سی خدمت والیاں آئی ہوں تو سب خادموں کا نفقہ واجب ہوگا یہی ہشام نے امام محمد سے روایت کی۔ اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ایک خادم گھر کے اندر اور باہر دونوں کاموں کو پورا کر سکتا ہے۔ لہٰذا دو خادموں کی کوئی ضرورت نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر شوہر بذات خود بیوی کے کاموں کی پرداخت کرے تو کافی ہو جائے پس اسی طرح اگر شوہر نے اپنی جگہ ایک شخص کو مقرر کر دیا تو بھی کافی ہے۔

پھر مشائخ نے کہا کہ مالدار شوہر کو بیوی کے خادم کے نفقہ میں اسی قدر دینا لازم ہے جس قدر تنگدست شوہر کو اپنی بیوی کے نفقہ میں لازم ہوتا ہے۔ یعنی ادنیٰ درجہ کفایت دینا پڑے گا۔ حاصل یہ کہ تنگدست شوہر پر بیوی کے نفقہ میں جو مقدار واجب ہوتی ہے، خادم کے نفقہ میں اتنی ہی مقدار واجب ہوگی۔

اور امام قدوری نے جو فرمایا اذا کان موسرا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر شوہر تنگدست ہو تو اس پر خادم کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ یہی روایت امام ابو حنیفہؒ سے حسن بن زیاد نے کی ہے۔ اور یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ اگر شوہر مفلس ہو اور اس کی بیوی کے پاس خادم ہے تو اس خادم کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا اور اگر اس کے پاس خادم نہیں ہے تو شوہر پر خادم کا نفقہ فرض نہیں کیا جائے گا۔ اور حسن بن زیاد نے جو روایت کی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ تنگدست پر ادنیٰ درجہ کی کفایت واجب ہے۔ اور عورت کبھی بذات خود اپنے کاموں کی کفایت کر لیتی ہے۔ اس لئے مفلس شوہر پر بیوی کے خادم کا نفقہ فرض نہیں ہے۔

فوائد...... یہاں مالدار شوہر سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو کہ جس سے اس پر صدقہ حرام ہے۔ اتنے مال کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ جس سے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو۔ بیوی اور خادم کے نفقہ میں اگرچہ فرق ہے لیکن روٹی میں فرق نہ ہوگا۔ بلکہ سالن میں فرق ہے اور سالن میں اعلیٰ درجہ گوشت کا ہے۔ اور اوسط درجہ روغن زیتون کا اور ادنیٰ نمک اور دودھ کا ہے۔

مرد بیوی کے نفقہ سے تنگدست ہو تو دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی

وَ مَنْ اَعْسَرَ بِنَفَقَةِ امْرَاَتِهٖ لَمْ يُفَرَّقْ بَيْنَهُمَا وَيُقَالُ لَهَا اسْتَدِيْنِي عَلَيْهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُفَرَّقُ لِاَنَّهٗ عَجَزَ عَنِ الْاِمْسَاكِ بِالْمَعْرُوْفِ فَيَنُوْبُ الْقَاضِيْ مَنَابَهٗ فِي التَّفْرِيْقِ كَمَافِي الْجَبِّ وَالْعُنَّةِ بَلْ اَوْلٰى لِاَنَّ الْحَاجَةَ اِلَى النَّفَقَةِ اَقْوٰى وَلَنَا اَنَّ حَقَّهٗ يَبْطُلُ وَ حَقُّهَا يَتَاَخَّرُ وَالْاَوَّلُ اَقْوٰى فِي الضَّرَرِ وَ هٰذَا لِاَنَّ النَّفَقَةَ تَصِيْرُ دَيْنًا بِفَرْضِ الْقَاضِيْ فَتُسْتَوْفٰى فِي الزَّمَانِ الثَّانِيْ وَفَوْتُ الْمَالِ وَهُوَتَابِعٌ فِي النِّكَاحِ لَايُلْحَقُ بِمَا هُوَ الْمَقْصُوْدُ وَ هُوَ التَّنَاسُلُ وَفَائِدَةُ الْاَمْرِبِالْاِسْتِدَانَةِ مَعَ الْفَرْضِ اَنْ يُمْكِنَهَا اِحَالَةُ الْغَرِيْمِ عَلَى الزَّوْجِ فَاَمَّا اِذَاكَانَتِ الْاِسْتِدَانَةُ بِغَيْرِ اَمْرِ الْقَاضِيْ كَانَتِ الْمُطَالَبَةُ عَلَيْهَا دُوْنَ الزَّوْجِ

ترجمہ...... اور جو شخص اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے تنگدست ہو گیا۔ تو ان دونوں میں جدائی نہیں کی جائے گی۔ (بلکہ) قاضی اس عورت سے کہے گا کہ اپنے شوہر کے (ذمہ) پر قرضہ لے لے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں میں تفریق کر دی جائے۔ کیونکہ شوہر (اس کو) رواج کے مطابق اپنے پاس

رکھنے سے عاجز ہو گیا۔ تو قاضی جدا کرنے میں اس کا قائم مقام ہو جائے گا۔ جیسے مقطوع الذکر اور عنین کی صورت میں ہے بلکہ (نفقہ سے عاجز ہونے کی صورت میں) بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ نفقہ کی ضرورت بہت قوی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شوہر کا حق باطل ہو جاتا ہے۔ اور عورت کا مؤخر ہوتا ہے۔ اور اول ضرر میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ نفقہ قاضی کے مقرر کردینے سے (شوہر کے ذمہ) قرضہ ہو جاتا ہے۔ پس عورت (اس سے) آئندہ زمانے میں وصول کرلے گی۔ اور مال فوت ہونا درانحالیکہ مال نکاح میں تابع ہے تو اس کو مقصود اصلی یعنی نسل جاری ہونے کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ اور نفقہ فرض کرنے کے ساتھ قرضہ لینے کا حکم دینے کا فائدہ یہ ہے کہ عورت (اپنے) قرضخواہ کو اپنے شوہر پر حوالہ کر سکتی ہے۔ البتہ اگر قرضہ لینا بغیر قاضی کے حکم کے ہو تو قرض خواہ کا مطالبہ عورت پر ہوگا نہ کہ شوہر پر۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کے نفقہ سے عاجز ہو گیا تو اس کی وجہ سے ان دونوں میں تفریق نہ کی جائے بلکہ قاضی عورت کو کہے گا کہ اپنے شوہر کے ذمہ پر قرضہ لیلے یعنی اس شرط پر کھانے کا سامان خرید لے کہ اس کی قیمت اس کا شوہر ادا کرے گا یا شوہر کے مالدار ہونے پر اس کے مال سے یہ قرضہ ادا کر دیا جائے گا۔ اسی کے قائل امام زہری، عطاء ابن یسار، حسن بصری، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ اور حماد بن سلیمان ہیں اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ دونوں میں تفریق کر دی جائے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں۔ یہی اختلاف اس وقت ہے جبکہ شوہر بیوی کو کپڑا اور سکونت کے لئے مکان دینے سے عاجز ہو جائے اور یہ تفریق امام شافعیؒ اور امام احمد کے نزدیک فسخ نکاح ہے اور مالکؒ کے نزدیک طلاق ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر نفقہ نہ دینے کی وجہ سے امساک بالمعروف سے عاجز ہو گیا تو شوہر پر تسریح بالاحسان (خوبصورتی کے ساتھ چھوڑنا) لازم آیا۔ اور چونکہ شوہر تسریح بالاحسان سے رک گیا۔ اس لئے قاضی تسریح بلاحسان میں شوہر کے قائم مقام ہو کر میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دے۔ جیسا کہ مقطوع الذکر اور نامرد اگر اپنی بیوی کو طلاق دیکر جدا نہ کرے تو قاضی قائم مقام ہو کر تفریق کر دے گا۔ بلکہ نفقہ سے عاجز ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ تفریق کرے۔ اس لئے کہ بہ نسبت جماع کے نفقہ کی ضرورت بہت قوی ہے۔ کیونکہ مدت تک نفقہ کا منقطع ہونا ہلاکت کا سبب ہے لیکن جماع کے نفقہ کی ضرورت بہت قوی ہے۔ کیونکہ ایک مدت تک نفقہ کا منقطع ہونا ہلاکت کا سبب ہے۔ لیکن جماع کا منقطع ہونا باعث ہلاکت نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ امام شافعیؒ نے عاجز عن النفقہ کو مقطوع الذکر اور نامرد پر قیاس کیا ہے۔ امام شافعیؒ کے قول کی تائید حدیث ابی ہریرہؓ سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المراۃ تقول لزوجھا اطعمنی او طلقنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اپنے شوہر سے کہے کہ مجھ کو کھانا دے یا طلاق دے۔

اور ابوالزناد کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیبؒ سے دریافت کیا کہ جو شخص اپنی بیوی کو نفقہ دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو کیا ان دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔ تو سعید بن المسیبؒ نے فرمایا ہاں۔ میں نے کہا کہ کیا یہ سنت ہے۔ سعید بن المسیبؒ نے جواب دیا ہاں سنت ہے اور چونکہ لفظ سنت مطلق ہے۔ اس لئے سنت کا فرد کامل یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہوگی۔ امام شافعیؒ مراسیل کے قائل ہیں۔ اس لئے اس کو حجت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

اور ہماری دلیل منقول باری تعالیٰ کا قول وَ اِنْ کانَ ذو عسرۃ فنظرۃ الیٰ میسرۃ ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ نفقہ نتیجتاً شوہر کے ذمہ دین ہوتا ہے۔ اور شوہر تنگدست ہو گیا اور قرآنی حکم یہ ہے کہ اگر مدیون تنگدست ہو جائے تو دائن یعنی قرض خواہ اس کو مالدار ہونے تک مہلت دے۔ پس ثابت ہو گیا کہ شوہر کے مفلس ہونے کی وجہ سے تفریق نہ کی جائے بلکہ عورت اس کو مہلت دیدے۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اگر تفریق کی جائے تو شوہر کا حق بالکلیہ باطل ہو جائے گا۔ اور عورت کا حق ایسا ہے کہ اس میں تاخیر ہو سکتی ہے کیونکہ جب قاضی نے نفقہ مقرر کر دیا تو وہ شوہر کے ذمہ قرضہ ہوتا ہے۔ پس عورت اس سے آئندہ زمانے میں وصول کرلے گی۔ اور شوہر کے حق کا بالکلیہ باطل ہو

جانا ضرر میں بڑھا ہوا ہے۔ پس اعلیٰ ضرر کو دور کرنے کے لئے ادنیٰ ضرر کو برداشت کر لیا جائے گا۔

وفوت المال سے امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ عاجز عن النفقہ یعنی مفلس شوہر کو مقطوع الذکر اور نامرد پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ جو شخص نفقہ سے عاجز ہے وہ صرف مال سے عاجز ہے اور نکاح میں مال مقصود اصلی نہیں بلکہ تابع ہے اور جو شخص مقطوع الذکر اور نامرد ہونے کی وجہ سے بیوی کے ساتھ جماع سے عاجز ہے وہ نکاح کے مقصود اصلی یعنی توالد وتناسل سے عاجز ہے۔ پس اگر نکاح کے مقصود اصلی یعنی توالد وتناسل سے عاجز ہونے کی صورت میں تفریق کو جائز قرار دیا گیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز نکاح میں تابع ہے۔ یعنی مال اگر اس سے عاجز ہو جائے تو بھی تفریق جائز ہوگی۔

رہی یہ بات کہ جب قاضی نے عورت کے لئے نفقہ مقرر کر دیا تو عورت کو قرضہ لینے کی اجازت دینے میں کیا فائدہ ہے۔ کیونکہ قاضی کے مقرر کر دینے سے نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ ہو گیا۔ جواب قاضی کے نفقہ مقرر کر دینے کے باوجود قرضہ لینے کی اجازت دینے میں یہ فائدہ ہے کہ عورت اپنے قرضخواہ کو اپنے شوہر پر حوالہ کر سکتی ہے۔ اور اگر عورت نے بغیر قاضی کے حکم کے قرضہ لیا ہے تو قرضخواہ صرف عورت سے مطالبہ کر سکتا ہے۔ شوہر سے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔

اگر قاضی نے اعسار کے نفقہ کا فیصلہ کیا پھر شوہر موسر ہو گیا عورت نے مخاصمہ کیا ایسار کا نفقہ تمام کیا جائے گا

وَإِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لَهَا بِنَفَقَةِ الْإِعْسَارِ ثُمَّ أَيْسَرَ فَخَاصَمَتْهُ تَمَّمَ لَهَا نَفَقَةَ الْمُوْسِرِ لِأَنَّ النَّفَقَةَ تَخْتَلِفُ بِحَسْبِ الْيَسَارِ وَالْإِعْسَارِ وَ مَا قَضَى بِهِ تَقْدِيْرٌ لِنَفَقَةٍ لَمْ تَجِبْ فَإِذَا تَبَدَّلَ حَالُهُ لَهَا الْمُطَالَبَةُ بِتَمَامِ حَقِّهَا

ترجمہ ..... اور اگر قاضی نے عورت کے واسطے تنگی کا نفقہ مقرر کر دیا پھر (اس کا شوہر) مالدار ہو گیا۔ پس عورت نے اس سے مخاصمت کی تو قاضی اس کے لئے خوشحالی کا نفقہ پورا کر دیگا۔ کیونکہ فراخی اور تنگی کے موافق نفقہ بھی مختلف ہوتا ہے۔ اور قاضی نے حکم دیا وہ ایسے نفقہ کے واسطے اندازہ ہے جو ابھی واجب نہیں ہوا پس جب شوہر کا حال بدل گیا۔ تو بیوی کیلئے اپنے پورے حق کے مطالبہ کا اختیار ہے۔

تشریح ..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی نے کسی عورت کے واسطے تنگی اور غربت کا نفقہ فرض کیا پھر اس کا شوہر خوشحال ہو گیا۔ پس عورت نے قاضی کے پاس خوشحالی کے نفقہ کا دعویٰ کیا۔ تو قاضی اس کیلئے خوشحالی کا نفقہ مقرر کر دے گا۔

دلیل یہ ہے کہ فراخی اور تنگی کے موافق نفقہ بدلتا رہتا ہے۔ کیونکہ نفقہ پوری زندگی کیلئے یکبارگی واجب نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر روز تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے۔ اس لئے ہر دن شوہر اور بیوی کے حال کا اعتبار کیا جائے گا۔

وما قضى به تقدير سے ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر عورت کیلئے تنگی کا نفقہ مقرر کر دیا۔ پھر شوہر مالدار ہو گیا تو عورت کے واسطے مالداری کا نفقہ پورا نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں قاضی کا پہلا فیصلہ باطل ہو جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ قاضی نے جو حکم دیا ہے وہ ایسے نفقہ کے واسطے اندازہ ہے۔ جو ابھی تک واجب نہیں ہوا۔ اس لئے کہ ہر روز کا نفقہ تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے۔ اور جو چیز ابھی تک واجب نہیں ہوئی اس کا اندازہ بھی لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے وجوب سے پہلے سبب جو واجب کرنے والا ہے وہ بدل جائے۔ پس جب قاضی کا مقرر کیا ہوا اندازہ لازم نہیں ہوا تو اس کا فیصلہ بھی مستحکم اور مضبوط نہیں ہے۔ اور جب قاضی کا فیصلہ مستحکم نہیں تو اس کا باطل کرنا بھی لازم نہیں آیا۔ لہٰذا جب شوہر کا حال بدل گیا تو عورت اپنے پورے حق کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

مدت گذر گئی اور شوہر نے خرچہ نہیں دیا اور عورت نے مطالبہ کیا عورت کیلئے کچھ نہیں ہوگا الا یہ کہ قاضی نے مقرر کردیا ہو یا کسی مقدار پر مصالحت کردی ہو

وَ اِذَا مَضَتْ مُدَّةٌ لَمْ يُنْفِقِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا وَطَالَبَتْهُ بِذٰلِكَ فَلَاشَيْئَ لَهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ الْقَاضِيْ فَرَضَ لَهَاالنَّفَقَةَ اَوْصَالَحَتِ الزَّوْجَ عَلٰى مِقْدَارٍ فِيْهَا فَيَقْضِيْ لَهَابِنَفَقَةِ مَامَضٰى لِاَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَلَيْسَتْ بِعِوَضٍ عِنْدَنَا عَلٰى مَامَرَّمِنْ قَبْلُ فَلَايُسْتَحْكَمُ الْوُجُوْبُ فِيْهَا اِلَّا بِالْقَضَاءِ كَالْهِبَةِ لَاتُوْجِبُ الْمِلْكَ اِلَّا بِمُؤَكِّدٍ وَهُوَالْقَبْضُ وَالصُّلْحُ بِمَنْزِلَةِ الْقَضَاءِ لِاَنَّ وِلَايَتَهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ اَقْوٰى مِنْ وِلَايَةِ الْقَاضِيْ بِخِلَافِ الْمَهْرِ لِاَنَّهٗ عِوَضٌ

ترجمہ......اور اگر ایک مدت گذر گئی کہ شوہر نے بیوی کو نفقہ نہیں دیا۔ پھر بیوی نے اس سے گذشتہ نفقہ کا مطالبہ کیا۔ تو عورت کیلئے کچھ نہیں ہوگا۔ مگر یہ کہ قاضی نے اس کے لئے نفقہ (کی کوئی مقدار) فرض کی ہو۔ یا اس نے اپنے شوہر سے اپنے نفقہ کی کسی مقدار پر صلح کرلی ہو۔ تو (اسی حساب سے) قاضی اس کے لئے گذشتہ نفقہ کا حکم دے گا۔ کیونکہ نفقہ تو عطیہ ہے۔ اور ہمارے نزدیک (ملک کا) عوض نہیں ہے۔ چنانچہ سابق میں بیان ہو چکا۔ پس نفقہ میں واجب ہونا مستحکم نہیں ہوتا۔ مگر جب کہ قاضی کا حکم ہو جائے جیسے ہبہ ملک واجب نہیں کرتا مگر (جبکہ) مضبوط کرنے والی چیز یعنی قبضہ (پایا جائے) اور عورت کا مرد کے ساتھ کسی چیز پر صلح کرنا حکم قاضی کے مرتبہ میں ہے۔ کیونکہ شوہر کی ولایت اپنی ذات پر قاضی کی ولایت سے بڑھ کر ہے۔ بخلاف مہر کے اس لئے کہ وہ عوض ہوتا ہے۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مدت گذر گئی اور شوہر نے اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیا۔ پھر اس نے اپنے شوہر سے اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ کیا تو ہمارے نزدیک بیوی کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ مدت گذر جانے کی وجہ سے نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ نہیں ہوتا۔ پس جب گذشتہ مدت کا نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ نہیں ہے۔ تو قاضی گذشتہ نفقہ کا حکم بھی نہیں دے گا۔ مگر دو صورتیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک یہ کہ قاضی نے عورت کے واسطے نفقہ کی کوئی مقدار مقرر کی ہو۔ دوم یہ کہ عورت نے اپنے شوہر سے نفقہ کی کسی مقدار پر صلح کرلی ہو۔ ان دونوں صورتوں میں اسی حساب سے قاضی عورت کے لئے گذشتہ کے نفقہ کا حکم دیدے گا۔

دلیل یہ ہے کہ نفقہ عطیہ ہے اور ہمارے نزدیک ملک کا عوض نہیں، جیسا کہ سابق میں گذر چکا لہٰذا نفقہ کا وجوب مستحکم اور مضبوط نہیں ہوگا۔ مگر جب کہ قاضی کا حکم ہو جائے۔ جیسے ہبہ کی صورت میں موہوب لہٗ کیلئے اس وقت ملک ثابت ہوگی جبکہ مضبوط کرنے والی چیز پر قبضہ پایا جائے۔ اسی طرح نفقہ کا موہوب قاضی کے حکم سے مستحکم اور مضبوط ہوگا اور عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ کسی چیز پر صلح کرنا ایسا ہے جیسا کہ قاضی کا حکم کرنا۔ کیونکہ شوہر کی ولایت اپنی ذات پر قاضی کی ولایت سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ نفقہ کی جو مقدار قاضی نے مقرر کی ہے شوہر اگر چاہے تو اس زائد کا التزام کر سکتا ہے۔ پس صلح بمنزلہ قضاء قاضی کے ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر برخلاف مہر کے کیونکہ وہ ملک بضع کا عوض ہوتا ہے۔ اس لئے وہ بغیر قاضی کے حکم کے لازم ہو جائے گا۔

نفقہ کا فیصلہ ہونے کے بعد فوت ہو گیا اور کئی مہینے گذر گئے نفقہ ساقط ہو جائے گا یہی حکم ہے اگر عورت فوت ہو جائے

وَاِنْ مَاتَ الزَّوْجُ بَعْدَ مَاقَضٰى عَلَيْهِ بِالنَّفَقَةِ وَمَضٰى شُهُوْرٌ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ وَ كَذَا اِذَا مَاتَتِ الزَّوْجَةُ لِاَنَّ النَّفَقَةَ صِلَةٌ وَ الصِّلَاتُ تَسْقُطُ بِالْمَوْتِ كَالْهِبَةِ تَبْطُلُ بِالْمَوْتِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَصِيْرُ دَيْنًا قَبْلَ الْقَضَاءِ

وَلَاتَسقُطُ بِالْمَوْتِ لِاَنَّہٗ عِوَضٌ عِنْدَہٗ فَصَارَ کَسَائِرِ الدُّیُوْنِ وَ جَوَابُہٗ قَدْ بَیَّنَّاہُ

ترجمہ......اور اگر شوہر پر نفقہ کے حکم دینے کا بعد وہ مرگیا اور چند ماہ گزر گئے تو (اس کا) نفقہ ساقط ہوگیا۔ اور یونہی اگر بیوی مرگئی۔ کیونکہ نفقہ عطیہ ہے اور عطایا موت کی وجہ سے ساقط ہوجاتے ہیں جیسے ہبہ قبضہ کرنے سے پہلے موت کی وجہ سے باطل ہوجاتا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قاضی کے حکم سے پہلے بھی شوہر کے ذمہ قرضہ ہوجائے گا۔ اور موت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نفقہ عوض ہے۔ پس دوسرے قرضوں کے مانند ہوگیا۔ اور اس کا جواب ہم بیان کرچکے ہیں۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر پر نفقہ کا حکم دیدیا گیا مگر قاضی نے بیوی کو قرضہ لینے کا حکم نہیں دیا۔ پھر شوہر مرگیا اور چند ماہ گذر گئے تو نفقہ ساقط ہوگیا۔ اسی طرح اگر عورت مرگئی تو بھی ساقط ہوجائے گا۔

دلیل یہ ہے کہ نفقہ ایک عطیہ ہے اور ایسی عطایا موت کی وجہ سے ساقط ہوجاتی ہیں۔ جیسے کسی نے کوئی چیز ہبہ کی اور موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے ہبہ کرنے والا مرگیا یا موہوب لہ مرگیا تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قاضی کے حکم کرنے سے پہلے بھی نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ ہوجائے گا اور شوہر کے مرنے سے ساقط نہ ہوگا۔ بلکہ شوہر کے ترکہ میں سے عورت وصول کرے گی۔ دلیل یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نفقہ ملک بضع کا عوض ہے۔ لہٰذا اس کو دوسرے قرضوں پر قیاس کیا جائے گا کہ جس طرح دیون مدیون کے مرنے سے ساقط نہیں ہوتے۔ اسی طرح شوہر کے مرنے سے عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہم اس کا جواب پہلے بیان کرچکے ہیں۔ یعنی سابق میں **وَاِنْ کانت صغیرۃ لا یستمع بھا فلا نفقۃ لھا** کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ کہ ملک بضع کا عوض مہر ہوتا ہے اور ایک چیز کے دو عوض نہیں ہوتے۔ اس لئے ملک بضع کا عوض نفقہ نہیں ہوگا۔

ایک سال کا جلدی نفقہ دیا پھر شوہر فوت ہوگیا اس سے کوئی چیز واپس نہیں لی جائے گی

وَ اِنْ اَسْلَفَھَا نَفَقَۃَ السَّنَۃِ اَیْ عَجَّلَھَا ثُمَّ مَاتَ لَمْ یُسْتَرْجَعْ مِنْھَا بِشَیْءٍ وَھٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَبِیْ یُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ یُحْتَسَبُ لَھَا نَفَقَۃُ مَامَضٰی وَمَابَقِیَ لِلزَّوْجِ وَھُوَقَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَعَلٰی ھٰذَا الْخِلَافِ الْکِسْوَۃُ لِاَنَّھَا اِسْتَعْجَلَتْ عِوَضًا عَمَّا تَسْتَحِقُّہٗ عَلَیْہِ بِالْاِحْتِبَاسِ وَ قَدْ بَطَلَ الْاِسْتِحْقَاقُ بِالْمَوْتِ فَیَبْطُلُ الْعِوَضُ بِقَدْرِہٖ کَرِزْقِ الْقَاضِیْ وَعَطَاءِ الْمُقَاتِلَۃِ وَلَھُمَا اَنَّہٗ صِلَۃٌ وَقَدِاتَّصَلَ بِہِ الْقَبْضُ وَلَارُجُوْعَ فِی الصِّلَاتِ بَعْدَ الْمَوْتِ لِاِنْتِھَاءِ حُکْمِھَا کَمَافِی الْھِبَۃِ وَلِھٰذَا لَوْھَلَکَتْ مِنْ غَیْرِ اِسْتِھْلَاکٍ لَایُسْتَرَدُّ شَیْءٌ مِنْھَا بِالْاِجْمَاعِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّھَا اِذَاقَبَضَتْ نَفَقَۃَ الشَّھْرِ اَوْمَادُوْنَہٗ لَایُسْتَرْجَعُ مِنْھَا بِشَیْءٍ لِاَنَّہٗ یَسِیْرٌ فَصَارَفِیْ حُکْمِ الْحَالِ

ترجمہ......اور اگر شوہر نے بیوی کو ایک سال کا نفقہ دیدیا یعنی پیشگی دیدیا۔ پھر شوہر مرگیا تو عورت سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ اور یہ امام ابوحنیفہ اور ابویوسف کے نزدیک ہے۔ اور امام محمد نے فرمایا کہ جتنا زمانہ گذر گیا اس کا نفقہ حساب کرکے عورت کو دیا جائے۔ اور باقی شوہر کا ہوگا۔ اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اور یہی اختلاف لباس میں ہے۔ کیونکہ عورت نے بطور عوض اس چیز کو پیشگی لے لیا جس کا استحقاق اس کو شوہر پر اس کے روکنے سے ہوا تھا۔ اور شوہر کے مرنے سے وہ استحقاق باطل ہوگیا۔ تو اسی کی مقدار عوض بھی باطل ہوگا۔ جیسے قاضی کا روزینہ اور مجاہدوں کا عطیہ اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ عطیہ ہے، حالانکہ اس کے ساتھ (عورت کا) قبضہ متصل ہوگیا۔ اور موت کے بعد عطیات میں رجوع نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا حکم پورا ہوجاتا ہے۔ جیسے ہبہ میں اور اسی وجہ سے اگر یہ نفقہ بغیر عورت کے تلف کئے ضائع ہوگیا تو بالاجماع اس سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ اور امام محمدؒ سے (دوسری) روایت یہ ہے کہ اگر عورت نے ایک ماہ یا کم کا نفقہ وصول کیا ہو تو اس سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایک تھوڑی سی چیز ہے تو

گویا فی الحال کا نفقہ ہوگا۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ایک سال کا نفقہ پیشگی دیدیا۔ پھر اس مدت کے گذرنے سے پہلے شوہر مر گیا یا اس کی یہ بیوی مر گئی تو اس عورت سے یا اس کے ترکہ سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ یہ شیخین کا مذہب ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جتنا زمانہ گذرا اسی کا نفقہ حساب کر کے عورت کے پاس چھوڑ دیا جائے اور باقی شوہر کو واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر عورت نے اس کو ہلاک کر دیا تو اس سے اس کے حق کے علاوہ کی قیمت لی جائے گی۔ یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اور اسی کے قائل امام احمد ہیں اور یہی اختلاف لباس میں ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر کے روکنے سے جس چیز کا استحقاق اس کو شوہر پر حاصل ہوا تھا وہ اس نے پیشگی بطور عوض لے لیا۔ اور شوہر کے مرنے سے وہ استحقاق باطل ہو گیا۔ تو اسی کے حساب سے عوض بھی باطل ہو گیا۔ جیسے قاضی نے پیشگی ایک مدت کا روزینہ لے لیا اور پھر مدت کے پورا ہونے سے پہلے ہی قاضی کا انتقال ہو گیا۔ تو حساب کر کے باقی مدت کا روزینہ قاضی کے ترکہ سے واپس لیا جائے گا۔ اور جیسے مجاہدین کا عطیہ کہ انھوں نے ایک مدت کا عطیہ اور رزق پیشگی لے لیا پھر اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے وہ مر گئے تو باقی مدت کا رزق ان سے واپس لیا جائیگا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ ایک عطیہ ہے، حالانکہ وہ عورت کے قبضہ میں آچکا۔ اور عطیات موت کے بعد واپس نہیں دیئے جاتے۔ کیونکہ ان کا حکم پورا ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ ہبہ میں حکم ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ نفقہ اگر بغیر عورت کے تلف کئے ضائع ہو گیا۔ تو بالا جماع اس سے کچھ واپس نہ لیا جائے گا۔ اور امام محمدؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر عورت نے ایک ماہ یا کم کا نفقہ وصول کیا ہو تو شوہر کے مرنے پر اس سے کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایک تھوڑی سی چیز ہے تو گویا فی الحال کا نفقہ ہوگا۔ یعنی جس طرح اگر عورت نے فی الحال کا نفقہ واجبہ لیا تو موت کی وجہ سے واپس نہیں لیا جاتا ہے۔ اسی طرح اگر پیشگی ایک ماہ کا نفقہ لے لیا تو مرنے کی وجہ سے اس صورت میں بھی کچھ واپس نہیں لیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

مرد نے آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا نفقہ غلام پر دین ہوگا اور اسے دین کے بدلے بیچا جائے گا

وَ اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ حُرَّةً فَنَفَقَتُهَا دَيْنٌ عَلَيْهِ يُبَاعُ فِيْهَا وَ مَعْنَاهُ اِذَا تَزَوَّجَ بِاِذْنِ الْمَوْلٰى لِاَنَّهُ دَيْنٌ وَجَبَ فِيْ ذِمَّتِهٖ لِوُجُوْدِ سَبَبِهٖ وَقَدْ ظَهَرَ وُجُوْبُهُ فِيْ حَقِّ الْمَوْلٰى فَيَتَعَلَّقُ بِرَقَبَتِهٖ كَدَيْنِ التِّجَارَةِ فِي الْعَبْدِ التَّاجِرِ وَلَهُ اَنْ يَّفْتَدِيَ لِاَنَّ حَقَّهَا فِي النَّفَقَةِ لَا فِيْ عَيْنِ الرَّقَبَةِ وَلَوْ مَاتَ الْعَبْدُ سَقَطَتْ وَ كَذَا اِذَا قُتِلَ فِي الصَّحِيْحِ لِاَنَّهُ صِلَةٌ

ترجمہ......اور اگر غلام نے کسی آزاد عورت سے نکاح کیا تو اس کا نفقہ غلام پر قرض ہوگا کہ وہ نفقہ میں فروخت کیا جائے گا۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ غلام نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا۔ اس لئے کہ نفقہ ایک قرضہ ہے جو غلام کے ذمہ واجب ہوا۔ کیونکہ اس کے (واجب ہونے کا) سبب پایا گیا۔ اور قرضہ کا واجب ہونا مولیٰ کے حق میں بھی ظاہر ہوگا۔ پس (یہ قرضہ) غلام کی گردن کے ساتھ متعلق ہوگا۔ جیسے تاجر غلام کی گردن سے تجارت کا قرضہ متعلق ہوتا ہے۔ اور مولیٰ کو یہ اختیار ہے کہ وہ (غلام کا) فدیہ دیدے۔ کیونکہ عورت کا حق صرف نفقہ میں ہے۔ نہ کہ غلام کی گردن میں۔ اور اگر وہ غلام مر گیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اسی طرح اگر قتل کیا گیا تو بھی صحیح قول پر (ساقط ہو جائے گا) کیونکہ نفقہ تو زندگی کا عطیہ تھا۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے کسی آزاد عورت کے ساتھ نکاح کیا، تو اس عورت کا نفقہ غلام پر قرضہ ہوگا اور یہ غلام اپنی بیوی کے نفقہ میں فروخت کر دیا جائے گا۔

دلیل یہ ہے کہ نفقہ ایک قرض ہے، جو غلام کے ذمہ واجب ہوا۔ کیونکہ نفقہ واجب ہونے کا سبب یعنی عقد نکاح پایا گیا اور نفقہ واجب ہونا اس کے مولیٰ کے حق میں بھی ظاہر ہوگا۔ کیونکہ مولیٰ نے راضی ہو کر اجازت دی تھی۔ تو گویا مولیٰ بھی وجوب نفقہ پر راضی ہے۔ اس وجہ سے یہ قرضہ غلام کی گردن کے ساتھ متعلق ہوگا۔ جیسے تاجر غلام جس کو اس کے مولیٰ نے تجارت کی اجازت دی۔ پھر اس نے ادھار معاملہ کر کے اپنی گردن پر قبضہ کر

لیا۔ تو یہ غلام قرضہ میں فروخت کیا جائے گا۔ لیکن مولیٰ کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کا فدیہ دیدے۔ دلیل یہ ہے کہ عورت کا حق نفقہ میں ہے نہ کہ غلام کی گردن میں پس جب مولیٰ نے عورت کا نفقہ ادا کر دیا تو اسکے بعد نفقہ میں عورت کا حق باقی نہیں رہا۔ اس وجہ سے فدیہ دینے کے بعد عورت کے نفقہ میں غلام فروخت نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر غلام اپنی بیوی کے نفقہ میں فروخت کیا گیا۔ پھر مشتری کے پاس ایک مدت کا نفقہ اس پر چڑھ گیا تو دوسری بار پھر فروخت کر دیا جائے گا کیونکہ زمانہ گذرنے سے نفقہ جدید واجب ہوتا ہے پس یہ نئے قرضہ کے حکم میں ہے۔ اس لئے بار بار اس کے لئے فروخت ہوگا۔

یہی حکم مدبر اور مکاتب کا ہے۔ اگر ان دونوں نے اپنے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا تو ان پر بھی نفقہ واجب ہوگا۔ مگر یہ دونوں نفقہ اور مہر ادا کرنے کے لئے فروخت نہیں کئے جائیں گے بلکہ ان کو حکم دیا جائے گا کہ کما کر اپنی بیوی کا نفقہ اور مہر ادا کریں۔ اس لئے کہ مدبر اور مکاتب ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف منتقل ہونے کو قبول نہیں کرتے۔

اور اگر وہ غلام جس نے مولیٰ کی اجازت سے نکاح کیا ہے۔ مر گیا تو اس کی بیوی کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اور مولیٰ سے بھی مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور اسی طرح نفقہ ساقط ہو جائے گا جبکہ غلام کو قتل کر دیا گیا۔ صحیح قول یہی ہے۔ اس لئے کہ نفقہ ایک عطیہ ہے اور عطیات موت کیوجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

آزاد نے باندی سے نکاح کیا مولیٰ نے شوہر کے گھر باندی کی رات گذروائی شوہر پر نفقہ لازم ہے اگر رات نہ گذروائے تو نفقہ لازم نہیں ہے

وَاِنْ تَزَوَّجَ الْحُرُّ اَمَةً فَبَوَّاهَا مَوْلَاهَا مَعَهُ مَنْزِلًا فَعَلَيْهِ النَّفَقَةُ لِاَنَّهُ تَحَقَّقَ الْاِحْتِبَاسُ وَ اِنْ لَمْ يُبَوِّءْ هَا فَلَانَفَقَةَ لَهَا لِعَدْمِ الْاِحْتِبَاسِ وَالتَّبْوِيَةُ اَنْ يُخَلِّيَ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ فِيْ مَنْزِلِهٖ وَلَايَسْتَخْدِمُهَا وَلَوِ اسْتَخْدَمَهَا بَعْدَ التَّبْوِيَةِ سَقَطَتِ النَّفَقَةُ لِاَنَّهُ فَاتَ الْاِحْتِبَاسُ وَ التَّبْوِيَةُ غَيْرُلَازِمَةٍ عَلٰى مَامَرَّ فِي النِّكَاحِ وَلَوْخَدَمَتْهُ الْجَارِيَةُ اَحْيَانًا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَسْتَخْدِمَهَا لَايَسْقُطُ النَّفَقَةُ لِاَنَّهُ لَمْ يَسْتَخْدِمْهَا لِيَكُوْنَ اِسْتِرْدَادًا وَالْمُدَبَّرَةُ وَاُمُّ الْوَلَدِ فِيْ هٰذَا كَالْاَمَةِ

ترجمہ ...... اور اگر آزاد مرد نے (کسی شخص کی) باندی سے نکاح کیا اور مولیٰ نے اپنی باندی کو اس کے ساتھ رات کو الگ رہنے دیا تو اس پر نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ احتباس پایا گیا اور اگر رات میں الگ نہیں بسایا تو باندی کے واسطے نفقہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ احتباس نہیں ہے اور رات کو الگ بسانے (سے مراد یہ ہے کہ) مولیٰ باندی کو شوہر کے ساتھ اس کے گھر میں تنہا چھوڑ دے اور باندی سے اپنی خدمت نہ لے اور اگر مولیٰ نے بسانے کے بعد باندی کو اپنی خدمت میں لے لیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ احتباس فوت ہو گیا اور بسانا (مولیٰ پر لازم نہیں ہے جیسا کہ کتاب النکاح میں گذرا اور اگر باندی نے خود کبھی کبھی مولیٰ کی خدمت کی۔ بغیر اسکے کہ مولیٰ اس سے خدمت لے تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ مولیٰ نے اس کو واپس لینے کے طور پر خدمت نہیں لی اور مدبرہ باندی اور ام ولد اس حکم میں باندی کے مانند ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد مرد نے کسی شخص کی باندی سے نکاح کیا اور مولیٰ نے اپنی اس باندی کو اس کے شوہر کے ساتھ رات میں الگ رہنے دیا تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ باندی کی جانب سے احتباس پایا گیا اور نفقہ جزا احتباس ہے اور اگر مولیٰ نے الگ ٹھکانا نہیں دیا تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ احتباس نہیں پایا گیا۔

اور تبویہ یعنی رات کو الگ بسانے اور ٹھکانا دینے سے مراد یہ ہے کہ مولیٰ اپنی اس باندی کو شوہر کے گھر میں رہنے دے اور باندی سے اپنی خدمت نہ لے اور اگر مولیٰ نے پہلے ٹھکانا دیدیا پھر باندی کو اپنی خدمت میں لے لیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا کیونکہ احتباس جو موجب نفقہ ہے وہ فوت

ہوگیا۔اس لئے شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہوگا اور مولیٰ پر بسانا اور ٹھکانا دینا لازم نہیں ہے جیسا کہ باب نکاح الرقیق میں گذر چکا اور اگر باندی نے خود کبھی کبھی مولیٰ کی خدمت کی بغیر اسکے کہ مولیٰ اس سے اپنی خدمت کو کہے تو اس صورت میں نفقہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ مولیٰ نے اس کو واپس لینے کے طور پر خدمت نہیں لی ہے اور مدبرہ اور ام ولد اس حکم میں باندی کے مانند ہیں۔یعنی جس طرح بسانے سے پہلے باندی کے لئے نفقہ نہیں ہوگا۔ اسی طرح مدبرہ اور ام ولد کے واسطے بھی بسانے سے پہلے نفقہ نہیں ہوگا۔

شوہر پر الگ سکنیٰ دینا جس میں کوئی شوہر کے اہل میں سے نہ ہو لازم ہے

فَصْلٌ وَعَلَى الزَّوْجِ اَنْ يُّسْكِنَهَا فِيْ دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ فِيْهَا اَحَدٌ مِنْ اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ ذٰلِكَ لِاَنَّ السُّكْنٰى مِنْ كَفَايَتِهَا فَيَجِبُ لَهَا كَالنَّفَقَةِ وَقَدْ اَوْجَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَقْرُوْنًا بِالنَّفَقَةِ وَاِذَا وَجَبَ حَقًّا لَهَا لَيْسَ لَهٗ اَنْ يُّشْرِكَ غَيْرَهَا فِيْهِ لِاَنَّهَا تَتَضَرَّرُ بِهٖ فَاِنَّهَا لَا تَاْمَنُ عَلٰى مَتَاعِهَا وَيَمْنَعُهَا عَنِ الْمُعَاشَرَةِ مَعَ زَوْجِهَا وَمِنَ الْاِسْتِمْتَاعِ اِلَّا اَنْ تَخْتَارَ لِاَنَّهَا رَضِيَتْ بِانْتِقَاصِ حَقِّهَا

ترجمہ......اور شوہر پر واجب ہے کہ عورت کو علیحدہ گھر میں جس میں شوہر کے اہل میں سے کوئی نہ ہو بسا دے۔مگر یہ کہ عورت خود اس کو پسند کرے۔ کیونکہ عورت کی کفایات میں سے سکونت بھی ہے۔تو نفقہ کی طرح وہ بھی عورت کے لئے واجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے نفقہ کے ساتھ ملا کر اس کو بھی واجب کیا ہے اور جب (سکونت) عورت کے واسطے حق واجبی ہے تو مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے حق میں غیر کو شریک کرے۔ کیونکہ عورت کو اس سے ضرر ہوتا ہے کیونکہ وہ اس اپنے اسباب سے بے خوف نہ ہوگی اور اشتراک اس کو اپنے شوہر کے ساتھ ہل مل کر رہنے سے روکے گا اور جماع اور اسکے متعلقات سے (روک ہوگی) مگر یہ کہ عورت ہی اختیار کرے کیونکہ وہ اپنے حق کی کمی پر راضی ہوگی۔

تشریح......بیوی کے نفقہ کو بیان کرنے کے بعد اب سکنیٰ کے احکام بیان فرمائیں گے۔چنانچہ فرمایا کہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو علیحدہ مکان میں آباد کرے جس میں شوہر کے گھر والوں میں سے کوئی نہ رہتا ہو۔ہاں اگر عورت ہی شوہر کے گھر والوں کے ساتھ رہنا پسند کرے تو اس کو اختیار ہے۔

دلیل یہ ہے کہ عورت کی ضروریات میں سے سکونت بھی ہے۔لہذا نفقہ کی طرح وہ بھی شوہر پر واجب ہے اور ابن مسعودؓ کی قرات میں ہے۔ اسکنوھن من حیث سکنتم وانفقوا علیھن من وجدکم یعنی تم ان عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو نفقہ دو (پ ۲۸)۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفقہ کے ساتھ ملا کر سکنیٰ کو بھی واجب کیا ہے۔پس ثابت ہوا کہ نفقہ کی طرح سکنیٰ بھی شوہر پر واجب ہے۔

یہاں صاحب ہدایہ نے جو فرمایا او جبہ اللہ مقرونا بالنفقۃ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لئے کہ قران فی النظم قران فی الحکم پر دلالت نہیں کرتا۔دوم یہ کہ سکونت کے وجوب کو ثابت کرنے کے لئے باری تعالیٰ کا قول اسکنوھن کافی تھا۔کیونکہ یہ صیغہ امر ہے اور امر کا صیغہ وجوب پر دلالت کرتا ہے بہر حال جب سکونت عورت کے واسطے حق واجبی ہوئی۔تو مرد کے لئے جائز نہیں کہ اس کے حق میں غیر کو شریک کرے۔کیونکہ عورت کو اس سے ضرر ہوتا ہے ایک تو اس لئے کہ وہ اپنے سامان سے بے خوف نہ ہوگی۔دوسرے یہ کہ غیر کی شرم سے شوہر کے ساتھ بے تکلف نہیں رہ سکتی اور تیسرے یہ کہ جماع اور متعلقات جماع سے روک ہوگی۔لیکن اگر عورت خود ہی اس بات پر راضی ہو کہ سسرال والوں کے ساتھ رہے تو یہ اس کے لئے جائز ہے۔کیونکہ وہ اپنے حق کی کمی پر خود راضی ہوئی۔یعنی شوہر کے گھر والوں کو اس کے ساتھ رہنے سے اس کے حق کی وجہ سے منع کیا گیا تھا مگر جب اس نے خود اپنا حق ساقط کر دیا تو اس کے لئے کلام کی گنجائش نہیں ہوگی۔

شوہر کا بیٹا اس کے علاوہ بیوی سے ہو شوہر اسے اس مکان میں نہیں رکھ سکتا

وَاِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ مِنْ غَيْرِهَا فَلَيْسَ لَهٗ اَنْ يُّسْكِنَهٗ مَعَهَا لِمَا بَيَّنَّا وَلَوْ اَسْكَنَهَا فِيْ بَيْتٍ مِنَ الدَّارِ مُفْرَدٍ وَلَهٗ غَلَقٌ

كَفَاهَا لِاَنَّ الْمَقْصُوْدَ قَدْ حَصَلَ

ترجمہ......اور اگر شوہر کا لڑکا اس کے علاوہ دوسری بیوی سے ہو، تو شوہر کو اختیار نہیں کہ لڑکے کو اس کے ساتھ بسادے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے اور اگر عورت کو شوہر نے گھر کے ایک تنہا کمرے میں جس کا بند کرنے کا دروازہ موجود ہو آباد کیا تو اس عورت کے واسطے کافی ہے۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔

تشریح......اس عبارت میں دو مسئلے زیر بحث ہیں اول یہ کہ اگر شوہر کا لڑکا پہلی بیوی سے ہو تو شوہر کے لئے جائز نہیں کہ وہ لڑکے کو اس بیوی کے ساتھ آباد کرے۔ اس کی دلیل سابق میں گذر چکی کہ عورت کو ضرر ہوگا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے عورت کو گھر کے ایک تنہا کمرے میں جس کا بند کرنے کا دروازہ موجود ہے آباد کیا تو عورت کیلئے کافی ہے۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔ یعنی بغیر کراہت کے اس کے ساتھ جماع کرنا ممکن ہے۔

شوہر عورت کے ماں باپ، پہلے شوہر کے بیٹے کو اس کے پاس آنے سے روک سکتا ہے

وَلَهُ اَنْ يَّمْنَعَ وَالِدَيْهَا وَوَلَدَ هَا مِنْ غَيْرِهٖ وَاَهْلَهَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا لِاَنَّ الْمَنْزِلَ مِلْكُهٗ فَلَهٗ حَقُّ الْمَنْعِ مِنْ دُخُوْلِ مِلْكِهٖ وَلَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ النَّظْرِ اِلَيْهَا وَكَلَامُهَا فِيْ اَيِّ وَقْتٍ اِخْتَارُوْ الِمَا فِيْهِ مِنْ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ وَلَيْسَ لَهٗ فِيْ ذَالِكَ ضَرَرٌ وَقِيْلَ لَا يَمْنَعُ مِنَ الدُّخُوْلِ وَالْكَلَامِ وَ اِنَّمَا يَمْنَعُهُمْ مِنَ الْقَرَارِ لِاَنَّ الْفِتْنَةَ فِي اللَّبَاثِ وَتَطْوِيْلِ الْكَلَامِ وَقِيْلَ يَمْنَعُهَا مِنَ الْخُرُوْجِ اِلَى الْوَالِدَيْنِ وَلَا يَمْنَعُهُمَا مِنَ الدُّخُوْلِ عَلَيْهَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ وَفِيْ غَيْرِهِمَا مِنَ الْمَحَارِمِ التَّقْدِيْرُ بِسَنَةٍ وَ هُوَ الصَّحِيْحُ

ترجمہ......اور شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کے والدین کو اور اس کے لڑکے کو جو پہلے شوہر سے ہے اور اس کے گھر والوں کو اس کے پاس آنے سے روکے کیونکہ یہ گھر تو شوہر کی ملک ہے تو اس کو اپنی ملک میں آنے سے منع کرنے کا اختیار حاصل ہے اور بیوی کے والدین وغیرہ کو جب کبھی وہ چاہیں اس عورت کی طرف دیکھنے اور اس کے ساتھ باتیں کرنے سے منع نہ کرے۔ کیونکہ اس میں قطع رحم ہے اور شوہر کے حق میں کوئی ضرر نہیں ہے اور کہا گیا کہ آنے اور باتیں کرنے سے منع نہ کرے۔ البتہ ٹھہرنے سے منع کرسکتا ہے۔ کیونکہ فساد ٹھہرنے اور بہت دیر تک باتیں کرنے میں ہے اور کہا گیا کہ عورت کو والدین کے پاس جانے اور اس کے پاس آنے سے ہر جمعہ میں (ایک بار) منع نہیں کرسکتا اور والدین کے علاوہ دوسرے محارم کے (حق) میں اندازہ ایک سال ہے اور یہی صحیح ہے

تشریح......مسئلہ! شوہر کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس اس کے ماں باپ اور اس کا لڑکا جو پہلے شوہر سے ہے اس کو اور دوسرے رشتہ داروں کو آنے سے روکے دلیل یہ ہے کہ یہ گھر تو شوہر کی ذاتی ملک ہے لہذا اس کو اپنی ملک میں آنے سے منع کرنے کا اختیار حاصل ہے اور اگر بیوی کے والدین وغیرہ اس کو دیکھنا چاہیں یا باتیں کرنا چاہیں تو شوہر اس عورت کی طرف دیکھنے اور باتیں کرنے سے منع نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس میں قطع رحم لازم آتا ہے اور قطع رحم حرام ہے۔ کیونکہ مروی ہے عن جبير بن مطعم انه سمع النبى ﷺ يقول لا يدخل الجنة قاطع۔ یعنی جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ قطع رحم کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا اور عورت کی طرف ان کے دیکھنے اور باتیں کرنے سے شوہر کے حق میں کوئی ضرر نہیں ہے اور بعض مشائخ نے کہا کہ باتیں کرنے کی طرح ان کو آنے سے بھی منع نہیں کرسکتا۔ البتہ ٹھہرنے سے منع کرسکتا ہے کیوں کہ فتنہ وفساد اگر پیدا ہوا تو یہاں ٹھہرنے اور بہت باتیں کرنے سے ہوگا۔ اس لئے کہ زیادہ باتیں کرنا قیل وقال کا سبب ہوگا اور اس کا نتیجہ شر وفساد ہوگا۔

بعض علماء نے کہا کہ عورت کو اپنے والدین کے یہاں جانے اور اس کے والدین کو یہاں آنے سے ہر جمعہ میں ایکبار منع نہیں کرسکتا ہے۔

بلکہ ہفتہ میں ایکبار ملاقات کرنے کی اجازت ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

اور والدین کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کو سال میں ایک دفعہ ملاقات کرنے کی اجازت ہے خواہ عورت ان کے پاس جائے یا وہ یہاں آویں۔ صحیح قول یہی ہے۔ بعض حضرات ایک ماہ میں ایک بار زیادہ کی اجازت دیتے ہیں۔

شوہر غائب ہوگیا اس کا مال ایک آدمی کے پاس تھا جو اس کا اقرار کرتا ہے کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے تو قاضی مال میں غائب کی بیوی اور اولاد صغار والدین کا نفقہ مقرر کردے

وَ إِذَا غَابَ الرَّجُلُ وَلَهُ مَالٌ فِيْ يَدِ رَجُلٍ يَعْتَرِفُ بِهِ وَبِالزَّوْجِيَّةِ فَرَضَ الْقَاضِيْ فِيْ ذٰلِكَ الْمَالِ نَفَقَةَ زَوْجَةِ الْغَائِبِ وَ وَلَدِهِ الصِّغَارِ وَ وَالِدَيْهِ وَكَذَا إِذَا عَلِمَ الْقَاضِيْ ذٰلِكَ وَلَمْ يَعْتَرِفْ بِهِ لِأَنَّهُ لَمَّا أَقَرَّ بِالزَّوْجِيَّةِ وَالْوَدِيْعَةِ فَقَدْ أَقَرَّ أَنَّ حَقَّ الْأَخْذِ لَهَا لِأَنَّ لَهَا أَنْ تَأْخُذَ مِنْ مَالِ الزَّوْجِ حَقَّهَا مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ وَإِقْرَارُ صَاحِبِ الْيَدِ مَقْبُوْلٌ فِيْ حَقِّ نَفْسِهِ لَاسِيَّمَا هٰهُنَا فَإِنَّهُ لَوْ أَنْكَرَ أَحَدَ الْأَمْرَيْنِ لَاتُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْمَرْأَةِ فِيْهِ لِأَنَّ الْمُوْدَعَ لَيْسَ بِخَصْمٍ فِيْ إِثْبَاتِ الزَّوْجِيَّةِ عَلَيْهِ وَ لَا الْمَرْأَةُ خَصْمٌ فِيْ إِثْبَاتِ حُقُوْقِ الْغَائِبِ فَإِذَا ثَبَتَ فِيْ حَقِّهِ تَعَدّٰى إِلَى الْغَائِبِ وَكَذَا إِذَا كَانَ الْمَالُ فِيْ يَدِهِ مُضَارَبَةً وَكَذَا الْجَوَابُ فِي الدَّيْنِ وَهٰذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا دَرَاهِمَ أَوْدَنَانِيْرَ أَوْطَعَامًا أَوْكِسْوَةً مِنْ جِنْسِ حَقِّهَا أَمَّا إِذَا كَانَ مِنْ خِلَافِ جِنْسِهِ لَاتُفْرَضُ النَّفَقَةُ فِيْهِ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى الْبَيْعِ وَلَايُبَاعُ مَالُ الْغَائِبِ بِالْإِتِّفَاقِ أَمَّا عِنْدَ أَبِيْ حَنِيْفَةَ فَلِأَنَّهُ لَا يُبَاعُ عَلَى الْحَاضِرِ وَكَذَا عَلَى الْغَائِبِ وَأَمَّا عِنْدَهُمَا فَلِأَنَّهُ إِنْ كَانَ يَقْضِيْ عَلَى الْحَاضِرِ لِأَنَّهُ يُعْرَفُ اِمْتِنَاعُهُ لَايَقْضِيْ عَلَى الْغَائِبِ لِأَنَّهُ لَايُعْرَفُ اِمْتِنَاعُهُ

ترجمہ......اور اگر مرد غائب ہوگیا اور اس کا مال کسی شخص کے قبضہ میں ہے جو اس کا اقرار کرتا ہے اور (وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ یہ عورت اس غائب شخص کی) بیوی ہے تو قاضی اس مال میں (سے) اس غائب شخص کی بیوی کا، اس کی نابالغ اولاد کا اور اس کے والدین کا نفقہ مقرر کرے گا اور اسی طرح اگر قاضی کو خود یہ بات معلوم ہو، حالانکہ مودع نے اس کا اقرار نہیں کیا۔ کیونکہ جب مودع نے زوجیت اور ودیعت دونوں کا اقرار کیا تو اس نے یہ بھی اقرار کیا کہ بیوی کو (اس مال سے) لینے کا حق ہے کیونکہ بیوی کو اختیار ہوتا ہے کہ شوہر کے مال سے بغیر شوہر کی رضامندی کے اپنا حق لے لے اور صاحب قبضہ کا اقرار اپنے حق میں مقبول ہے خصوصاً اس مقام پر اس لئے کہ اگر وہ دونوں امروں میں کسی ایک کا انکار کرتا تو اس پر عورت کے گواہ قبول نہ ہوتے۔ کیونکہ غائب شخص پر زوجیت ثابت کرنے کے واسطے ودیعت رکھنے والا مدعیٰ علیہ نہیں ہوسکتا اور نہ مرد غائب حقوق ثابت کرنے میں اس کی بیوی مدعی ہوسکتی ہے۔ پس جب اس حق میں (یہ امر) ثابت ہوگیا تو غائب کے (حق میں بھی متعدی ہوگا اور اسی طرح اگر اس شخص کے قبضہ میں (یہ مال) بطور مضاربت ہو اور یہی حکم غائب کے قرضہ میں ہے اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے جبکہ عورت کے حق کی جنس سے ہو۔ روپیہ اشرفی اناج یا عورت کے حق کی جنس کا کپڑا ہو۔ البتہ اگر یہ مال خلاف جنس ہو، تو قاضی اس میں نفقہ مقرر نہیں کرے گا۔ کیوں کہ اس کے بیچنے کی ضرورت ہے اور غائب کا مال بالاتفاق نہیں بیچا جاتا ہے۔ سو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ حاضر کا مال نہیں بیچا جاتا اور ایسے ہی غائب کا اور رہا صاحبین کے نزدیک تو اس لئے کہ قاضی اگرچہ حاضر پر (اس کا مال فروخت کرنے کا) حکم دیتا ہے۔ اسلئے کہ حاضر کا انکار کرنا قاضی کو معلوم ہوجاتا ہے غائب پر (یہ حکم) نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا انکار کرنا معلوم نہیں ہوا۔

تشریح ..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر سفر میں چلا گیا اور اس کا کچھ مال کسی شخص مثلاً حامد کے قبضہ میں ہے جو اس ودیعت کا اقرار کرتا ہے کہ یہ عورت اس غائب مرد کی بیوی ہے تو قاضی اس مال میں سے اس غائب کی بیوی اور اس کی نابالغ اولاد اور اسکے والدین کا نفقہ مقرر کردے گا اور اسی طرح اگر قاضی کو خود یہ بات معلوم ہے کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے اور اس کا مال حامد کے پاس ہے۔ حالانکہ حامد نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ یہ عورت اس غائب کی بیوی ہے اور میرے پاس اس کا مال ودیعت ہے تو اس صورت میں بھی قاضی اس مال سے غائب کی بیوی اور نابالغ بچوں اور اس کے والدین کا نفقہ مقرر کردے گا۔ دلیل یہ ہے کہ جب حامد نے زوجیت اور ودیعت دونوں کا اقرار کیا تو اس نے یہ بھی اقرار کیا کہ بیوی کو اس مال سے لینے کا حق ہے۔ کیونکہ بیوی کو اختیار ہوتا ہے کہ شوہر کے مال سے بغیر اس کی رضامندی کے بقدر ضرورت لے لے اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جس میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا خذی من مال زوجك مایكفیك و ولدك بالمعروف۔

یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اگر قرض خواہ نے غائب کے مودع یا قرضدار سے اپنے قرضہ کا مطالبہ کیا درانحالیکہ مودع اور قرضدار دونوں اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اس قرض خواہ کا غائب کے ذمہ قرضہ ہے اور ہمارے پاس غائب شخص کا مال بھی ہے تو قاضی اس مال ودیعت اور مال دین میں سے اس غائب کے قرضہ کو ادا کرنے کا حکم نہیں دیگا۔ حالانکہ بیوی بچوں کی طرح قرض خواہ کے قرضہ کی ادائیگی بھی اس غائب شخص پر واجب ہے۔

جواب یہ ہے کہ غائب کے حق میں قاضی اسی چیز کا حکم دے سکتا ہے۔ جو اس کے حق میں مفید اور کارآمد ہو اور جس میں غائب پر نظر وشفقت نہ ہو اس کے بارے میں قاضی حکم دینے کا مجاز نہیں ہوگا۔ پس بیوی بچوں کیلئے نفقہ کا حکم دینے میں مرد غائب پر نظر وشفقت ہے اسلئے کہ اس کی ملک باقی رہے گی اور قرضہ ادا کرنے میں اس کی ملک کو باقی رکھنا نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک اجنبی کے کہنے سے اس کے خلاف حکم کرنا ہے پس اس فرق کی وجہ سے قاضی بیوی بچوں کے واسطے نفقہ کا حکم کرسکتا ہے۔ مگر قرضہ ادا کرنے کا حکم نہیں کرسکتا۔

واقرار صاحب الید سے بھی ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس شخص کے پاس غائب شخص کا مال ودیعت ہے اس کا اقرار صحیح نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ اقرار علی الغائب (غائب کے خلاف اقرار کرنا) ہے۔

جواب قابض یعنی جس کے پاس غائب کا مال ودیعت ہے اس کا اقرار اپنے حق میں مقبول ہے خصوصاً اس مقام پر۔ کیونکہ اگر وہ زوجیت یا ودیعت میں سے کسی امر کا انکار کرتا تو اس پر عورت کے گواہ قبول نہ ہوتے۔ کیونکہ عورت کا بینہ اگر زوجیت اور نکاح ثابت کرنے کے لئے ہے تو اس لئے قبول نہیں ہوگا۔ کہ مودع (ودیعت رکھنے والا) غائب شخص پر نکاح ثابت کرنے میں مدعی علیہ نہیں ہوسکتا اور اگر عورت نے ودیعت پر بینہ قائم کیا ہے تو اس لئے قبول نہیں ہوگا۔ کہ مرد غائب کے حقوق ثابت کرنے میں وہ مدعی نہیں ہوسکتی ہے۔ بہرحال جب عورت کے گواہ قبول نہیں ہوئے تو مودع (ودیعت رکھنے والے کا) اقرار ضرور قبول ہوگا۔ پس جب مودع کا اقرار خود اس کے حق میں ثابت ہوگیا تو غائب کے حق میں بھی متعدی ہوگا۔ کیونکہ مودع نے جس چیز کا اقرار کیا ہے وہ اسی مرد غائب کی ملک ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کہ ایک مرد نے رمضان کا چاند دیکھا تو پہلے اس کے حق میں رمضان ہونا ثابت ہوگا۔ پھر اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہوگا اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ مال اس شخص کے پاس بطور مضاربت ہو۔ یعنی اگر قابض اس مال مضاربت کا اور زوجیت کا اقرار کرتا ہے یا قاضی کو ذاتی علم ہو تو قاضی اس مال مضاربت میں سے ان لوگوں کا نفقہ مقرر کردے گا اور اسی طرح اگر اس شخص پر غائب آدمی کا قرضہ ہے، اور یہ اس قرضہ اور زوجیت کا اقرار کرے یا قاضی کو ذاتی علم ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ یعنی قاضی اس مال میں سے ان لوگوں کا نفقہ مقرر کردے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ سب تفصیل اس صورت میں ہے کہ یہ مال عورت کے حق کی جنس سے ہو۔ مثلاً روپے ہوں یا اشرفیاں یا اناج یا عورت کے حق کی جنس کا لباس ہو۔ یعنی جیسا کپڑا اس عورت کیلئے واجب ہوتا ہے۔ اگر اسی جنس کا کپڑا حامد کے پاس ودیعت ہو، تو قاضی اس میں سے کپڑا دلوادے گا اور اگر یہ مال عورت کے حق کی جنس کے خلاف ہو۔ مثلاً مکان غلام یا دیگر سامان ودیعت رکھ گیا ہو تو قاضی اس میں سے نفقہ مقرر

نہیں کرے گا۔ کیونکہ نفقہ دینے کے واسطے اس کے بیچنے کی ضرورت ہے اور غائب کا مال بالاتفاق نہیں بیچا جاتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ شخص موجود ہوتا اور حاضر ہوتا تو قاضی کو اس کا مال بیچنے کا اختیار نہ ہوتا۔ کیونکہ قاضی کی بیع اسلئے درست ہوتی ہے کہ مالک کو بیع کرنے سے روک دیا گیا ہے اور امام صاحب کے نزدیک آزاد عاقل بالغ کو بیع کرنے سے روکنا باطل ہے۔ پس جب حاضر کا مال نہیں بیچا جاسکتا تو غائب کا بدرجہ اولیٰ نہیں بیچا جائے گا۔

اور رہا صاحبین کے نزدیک تو اس واسطے کہ قاضی اگرچہ حاضر پر اس کا مال فروخت کرنے کا حکم دے سکتا ہے اس وجہ سے کہ ادائے حق سے انکار کرنا قاضی کو معلوم ہو جاتا ہے اور ادائے حق سے انکار کرنا ہی قاضی کیلئے جوازِ بیع کی شرط ہے۔ لیکن غائب پر یہ حکم نہیں کرے گا کیونکہ غائب کا ادائے حق سے انکار کرنا قاضی کو معلوم نہیں ہے۔ حالانکہ ادائے حق سے انکار کرنا ہی جوازِ بیع کی شرط ہے۔

قاضی عورت سے کفیل لے لے

قَالَ وَيَأْخُذُ مِنْهَا كَفِيْلًا بِهَا نَظَرًا لِلْغَائِبِ لِاَنَّهَا رُبَمَا اسْتَوْفَتِ النَّفَقَةَ اَوْ طَلَّقَهَا الزَّوْجُ وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَرَّقَ بَيْنَ هٰذَا وَ بَيْنَ الْمِيْرَاثِ اِذَا قُسِّمَ بَيْنَ وَرَثَةٍ حُضُوْرٍ بِالْبَيِّنَةِ وَ لَمْ يَقُوْلُوْا لَا نَعْلَمُ لَهُ وَارِثًا اٰخَرَ حَيْثُ لَا يُؤْخَذُ مِنْهُمُ الْكَفِيْلُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ لِاَنَّ هُنَاكَ الْمَكْفُوْلَ لَهُ مَجْهُوْلٌ وَهٰهُنَا مَعْلُوْمٌ وَ هُوَ الزَّوْجُ وَ يُحَلِّفُهَا بِاللّٰهِ مَا اَعْطَاهَا النَّفَقَةَ نَظَرًا لِلْغَائِبِ

ترجمہ......قدوری نے کہا اور قاضی اس عورت سے کفیل لے لے گا۔ تا کہ مرد غائب کی نگہداشت رہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس عورت نے (اپنا) نفقہ پیشگی وصول کر لیا ہو یا شوہر اس کو طلاق دے چکا اور عدت گذر چکی ہو۔ (امام ابوحنیفہؒ نے) اس کے درمیان اور میراث کے درمیان فرق کیا ہے۔ جبکہ میراث تقسیم کی گئی موجود ورثہ کے درمیان (جن کا ثبوت) گواہوں کے ذریعہ سے ہوا اور انہوں نے یہ نہیں کہا ہم ان کے سوا دوسرا وارث نہیں جانتے ہیں۔ تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سے کفیل نہیں لیا جائے گا۔ اسلئے کہ وہاں مکفول لہٗ مجہول ہے اور یہاں معلوم اور وہ شوہر ہے اور قاضی اس عورت کو قسم دے گا کہ خدا کی قسم اس کو شوہر نے نفقہ نہیں دیا تا کہ مرد غائب کی نگہداشت رہے۔

تشریح......صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ قاضی اس عورت سے کفیل لے لے گا یعنی ایک شخص ذمہ دار ہو کہ اگر یہ عورت نفقہ کی مستحق نہ ہوگی تو غائب کا مال واپس ملے گا تا کہ مرد غائب کی نگہداشت رہے۔ امام سرخسیؒ نے کہا کہ عورت سے کفیل لینا بہتر ہے اور اگر نہیں لیا تو بھی جائز ہے اور صدر الشہید نے کہا کہ غائب شوہر کی رعایت کے پیش نظر کفیل لینا درست ہے۔ لیکن قاضی اولاً اس عورت سے اس بات پر قسم لے کہ اسکے شوہر نے اس کو نفقہ نہیں دیا ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شوہر نے سفر میں جانے سے پہلے اس عورت کو نفقہ دے دیا ہو اور یہ عورت قاضی پر معاملہ کو مشتبہ کر کے دوبارہ نفقہ لے لے۔ پس جب اس عورت نے قسم کھالی تو قاضی اس عورت کو نفقہ دے دے اور اس سے کفیل لے لے۔

دلیل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ عورت نے اس سے اپنا نفقہ پیشگی وصول کر لیا ہو یا شوہر اس کو طلاق دے چکا اور عدت گذر چکی ہو تو یہ عورت مستحق نفقہ نہ ہوگی۔ اسلئے شوہر کی رعایت کے پیش نظر اس سے کفیل لیا جائے گا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے نفقہ کی صورت میں کفیل لینے کا حکم دیا اور میراث کی صورت میں کفیل لینے کا حکم نہیں دیا۔ تو امام صاحب نے ان دونوں صورتوں میں فرق کیا۔ یعنی جبکہ ایک شخص مرا اور اس کے موجود ورثہ نے گواہ پیش کیے۔ جنھوں نے گواہی دی کہ یہ لوگ اس کے وارث ہیں اور یہ نہیں کہا کہ ہم ان کے علاوہ دوسرے وارث نہیں جانتے ہیں۔ تو قاضی ان میں میراث تقسیم کر دے گا اور ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان لوگوں سے کفیل نہیں لے گا۔ اسلئے کہ میراث کی صورت میں وہ شخص معلوم نہیں جس کیلئے کفیل لیا جائے گا نفقہ کی صورت میں مکفول لہٗ معلوم ہے کہ وہ عورت کا شوہر ہے۔

قاضی غائب کا مال میں والدین، بیوی اور اولاد صغار کے علاوہ کا نفقہ مقرر نہ کرے

قَالَ وَلَايُقْضٰى بِنَفَقَةٍ فِيْ مَالِ غَائِبٍ اِلَّا لِهٰؤُلَاءِ وَوَجْهُ الْفَرْقِ هُوَانَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ وَاجِبَةٌ قَبْلَ قَضَاءِ الْقَاضِيْ وَلِهٰذَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّاخُذُوْاقَبْلَ الْقَضَاءِ فَكَانَ قَضَاءُ الْقَاضِيْ اِعَانَةً لَهُمْ اَمَّاغَيْرُهُمْ مِنَ الْمَحَارِمِ فَنَفَقَتُهُمْ اِنَّمَا تَجِبُ بِالْقَضَاءِ لِاَنَّهُ مُجْتَهَدٌفِيْهِ وَالْقَضَاءُ عَلَى الْغَائِبِ لَايَجُوْزُ وَلَوْلَمْ يَعْلَمِ الْقَاضِيْ بِذَالِكَ وَلَمْ يَكُنْ مُقِرًّابِهٖ فَاَقَامَتِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الزَّوْجِيَّةِ اَوْلَمْ يَخْلُفْ مَالًافَاَقَامَتِ الْبَيِّنَةَ لِيَفْرِضَ الْقَاضِيْ نَفَقَتَهَا عَلَى الْغَائِبِ وَيَامُرُهَابِالْاِسْتِدَانَةِ لَايَقْضِي الْقَاضِيْ بِذٰلِكَ لِاَنَّ فِيْ ذٰلِكَ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ وَقَالَ زُفَرُ يَقْضِيْ فِيْهِ نَظَرًالَهَاوَلَاضَرَرَفِيْهِ عَلَى الْغَائِبِ فَاِنَّهُ لَوْحَضَرَوَصَدَّقَهَافَقَدْ اَخَذَتْ حَقَّهَا وَاِنْ جَحَدَ يُحَلَّفُ فَاِنْ نَكَلَ فَقَدْ صَدَّقَ وَاِنْ اَقَامَتْ بَيِّنَةً فَقَدْ ثَبَتَ حَقُّهَاوَاِنْ عَجَزَتْ يَضْمَنُ الْكَفِيْلُ اَوِالْمَرْاَةُ وَعَمِلَ الْقُضَاةُ الْيَوْمَ عَلٰى هٰذَا اَنَّهُ يَقْضِيْ بِالنَّفَقَةِ عَلَى الْغَائِبِ لِحَاجَةِ النَّاسِ وَهُوَمُجْتَهَدٌ فِيْهِ وَفِيْ هٰذِهِ الْمَسْاَلَةِ اَقَاوِيْلُ مَرْجُوْعٌ عَنْهَا فَلَمْ نَذْكُرْهَا

ترجمہ..... اور قدوری نے فرمایا قاضی کسی غائب کے مال میں کسی کے نفقہ کا حکم نہ دے گا سوائے ان لوگوں کے اور وجہ فرق یہ ہے کہ ان لوگوں کا نفقہ تو قاضی کے حکم سے پہلے ہی واجب تھا اور اسی وجہ سے ان لوگوں کو جائز تھا کہ وہ قاضی کے حکم سے پہلے لے لیویں۔ پس قاضی کا حکم ان دونوں کے واسطے اعانت ہو گیا۔ رہے دوسرے محارم تو ان کا نفقہ واجب ہی قاضی کے حکم سے ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور غائب پر قاضی کا حکم دینا جائز نہیں ہے اور اگر قاضی کو اس عورت کا بیوی ہونا معلوم نہ ہو اور (جس شخص کے پاس مال ہے) وہ بھی اس کا اقرار نہیں کرتا۔ پس عورت نے اپنے بیوی ہونے پر گواہ قائم کیئے یا شوہر نے کچھ مال نہیں چھوڑا ہے۔ پس عورت نے اس غرض سے گواہ قائم کیے کہ غاصب پر قاضی اس کا نفقہ مقرر کر کے اس کو (شوہر پر) قرضہ لینے کا حکم دے۔ تو قاضی ایسا حکم نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ایسا کرنے میں غائب پر حکم دینا لازم آتا ہے اور زفرؒ نے کہا کہ قاضی اس معاملہ میں حکم دے دے گا۔ کیونکہ اس میں عورت کے واسطے بہتری ہے اور مرد غائب کے حق میں کچھ ضرر نہیں ہے۔ اسلئے کہ جب شوہر حاضر ہوا اور اس نے عورت کے قول کی تصدیق کی۔ تو (ظاہر ہو گیا) کہ عورت نے اپنا حق لیا ہے اور اگر شوہر نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی. پس اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو بھی عورت کی تصدیق ہوگی اور اگر عورت نے گواہ پیش کیے تو بھی عورت کا حق ثابت ہو گیا اور اگر وہ (گواہ دینے سے) عاجز ہوئی تو کفیل یا عورت اس مال کی ضمان دے گی اور قاضیوں کا عمل آج کل اسی قول پر ہے کہ قاضی مرد غائب پر نفقہ کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کو ضرورت ہے اور یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے اور اس مسئلہ میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ جن سے رجوع کیا گیا ہے۔ پس ہم نے ان کو ذکر نہیں کیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ قاضی غائب کے مال میں صرف ان مذکورہ لوگوں کے واسطے نفقہ کا حکم دے سکتا ہے۔ یعنی بیوی، اولاد صغار اور والدین کے واسطے یا جوان کے حکم میں ہوں۔ جیسے بالغ اولاد جو لنجے اپاہج ہوں یا عورتیں ہوں اور ان کے علاوہ دوسرے محارم (جیسے بھائی، چچا اور دوسرے قرابتداروں) کے واسطے قاضی غائب کے مال میں سے نفقہ کا حکم نہیں دے سکتا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ بیوی وغیرہ مذکو لوگوں کا نفقہ قاضی کے حکم دینے سے پہلے ہی واجب تھا۔ اسی واسطے ان لوگوں کو جائز تھا کہ قاضی کے حکم سے پہلے اپنا نفقہ وصول کر لیں۔ لیکن چونکہ غائب کے مال پر قابض شخص ان کو نہ دیتا۔ اسلئے قاضی کا حکم ان لوگوں کے واسطے اعانت ہو گیا۔

رہے دوسرے محارم جن کا نفقہ محتاجی کی وجہ سے اس شخص کے ذمہ ہوتا ہے تو ان کا نفقہ واجب جب ہی ہوگا جبکہ قاضی حکم دے دے۔ کیونکہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اسلئے کہ امام شافعیؒ غیر محارم کیلئے وجوب نفقہ کے قائل نہیں ہیں۔ پس چونکہ غیر محارم کا نفقہ واجب ہوتا ہے قاضی کے حکم سے ہمارے نزدیک قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے۔ اسلئے قاضی غائب کے مال میں ان کے واسطے نفقہ کا حکم نہیں دے گا۔

ولو لم يعلم القاضي بذالك سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر قاضی کو اس عورت کا بیوی ہونا معلوم نہ ہو اور جس شخص کے پاس مال ہے۔ یعنی حامد وہ بھی اس کا اقرار نہیں کرتا۔ یعنی مودع ودیعت کا تو اقرار کرتا ہے مگر اس عورت کے غائب کی بیوی ہونے کا انکار کرتا ہے۔ پس عورت نے اپنے بارے میں غائب کی بیوی ہونے پر گواہ قائم کر دیئے۔ یا یہ صورت ہوئی کہ غائب نے کچھ مال نہیں چھوڑا ہے۔ پس عورت نے اس پر گواہ قائم کیے کہ میں اسکی بیوی ہوں تاکہ قاضی غائب پر اس کا نفقہ مقرر کر کے اس کو شوہر پر قرضہ کر لینے کا حکم دے تو قاضی ایسا حکم نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ایسا کرنے میں قضاء علی الغائب لازم آتا ہے اور یہ ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اسلئے قاضی اس صورت میں شوہر پر قرضہ لینے کا حکم نہیں دے سکتا۔

حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ قاضی عورت کے گواہ قبول کرے اور اس سے کفیل لے کر شوہر کے مال میں سے نفقہ دینے کا حکم دے دے اور اگر شوہر غائب کے واسطے مال نہ ہو تو شوہر پر قرضہ لینے کا حکم کرے۔ کیونکہ اس میں عورت کے واسطے بہتری ہے اور مرد غائب کے حق میں کچھ ضرر نہیں ہے۔ اسلئے کہ جب وہ حاضر ہوا اور عورت کے قول کی تصدیق کی تو ثابت ہو گیا کہ اس نے اپنا حق لیا ہے اور اگر شوہر نے عورت کے قول کی تصدیق نہیں کی بلکہ انکار کیا تو شوہر سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر وہ قسم سے انکار کرے تو بھی عورت کی تصدیق لازم آئی، اور اگر عورت نے گواہی قائم کر دیئے تو بھی عورت کا حق ثابت ہو گیا اور اگر عورت گواہ قائم کرنے سے عاجز ہو گئی اور شوہر نے قسم کھالی کہ یہ میری بیوی نہیں یا میں اس کو نفقہ دے چکا تو اس صورت میں نفقہ کی وہ مقدار جو قاضی نے شوہر کی غیبت کے زمانے میں اس کے مال سے دلوائی ہے اس کا ضامن اس عورت کا کفیل ہوگا۔ یا خود...... یہ عورت ضامن ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں قاضیوں کا عمل امام زفرؒ کے قول پر ہے کہ قاضی مرد غائب پر نفقہ کا حکم دیتا ہے۔ کیونکہ لوگوں میں اس کی ضرورت ہے اور یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے اور اس مسئلہ میں دیگر اقوال بھی ہیں۔ جن سے مجتہدوں نے رجوع کیا ہے۔ پس ہم نے ان اقوال کو ذکر نہیں کیا۔

شوہر نے عورت کو طلاق دیدی طلاق رجعی یا بائنہ ہو عورت کیلئے عدت کا نفقہ اور سکنیٰ ہے، امام شافعیؒ کا نقطہ نظر

فَصلٌ وَ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ فَلَهَا النَّفَقَةُ وَالسُّكْنٰى فِيْ عِدَّتِهَا رَجْعِيًّا كَانَ اَوْبَائِنًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَانَفَقَةَ لِلْمَبْتُوْتَةِ اِلَّااِذَاكَانَتْ حَامِلًا اَمَّا الرَّجْعِيُّ فَلِاَنَّ النِّكَاحَ بَعْدَهٗ قَائِمٌ لَاسِيَّمَا عِنْدَنَافَاِنَّهٗ يَحِلُّ لَهُ الْوَطْيُ وَاَمَّاالْبَائِنُ فَوَجْهُ قَوْلِهٖ مَارُوِيَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ طَلَّقَنِيْ زَوْجِيْ ثَلٰثًا فَلَمْ يَفْرِضْ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ سُكْنٰى وَلَانَفَقَةَ وَلِاَنَّهٗ لَا مِلْكَ لَهٗ وَهِيَ مُرَتَّبَةٌ عَلَى الْمِلْكِ وَلِهٰذَا لَاتَجِبُ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لِاِنْعِدَامِهٖ بِخِلَافِ مَااِذَاكَانَتْ حَامِلًا لِاَنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَهُوَقَوْلُهٗ تَعَالٰى وَاِنْ كُنَّ اُوْلَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْاعَلَيْهِنَّ اَلْاٰيَةَ وَلَنَا اَنَّ النَّفَقَةَ جَزَاءُ اِحْتِبَاسٍ عَلٰى مَاذَكَرْنَا وَالْاِحْتِبَاسُ قَائِمٌ فِيْ حَقِّ حُكْمٍ مَقْصُوْدٍ بِالنِّكَاحِ وَهُوَالْوَلَدُ اِذِالْعِدَّةُ وَاجِبَةٌ لِصِيَانَةِ الْوَلَدِفَتَجِبُ النَّفَقَةُ وَلِهٰذَا كَانَ لَهَا السُّكْنٰى بِالْاِجْمَاعِ وَصَارَ كَمَااِذَا كَانَتْ حَامِلًا وَحَدِيْثُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَدَّهٗ عُمَرُ ﷺ فَاِنَّهٗ قَالَ لَانَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا بِقَوْلِ امْرَاَةٍ لَانَدْرِيْ صَدَقَتْ اَمْ كَذَبَتْ حَفِظَتْ اَمْ نَسِيَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ لِلْمُطَلَّقَةِ الثَّلٰثِ اَلنَّفَقَةَ وَالسُّكْنٰى مَادَامَتْ فِي الْعِدَّةِ وَرَدَّهٗ اَيْضًازَيْدُبْنُ ثَابِتٍ وَ اُسَامَةُ ابْنُ زَيْدٍ وَجَابِرٌ وَعَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا

ترجمہ...... اور جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو عورت کیلئے اس کی عدت میں نفقہ اور سکونت واجب ہوگی۔ (خواہ طلاق) رجعی ہو یا بائن ہو اور

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مبتوتہ (جس عورت سے قطعی جدائی ہو) کے واسطے نفقہ نہیں ہے۔ مگر جبکہ وہ حاملہ ہو۔ بہر حال رجعی تو اس وجہ سے کہ طلاق رجعی کے بعد نکاح قائم رہتا ہے۔ بالخصوص ہمارے نزدیک کیونکہ (طلاق رجعی کی عدت میں) شوہر کیلئے وطی کرنا حلال ہے اور رہی بائن تو امام شافعیؒ کے قول کی وجہ وہ حدیث ہے جو فاطمہ بنت قیس سے روایت کی گئی ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے کہا کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے میرے واسطے کوئی نفقہ اور سکنیٰ فرض نہیں کیا اور اسلئے کہ (مطلقہ بائنہ میں) شوہر کی ملک نہیں رہتی اور نفقہ مرتب ہوتا ہے ملک نکاح پر اور اسی وجہ سے متوفیٰ عنہا زوجہا کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ملک زائل ہوگئی۔ بخلاف اسکے جبکہ وہ عورت حاملہ ہو۔ کیونکہ حاملہ کا نفقہ واجب ہونا ہم کو نص قرآنی سے معلوم ہوا اور وہ باری تعالیٰ کا قول **و ان کن اولات حمل فانفقوا علیھن**...... **الآیۃ** ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ تو عورت کو اپنے پاس روک رکھنے کا عوض ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے اور احتباس ابھی مقصود نکاح یعنی ولد کے حق میں موجود ہے۔ کیونکہ عدت بچہ کی حفاظت کیلئے ہی واجب ہوتی ہے۔ پس (عدت کا) نفقہ واجب ہوگا اور اسی وجہ سے بالاتفاق عورت کیلئے سکنیٰ واجب ہوتا ہے۔ تو ایسی صورت ہوگئی جیسے وہ حمل والی ہو اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت عمرؓ نے رد کر دیا۔ چنانچہ کہا کہ ہم اپنے پروردگار کا قرآن اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑیں گے کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی ہے (اور) اس کو یاد رہا یا بھول گئی اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کیلئے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے جب تک وہ اپنی عدت میں رہے اور حدیث فاطمہ بنت قیس کو زید بن ثابت، اسامہ بن زید، جابر اور حضرت عائشہؓ نے بھی رد کر دیا۔

تشریح..... مصنفؒ جب قیام نکاح کی صورت میں نفقہ اور سکنیٰ کے بیان سے فراغت پا چکے تو اب اس فصل میں مفارقت کے بعد نفقہ اور سکنیٰ کے احکام بیان فرمائیں گے۔

چنانچہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی خواہ طلاق رجعی دی ہو، یا طلاق بائن تو عورت کی عدت میں اس کے واسطے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہوگا اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس عورت کو قطعی طور پر جدا کر دیا گیا ہو مثلاً ایک طلاق بائن یا تین طلاقیں دی ہوں یا خلع کیا ہو تو اس کے واسطے نفقہ نہیں ہے۔ اسی کے قائل امام مالک اور امام احمدؒ ہیں۔ لیکن اگر وہ عورت حاملہ ہے تو بالاجماع اس کے واسطے نفقہ واجب ہوتا ہے بہر حال طلاق رجعی کی صورت میں عدت گذرنے تک عورت کے واسطے بالاتفاق نفقہ اور سکنیٰ واجب ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ طلاق رجعی کے بعد عدت تک نکاح قائم رہتا ہے۔ بالخصوص ہمارے نزدیک اسلئے کہ ہمارے نزدیک عدت کے زمانے میں مطلقہ رجعیہ کے ساتھ وطی کرنا حلال ہے اور رہی طلاق بائن تو اس میں اختلاف ہے۔ پس امام شافعیؒ کے قول کی وجہ وہ حدیث ہے جس کو امام بخاریؒ کے علاوہ ایک جماعت نے فاطمہ بنت قیس سے روایت کیا۔ فاطمہؓ نے کہا کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے میرے واسطے نہ نفقہ فرض کیا اور نہ سکنیٰ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ پر شوہر کی ملک نہیں رہتی اور امام شافعیؒ کے نزدیک نفقہ ملک نکاح کا عوض ہوتا ہے پس جب معتدہ بائنہ پر شوہر کی ملک نہیں رہی تو اس کے واسطے نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا اور اسی وجہ سے جس عورت کا شوہر اس کو چھوڑ کر مرا ہو اس عورت کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ شوہر کی ملک نکاح زائل ہوگئی۔ اس کے برخلاف اگر وہ عورت حاملہ ہو تو اس کیلئے نفقہ واجب ہو گا۔ کیونکہ حاملہ عورت کے واسطے نفقہ کا واجب ہونا ہم کو نص قرآنی معلوم ہوا۔ یعنی **و ان کن اولات حمل فانفقوا علیھن** ۔ اگر یہ عورتیں حمل والیاں ہوں تو ان کو نفقہ دو۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ نفقہ عورت کو اپنے پاس روک رکھنے کا عوض ہے۔ جیسا کہ ہم نے اول باب النفقہ میں ذکر کیا ہے اور یہ احتباس (روکنا) مقصود نکاح یعنی بچہ کے حق میں ابھی بھی موجود ہے کیونکہ عدت اسی واسطے واجب ہوتی ہے کہ بچہ کی حفاظت کی جائے۔ پس جب احتباس موجود ہے تو عورت کے واسطے نفقہ بھی واجب ہوگا اور اسی احتباس کی وجہ سے مطلقہ بائنہ کیلئے بالاجماع سکنیٰ واجب ہے اور یہ ایسی صورت ہوگئی جیسے کہ وہ

عورت حاملہ ہو اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو حضرت عمرؓ نے رد کر دیا۔ چنانچہ کہا کہ ہم اپنے پروردگار کی کتاب اور اپنے پیغمبر ﷺ کی سنت ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑیں گے۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ سچی ہے یا جھوٹی ہے اور اس کو یاد رہا یا بھول گئی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کیلئے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے۔ جب تک وہ عدت میں رہے اور حدیث فاطمہ بنت قیس کو زید بن ثابت، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رد کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے قول کتاب ربنا سے مراد آیت اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم اور سنت نبینا سے مراد حضرت عمرؓ کا قول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول للمطلقہ الحدیث ہے۔

متوفیٰ عنہا زوجہا کا نفقہ لازم نہیں ہے

وَ لَا نَفَقَةَ لِلْمُتَوَفّٰى عَنْهَازَوْجُهَا لِاَنَّ اِحْتِبَاسَهَا لَيْسَ لِحَقِّ الزَّوْجِ بَلْ لِحَقِّ الشَّرْعِ فَاِنَّ التَّرَبُّصَ عِبَادَةٌ مِنْهَا اَلَاتَرىٰ اَنَّ مَعْنَى التَّعَرُّفِ عَنْ بَرَاءَةِ الرَّحْمِ لَيْسَ بِمُرَاعىٰ فِيْهِ حَتّٰى لَايُشْتَرَطَ فِيْهِ الْحَيْضُ فَلَاتَجِبُ نَفَقَتُهَا عَلَيْهِ وَلِاَنَّ النَّفَقَةَ تَجِبُ شَيْئًا فَشَيْئًا وَلَا مِلْكَ لَهُ بَعْدَالْمَوْتِ فَلَايُمْكِنُ اِيْجَابُهَا فِيْ مِلْكِ الْوَرَثَةِ

ترجمہ......اور متوفیٰ عنہا زوجہا کیلئے نفقہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس کا احتباس حقِ زوج کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ حقِ شرع کی وجہ سے ہے۔ اسلئے کہ تربص (اپنے آپ کو روکنا) متوفیٰ عنہا زوجہا کی جانب سے عبادت ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ رحم کی پاکی دریافت کرنا اس عدت میں ملحوظ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اس عدت میں حیض شرط ہی نہیں ہے۔ پس شوہر پر متوفیٰ عنہا زوجہا کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اور اسلئے کہ نفقہ تھوڑا تھوڑا کر کے واجب ہوتا ہے اور شوہر کی ملک موت کے بعد باقی نہیں رہی۔ تو ورثہ کی ملک میں نفقہ واجب کرنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح......مسئلہ! اگر کسی عورت کا شوہر مر گیا تو اس عورت کے واسطے عدت کا نفقہ نہیں ہے۔ اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہی ہے اور امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ اگر میت نے مال کثیر چھوڑا ہے تو عورت کے حصہ میراث میں سے اس پر خرچ کیا جائے اور اگر مال کم ہے تو جمیع مال سے اس پر خرچ کیا جائے اور متوفیٰ عنہا زوجہا کے واسطے سکنیٰ واجب ہونے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کیلئے سکنیٰ واجب نہیں ہے جیسا کہ احناف کہتے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے واسطے سکنیٰ واجب ہے اور اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں۔

متوفیٰ عنہا زوجہا کے واسطے نفقہ واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ عورت کا اپنے آپ کو روکے رکھنا شوہر کے حق کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ شریعت کے حق کی وجہ سے ہے۔ اسلئے کہ تربص (روکنا) جو قرآن میں مذکور ہے یہ متوفیٰ عنہا زوجہا کی طرف سے عبادت ہے۔ چنانچہ رحم کی پاکی دریافت کرنا متوفیٰ عنہا زوجہا کی عدت میں ملحوظ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اس عدت میں حیض شرط ہی نہیں ہے۔ چنانچہ اگر چار ماہ دس دن تک کوئی حیض نہ آوے تو بھی عدت گذر جائے گی۔ پس اس عدت میں شوہر متوفیٰ پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ نفقہ تھوڑا تھوڑا کر کے واجب ہوتا ہے اور موت کے بعد شوہر کی ملک باقی نہیں رہی۔ پس ورثاء کی ملک میں نفقہ واجب کرنا ممکن نہیں ہے۔

ہر ایسی فرقت جو عورت کی جانب سے ہو معصیت کی وجہ سے عورت کیلئے نفقہ نہیں

وَ كُلُّ فُرْقَةٍ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْمَرْاَةِ بِمَعْصِيَةٍ مِثْلُ الرِّدَّةِ وَ تَقْبِيْلُ اِبْنِ الزَّوْجِ فَلَانَفَقَةَ لَهَا لِاَنَّهَا صَارَتْ حَابِسَةً نَفْسَهَا بِغَيْرِ حَقٍّ فَصَارَتْ كَمَااِذَاكَانَتْ نَاشِزَةً بِخِلَافِ الْمَهْرِ بَعْدَ الدُّخُوْلِ لِاَنَّهُ وُجِدَ التَّسْلِيْمُ فِيْ حَقِّ الْمَهْرِ بِالْوَطْيِ وَبِخِلَافِ مَااِذَاجَاءَتِ الْفُرْقَةُ مِنْ قِبَلِهَا بِغَيْرِ مَعْصِيَةٍ كَخِيَارِ الْعِتْقِ وَخِيَارِ الْبُلُوْغِ وَالتَّفْرِيْقِ

لِعَدْمِ الْكَفَاءَةِ لِاَنَّهَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا بِحَقٍّ وَذٰلِكَ لَا يُسْقِطُ النَّفَقَةَ كَمَااِذَا حَبَسَتْ نَفْسَهَا لِاسْتِيْفَاءِ الْمَهْرِ

ترجمہ......اور ہر جدائی جو معصیت کی وجہ سے عورت کی جانب سے آئی ہو۔ مثلاً عورت مرتدہ ہوگئی یا شہوت کے ساتھ اس نے شوہر کے بیٹے کا بوسہ لے لیا۔ تو اس کے واسطے نفقہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا اپنے نفس کو روکنا ناحق ہوگیا ہے۔ تو ایسی ہوگئی جیسے وہ نافرمانی کر کے (گھر سے نکل گئی) برخلاف دخول کے بعد مہر کے اسلئے کہ مہر کے حق میں وطی کے ساتھ سپرد کرنا پایا گیا اور برخلاف اس صورت کے جبکہ فرقت عورت کی جانب سے بغیر معصیت کے پیدا ہوئی۔ جیسے خیارِ عتق اور خیارِ بلوغ اور کفوء نہ ہونے کی وجہ سے تفریق۔ کیونکہ اس نے اپنے نفس کو حق کے ساتھ روکا ہے۔ اور یہ نفقہ ساقط نہیں کرتا ہے جیسا اگر اس نے اپنے آپ کو مہر وصول کرنے کی وجہ سے روکا ہو۔

تشریح......مسئلہ، اگر فرقت معصیت کی وجہ سے عورت کی جانب سے پیدا ہو۔ مثلاً عورت اسلام سے پھر گئی یا اس نے شہوت کیساتھ اپنے شوہر کے بیٹے کا بوسہ لے لیا تو اس کے واسطے نفقہ نہ ہوگا۔ اسلئے کہ وہ اپنے نفس کو ناحق روکنے والی ہے۔ پس یہ ایسی ہوگئی جیسے وہ نافرمانی کر کے گھر سے نکل گئی ہو۔

مصنفؒ نے عبارت میں نفقہ کا ذکر کیا ہے۔ اسلئے کہ سکنیٰ اس معتدہ کے واسطے بھی واجب ہوگا۔ کیونکہ معتدہ کیلئے گھر میں ٹھہرے رہنا واجب ہے۔ لہٰذا عورت کی معصیت سے سکنیٰ ساقط نہیں ہوگا۔ مبسوط میں لکھا ہے کہ مرتدہ کا نفقہ عین ردت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوا۔ بلکہ اسلئے ساقط ہوگا کہ ردت کی وجہ سے وہ قید اور محبوس کر لی جائے گی اور محبوسہ بحق (جو اپنے حق میں گرفتار کر لی گئی ہو) بحالتِ قیام نکاح نفقہ کی مستحق نہیں ہوتی۔ پس ایسے ہی عدت میں بھی نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر عورت مرتدہ ہوگئی اور محبوس نہیں کی گئی بلکہ شوہر کے گھر میں ہے تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔ اسلئے کہ حبس اور قید کرنا نہیں پایا گیا۔ (عینی، عنایہ) اور برخلاف اس کے کہ اگر عورت وطی کے بعد مرتدہ ہوئی تو اس کا مہر ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ مہر ملک بضع کا عوض ہوتا ہے اور عورت کی جانب سے وطی کے ساتھ تسلیم بضع پایا گیا۔ اسلئے شوہر کے ذمہ سے مہر ساقط نہیں ہوگا اور اس کے برخلاف اگر فرقت عورت کی جانب سے بغیر معصیت کے پیدا ہوئی۔ مثلاً خیارِ عتق اور خیارِ بلوغ کی وجہ سے عورت نے تفریق کی ہے۔ یا کفوء نہ ہونے کی وجہ سے تفریق کی گئی تو عدت کے زمانے میں اس عورت کے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔ اسی طرح جس عورت نے لعان کیا اور لعان کی وجہ سے تفریق ہوئی تو اس کے واسطے بھی نفقہ اور سکنیٰ واجب ہوگا اور اسی طرح خلع یا ایلاء کی وجہ سے بائنہ ہوگئی تو بھی اس کیلئے بھی نفقہ اور سکنیٰ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ ان صورتوں میں عورت نے اپنے نفس کو حق کے ساتھ روکا ہے اور ایسا روکنا نفقہ ساقط نہیں کرتا ہے۔ جیسے اگر اس نے اپنے آپ کو شوہر کے پاس جانے سے اس واسطے روکا کہ اپنا مہر معجّل وصول کرے تو نفقہ قائم رہتا ہے۔ ساقط نہیں ہوتا۔

شوہر نے تین طلاقیں دیدیں ثم (العیاذ باللہ) عورت مرتد ہوگئی اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا، اور اگر شوہر کے بیٹے کو قدرت دیدی نفقہ ہوگا

وَ اِنْ طَلَّقَهَا ثَلٰثًا ثُمَّ ارْتَدَّتْ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سَقَطَتْ نَفَقَتُهَا وَاِنْ مَكَّنَتْ اِبْنَ زَوْجِهَا مِنْ نَفْسِهَا فَلَهَا النَّفَقَةُ مَعْنَاهُ مَكَّنَتْ بَعْدَ الطَّلَاقِ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ تَثْبُتُ بِالطَّلَقَاتِ الثَّلٰثِ وَلَاعَمَلَ فِيْهَا لِلرِّدَّةِ وَالتَّمْكِيْنِ اِلَّا اَنَّ الْمُرْتَدَّةَ تُحْبَسُ حَتّٰى تَتُوْبَ وَلَانَفَقَةَ لِلْمَحْبُوْسَةِ وَالْمُمَكِّنَةِ لَاتُحْبَسُ فَلِهٰذَايَقَعُ الْفَرْقُ

ترجمہ......اور اگر شوہر نے (اپنی بیوی کو) تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد وہ العیاذ باللہ مرتدہ ہوگئی۔ تو اس کا نفقہ ساقط ہوگیا اور اگر اس نے اپنے شوہر کے بیٹے کو اپنے نفس پر قدرت دی۔ تو اس کیلئے نفقہ ہوگا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ طلاق کے بعد اس نے قدرت دی (وطی کرائی) کیونکہ فرقت

تین طلاقوں کی وجہ سے ثابت ہوئی اور فرقت میں مرتد ہونے اور قدرت دینے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ مگر یہ کہ مرتدہ محبوس کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اور ایسی قیدی عورت کیلئے نفقہ نہیں ہوتا ہے اور (ابن زوج) کو قدرت دینے والی عورت قید نہ ہوگی۔ پس اس وجہ سے (دونوں میں) فرق واقع ہو جائے گا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ اس کے بعد عورت العیاذ باللہ مرتد ہوگئی۔ تو اس عورت کا نفقہ ساقط ہوگیا اور اگر تین طلاقوں کے بعد عورت نے اپنے شوہر کے بیٹے کو (جو پہلی بیوی سے ہے) اپنے نفس پر قدرت دے دی۔ یعنی اس کے ساتھ اپنا منہ کالا کیا تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہوگا۔

ان دونوں مسئلوں کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں فرقت تین طلاقوں سے ثابت ہوئی ہے اور مرتد ہونے اور ابن زوج سے وطی کرانے کو اس فرقت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لیکن اتنی بات ہے کہ جو عورت مرتدہ ہوگئی وہ قید کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے اور ایسی قیدی عورت کے واسطے نفقہ نہیں ہوتا ہے اور جس عورت نے شوہر کے برخوردار سے وطی کرائی تو وہ قید نہیں کی جاتی۔ اسلئے اس کے واسطے نفقہ ہوگا۔ پس اس وجہ سے دونوں مسئلوں میں فرق ہوگیا۔

اولاد صغار کا نفقہ باپ پر لازم ہے

فَصْلٌ. وَنَفَقَةُ الْاَوْلَادِ الصِّغَارِ عَلَى الْاَبِ لَايُشَارِكُهٗ فِيْهَا اَحَدٌ كَمَا لَايُشَارِكُهٗ فِيْ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَالْمَوْلُوْدُ لَهٗ هُوَ الْاَبُ

ترجمہ...... فصل! اور نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ اس میں باپ کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا۔ جیسے بیوی کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وعلى المولود له رزقهن** اور مولود لہٗ باپ ہے۔

تشریح...... بیوی کے نفقہ سے فراغت کے بعد اس فصل میں اولاد کے نفقہ کو بیان کریں گے۔ چنانچہ فرمایا کہ نابالغ اولاد کا نفقہ صرف ان کے باپ پر واجب ہوگا۔ اس میں باپ کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا۔ جیسے اس کی بیوی کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں ہوتا ہے۔ یہ حکم ظاہر الروایہ کے مطابق ہے اور اس پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے۔ دلیل باری تعالیٰ کا قول **و على المولود له...... الآية** ہے۔ یعنی ان عورتوں کا رزق مولود لہٗ پر واجب ہے اور مولد لہٗ باپ ہے۔ اس آیت سے استدلال اس طرح ہوگا کہ والدات کا رزق باپ پر ولد کی وجہ سے ہے۔ پس جب ولد کی وجہ سے باپ پر والدات کا رزق واجب ہے تو اس پر ولد کا رزق بدرجہ اولیٰ واجب ہوگا اور عدم اشتراک پر دلیل یہ ہے کہ والدۃ اور ولد ان دونوں میں سے کوئی بھی شرکت کو قبول نہیں کرتا۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ عورت بیک وقت دو شخصوں کی منکوحہ ہو اور نہ یہ ہوسکتا کہ بچہ دو باپ کا بیٹا ہو۔ پس ایسے ہی وہ نفقہ جو ان کے واسطے ثابت ہے وہ بھی شرکت کو قبول نہیں کرے گا۔

امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ بچہ کا نفقہ میراث کے مطابق دو تہائی باپ پر واجب ہوگا اور ایک تہائی ماں پر۔ امام طحاویؒ نے بیان کیا ہے کہ نابالغ اولاد اگر محتاج ہو تو ان کے نفقہ پر باپ کو مجبور کیا جائے گا۔ خواہ وہ مذکر اولاد ہو یا مؤنث اور اگر بالغ اولاد محتاج ہے تو ان میں سے مؤنث کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا مذکر کے نفقہ پر نہیں۔ ہاں اگر مذکر بالغ اولاد اپاہج ہو مثلاً نابینا یا لنجہ یا ہاتھ پاؤں شل ہوگئے ہوں تو ان کے نفقہ پر بھی باپ کو مجبور کیا جائے گا۔

اگر صغیر رضیع ہو اس کی ماں پر لازم نہیں ہے کہ اسے دودھ پلائے

وَاِنْ كَانَ الصَّغِيْرُ رَضِيْعًا فَلَيْسَ عَلٰى اُمِّهٖ اَنْ تُرْضِعَهٗ لِمَا بَيَّنَّا اَنَّ الْكِفَايَةَ عَلَى الْاَبِ وَاُجْرَةُ الرِّضَاعِ كَالنَّفَقَةِ

وَلِاَنَّهَا عَسَاهَا لَاتَقْدِرُ عَلَيْهِ لِعُذْرٍ بِهَا فَلَا مَعْنَى لِلْجَبْرِ عَلَيْهِ وَقِيْلَ فِيْ تَاوِيْلِ قَوْلِهِ تَعَالٰى وَلَاتُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا بِالْزَامِهَا الْاِرْضَاعَ مَعَ كَرَاهَتِهَا وَهٰذَا الَّذِيْ ذَكَرْنَا بَيَانُ الْحُكْمِ وَذٰلِكَ اِذَا كَانَ يُوْجَدُ مَنْ تُرْضِعُهٗ اَمَّا اِذَا كَانَ لَاتُوْجَدُ مَنْ تُرْضِعُهٗ تُجْبَرُ الْاُمُّ عَلَى الْاِرْضَاعِ صِيَانَةً لِلصَّبِيِّ عَنِ الضِّيَاعِ

ترجمہ...... اور اگر صغیر بچہ دودھ پیتا ہو، تو اس کی ماں پر اس کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ کفایت باپ پر واجب ہے اور دودھ پلانے کی اجرت نفقہ کے مانند ہے اور اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کی ماں کسی عذر کی وجہ سے دودھ پلانے پر قادر نہ ہو تو (اس کو) دودھ پلانے پر مجبور کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور باری تعالیٰ کے قول و لا تضارُّ والدة بولدها کی تفسیر میں کہا گیا کہ اس پر دودھ پلانا لازم نہ کیا جائے گا جبکہ یہ امر اس پر گراں ہو اور یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا حکم کا بیان ہے اور یہ بھی اس وقت تک ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے والی میسر ہو۔ بہر حال جب دودھ پلانے والی میسر نہ ہو، تو اس کی ماں پر دودھ پلانے کے واسطے جبر کیا جائے گا۔ تا کہ بچہ ضائع ہونے سے بچے۔

تشریح...... مسئلہ! اگر صغیر دودھ پیتا بچہ ہو تو قضاء اس کی ماں پر اس بچہ کو دودھ پلانا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے کہ بچہ کی کفایت باپ پر واجب ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے اور دودھ پلائی کی اجرت نفقہ کے مانند ہے۔ پس جس طرح باپ پر دودھ چھٹے بچہ کا نفقہ واجب ہے۔ اسی طرح اس پر یہ واجب ہے کہ وہ بچہ کے واسطے دودھ پلانے والی کو اجرت پر لے۔ پس ثابت ہو گیا کہ نفقہ کی طرح دودھ پلائی کی اجرت باپ پر واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ بچہ کی ماں کسی عذر کی وجہ سے اس کو دودھ پلانے پر قادر نہ ہو۔ لہٰذا بچہ کی ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اور باری تعالیٰ کے قول و لا تضار والدة بولدها و لا مولود لهٗ بولده یعنی کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچایئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے۔ کی تفسیر میں کہا گیا کہ اس پر دودھ پلانا لازم نہ کیا جائے گا۔ جبکہ یہ امر اس پر گراں ہو۔ چنانچہ حضرت اقدس تھانویؒ نے لکھا ہے کہ بچہ کے ماں باپ آپس میں کسی بات پر ضد اضدی نہ کریں۔ ماں اگر کسی وجہ سے معذور نہ ہو۔ تو اس کے ذمہ دیانۃً یعنی عنداللہ واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلاوے۔ جبکہ وہ منکوحہ ہو یا عدت میں ہو اور اجرت لینا درست نہیں اور اگر طلاق کے بعد عدت گذر چکی تو اس پر بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو اس پر جبر نہ کیا جائے گا۔ البتہ اگر بچہ کسی کا دودھ ہی نہیں لیتا اور نہ اوپر کا دودھ پیتا ہے تو ماں کو مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر ماں دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں تو باپ کو جائز نہیں کہ اس کو نہ پلانے دے اور دوسری انا کا دودھ پلوائے۔ ماں دودھ پلانے پر رضامند ہے۔ لیکن اس کا دودھ بچہ کو مضر ہے تو باپ کو جائز ہے کہ اس کو دودھ پلانے نہ دے اور کسی انا کا دودھ پلوائے اور یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا یعنی ماں کو دودھ پلانے پر مجبور نہ کرنا یہ حکم قضاء کا بیان ہے۔ ورنہ دیانۃً ماں پر دودھ پلانا واجب ہے اور ماں پر دودھ پلانے کا واجب نہ ہونا اسی وقت تک ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے والی میسر ہو اور اگر دودھ پلانے والی میسر نہ ہو یا بچہ کسی عورت کا دودھ نہ لیتا ہو تو اس کی ماں پر دودھ پلانے کے واسطے جبر کیا جائے گا۔ تا کہ بچہ ضائع ہونے سے بچے۔

باپ مرضعہ کو اجرت پر لے

قَالَ وَ يَسْتَاجِرُ الْاَبُ مَنْ تُرْضِعُهٗ عِنْدَهَا اَمَّا اسْتِيْجَارُ الْاَبِ فَلِاَنَّ الْاَجْرَ عَلَيْهِ وَقَوْلُهٗ عِنْدَهَا مَعْنَاهُ اِذَا اَرَادَتْ ذٰلِكَ لِاَنَّ الْحِجْرَ لَهَا

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا کہ (بچہ کا) باپ ایسی عورت کو نوکر رکھے جو اس کی ماں کے پاس دودھ پلادے۔ سو باپ کا نوکر رکھنا اس واسطے ہے کہ اجرت اس کے باپ ہی پر لازم ہوگی اور یہ جو کہا کہ اسکی ماں کے پاس پلادے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ماں ایسا چاہے۔ کیونکہ گود کا حق ماں ہی

کے واسطے ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ باپ دودھ پلانے کے واسطے ایسی عورت کو اجرت پر لے جو بچہ کی ماں کے پاس رہ کر دودھ پلا دے۔ رہی یہ بات کہ دودھ پلانے والی کو اس بچہ کا باپ اجرت پر لے گا۔ کیونکہ اجرت اس بچہ کے باپ ہی پر لازم ہوگی اور یہ جو قدوری نے کہا کہ دودھ پلانے والی بچہ کی ماں کے پاس رہ کر دودھ پلا دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ماں ایسا چاہے تو دودھ پلانے والی کو اسی کے پاس رہ کر پلانا لازم ہوگا۔ کیونکہ پرورش کرنے کا حق ماں ہی کے واسطے ہے۔

اگر اجرت پر اپنی بیوی کو یا معتدہ کو دودھ پلانے کیلئے لیا تو اجرت پر ان عورتوں کو لینا درست نہیں

وَ اِنِ اسْتَاجَرَهَا وَ هِيَ زَوْجَتُهُ اَوْ مُعْتَدَّتُهُ لِتُرْضِعَ وَلَدَهَا لَمْ تَجُزْ لِاَنَّ الْاِرْضَاعَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهَا دِيَانَةً قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ اِلَّا اَنَّهَا عُذِرَتْ لِاحْتِمَالِ عِجْزِهَا فَاِذَا اَقْدَمَتْ عَلَيْهِ بِالْاَجْرِ ظَهَرَتْ قُدْرَتُهَا فَكَانَ الْفِعْلُ وَاجِبًا عَلَيْهَا فَلَا يَجُوْزُ اَخْذُ الْاَجْرِ عَلَيْهِ وَهٰذَا فِي الْمُعْتَدَّةِ عَنْ طَلَاقٍ رَجْعِيٍّ رِوَايَةً وَاحِدَةً لِاَنَّ النِّكَاحَ قَائِمٌ وَ كَذَا فِي الْمَبْتُوْتَةِ فِيْ رِوَايَةٍ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى جَازَ اِسْتِيْجَارُهَا لِاَنَّ النِّكَاحَ قَدْ زَالَ وَجْهُ الْاُوْلٰى اَنَّهُ بَاقٍ فِيْ حَقِّ بَعْضِ الْاَحْكَامِ

ترجمہ ...... اور اگر اس نے بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کے واسطے اجرت پر مقرر کیا حالانکہ وہ اس کی بیوی ہے یا اس کی معتدہ ہے تو جائز نہیں ہے۔ کیونکہ دیانۃً اس عورت پر دودھ پلانا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا والوالدات یرضعن اولادھن ۔یعنی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ لیکن یہ عورت اسلئے معذور رکھی گئی تھی کہ شاید دودھ پلانے سے عاجز ہو۔ پھر جب اسنے اجرت کے ساتھ دودھ پلانا چاہا تو اس کا (دودھ پلانے پر) قادر ہونا ظاہر ہو گیا۔ پس (حکم الٰہی کے موافق) اس پر فعل ارضاع (دودھ پلانا) واجب ہوا۔ تو اب اس کام پر اجرت لینا (اس کو) جائز نہیں اور یہ (اجارہ کا جائز نہ ہونا) مطلقہ رجعیہ کی عدت میں بروایت واحدہ ہے۔ یعنی کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ نکاح موجود ہے اور یہی حکم ایک راویت میں مبتوتہ (جس کو قطعی طور پر جدا کر دیا گیا) کا ہے اور دوسری روایت میں اس کو اجرت پر لینا جائز ہے۔ کیونکہ نکاح زائل ہو گیا اور پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ نکاح بعض احکام کے حق میں باقی ہے۔

تشریح ...... مسئلہ! اگر شوہر نے اپنے بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کے واسطے اجرت پر مقرر کیا حالانکہ وہ اس کی بیوی ہے یعنی نکاح میں موجود ہے یا اس کی طلاق کی عدت میں ہے تو اس کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ دیانۃً اس عورت پر دودھ پلانا خود ہی واجب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **والوالدات یرضعن اولادھن** یعنی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ آیت میں **یرضعن** خبر ہے امر کے معنی میں جیسے **والمطلقات یتربصن** میں یتربصن خبر بمعنی امر ہے۔ مگر اس کو احتمال عجز کی وجہ سے معذور رکھا گیا تھا۔ پس جب اس نے اجرت کیساتھ دودھ پلانے کا اقدام کیا تو ظاہر ہو گیا کہ دودھ پلانے پر قادر ہے۔ پس حق جل مجدہٗ کے حکم کے موافق اس پر دودھ پلانا واجب ہوا۔ لہٰذا اس کام پر اجرت لینا اس کو جائز نہیں ہوگا اور یہ حکم جو مذکور ہوا یعنی بچہ کی ماں کو اجرت پر لینے کا جائز نہ ہونا مطلقہ رجعیہ کے حق میں متفق علیہ ہے۔ کیونکہ طلاق رجعی کے بعد نکاح قائم رہتا ہے حتیٰ کہ مطلق رجعیہ کے ساتھ اس کے شوہر کو وطی کرنا حلال ہے اور اگر طلاق بائن کی عدت میں ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں اس کو اجرت پر لینا جائز نہیں ہے اور دوسری روایت میں جائز ہے کہ اجارہ پر مقرر کر لے۔ کیونکہ نکاح زائل ہو گیا اور پہلی روایت کی وجہ یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد بھی نکاح بعض احکام کے حق میں باقی ہے۔ مثلاً عدت اور عورت کیلئے نفقہ اور سکنیٰ کا واجب ہونا۔

منکوحہ یا معتدہ کو بیٹے کے ارضاع کیلئے اجرت پر لیا جو لڑکا کسی اور عورت سے ہے لینا جائز ہے

وَ لَوِاسْتَاجَرَهَا وَهِيَ مَنْكُوحَتُهٗ اَوْمُعْتَدَّتُهٗ لِاِرْضَاعِ ابْنٍ لَهٗ مِنْ غَيْرِهَا جَازَ لِاَنَّهٗ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهَا

ترجمہ...... اور اگر اس نے اپنی منکوحہ یا معتدہ کو اس واسطے اجرت پر لیا کہ جو اس کا بچہ دوسری بیوی سے ہے اس کو دودھ پلائے تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ دودھ پلانا اس پر حق واجب نہیں ہے۔

تشریح...... صورتِ مسئلہ اور دلیل واضح ہے۔

اگر عورت کی عدت گذر گئی پھر اسے ارضاع کیلئے اجرت پر لیا جائز ہے

وَ اِنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا فَاسْتَاجَرَهَا يَعْنِىْ لِاِرْضَاعِ وَلَدِهَا جَازَ لِاَنَّ النِّكَاحَ قَدْزَالَ بِالْكُلِّيَّةِ وَصَارَتْ كَالْاَجْنَبِيَّةِ

ترجمہ...... اور اگر معتدہ کی عدت گذر گئی۔ پھر اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے واسطے جو اسی عورت سے ہے اجارہ پر مقرر کیا تو جائز ہے۔ کیونکہ نکاح بالکل زائل ہو گیا اور (یہ عورت) اجنبیہ کے مثل ہو گئی۔

تشریح...... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ معتدہ کی عدت گذر گئی پھر شوہر نے اپنے بچہ کو دودھ پلانے کے واسطے جو اسی عورت سے ہے اس کو اجرت پر مقرر کیا تو یہ اجارہ جائز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جب عدت گذر گئی تو نکاح بالکلیہ زائل ہو گیا اور یہ عورت اجنبیہ کے مانند ہو گئی۔ پس جس طرح اجنبیہ کو اجارہ پر لینا جائز ہے اسی طرح اس کو بھی لینا درست ہوگا۔

اگر باپ بچہ کی ماں کے علاوہ کو اجرت پر لائے اور ماں اجرت مثل پر راضی ہے تو وہ اجنبیہ سے زیادہ مستحق ہے

فَاِنْ قَالَ الْاَبُ لَا اَسْتَاجِرُهَا وَجَاءَ بِغَيْرِهَا فَرَضِيَتِ الْاُمُّ بِمِثْلِ اَجْرِالْاَجْنَبِيَّةِ اَوْرَضِيَتْ بِغَيْرِ اَجْرٍ كَانَتْ هِيَ اَحَقُّ لِاَنَّهَا اَشْفَقُ فَكَانَ نَظَرُ الصَّبِيِّ فِي الدَّفْعِ اِلَيْهَا وَاِنِ الْتَمَسَتْ زِيَادَةً لَمْ يُجْبَرِ الزَّوْجُ عَلَيْهَا دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْهُ وَاِلَيْهِ الْاِشَارَةُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ اَىْ بِاِلْزَامِهٖ لَهَا اَكْثَرَ مِنْ اُجْرَةِ الْاَجْنَبِيَّةِ

ترجمہ...... پھر اگر (بچہ کے) باپ نے کہا کہ میں بچہ کی ماں کو اجرت پر نہیں لوں گا۔ (بلکہ) بچہ کی ماں کے علاوہ دوسری دودھ پلانے والی لایا۔ پھر اجنبیہ کی اجرت کے مثل پر (بچہ کی) ماں راضی ہو گئی یا بغیر اجرت کے راضی ہو گئی تو یہی مستحق ہو گی۔ کیونکہ یہ (اپنے بچے پر) زیادہ شفیق ہے۔ تو اسی کو سپرد کرنے میں بچہ کے حق میں زیادہ بہتری ہے اور اگر بچہ کی ماں نے اجنبیہ کی اجرت سے زیادہ مانگا تو شوہر زیادہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ تاکہ اس سے ضرر دور ہو اور اسی طرف اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا وَلَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۔ یعنی ماں اپنے بچہ کی وجہ سے مضرت میں نہ ڈالی جائے گی اور نہ بچہ کا باپ اپنے بچہ کی وجہ سے ضرر اٹھادے گا۔ یعنی اس پر بچہ کی ماں کے واسطے اجنبیہ کی اجرت سے زیادہ اجرت واجب نہ ہو گی۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر بچہ کے باپ نے کہا کہ میں اس کی ماں کو اجارہ پر مقرر نہیں کروں گا۔ بلکہ اسکے علاوہ دودھ پلانے والی کو لے آیا۔ پھر جس قدر اجرت اجنبیہ مانگتی تھی اسی قدر اجرت پر یا بغیر اجرت کے خود بچے کی ماں راضی ہو گئی تو اس صورت میں بچہ کی ماں ہی مستحق ہو گی۔ دلیل یہ

ہے کہ ماں اپنے بچہ پر زیادہ شفیق ہے تو اسی کے سپرد کرنے میں بچہ کے حق میں بہتری ہے اور اگر بچہ کی ماں نے اجنبیہ کی اجرت سے زیادہ مانگی تو شوہر یعنی بچہ کے باپ کو زیادہ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ تاکہ اس سے ضرر دور ہو اور اسی طرف اللہ رب العزت نے اشارہ فرمایا وَلَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهُ بِوَلَدِهِ ۔ یعنی بچہ کی ماں کیلئے اجنبیہ کی اجرت سے زیادہ مقرر کر کے باپ کو تکلیف نہ پہنچائی جائے بلکہ بچہ اس دودھ پلانے والی انا کے سپرد کر دیا جائے گا۔ وہ اس کی ماں کے پاس رہ کر اس کو پلائے گی۔

صغیر کا نفقہ باپ پر واجب ہے اگر وہ دین میں مخالف ہو

وَ نَفَقَةُ الصَّغِيْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى اَبِيْهِ وَاِنْ خَالَفَه' فِيْ دِيْنِهٖ كَمَا تَجِبُ نَفَقَةُ الزَّوْجَةِ عَلَى الزَّوْجِ وَاِنْ خَالَفَتْهُ فِيْ دِيْنِهٖ اَمَّا الْوَلَدُ فَلِاِطْلَاقِ مَا تَلَوْنَا وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ الْاٰيَةُ وَلِاَنَّهٗ جُزْؤُهٗ فَيَكُوْنُ فِيْ مَعْنٰى نَفْسِهٖ وَاَمَّا الزَّوْجَةُ فَلِاَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْعَقْدُ الصَّحِيْحُ فَاِنَّهٗ بِاِزَاءِ الْاِحْتِبَاسِ الثَّابِتِ بِهٖ وَقَدْ صَحَّ الْعَقْدُ بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْكَافِرَةِ وَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ الْاِحْتِبَاسُ فَوَجَبَتِ النَّفَقَةُ وَفِيْ جَمِيْعِ مَا ذَكَرْنَا اِنَّمَا تَجِبُ النَّفَقَةُ عَلَى الْاَبِ اِذَا لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيْرِ مَالٌ اِذَا كَانَ فَالْاَصْلُ اَنَّ نَفَقَةَ الْاِنْسَانِ فِيْ مَالِ نَفْسِهٖ صَغِيْرًا كَانَ اَوْ كَبِيْرًا

ترجمہ ...... اور صغیر بچہ کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہے۔ اگرچہ باپ اسکے ساتھ دین میں مخالف ہو۔ جیسے شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ اگرچہ شوہر سے دین میں مخالف ہو۔ بہر حال ولد تو اس آیت کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو ہم نے تلاوت کی یعنی وعلى المولود له رزقهن اور اسلئے کہ بچہ اپنے باپ کا جزء ہوتا ہے۔ تو اپنی ذات کے معنی میں ہوگا اور رہی بیوی تو اسلئے کہ (نفقہ کا) سبب عقد صحیح ہے۔ کیونکہ نفقہ اس احتباس کے مقابلہ میں ہے جو احتباس اس نکاح کی وجہ سے ثابت ہے اور مسلمان مرد اور کافرہ (کتابیہ) عورت کے درمیان عقد نکاح صحیح ہوتا ہے اور احتباس (روکنا) اس پر مرتب ہوتا ہے۔ تو نفقہ بھی واجب ہوگا اور مذکورہ تمام صورتوں میں باپ پر (صغیر کا) نفقہ اسی وقت واجب ہوگا جبکہ صغیر بچہ کا ذاتی کچھ مال نہ ہو اور اگر بچہ کا کچھ مال ہو تو اصل یہ ہے کہ آدمی کا نفقہ اپنے مال میں سے ہو (خواہ) صغیر ہو یا کبیر ہو۔

تشریح ...... فرمایا کہ صغیر کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہے۔ اگرچہ باپ اسکے ساتھ دین میں مخالف ہو۔ مثلاً صغیر نے اسلام قبول کیا اور باپ کافر ہے یا باپ مسلمان ہے اور بچہ مرتد ہو گیا۔ واضح رہے کہ سمجھدار بچہ کا اسلام اور مرتد ہونا صحیح ہے۔ اسی طرح بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اگرچہ وہ دین میں شوہر سے مخالف مثلاً یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو۔

بچہ کا نفقہ واجب ہونے پر دلیل وہ آیت ہے جس کو ہم نے سابق میں تلاوت کیا ہے۔ یعنی و على المولود له رزقهن ۔ یہ آیت بیویوں کے نفقہ میں عبارۃ النص ہے اور اولاد کے نفقہ میں دلالۃ النص ہے۔ جیسا کہ سابق میں بیان ہوا اور چونکہ آیت مطلق ہے اسلئے مطلقاً صغیر کا نفقہ اس کے باپ پر واجب ہوگا۔ خواہ دونوں کا دین ایک ہو یا مختلف۔

اور دوسری دلیل یہ ہے بچہ اپنے باپ کا جزء ہوتا ہے۔ پس وہ اپنی ذات کے حکم میں ہوا اور چونکہ اپنی ذات کا نفقہ فرض ہے۔ اسلئے اپنے جزء یعنی اولاد کا نفقہ بھی فرض ہوگا اور رہا بیوی کا نفقہ تو اس کی دلیل یہ ہے کہ بیوی کے نفقہ کا سبب نکاح صحیح ہے۔ کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے عورت اپنے آپ کو شوہر کے واسطے پابند کرتی ہے۔ اسکے مقابلہ میں نفقہ واجب ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ کتابیہ کافرہ اور مسلمان مرد کے درمیان عقد نکاح صحیح ہوتا ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا قول ہے والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب ۔ پس جب ان دونوں کے درمیان کا حق صحیح ہو گیا تو اس نکاح پر احتباس (روکنا) مرتب ہوگا اور جب اس نکاح پر احتباس مرتب ہو گیا تو شوہر پر نفقہ بھی واجب ہوگا۔

پھر واضح ہو کہ سب صورتوں میں جو ہم نے ذکر کیں باپ پر اولاد کا نفقہ جب ہی واجب ہوگا۔ جبکہ صغیر کے پاس اس کا کچھ ذاتی مال نہ ہو اور اگر

صغیر بچہ کے پاس اس کا کچھ ذاتی مال ہو تو اس کا نفقہ اسی کے مال سے ہوگا۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ آدمی کا نفقہ اپنے مال سے ہو خواہ وہ صغیر ہو یا کبیر۔

فوائد...... صغیر کا مال ہونے کی یہ صورت ہے کہ اس نے کسی سے میراث پائی یا اس کو کسی نے ہبہ کیا اور اگر صغیر کے پاس زمین یا کپڑے یا جانور وغیرہ ہوں اور اس کے نفقہ کے واسطے ان کی ضرورت پڑے تو باپ متولی ہوگا۔ کہ ان سب کو بیچ کر اسی کے نفقہ میں خرچ کرے۔ (عینی شرح ہدایہ)

آدمی پر اس کے ابوین اور اجداد اور جدات کا نفقہ لازم ہے اگر وہ فقراء ہوں اگر چہ وہ دین میں مخالف ہوں

فَصْلٌ وَعَلَى الرَّجُلِ اَنْ يُّنْفِقَ عَلٰى اَبَوَيْهِ وَاَجْدَادِهٖ وَجَدَّاتِهٖ اِذَا كَانُوْا فُقَرَاءَ وَاِنْ خَالَفُوْهُ فِيْ دِيْنِهٖ اَمَّا الْاَبَوَانِ فَلِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا نَزَلَتِ الْاٰيَةُ فِي الْاَبَوَيْنِ الْكَافِرَيْنِ وَلَيْسَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ يَّعِيْشَ فِيْ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَيَتْرُكَهُمَا يَمُوْتَانِ جُوْعًا وَاَمَّا الْاَجْدَادُ وَالْجَدَّاتُ فَلِاَنَّهُمْ مِنَ الْاٰبَاءِ وَالْاُمَّهَاتِ وَلِهٰذَا يَقُوْمُ الْجَدُّ مَقَامَ الْاَبِ عِنْدَ عَدَمِهٖ وَلِاَنَّهُمْ سَبَّبُوْا لِاِحْيَائِهٖ فَاسْتَوْجَبُوْا عَلَيْهِ الْاِحْيَاءَ بِمَنْزِلَةِ الْاَبَوَيْنِ وَشَرَطَ الْفَقْرَ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ ذَا مَالٍ فَاِيْجَابُ نَفَقَتِهٖ فِيْ مَالِهٖ اَوْلٰى مِنْ اِيْجَابِهَا فِيْ مَالِ غَيْرِهٖ وَلَا يَمْنَعُ ذٰلِكَ بِاخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِمَا تَلَوْنَا

ترجمہ...... فصل! آدمی پر واجب ہے کہ اپنے والدین اور اجداد اور جدات کو نفقہ دے جبکہ وہ محتاج ہوں۔ اگر چہ دین میں اسکے مخالف ہوں۔ بہر حال والدین (کے نفقہ میں دلیل) باری تعالیٰ کا قول **و صاحبهما فی الدنیا معروفا** یعنی دنیا میں والدین کے ساتھ اعتدال کے طور پر رہا کر۔ یہ آیت کافر والدین کے حق میں نازل ہوئی اور معروف (اعتدال کا رہنا) یہ نہیں ہے کہ خود نعمت الٰہی میں عیش کرے اور والدین کو چھوڑ دے کہ بھوکے مر جائیں اور اجداد و جدات کی دلیل یہ ہے کہ وہ بھی باپوں اور ماؤں میں سے ہیں اور اسی وجہ سے باپ کی عدم موجودگی میں دادا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسلئے کہ وہ بھی آدمی کے زندہ ہونے کا سبب ہیں۔ تو وہ اس آدمی پر اپنی زندگی کا استحقاق رکھتے ہیں۔ جیسے والدین میں ہے اور محتاجی کی شرط اسلئے لگائی کہ اگر باپ مالدار ہو تو اس کا نفقہ اپنے مال میں واجب ہونا اولیٰ ہے بہ نسبت مال غیر کے اور اختلاف دین نفقہ واجب ہونے سے مانع نہیں ہوتا۔ اس آیت کی وجہ سے جو ہم تلاوت کر چکے۔

تشریح...... اولاد کے نفقہ سے فراغت کے بعد اس فصل میں والدین، دادا، دادی اور خادم کا نفقہ بیان کریں گے۔

مسئلہ یہ ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے ماں باپ، دادا دادی کو نفقہ دے، بشرطیکہ وہ محتاج ہوں اگر چہ دین میں اسکے مخالف ہوں۔ پس والدین کے نفقہ میں دلیل باری تعالیٰ کا قول **و ان جاهداك علىٰ ان لا تشرك بى ما ليس لك به علم فلا تطعهما و صاحبهما فى الدنيا معروفا واتبع سبيل من اناب الى** ہے۔ یعنی اگر وہ دونوں تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ میرے ساتھ ایسی چیز کو ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں انکے ساتھ خوبی سے بسر کرنا اور اسی کی راہ پر چلنا جو میری طرف رجوع ہو۔ (سورہ لقمان) یہ آیت سعد بن ابی وقاصؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ خود مسلمان ہو گئے تھے اور ان کی والدہ جمیلہ نامی کافرہ تھیں اور اس نے سعد کے اسلام لانے کی وجہ سے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں ان کی اطاعت مت کرو۔ البتہ دنیا میں انکے ساتھ معروف طریقہ پر رہو اور معروف طریقہ سے رہنا یہ نہیں ہے کہ خود تو اللہ کی نعمتوں میں عیش کرے اور والدین کو چھوڑ دے کہ وہ بھوکے مر جائیں۔ اس آیت سے واضح ہوا کہ ماں باپ اگر محتاج ہوں تو بیٹے پر ان کا نفقہ واجب ہے اگر چہ دین میں دونوں کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔

اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے شرح کافی میں باری تعالیٰ کے قول **ولا تقل لهما اف** سے استدلال کیا ہے۔ بایں طور کہ اس آیت میں والدین کو

اف کہنے یعنی ایذاء پہنچانے سے منع کیا گیا ہے اور ضرورت کے وقت ان کو نفقہ نہ دینے میں زیادہ اذیت اور تکلیف ہے۔اسلئے آدمی پر اپنے ماں باپ کو نفقہ دینا واجب ہوگا اور چونکہ آیت مطلق ہے اسلئے یہ حکم عام ہوگا۔خواہ والدین مسلمان ہوں یا کافر ہوں۔نیز حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ان اطیب مال الرجل من کسبه و ان ولده من کسبه فکلوا من کسب اولادکم ۔یعنی آدمی کا بہترین کھانا اس کی کمائی سے ہے اور اس کا بچہ بھی اس کی کمائی ہے۔اس وجہ سے تم اپنی اولاد کی کمائی سے کھاؤ۔اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ باپ کا نفقہ اس کی اولاد کی کمائی میں واجب ہے۔

واضح ہو کہ آیت و صاحبهما فی الدنیا معروفاً کا محمل غیر حربی والدین ہیں اور اگر والدین حربی ہیں اگر چہ وہ امن لے کر دارالاسلام میں آ گئے ہوں تو بیٹے کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ ان کو نفقہ دے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

لا ینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبروهم و تقسطوا الیهم ان الله یحب المقسطین ۔ انما ینهاکم الله عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم و ظاهروا علیٰ اخراجکم ان تولوهم و من یتولهم فاولئك هم الظالمون ۔(پ ۲۸، ع ۷)

یعنی اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گنہگار ہوں گے۔
(تھانویؒ)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ محاربین کے ساتھ حسن سلوک نہ کیا جائے اور جو کافر غیر محارب ہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے دریغ نہ کرو۔پس ثابت ہوا کہ ماں باپ اگر غیر حربی ہوں تو بیٹا ان کو نفقہ دے گا اور اگر حربی ہیں تو ان کا نفقہ بیٹے پر واجب نہیں ہوگا۔

اور باپ اور ماں کے علاوہ دادا، دادی کے واسطے وجوبِ نفقہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ بھی باپوں اور ماؤں میں سے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اگر باپ نہ ہو تو دادا اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ دادا اور دادی بھی آدمی کے زندہ ہونے کا سبب ہیں تو اسی آدمی پر اپنی زندگی کا استحقاق رکھتے ہیں جیسے والدین میں ہے اور محتاج ہونے کی شرط اسلئے لگائی کہ اگر باپ مالدار ہو تو اس کا نفقہ اپنے مال میں واجب ہونا اولیٰ ہے بہ نسبت غیر کے مال میں واجب ہونے کے۔حضور اقدس ﷺ نے بھی فرمایا کل من کد یمینك و عروق جنبك یعنی اپنے ہاتھ اور خون پسینہ کی محنت سے کھاؤ۔

اور رہا دین کا اختلاف تو یہ نفقہ واجب ہونے سے مانع نہیں ہوتا۔دلیل آیت وصاحبهما فی الدنیا معروفاً ہے۔یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ والدین خواہ مؤمن ہوں یا کافر ہوں ان کے ساتھ اعتدال کا برتاؤ رکھے۔اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ہیں۔

کن لوگوں کا نفقہ اختلاف دین کے باوجود واجب ہوتا ہے

وَلَاتَجِبُ النَّفَقَةُ مَعَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ اِلَّا لِلزَّوْجَةِ وَالْاَبَوَيْنِ وَالْاَجْدَادِ وَالْجَدَّاتِ وَالْوَلَدِ وَوَلَدِالْوَلَدِ اَمَّاالزَّوْجَةُ فَلِمَاذَكَرْنَا اَنَّهَاوَاجِبَةٌ لَهَا بِالْعَقْدِلِاِحْتِبَاسِهَا لِحَقٍّ لَهُ مَقْصُوْدٍ وَهٰذَالَايَتَعَلَّقُ بِاِتِّحَادِ الْمِلَّةِ وَاَمَّاغَيْرُ هَافَلِاَنَّ الْجُزْئِيَّةَ ثَابِتَةٌ وَجُزْءُ الْمَرْءِ فِيْ مَعْنٰى نَفْسِهٖ فَكَمَالَا يَمْتَنِعُ نَفَقَةَ نَفْسِهٖ بِكُفْرِهٖ لَايَمْتَنِعُ نَفَقَةَ جُزْءِهٖ اِلَّا اَنَّهُمْ اِذَا كَانُوْاحَرْبِيِّيْنِ لَاتَجِبُ نَفَقَتُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِ وَاِنْ كَانُوْ امُسْتَامِنِيْنِ لِاَنَّانُهِيْنَا عَنِ الْبِرِّ فِيْ حَقِّ مَنْ يُّقَاتِلُنَا فِي الدِّيْنِ

ترجمہ..... اور دینی اختلاف کے ساتھ کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا سوائے بیوی کے اور والدین اور اجداد وجدات اور بیٹے اور پوتے کے اور بہر حال بیوی (کا نفقہ) تو اس دلیل میں واجب ہوا ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ کیونکہ عورت نے اپنے کو شوہر کے حق مقصود کی وجہ سے محبوس کیا ہے اور یہ دین کے متحد ہونے کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا ہے اور بیوی کے علاوہ تو اسلئے کہ جز ہونا ثابت ہے اور آدمی کا جز اس کی ذات کے معنی میں ہوتا ہے۔ پس جیسے آدمی اپنا نفقہ اپنے کفر کی وجہ سے نہیں روکتا۔ ایسے ہی اپنے جز کا نفقہ بھی نہیں روک سکتا۔ مگر جبکہ وہ حربی ہوں، تو ان کا نفقہ مسلمان پر واجب نہیں ہوگا۔ اگر چہ یہ لوگ امان لے کر دارالاسلام میں آئے ہوں اسلئے کہ ہم کو ان کے ساتھ احسان کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے جو ہم سے دین کے بارے میں لڑائی کریں۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ دینی اختلاف کے ہوتے ہوئے کسی کا نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ سوائے بیوی کے اور والدین کے اور دادا اور دادی کے اور بیٹے اور پوتے کے پس دینی اختلاف کے باوجود بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر اسلئے واجب ہوگا کہ بیوی کے واسطے نفقہ عقد نکاح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ بیوی نے اپنے آپ کو شوہر کے حق مقصود یعنی وطی وغیرہ کیلئے محبوس کر رکھا ہے اور اس میں زوجین کے دینی اعتبار سے متحد ہونے کو کوئی دخل نہیں ہے اور بیوی کے علاوہ باقیوں کا نفقہ اس وجہ سے لازم ہوتا ہے کہ جز ہونا ثابت ہے۔ ولد کا جز ہونا تو ظاہر ہے اور اس کے علاوہ والدین، اجداد وجدات وغیرہ تو اسلئے کہ ان کو ولاد کا رشتہ شامل ہے۔ بہر حال ان سب میں جزئیت کے معنی موجود ہیں اور آدمی کا جز واس کی ذات کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس جس طرح آدمی اپنی ذات کا نفقہ اپنے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں روکتا۔ ایسے ہی جن کے ساتھ ان کو جزئیت کا علاقہ ہے ان کا نفقہ بھی نہیں روک سکتا۔ لہٰذا اگر یہ محتاج ہوں تو ان سب کا نفقہ واجب ہوگا۔ لیکن اگر یہ لوگ حربی ہیں مسلمان سے برسر پیکار رہتے ہیں تو ان کا نفقہ واجب نہ ہوگا۔ اگر چہ یہ لوگ امان لے کر دارالاسلام میں آئے ہوں کیونکہ جو شخص ہم سے دین کے بارے میں لڑائی کرے خواہ کوئی ہو ہم کو اس کے ساتھ احسان کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبروا ھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۔ انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم و من یتولھم فاولٰئك ھم الظالمون

ترجمہ آیت پہلے مسئلہ میں گذر چکا۔ ملاحظہ فرمالیا جائے۔

حاصل یہ کہ ان لوگوں کا نفقہ اگر کافر ہوں تو مسلمان پر جب ہی واجب ہوگا کہ یہ لوگ دارالاسلام میں مطیع ہوں ورنہ واجب نہیں ہے۔

نصرانی پر مسلمان بھائی کا نفقہ واجب نہیں اسی طرح مسلمان پر نصرانی بھائی کا نفقہ واجب نہیں

وَ لَا تَجِبُ عَلَى النَّصْرَانِيِّ نَفَقَةُ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ وَكَذَالَا تَجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِ نَفَقَةُ اَخِيْهِ النَّصْرَانِيِّ مُتَعَلِّقَةٌ بِالْاِرْثِ بِالنَّصِ بِخِلَافِ الْعِتْقِ عِنْدَالْمِلْكِ لِاَنَّهٗ مُتَعَلِّقٌ بِالْقَرَابَةِ وَالْمَحْرَمِيَّةِ بِالْحَدِيْثِ وَلِاَنَّ الْقَرَابَةَ مُوْجِبَةٌ لِلصِّلَةِ وَمَعَ الْاِتِّفَاقِ فِي الدِّيْنِ آكَدُ وَدَوَامُ مِلْكِ الْيَمِيْنِ اَعْلٰى فِي الْقَطْعِيَّةِ مِنْ حِرْمَانِ النَّفَقَةِ فَاعْتَبَرْنَا فِي الْاَعْلٰى اَصْلَ الْعِلَّةِ وَفِي الْاَدْنٰى الْعِلَّةَ الْمُؤَكَّدَةَ فَلِهٰذَا افْتَرَقَا

ترجمہ..... اور نصرانی پر اپنے مسلمان بھائی کو نفقہ دینا واجب نہیں ہے اور ایسے ہی مسلمان پر اپنے نصرانی بھائی کو نفقہ دینا واجب نہیں ہے کیونکہ نص سے نفقہ کا تعلق میراث کے ساتھ ہے۔ بخلاف مالک ہونے کے وقت آزاد ہونے کے۔ کیونکہ آزادی قرابت اور محرمیت کے ساتھ متعلق ہے۔ حدیث کی وجہ سے اور اسلئے کہ قرابت صلہ رحمی کو واجب کرنے والی ہے اور دین میں متفق ہونے کی وجہ سے مؤکد ہو جاتا ہے اور ملک یمین پر ہمیشگی قطع

رحمی میں حرمانِ نفقہ سے بڑھ کر ہے۔ پس ہم نے اعلیٰ میں اصل علت کا اعتبار کیا اور ادنیٰ میں علت مؤکدہ کا اعتبار کیا۔ پس اسی وجہ سے دونوں میں فرق ہو گیا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ نصرانی پر یہ واجب نہیں کہ اپنے نسبی بھائی کو جو مسلمان ہے نفقہ دے اور یوں ہی مسلمان پر واجب نہیں ہے کہ اپنے نصرانی بھائی کے نفقہ دے۔ دلیل یہ ہے کہ نص قرآنی یعنی و علی الوارث مثل ذالك سے ثابت ہے کہ نصرانی بھائی کو نفقہ کا تعلق میراث کے ساتھ ہے۔ یعنی جن میں باہم میراث جاری ہوتی ہے ان میں نفقہ بھی ہوگا اور چونکہ مسلمان اور ذمی کے درمیان میراث جاری نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان میں سے ایک کا دوسرے پر نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا اور اس کے برخلاف کہ اگر مسلمان نے اپنے نصرانی بھائی کو خریدا تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ آزادی کا تعلق قرابت اور محرمیت کے ساتھ ہے۔ اسلئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے من ملك ذارحم محرم منه عتق عليه ۔ یعنی جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرابت ذی رحم محرم پر احسان کرنے کو واجب کرتی ہے اور جب دین میں متفق ہوں یعنی دونوں مسلمان ہوں تو یہ مؤکد ہو جاتا ہے اور کسی قرابتی کو ہمیشہ اپنی ملک میں رکھنا اس میں قطع رحمی زیادہ ہے بہ نسبت اسکے کہ اس کو نفقہ سے محروم کر دے۔ پس ہم نے اعلیٰ یعنی قرابت دار مملوک بنائے رکھنے میں اصل علت کا اعتبار کیا۔ یعنی محض اس کا اعتبار کیا کہ اگر کوئی اپنے قرابتدار کا مالک ہو گیا تو مملوک اس پر آزاد ہو جائے گا۔ خواہ دین میں متحد ہوں یا متحد نہ ہوں اور ادنیٰ یعنی نفقہ میں علت مؤکدہ کا اعتبار کیا یعنی قرابت مع اتحاد فی الملت کا اعتبار کیا۔ یعنی نفقہ جب ہی واجب ہوگا جبکہ قرابت کے ساتھ دین میں بھی دونوں متحد ہوں۔ پس چونکہ نفقہ سے محروم کرنے میں قطع رحمی کم ہے بہ نسبت اپنے قرابتی کو مملوک بنائے رکھنے کے۔ اسی وجہ سے آزادی اور نفقہ واجب ہونے میں فرق ہو گیا۔

بیٹے کے ساتھ والدین کے نفقہ میں کوئی شریک نہیں ہوگا

وَ لَا يُشَارِكُ الْوَلَدُ فِيْ نَفَقَةِ اَبَوَيْهِ اَحَدٌ لِاَنَّ لَهُمَا تَاوِيْلًا فِيْ مَالِ الْوَلَدِ بِالنَّصِّ وَلَا تَاوِيْلَ لَهُمَا فِيْ مَالِ غَيْرِهٖ وَ لِاَنَّهٗ اَقْرَبُ النَّاسِ اِلَيْهِمَا فَكَانَ اَوْلٰى بِاسْتِحْقَاقِ نَفَقَتِهِمَا عَلَيْهِ وَهِيَ عَلَى الذُّكُوْرِ وَالْاِنَاثِ بِالسَّوِيَّةِ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ لِاَنَّ الْمَعْنٰى يَشْمُلُهُمَا

ترجمہ...... اور والدین کے نفقہ میں بیٹے کے ساتھ کوئی شریک نہ ہوگا۔ کیونکہ والدین کے واسطے اپنے بچہ کے مال میں ایک تاویل ہے اور غیر کے مال میں ان کے واسطے کوئی تاویل نہیں ہے اور اسلئے کہ والدین کی طرف لوگوں میں ولد ہی سب سے زیادہ قریب ہے۔ پس ان دونوں کے نفقہ کا استحقاق اس پر اولیٰ ہوگا۔ پھر ظاہر الروایۃ میں والدین کے نفقہ کا استحقاق لڑکے اور لڑکیوں پر برابر ہے اور یہی صحیح ہے۔ اسلئے کہ سبب ان دونوں کو یکساں شامل ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر والدین تنگدست ہوں اور ان کا بچہ مالدار ہو تو ان کا نفقہ خاص طور سے اسی پر واجب ہوگا۔ اسکے ساتھ نفقہ دینے میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ والدین اپنے بچہ کے مال میں حدیث انت و مالك لابيك کی وجہ سے تاویل کر سکتے ہیں اور غیر کے مال میں تاویل نہیں کر سکتے۔ پس یہ دونوں اپنے فرزند کے مال کی وجہ سے مالدار ہوں گے اور مال دار کا نفقہ غیر پر واجب نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے نفقہ میں غیر ولد شریک نہیں ہوگا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ نفقہ ایک عطیہ ہے جو قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے لہٰذا جو والدین سے زیادہ قریب ہوگا وہی ان کو نفقہ دینے کا زیادہ مستحق ہوگا اور چونکہ بچہ اپنے والدین سے زیادہ قرابت رکھتا ہے بہ نسبت دوسرے لوگوں کے۔ اسلئے والدین کا نفقہ صرف اس پر واجب ہوگا اور والدین کے نفقہ میں لڑکا اور لڑکی دونوں برابر ہیں۔ یہ حکم ظاہر الروایۃ کا ہے اور یہی صحیح ہے حتیٰ کہ اگر باپ محتاج ہوا اور

اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا مالدار ہوں تو ان دونوں کو یکساں شامل ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی محتاج آدمی کا ایک بھائی اور ایک بہن مالدار ہیں تو ان پر اس کا نفقہ اثلاثا واجب ہوگا۔ یعنی دو تہائی بھائی پر اور ایک تہائی بہن پر واجب ہوگا۔ جیسے میراث میں دو تہائی بھائی کو اور ایک تہائی بہن کو ملتا ہے۔ اسلئے کہ اس صورت میں نفقہ واجب ہونے کا سبب میراث ہے۔

شمس الائمہ سرخسیؒ نے فرمایا کہ باپ کا نفقہ بھی لڑکے اور لڑکی پر اثلاثا واجب ہوگا۔ یعنی دو تہائی لڑکے پر اور ایک تہائی لڑکی پر۔ امام سرخسیؒ نے نفقہ کو میراث پر قیاس کیا ہے۔ یعنی دونوں جگہ للذکر مثل حظ الانثیین پر عمل ہوگا۔

ذی رحم محرم کا نفقہ کب واجب ہوتا ہے

وَالنَّفَقَةُ لِكُلِّ ذِيْ رَحْمٍ مَحْرَمٍ اِذَا كَانَ صَغِيْرًا فَقِيْرًا اَوْ كَانَتْ اِمْرَأَةً بَالِغَةً فَقِيْرَةً اَوْ كَانَ ذَكَرًا بَالِغًا فَقِيْرًا زَمِنًا اَوْ اَعْمٰى لِاَنَّ الصِّلَةَ فِي الْقَرَابَةِ لِقَرِيْبَةٍ وَاجِبَةٌ دُوْنَ الْبَعِيْدَةِ وَالْفَاصِلُ اَنْ يَّكُوْنَ ذَا رَحْمٍ مَحْرَمٍ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَالِكَ وَفِيْ قِرَاءَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحْمِ الْمَحْرَمِ مِثْلُ ذٰلِكَ ثُمَّ لَابُدَّ مِنَ الْحَاجَةِ وَالصِّغَرُ وَالْاُنُوْثَةُ وَالزِّمَانَةُ وَالْعَمٰى اَمَارَةُ الْحَاجَةِ لِتَحَقُّقِ الْعِجْزِ فَاِنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْكَسْبِ غَنِيٌّ بِكَسْبِهٖ بِخِلَافِ الْاَبَوَيْنِ لِاَنَّهٗ يَلْحَقُهُمَا تَعَبُ الْكَسْبِ وَالْوَلَدُ مَامُوْرٌ بِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُمَا فَتَجِبُ نَفَقَتُهُمَا مَعَ قُدْرَتِهِمَا عَلَى الْكَسْبِ

ترجمہ..... اور نفقہ ہر ذی رحم محرم کیلئے واجب ہوتا ہے جبکہ وہ صغیر محتاج ہو یا عورت بالغہ محتاج ہو۔ یا مرد بالغ محتاج لنجا یا اندھا ہو۔ کیونکہ احسان کرنا قرابت قریبہ میں واجب ہوتا ہے نہ کہ بعیدہ میں اور فاصل ذی رحم محرم ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وعلى الوارث مثل ذالك اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں ہے وعلى الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذالك ۔ پھر محتاج ہونا ضروری ہے اور نابالغ ہونا، عورت ہونا، لنجا اور اندھا ہونا محتاج ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ عجز متحقق ہے۔ اسلئے کہ جو شخص کمائی پر قادر ہے وہ اپنی کمائی کی وجہ سے مالدار ہوتا ہے برخلاف والدین کے۔ کیونکہ کمائی سے مشقت لاحق ہوگی۔ حالانکہ فرزند کو ان دونوں سے ضرر دور کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پس ان دونوں کے کمائی پر قادر ہونے کے باوجود ان دونوں کا نفقہ (اولاد پر) واجب ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ ذی رحم محرم اگر نابالغ محتاج ہو یا عورت بالغہ محتاج ہو۔ یا مرد بالغ محتاج لنجا یا اندھا ہو تو اس کے واسطے نفقہ واجب ہوتا ہے۔ ذی رحم محرم وہ ہے جس کے ساتھ علی التابید نکاح حرام ہو اور ذی رحم محرم کی قید اس لئے لگائی کہ اگر رحم پایا جائے محرم نہ پایا جائے۔ جیسے چچازاد بھائی یا محرم ہو اور رحم نہ ہو، جیسے رضاعی بھائی یا بہن۔ یا رحم اور محرم دونوں پائے جائیں مگر بغیر قرابت کے ہو جیسے چچازاد بھائی جو رضاعی بھائی بھی ہے تو ان کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ بہر حال ذی رحم محرم اگر نابالغ محتاج ہو یا عورت بالغہ محتاج ہو یا مرد بالغ محتاج لنجا یا اندھا ہو تو ان کے واسطے نفقہ واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ احسان کرنا قرابت قریبہ میں واجب ہوتا ہے اور قرابت بعیدہ میں نہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا و علی الوارث مثل ذالك یعنی وارث پر اس کے مثل واجب ہوتا ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں ہے و علی الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذلك یعنی ہر ایسے وارث پر جس کا رشتہ دائمی حرام کیا گیا ہو اس کے مثل واجب ہے اور قرابت قریبہ اور بعیدہ میں فاصل یہ ہے کہ اگر ذی رحم محرم ہے تو قرابت قریبہ ہے اور اگر یہ نہ ہو تو قرابت بعیدہ ہے۔

پھر واضح ہو کہ وجوب نفقہ کیلئے محتاج ہونا ضروری ہے یعنی نفقہ واجب ہونے کیلئے محتاج ہونا شرط ہے اور نابالغ ہونا یا عورت ہونا یا لنجا ہونا یا نابینا ہونا محتاج ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ان صورتوں میں کمائی سے عاجز ہونا متحقق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص کمائی کر سکتا ہے وہ اپنی کمائی کی وجہ سے محتاج

نہیں ہوتا بلکہ غنی ہوتا ہے۔ اسکے برخلاف والدین ہیں کہ اگر یہ کمائی کر سکتے ہوں تب بھی ان کا نفقہ اولاد پر واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ کمائی سے والدین کو مشقت لاحق ہوگی۔ حالانکہ اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ والدین سے ضرر کو دور کریں۔ پس والدین کو اگر کمائی کی طاقت بھی ہو تو بھی ان کا نفقہ اولاد پر واجب ہوگا۔

نفقہ میراث کی بقدر واجب ہوگا اور اس پر جبر کیا جائے گا

قَالَ وَ يَجِبُ ذَالِكَ عَلٰى مِقْدَارِ الْمِيْرَاثِ وَيُجْبَرُ عَلَيْهِ لِاَنَّ التَّنْصِيْصَ عَلَى الْوَارِثِ تَنْبِيْهٌ عَلٰى اِعْتِبَارِ الْمِقْدَارِ وَلِاَنَّ الْغُرْمَ بِالْغُنْمِ وَالْجَبْرُ لِاِيْفَاءِ حَقٍّ مُسْتَحِقٍّ

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا کہ نفقہ میراث کی مقدار پر واجب ہوگا اور وہ نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس واسطے کہ وارث کی تصریح کرنا تنبیہ ہے۔ مقدار میراث کے معتبر ہونے پر اور اس لئے کہ دریافت کی بقدر آدمی تاوان اٹھاتا ہے اور جبر حق واجب کو ادا کرنے کے لئے ہے۔

تشریح...... مسئلہ! نفقہ میراث کی مقدار واجب ہوتا ہے۔ یعنی جس قدر میراث لگتی ہے اسی قدر اس پر نفقہ واجب ہوگا اور نفقہ کی اس مقدار کو دینے پر اس کو مجبور کیا جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ آیت و علی الوارث مثل ذالك میں وارث کی صراحت کرنا اس بات پر تنبیہ ہے کہ نفقہ میں میراث کی مقدار معتبر ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ بقدر حاصلات آدمی تاوان اٹھاتا ہے۔ یعنی جتنا اس کو میراث سے ملے گا اسی حساب سے بالفعل مورث کو نفقہ دے اور رہا اسکو مجبور کرنا تو یہ اسلئے ہے کہ جو حق اس پر واجب ہے۔ اس کو ادا کرے۔

بالغ لڑکی اور اپاہج لڑکے کا نفقہ والدین پر ہے

قَالَ وَتَجِبُ نَفَقَةُ الْاِبْنَةِ الْبَالِغَةِ وَالْاِبْنِ الزَّمِنِ عَلٰى اَبَوَيْهِ اَثْلَاثًا عَلَى الْاَبِ الثُّلُثَانِ وَعَلَى الْاُمِّ الثُّلُثُ لِاَنَّ الْمِيْرَاثَ لَهُمَا عَلٰى هٰذَا الْمِقْدَارِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ هٰذَا الَّذِیْ ذَكَرَهُ رِوَايَةُ الْخَصَّافِ وَالْحَسَنِ وَفِیْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كُلُّ النَّفَقَةِ عَلَى الْاَبِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ وَصَارَ كَالْوَلَدِ الصَّغِيْرِ وَوَجْهُ الْفَرْقِ عَلَى الرِّوَايَةِ الْاُوْلٰى اَنَّهُ اِجْتَمَعَتْ لِلْاَبِ فِی الصَّغِيْرِ وَلَايَةٌ وَمُؤْنَةٌ حَتّٰى وَجَبَتْ عَلَيْهِ صَدَقَةُ فِطْرِهٖ فَاخْتُصَّ بِنَفَقَتِهٖ وَلَا كَذَالِكَ الْكَبِيْرُ لِاِنْعِدَامِ الْوِلَايَةِ فِيْهِ فَتُشَارِكُهُ الْاُمُّ وَفِیْ غَيْرِ الْوَالِدِ يُعْتَبَرُ قَدْرُ الْمِيْرَاثِ حَتّٰى تَكُوْنَ نَفَقَةُ الصَّغِيْرِ عَلَى الْاُمِّ وَالْجَدِّ اَثْلَاثًا وَنَفَقَةُ الْاَخِ الْمُعْسِرِ عَلَى الْاَخَوَاتِ الْمُتَفَرِّقَاتِ الْمُوْسِرَاتِ اَخْمَاسًا عَلٰى قَدْرِ الْمِيْرَاثِ غَيْرَ اَنَّ الْمُعْتَبَرَ اَهْلِيَّةُ الْاِرْثِ فِی الْجُمْلَةِ لَا اِحْرَازُهٗ فَاِنَّ الْمُعْسِرَ اِذَا كَانَ لَهٗ خَالٌ وَ اِبْنُ عَمٍّ تَكُوْنُ نَفَقَتُهٗ عَلٰى خَالِهٖ وَمِيْرَاثُهٗ يُحْرِزُهٗ اِبْنُ عَمِّهٖ

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا کہ بالغ لڑکی اور لنجے لڑکے کا نفقہ والدین پر تین حصہ کر کے دو حصہ باپ پر اور ایک حصہ ماں پر واجب ہے کیونکہ والدین کے واسطے میراث بھی اسی مقدار پر ہے۔ مصنفؒ نے کہا کہ یہ جو قدوری نے ذکر کیا خصاف اور حسن کی روایت ہے اور ظاہر الروایۃ میں پورا نفقہ باپ پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و علی المولود له رزقهن و کسوتهن یعنی باپ پر ان کا کھانا کپڑا واجب ہے اور لنجا بالغ بیٹا نابالغ بچہ کے مانند ہے اور روایت اولیٰ پر وجہ فرق یہ ہے کہ باپ کیلئے صغیر بچہ کے حق میں ولایت اور مؤنت دونوں جمع ہیں۔ حتیٰ کہ اس پر نابالغ کی طرف سے صدقۃ الفطر دینا بھی واجب ہے۔ پس باپ صغیر کے ساتھ مختص ہوگا اور بالغ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر باپ کی ولایت نہیں ہے تو ماں

بھی اسکے ساتھ شریک ہوگی اور والد کے علاوہ میں میراث کی مقدار معتبر ہوگی۔ حتیٰ کہ صغیر کا نفقہ ماں اور دادا پر تین حصہ کر کے واجب ہوگا اور تنگ دست بھائی کا نفقہ مالدار متفرق قسم کی بہنوں پر بقدر میراث پانچ حصے کر کے واجب ہوگا مگر یہ کہ میراث کی لیاقت معتبر ہے۔ نہ کہ اس کا حاصل کرنا۔ کیونکہ اگر ایک محتاج کا ماموں خوشحال اور چچا کا بیٹا خوشحال ہو تو اس کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہے۔ حالانکہ اس کی میراث اس کے چچا کا بیٹا لے جائے گا۔

تشریح ...... مسئلہ! بالغہ لڑکی کا نفقہ اور بالغ لنجے لڑکے کا نفقہ ان کے والدین پر تین حصے کر کے دو تہائی باپ پر اور ایک تہائی ماں پر واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اگر والدین اپنے لڑکے یا لڑکی کے وارث ہوں تو ان کو اسی حساب سے میراث ملتی ہے۔ لہٰذا ان پر نفقہ بھی اسی مقدار کے مطابق واجب ہوگا۔

مصنف ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ جو قدوری نے ذکر کیا امام خصاف اور حسن کی روایت ہے اور اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں اور ظاہر الروایۃ میں ہے کہ پورا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔ ظاہر الروایۃ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و علی المولود لہٗ رزقھن و کسوتھن آیت میں ولد کی نسبت والد (باپ) کی طرف کی گئی ہے لام کے واسطے سے اور لام دلالت کرتا ہے اختصاص پر۔ پس ثابت ہوا کہ اس نسبت کے ساتھ والد خاص ہے اور نفقہ اسی نسبت پر موقوف ہے۔ اسلئے پورا نفقہ والد پر واجب ہوگا اور یہ بالغ لنجا لڑکا ولد صغیر کے مانند ہو گیا۔ یعنی جس طرح ولد صغیر کا پورا نفقہ باپ پر واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا نفقہ بھی صرف باپ پر واجب ہوگا۔

اور امام خصافؒ کی روایت کے مطابق ولد صغیر اور ولد کبیر کے درمیان وجہ فرق یہ ہے کہ صغیر بچہ کے حق میں باپ کی ولایت اور مؤنت دونوں جمع ہیں۔ حتیٰ کہ باپ پر نابالغ کی طرف سے صدقۃ الفطر دینا بھی واجب ہے۔ لہٰذا صغیر کا نفقہ فقط باپ پر لازم ہوا اور بالغ اولاد کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ ان پر باپ کی ولایت نہیں ہے تو ان کو نفقہ دینے میں ان کی ماں بھی باپ کے ساتھ شریک ہوگی اور باپ کے علاوہ میں بالاتفاق میراث کی مقدار کا اعتبار کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی بچہ کا باپ نہیں ہے بلکہ ماں اور دادا ہے تو اس کا نفقہ ماں اور دادا پر تین حصہ کر کے دو تہائی دادا پر اور ایک تہائی اس کی ماں پر واجب ہوگا۔

اور اگر ایک بھائی تنگدست ہو اور اس کی تین بہنیں خوشحال ہیں۔ ایک حقیقی بہن ہے اور ایک علاتی اور ایک اخیافی ہے تو ان پر بھائی کا نفقہ بقدر میراث پانچ حصہ کر کے واجب ہوگا۔ یعنی تین حصہ حقیقی بہن پر اور ایک حصہ علاتی پر اور ایک حصہ اخیافی پر ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ والد کے علاوہ میں میراث پانے کی لیاقت ہونا کافی ہے۔ میراث کا حاصل کر لینا ضروری نہیں ہے کیونکہ اگر ایک محتاج کا ماموں خوشحال اور چچا کا بیٹا خوشحال ہو تو اس محتاج کا نفقہ اس کے ماموں پر واجب ہے۔ حالانکہ اس کی میراث اس کے چچا کا بیٹا لے جائے گا۔

دلیل یہ ہے کہ ماموں ذی رحم محرم ہے۔ حتیٰ کہ یہ بچہ اگر لڑکی ہو تو ماموں کو کسی طرح اس سے نکاح جائز نہیں ہے۔ اس کے برخلاف چچا کا بیٹا کہ وہ ذو رحم تو ہے مگر محرم نہیں ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اور نفقہ کا واجب ہونا ذو رحم محرم پر ہوتا ہے اسلئے نفقہ ماموں پر واجب ہوگا نہ کہ چچا کے بیٹے پر۔

ذوی الارحام کا نفقہ دینی اختلاف کی وجہ واجب نہیں

وَلَاتَجِبُ نَفَقَتُهُمْ مَعَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ لِبُطْلَانِ اَهْلِيَّةِ الْاِرْثِ وَلَابُدَّ مِنْ اِعْتِبَارِهِ

ترجمہ ...... اور ذو رحم محارم کا نفقہ دینی اختلاف کے ساتھ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وارث ہونے کی لیاقت باطل ہے، حالانکہ اس کا اعتبار ضروری ہے۔

تشریح ...... مسئلہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ ایسی قرابت موجود ہے جس سے دائمی نکاح حرام ہے باوجود اس کے اگر دین میں مخالفت ہو تو نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اختلاف دین کی صورت میں میراث کی لیاقت باطل ہے۔ حالانکہ نفقہ واجب ہونے کیلئے اس کا اعتبار ضروری ہے۔

فقیر پر نفقہ واجب نہیں ہوتا

وَ لَا تَجِبُ عَلَى الْفَقِيْرِ لِاَ نَّهَا تَجِبُ صِلَةً وَهُوَيَسْتَحِقُّهَا عَلٰى غَيْرِهٖ فَكَيْفَ تُسْتَحَقُّ عَلَيْهِ بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ وَوَلَدِهِ الصَّغِيْرِ لِاَنَّهُ اِلْتَزَمَهَا بِالْاِقْدَامِ عَلَى الْعَقْدِ اِذِالْمَصَالِحُ لَا تَنْتَظِمُ دُوْنَهَاوَلَايَعْمَلُ فِيْ مِثْلِهَا الْاِعْسَارُ ثُمَّ الْيَسَارُ مُقَدَّرٌ بِالنِّصَابِ فِيْمَارُوِىَ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ قَدَّرَهُ بِمَايَفْضُلُ عَنْ نَفَقَةِ نَفْسِهٖ وَعَيَالِهٖ شَهْرًا اَوْبِمَا يَفْضُلُ عَنْ ذٰلِكَ مِنْ كَسْبِهِ الدَّائِمِ كُلَّ يَوْمٍ لِاَنَّ الْمُعْتَبَرَفِيْ حُقُوْقِ الْعِبَادِ اِنَّمَا هُوَالْقُدْرَةُ دُوْنَ النِّصَابِ فَاِنَّهُ لِلتَّيْسِيْرِ وَالْفَتْوٰى عَلَى الْاَوَّلِ لٰكِنَّ النِّصَابَ نِصَابُ حِرْمَانِ الصَّدَقَةِ

ترجمہ......اور نفقہ محتاج پر واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا واجب ہونا بطور صلہ رحم کے ہے۔ حالانکہ محتاج خود اس بات کا مستحق ہے کہ دوسرا اس پر احسان کرے۔ تو اس پر نفقہ کیونکر واجب ہوگا۔ بخلاف بیوی اور صغیر بچہ کے نفقہ کے۔ کیونکہ اس نے نکاح کا اقدام کر کے نفقہ دینا اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ کیونکہ بغیر نفقہ کے مصلحتوں کا انتظام نہیں ہوسکتا اور اس جیسی صورت میں تنگدستی کا دخل نہیں ہوگا۔ پھر خوشحالی کا اندازہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ بقدر نصاب مالک ہو اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے خوشحالی کا اندازہ یہ لگایا کہ جو ایک ماہ تک اس کے ذاتی خرچ اور اس کے عیال کے خرچ سے بڑھے۔ یا جو اس کی دائمی کمائی سے ہر روز اس طرح بڑھے۔ کیونکہ بندوں کے حقوق میں صرف قادر ہونے کا اعتبار ہے۔ نصاب معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ نصاب تو آسانی کیلئے ہوتا ہے لیکن فتویٰ قول اول پر ہے۔ لیکن نصاب سے (وہ نصاب مراد ہے) جس سے زکوٰۃ حرام ہوتی ہے۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ یہ نفقہ محتاج پر واجب نہیں ہوتا۔ دلیل یہ ہے کہ نفقہ صلہ رحمی کے طور پر واجب ہوتا ہے۔ حالانکہ محتاج خود اس کا مستحق ہے کہ دوسرا اس پر احسان کرے لہٰذا اس پر نفقہ کس طرح واجب کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف محتاج شوہر پر بیوی کا نفقہ اور محتاج باپ پر اسکے نابالغ بچوں کا نفقہ واجب ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ جب اس نے نکاح کرنے پر اقدام کیا تو نفقہ دینے کا اپنے اوپر التزام کیا۔ کیونکہ بغیر نفقہ کے مقاصدِ نکاح (توالد، تناسل اور معاشرت) حاصل نہیں ہوسکتے ہیں اور تنگدستی کا عذر ایسی صورت میں کارآمد نہیں ہے اور محتاج باپ پر نابالغ بچہ کا نفقہ اسلئے واجب ہے کہ نابالغ اولاد بیوی کے قائم مقام ہے۔ جیسا کہ حدیث میں اشارہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خذی من مال ابی سفیان ما یکفیك وولدك بالمعروف

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہاں یسار اور خوشحالی سے مراد امام ابو یوسفؒ کے مطابق یہ ہے کہ وہ نصاب کا مالک ہو اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ خوشحالی کا اندازہ یہ ہے کہ ایک ماہ تک اس کے ذاتی خرچہ اور اس کے عیال کے خرچ سے بچتا رہے۔ یعنی اگر ایسا ہے تو اس پر ذو رحم محرم کا نفقہ واجب ہوگا ورنہ نہیں اور امام محمدؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر اس کی دائمی کمائی سے ہر روز اس طرح بچتا ہو تو اس پر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہوگا ورنہ نہیں۔ کیونکہ بندوں کے حقوق میں صرف قادر ہونے کا اعتبار ہے اور نصاب پر قادر ہونا معتبر نہیں ہے۔ اسلئے کہ نصاب تو مالداری کے واسطے ہے اور فتویٰ قول اول پر ہے۔ لیکن نصاب سے وہ نصاب مراد ہے جس سے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے۔ یعنی جس کے پاس دوسو درہم قیمت کا مال اس کی اصلی حاجت سے زائد ہو تو اس پر واجب ہوگا کہ اپنے ذی رحم محرم محتاجوں کو ان کا نفقہ دے۔

غائب بیٹے کا مال ہو اس سے والدین کا نفقہ دیا جائے

وَاِذَا كَانَ لِلْاِبْنِ الْغَائِبِ مَالٌ قُضِيَ فِيْهِ بِنَفَقَةِ اَبَوَيْهِ وَقَدْبَيَّنَّا الْوَجْهَ فِيْهِ

ترجمہ......اور اگر غائب بیٹے کے پاس مال ہے تو اس مال میں والدین کے نفقہ کا حکم دیا جائے گا اور ہم اس کی وجہ بیان کر چکے ہیں۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ اور دلیل دونوں ظاہر ہیں۔

باپ کے لئے بیٹے کے سامان کو اپنے نفقہ میں بیچا تو جائز ہے

وَاِذَا بَاعَ اَبُوْهُ مَتَاعَهُ فِيْ نَفَقَتِهٖ جَازَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهٰذَا اِسْتِحْسَانٌ وَاِنْ بَاعَ الْعَقَارَ لَمْ يَجُزْ وَفِيْ قَوْلِهِمَا لَايَجُوْزُ فِيْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ وَهُوَ الْقِيَاسُ لِاَنَّهٗ لَاوَلَايَةَ لَهٗ لِاِنْقِطَاعِهَا بِالْبُلُوْغِ وَلِهٰذَا لَا يَمْلِكُ حَالَ حَضْرَتِهٖ وَ لَا يَمْلِكُ الْبَيْعَ فِيْ دَيْنٍ لَهٗ سِوَى النَّفَقَةِ وَكَذَا لَا تَمْلِكُ الْاُمُّ فِي النَّفَقَةِ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ لِلْاَبِ وَلَايَةَ الْحِفْظِ فِيْ مَالِ الْغَائِبِ اَلَاتَرٰى اَنَّ لِلْوَصِيِّ ذٰلِكَ فَالْاَبُ اَوْلٰى لِوُفُوْرِ شَفْقَتِهٖ وَ بَيْعُ الْمَنْقُوْلِ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَلَا كَذٰلِكَ الْعَقَارُ لِاَنَّهَا مُحَصَّنَةٌ بِنَفْسِهَا وَ بِخِلَافِ غَيْرِ الْاَبِ مِنَ الْاَقَارِبِ لِاَنَّهٗ لَا وِلَايَةَ لَهُمْ اَصْلًا فِي التَّصَرُّفِ حَالَةَ الصِّغَرِ وَلَا فِي الْحِفْظِ بَعْدَ الْكِبَرِ وَاِذَا جَازَ بَيْعُ الْاَبِ وَالثَّمَنُ مِنْ جِنْسِ حَقِّهٖ وَهُوَ النَّفَقَةُ فَلَهُ الْاِسْتِيْفَاءُ مِنْهُ كَمَا لَوْبَاعَ الْعَقَارَ وَالْمَنْقُوْلَ عَلَى الصَّغِيْرِ جَازَ لِكَمَالِ الْوِلَايَةِ ثُمَّ لَهٗ اَنْ يَّاْخُذَ مِنْهُ بِنَفَقَتِهٖ لِاَنَّهٗ مِنْ جِنْسِ حَقِّهٖ

ترجمہ..... اور اگر باپ نے اپنے غائب بیٹے کا سامان (اپنے) نفقہ میں بیچ لیا تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اور یہی استحسان ہے اگر باپ نے اس کی زمین فروخت کی تو جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ کے قول میں ان تمام میں بیچنا جائز نہیں ہے اور یہ قیاس ہے۔ کیونکہ باپ کو (اس پر) ولایت نہیں ہے اسلئے کہ ولایت (اس کے) بالغ ہونے کی وجہ سے منقطع ہوگئی۔ اسی وجہ سے بالغ بیٹے کی موجودگی میں باپ بیچنے کا مالک نہیں ہے اور سوائے نفقہ کے کسی قرضہ کے واسطے فروخت نہیں کرسکتا اور یوں ہی ماں بھی نفقہ میں اسکے سامان کو بیچنے کا اختیار نہیں رکھتی اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے باپ کو غائب بیٹے کے مال میں حفاظت کی ولایت حاصل ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ وصی کو یہ بات حاصل ہوتی ہے تو باپ کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی۔ کیونکہ اس کی شفقت بہت ہے اور مال متقوم بیچ ڈالنا از قبیل حفاظت ہے اور زمین کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ وہ خود ہی محفوظ ہوتی ہے اور برخلاف باپ کے علاوہ دوسرے اقارب کے۔ کیونکہ ان کو کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ نہ بچپن میں تصرف کا اختیار تھا اور نہ بالغ ہونے کے بعد حفاظت کی ولایت ہے اور جب باپ کو بیٹے کا مال بیچنا جائز ہوا اور ثمن باپ کے حق میں جنس یعنی نفقہ کی قسم سے ہے۔ تو باپ کیلئے مشتری سے وصول کرنا جائز ہے۔ جیسے اگر باپ نے اپنے صغیر بچہ کی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ فروخت کی تو جائز ہے۔ کیونکہ (باپ کو اس پر) پوری ولایت حاصل ہے۔ پھر باپ کو یہ اختیار ہے کہ ثمن میں سے اپنا نفقہ لے لے۔ کیونکہ یہ اس کے حق کی جنس سے ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باپ کا اپنے غائب بیٹے کے سامان کو اپنے نفقہ میں بیچنا جائز ہے اور یہ حکم استحسانی ہے اور اگر باپ نے اپنے غائب بیٹے کی زمین یا گھر (جائداد غیر منقولہ) فروخت کی تو جائز نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جائداد منقولہ اور غیر منقولہ کو بیچنا جائز نہیں ہے اور قیاس بھی یہی ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے باپ کو اس پر ولایت نہیں ہے۔ اسلئے کہ بالغ ہونے کی وجہ سے اس پر سے ولایت منقطع ہوگئی ہے۔ اسی وجہ سے اگر بیٹا حاضر ہو، تو باپ اپنے بیٹے کے مال کو فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور سوائے نفقہ کے کسی قرضہ کے واسطے فروخت نہیں کرسکتا اور یوں ہی ماں جائداد کو نفقہ میں فروخت نہیں کرسکتی ہے۔ پس باپ بھی فروخت نہیں کرسکتا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ باپ کو اپنے غائب بیٹے کے مال میں حفاظت کی ولایت حاصل ہے۔ چنانچہ حفاظت کی خاطر وصی کو یہ ولایت حاصل ہے کہ غائب بالغ وارث کے سامان کو فروخت کردے۔ پس جب وصی کو ولایت حاصل ہے تو باپ کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہوگی۔ کیونکہ باپ کی شفقت بہت ہے اور مال منقول بیچ ڈالنا از قسم حفاظت ہے اور مال غیر منقولہ میں یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود ہی محفوظ ہوتا ہے اور باپ کے علاوہ

دوسرے قرابتداروں کو یہ اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ نہ ان کو اس کے بچپن میں تصرف کا اختیار تھا اور نہ بالغ ہونے کے بعد حفاظت کی ولایت ہے۔ پھر جب باپ کو بیٹے کا مال فروخت کرنے کا اختیار ہے اور اس کی قیمت اس کے باپ کے حق کی جنس ہے۔ یعنی نفقہ کی قسم سے ہے تو باپ کو اختیار ہے کہ قیمت مشتری سے وصول کر لے۔ جیسے باپ نے اپنے بچہ صغیر کی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ فروخت کی تو جائز ہے۔ کیونکہ باپ کو اس پر پوری ولایت حاصل ہے۔ پھر باپ کو یہ اختیار ہے کہ قیمت میں سے اپنا نفقہ لے لے۔ کیونکہ یہ اس کے حق کی جنس ہے۔

غائب بیٹے کا مال والدین کے قبضہ میں ہو اس سے انہوں نے خرچ کیا ضامن نہیں ہوں گا

وَ اِنْ كَانَ لِلِابْنِ الْغَائِبِ مَالٌ فِيْ يَدِ اَبَوَيْهِ وَاَنْفَقَامِنْهُ لَمْ يَضْمَنَا لِاَنَّهُمَا اِسْتَوْفَيَا حَقَّهُمَا لِاَنَّ نَفَقَتَهُمَا وَاجِبَةٌ قَبْلَ الْقَضَاءِ عَلٰى مَامَرَّ وَقَدْ اَخَذَا جِنْسَ الْحَقِّ

ترجمہ..... اور اگر غائب بیٹے کا مال اس کے والدین کے قبضہ میں ہے اور والدین نے اس میں سے نفقہ لیا۔ تو ضامن نہ ہوں گے۔ کیونکہ ان دونوں نے اپنا حق وصول کیا ہے اسلئے کہ قاضی کے حکم سے پہلے ان دونوں کا نفقہ واجب ہے۔ چنانچہ گذر چکا اور ان دونوں نے اپنے حق کی جنس سے لیا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر صاحبزادہ سفر میں گیا اور اس کا مال والدین کے قبضہ میں ہے اور محتاج والدین نے اس میں سے اپنا نفقہ لے لیا تو وہ ضامن نہ ہوں گے۔ دلیل یہ ہے کہ ان دونوں نے اپنا حق حاصل کر لیا۔ کیونکہ قاضی کے حکم سے پہلے ان کا نفقہ واجب ہے۔ چنانچہ سابق میں ولا یقضی بالنفقة فی مال الغائب الا لهؤلاء کے تحت بیان ہو چکا ہے اور ان دونوں نے اپنے حق کی جنس سے لیا ہے۔ اس وجہ سے بھی ضامن نہیں ہوں گے۔

اگر بیٹے کا مال اجنبی کے قبضہ میں ہو اور اجنبی نے غائب کے والدین پر بغیر حکم قاضی خرچ کیا ضامن ہوگا یا نہیں

وَ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فِيْ يَدِ اَجْنَبِيٍّ فَاَنْفَقَ عَلَيْهِمَا بِغَيْرِ اِذْنِ الْقَاضِيْ ضَمِنَ لِاَنَّهٗ تَصَرَّفَ فِيْ مَالِ الْغَيْرِ بِغَيْرِ وَلَايَةٍ لِاَنَّهٗ نَائِبٌ فِي الْحِفْظِ لَاغَيْرَ بِخِلَافِ مَا اِذَا اَمَرَهُ الْقَاضِيْ لِاَنَّ اَمْرَهٗ مُلْزِمٌ لِعُمُوْمِ وِلَايَتِهٖ وَاِذَا ضَمِنَ لَا يَرْجِعُ عَلَى الْقَابِضِ لِاَنَّهٗ مَلَكَهٗ بِالضَّمَانِ فَظَهَرَ اَنَّهٗ كَانَ مُتَبَرِّعًا بِهٖ

ترجمہ..... اور اگر فرزند غائب کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہو۔ اس نے اس کے والدین پر بغیر قاضی کے حکم کے خرچ کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے غیر کے مال میں بغیر ولایت کے تصرف کیا۔ اسلئے کہ وہ صرف حفاظت کا نائب ہے۔ بخلاف اس کے اگر قاضی نے اس کو حکم دیا کیونکہ قاضی کا حکم اس پر لازم ہے۔ اسلئے کہ اس کی ولایت سب کو عام ہے اور اگر وہ اجنبی ضامن ہو گیا تو وہ قابض سے رجوع نہیں کرے گا۔ کیونکہ اجنبی ضمان دے کر اس مال کا مالک ہو گیا۔ پس ظاہر ہوا کہ وہ اپنے مال کے ساتھ تبرع کرنے والا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ صاحبزادہ جو غائب ہے اگر اس کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہو اور اس نے اس کے والدین کو بغیر قاضی کی اجازت کے اس میں سے نفقہ دے دیا تو یہ اجنبی ضامن ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ اس اجنبی نے غیر کے مال میں بغیر ولایت کے تصرف کیا ہے۔ اس واسطے کہ وہ صرف حفاظت کا نائب ہے۔ کوئی دوسرا اختیار اس کو نہیں ہے۔ برخلاف اس کے اگر قاضی نے اس کو حکم دیا کہ وہ غائب کے والدین کو اس کے مال سے نفقہ دے تو یہ اجنبی ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ قاضی کا حکم اس پر لازم ہے اسلئے کہ قاضی کی ولایت سب پر عام ہے۔ پھر پہلی صورت میں اگر اجنبی نے تاوان دے دیا تو وہ اس کے والدین سے وصول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اجنبی تاوان دے کر اس مال کا مالک ہو گیا۔ تو ظاہر ہوا کہ اس نے اپنا ذاتی مال

دونوں محتاجوں کو بطور خیرات دیا ہے اور خیرات دینے کے بعد اپنا مال واپس لینے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔

قاضی نے بیٹے والدین اور ذوی الارحام کے نفقہ کا فیصلہ کیا ایک مدت گذر گئی

وَ اِذَا قَضَى الْقَاضِيْ لِلْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ وَذَوِى الْاَرْحَامِ بِالنَّفَقَةِ فَمَضَتْ مُدَّةٌ سَقَطَتْ لِاَنَّ نَفَقَةَ هٰؤُلَاءِ تَجِبُ كِفَايَةً لِلْحَاجَةِ حَتّٰى لَا تَجِبُ مَعَ الْيَسَارِ وَقَدْ حَصَلَتْ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ اِذَاقَضٰى بِهَا الْقَاضِيْ لِاَنَّهَا تَجِبُ مَعَ يَسَارِهَا فَلَاتَسْقُطُ بِحُصُوْلِ الْاِسْتِغْنَاءِ فِيْمَا مَضٰى قَالَ اِلَّا اَنْ يَّاذَنَ الْقَاضِيْ بِالْاِسْتِدَانَةِ عَلَيْهِ لِاَنَّ الْقَاضِيَ لَهٗ وِلَايَةٌ عَامَّةٌ فَصَارَ اِذْنُهٗ كَاَمْرِ الْغَائِبِ فَيَصِيْرُ دَيْنًا فِيْ ذِمَّتِهٖ فَلَايَسْقُطُ بِمُضِيِّ الْمُدَّةِ

ترجمہ..... اور جب قاضی نے لڑکے کے واسطے اور والدین کے واسطے اور ذوی الارحام کے واسطے نفقہ کا حکم دے دیا۔ پھر ایک مدت گذر گئی تو (اس مدت کا نفقہ) ساقط ہو گیا۔ کیونکہ ان لوگوں کا نفقہ حاجت پوری کرنے کے واسطے واجب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر یہ لوگ خوشحال ہوں تو نہیں واجب ہوتا اور اتنی مدت گذرنے سے اس مدت کی کفایت ہو چکی۔ برخلاف بیوی کے نفقہ کے جبکہ قاضی اس کے واسطے مقرر کر دے کیونکہ وہ بیوی کی مالداری کے باوجود بھی واجب ہوتا ہے۔ تو گذرے ایام میں استغناء حاصل ہونے سے ساقط نہیں ہوگا۔ قدوری نے کہا مگر یہ کہ قاضی اس پر قرضہ لینے کا حکم دے دے۔ کیونکہ قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے۔ پس اس کا حکم دینا ایسا ہو گیا گویا مرد غائب نے خود اجازت دی۔ لہٰذا یہ قرضہ اسکے ذمہ ہو جائے گا۔ پس مدت گذرنے سے ساقط نہ ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ جب قاضی نے کسی آدمی پر اس کے بیٹے والدین اور دوسرے قرابتداروں کا نفقہ مقرر کیا۔ پھر بغیر نفقہ ایک مدت گذر گئی تو اس مدت کا نفقہ ساقط ہو گیا۔ اسی کے قائل امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ ان لوگوں کا نفقہ ضرورت پوری کرنے کے واسطے واجب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر یہ لوگ خوشحال ہوں تو ان کے واسطے نفقہ واجب نہیں ہوتا اور اتنی مدت گذرنے سے اس مدت کی کفایت ہو چکی۔ اسلئے اس مدت کا نفقہ ساقط ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ بیوی کا نفقہ قرض کے قائم مقام ہے۔ چنانچہ وہ عورت کی خوشحالی کے باوجود بھی واجب ہوتا ہے۔ اس وجہ سے گذرے ہوئے ایام میں استغناء حاصل ہونے سے ساقط نہیں ہوگا۔ جیسے قرض کسی مدت کے گذرنے سے ساقط نہیں ہوتا ہے۔

امام قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر قاضی نے مرد غائب پر قرضہ لینے کا حکم دیا ہے تو مدت گذرنے سے ان کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔ لہٰذا قاضی کا حکم دینا ایسا ہو گیا گویا مرد غائب نے خود اجازت دی کہ مجھ پر قرضہ لے تو یہ قرضہ خود اس کے ذمہ ہو گیا۔ پس مدت گذرنے سے ساقط نہ ہوگا۔

مولیٰ پر اپنے غلام اور باندی کا نفقہ لازم ہے

فَصْلٌ وَعَلَى الْمَوْلٰى اَنْ يُّنْفِقَ عَلٰى اَمَتِهٖ وَعَبْدِهٖ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِى الْمَمَالِيْكِ اَنَّهُمْ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاَلْبِسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ وَلَاتُعَذِّبُوْا عِبَادَ اللّٰهِ فَاِنِ امْتَنَعَ وَكَانَ لَهُمَا كَسْبٌ اِكْتَسَبَا وَاَنْفَقَا لِاَنَّ فِيْهِ نَظَرَ الْجَانِبَيْنِ حَتّٰى يَبْقَى الْمَمْلُوْكُ حَيًّا وَيَبْقٰى فِيْهِ مِلْكُ الْمَالِكِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُمَا كَسْبٌ بِاَنْ كَانَ عَبْدًا زَمِنًا اَوْ جَارِيَةً لَايُؤَاجَرُ مِثْلُهَا اُجْبِرَ الْمَوْلٰى عَلٰى بَيْعِهِمَا لِاَنَّهُمَا مِنْ اَهْلِ الْاِسْتِحْقَاقِ وَفِى الْبَيْعِ اِيْفَاءُ حَقِّهِمَا وَاِبْقَاءُ حَقِّ الْمَوْلٰى بِالْخَلَفِ بِخِلَافِ نَفَقَةِ الزَّوْجَةِ لِاَنَّهَا تَصِيْرُ دَيْنًا فَكَانَ

تَاخِيْرًا عَلٰى مَاذَكَرْنَا وَنَفَقَةُ الْمَمْلُوْكِ لَاتَصِيْرُ دَيْنًا فَكَانَ اِبْطَالًا وَبِخِلَافِ سَائِرِ الْحَيْوَانَاتِ لِاَنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ اَهْلِ الْاِسْتِحْقَاقِ فَلَايُجْبَرُ عَلٰى نَفَقَتِهَا اِلَّا اَنَّهٗ يُؤْمَرُ بِهٖ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهٰى عَنْ تَعْذِيْبِ الْحَيْوَانِ وَفِيْهِ ذٰلِكَ وَنَهٰى عَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ وَفِيْهِ اِضَاعَتُهٗ وَعَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ اَنَّهٗ يُجْبَرُ وَالْاَصَحُّ مَاقُلْنَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ..... فصل! مولیٰ پر واجب ہے کہ اپنی باندی اور غلام کو نفقہ دے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مملوکوں کے حق میں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کے نیچے کر دیا ہے۔ سو جو خود کھاتے ہو اس میں سے ان کو کھلاؤ اور جو پہنتے ہو اس میں سے ان کو پہناؤ اور اللہ کے بندوں کو تکلیف مت دو۔ پھر اگر مولیٰ نفقہ دینے سے رک گیا اور غلام اور باندی کو کمانے کی صلاحیت ہے تو کماویں اور کھاویں۔ کیونکہ اس میں دونوں طرف کی رعایت ہے حتیٰ کہ مملوک تو زندہ رہے گا اور مولیٰ کی ملک بھی باقی رہے گی اور اگر ان دونوں میں کمانے کی لیاقت نہیں بایں طور کہ غلام لنجا ہو یا باندی ایسی ہو جس کو اجرت پر نہیں لیتے ہیں تو مولیٰ کو ان دونوں کو بیچنے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں نفقہ کے مستحق ہیں اور بیچنے میں ان دونوں کا حق ادا ہوتا ہے اور مولیٰ کا حق خلیفہ (ثمن) کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ بخلاف بیوی کے نفقہ کے کیونکہ وہ (شوہر کے ذمہ) قرضہ ہو جاتا ہے تو اس میں تاخیر ہو جائے گی۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور مملوکہ کا نفقہ (مولیٰ کے ذمہ) قرضہ نہیں ہوتا۔ تو اس کا باطل کرنا لازم آتا ہے اور بخلاف تمام حیوانات کے۔ کیونکہ ان حیوانات کو استحقاق کی لیاقت نہیں ہے۔ پس مالک کو نفقہ دینے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مگر دیانۃً اس کو حکم دیا جائے گا۔ اسلئے کہ آنحضرت ﷺ نے حیوان کو تکلیف دینے سے منع کیا ہے۔ حالانکہ چارہ نہ دینے میں یہ بات موجود ہے اور آپ نے مال ضائع کرنے سے منع کیا۔ حالانکہ اس میں مال کا ضائع کرنا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مالک کو مجبور کیا جائے گا اور صحیح وہی ہے جو ہم بیان کر چکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

تشریح..... اس فصل میں مملوک اور غیر مملوک حیوانات وغیرہ کا نفقہ بیان کیا گیا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ آقا پر واجب ہے کہ وہ اپنے غلام اور باندی کو نفقہ دے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے مملوکوں کے حق میں فرمایا **انهم اخوانکم جعلهم الله تعالیٰ تحت ایدیکم اطعموهم مما تاکلون والبسوهم مما تلبسون ولا تعذبوا عباد الله** یعنی یہ لوگ تمہارے بھائی ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں کے نیچے کر دیا ہے۔ سو جو خود کھاتے ہو اس میں سے ان کو کھلاؤ اور جو پہنتے ہو اس میں سے ان کو پہناؤ اور اللہ کے بندوں کو تکلیف مت دو۔ اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ آقا پر اس کے غلام کا نفقہ و کسوہ واجب ہے۔ مگر حدیث میں کھانے اور لباس کی جنس مراد ہے۔ یعنی ان کو نفقہ دو اور کپڑا دو۔ یہ مراد نہیں کہ جیسا تم کھاتے ہو ویسا ہی ان کو کھلاؤ اور جیسا تم پہنتے ہو ویسا ہی ان کو پہناؤ۔ چنانچہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو سوتی کپڑا دیا اور خود اس سے اچھا کپڑا پہنتا ہے تو درست ہے۔

پھر اگر مولیٰ نے ان کو نفقہ دینے سے انکار کیا تو دیکھا جاوے کہ باندی اور غلام کمانے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ کما سکتے ہیں تو کما کر اپنا گذارا کریں۔ کیونکہ اس میں دونوں طرف کی رعایت ہے مملوک کی رعایت تو یہ ہے کہ جب کما کر کھائے گا تو زندہ رہے گا اور مولیٰ کی رعایت یہ ہے کہ اس کی ملک باقی رہے گی جب چاہے فروخت کر دے۔ اور اگر وہ دونوں کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ مثلاً غلام لنجا، اپاہج ہے۔ یا باندی ایسی ہے جس کو لوگ اجرت پر نہیں لیتے تو اس صورت میں مولیٰ کو مجبور کیا جائے گا کہ ان کو فروخت کر دے۔ کیونکہ یہ دونوں نفقہ کے مستحق ہیں اور استحقاق کی اہلیت بھی رکھتے ہیں اور بیع کر دینے میں ان دونوں کا حق بھی ادا ہو جائے گا اور مولیٰ کے حق کا خلیفہ یعنی مملوک کی قیمت اس کو حاصل ہو جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر شوہر اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز ہو گیا۔ تو اس کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کو مؤخر کر دیا جائے گا۔

جیسا کہ پہلے مسئلہ میں ہم بیان کر چکے۔ یعنی بخلاف **نفقة الزوجة اذا قضیٰ بها القاضی لانها تجب مع یسارها فلا تسقط** اور

مملوک کا نفقہ اس کے مولیٰ کے ذمہ قرضہ نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے مملوک کے نفقہ کو باطل کرنا لازم آئے گا اور کسی کا حق باطل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس واسطے مولیٰ کو فروخت کے واسطے مجبور کیا جائے گا۔

حاصل یہ کہ مولیٰ اگر اپنے مملوک کو نفقہ دینے سے عاجز ہو گیا تو مولیٰ کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو فروخت کرے اور اگر شوہر اپنی بیوی کو نفقہ دینے سے عاجز ہو گیا تو اس کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ان دونوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ اگر مولیٰ کو مجبور کیا جائے کہ اپنا مملوک فروخت کرے تو مولیٰ کی ملک الیٰ خلف زائل ہوگی۔ یعنی ملک اگر چہ زائل ہو جائے گی مگر اس کا خلیفہ یعنی مملوک کی قیمت حاصل ہوگی اور مجبور نہ کرنے میں نفقہ کے سلسلہ میں مملوک کا حق بغیر کسی خلیفہ کے فوت ہو جائے گا۔ اسلئے کہ مملوک کا نفقہ مولیٰ کے ذمہ قرضہ نہیں ہوتا اور اگر شوہر کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو شوہر کی ملک بغیر کسی خلیفہ کے فوت ہو جائے گی اور طلاق نہ دینے میں عورت کا حق فی الحال اگر چہ فوت ہو جائے گا لیکن خلیفہ باقی رہے گا۔ اسلئے کہ قاضی کے حکم دینے سے عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ قرضہ ہو جاتا ہے۔ پس عورت کا حق مؤخر ہو جائے گا مگر باطل نہیں ہوگا۔

اور اگر مالک اپنے جانوروں کو نفقہ (چارہ) نہ دے تو اس کو چارہ دینے یا بیچنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مالک کو مجبور کرنے میں ایک قسم کی قضاء (حکم حاکم) ہے اور قضاء کے واسطے مقضیٰ لہٗ (جس کے حق میں حکم دیا جائے) کا ہونا ضروری ہے اور مقضیٰ لہٗ میں استحقاق کی لیاقت ضروری ہے۔ پس چونکہ حیوانات کو استحقاق کی لیاقت نہیں اسلئے حیوانات مقضیٰ لہا نہیں ہو سکتے اور جب مقضیٰ لہا نہیں ہو سکتے تو قاضی ان کے واسطے کوئی حکم بھی نہیں دے سکتا۔ اسلئے ہم نے کہا کہ حیوانات کے مالک کو چارہ دینے پر یا بیچنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا۔ لیکن دیانۃً فیما بینہ و بین اللہ اس کو حکم دیا جائے کہ وہ اپنے جانوروں کو چارہ دے یا بیچ دے اور اگر ایسا نہیں کیا تو یہ شخص گنہگار ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ ایک عورت بلی کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوئی۔ جس کو اس نے قید کر دیا یہاں تک وہ مر گئی۔ نہ اس نے اس کو چھوڑا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھاتی اور نہ اس کو کھانے کو دیا۔

اور مصنفؒ نے ذکر کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے جانور کو تکلیف دینے سے منع کیا۔ حالانکہ چارہ نہ دینے میں ان کو تکلیف دینا موجود ہے اور اسی طرح آپ ﷺ نے مال ضائع کرنے سے منع کیا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے **قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حرم علیکم اضاعۃ المال** اور ظاہر ہے کہ جانوروں کو چارہ نہ دینے میں اپنے مال کو برباد کرنا لازم آتا ہے۔

اور امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی روایت آئی ہے کہ مالک کو مجبور کیا جائے گا کہ جانوروں کو نفقہ دے اور یہی قول امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد رحمہم اللہ کا ہے اور صحیح وہی ہے جو ہم اولاً بیان کر چکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جمیل احمد سکروڈوی

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَلِوَالِدَیْہِ وَلِمَنْ سَعٰی فِیْہِ

کتاب العتاق

ترجمہ......(یہ) کتاب آزادی (کے احکام کے بیان میں) ہے

تشریح......آزادی اور طلاق کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اسقاط کے قبیل سے ہے۔ مگر اتنی بات ہے کہ اعتاق ملک رقبہ کو ساقط کرتا ہے اور طلاق ملک منافع بضع کو ساقط کرتی ہے۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں لزوم ہے۔ چنانچہ جس طرح عتق فسخ کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح طلاق بھی فسخ کو قبول نہیں کرتی۔ طلاق اگرچہ غیر مندوب ہے مگر اس کے باوجود مقدم کیا گیا تا کہ نکاح کے مقابلہ میں مذکور ہو جائے۔ اسقاطات کی چند قسمیں ہیں۔ پس اسقاط حق عن الرق عتق ہے اور اسقاط حق عن البضع طلاق ہے اور جو چیز کسی کے ذمہ میں ہو اس کو ساقط کرنا ابراء ہے اور اسقاط حق عن القصاص والجراحات عفو ہے۔

عتق (آزادی) مملوک کو حکماً زندہ کرنا ہے۔ کیونکہ مملوک جمادات کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ پس جب اس کو آزاد کر دیا تو کرامات بشریہ کا اہل ہو گیا۔ مثلاً آزادی کے بعد اس کی گواہی قبول ہو گی اور اس کو حق ولایت حاصل ہوگا اور آزادی کے بعد ان صفات کا حاصل ہونا جو آزادی سے پہلے حاصل نہیں تھیں۔ درحقیقت اس کو زندگی عطاء کرنا ہے۔

لغت میں عتق کے معنی قوت کے ہیں عتق الفرخ اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ پرندے کا بچہ طاقتور ہو کر اپنے پروں سے اڑنے لگا اور ''فرس عتیق'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو دوڑ میں سب سے آگے نکل جائے اور ظاہر ہے یہ کام بغیر قوت اور طاقت کے نہیں ہو سکتا اور بیت عتیق کعبہ کو بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ خداداد قوت کی وجہ سے اپنے اوپر ہر حملہ آور اور مالکانہ قبضہ کرنے والے کو دفع کرتا ہے اور شریعت میں عتق اس شرعی قوت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے انسان شہادت، ولایت اور قضاء کا اہل ہوگا۔

عتق آزادی، اعتاق آزاد کرنا، معتِق بکسر التاء آزاد کرنے والا، معتَق بفتح التاء آزاد کیا ہوا۔ پھر عتق کا سبب دو قسم پر ہے۔ اول یہ کہ آدمی کے ذمہ واجب ہو۔ جیسے کفارہ ونذر وغیرہ میں آزاد کرنا واجب ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ واجب نہ ہو تو اس میں ایک اختیاری ہے۔ دوم غیر اختیاری ہے۔ پس اختیاری یہ ہے کہ آدمی نے ثواب کی نیت سے کوئی غلام آزاد کیا اور غیر اختیاری یہ کہ اپنا قرابتی خریدا تو وہ اس کا مالک ہوتے ہی آزاد ہو جائے گا اور عتق کی شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا خود آزاد ہو اور عاقل بالغ ہو، اور مملوک کا مالک ہو خواہ مرد ہو یا عورت اور عتق کا رکن وہ ہے جس سے آزادی ثابت ہو اور اس کا حکم رقیت اور ملک کا محل سے زائل ہونا ہے۔ پھر آزاد کرنے کے چند اقسام ہیں۔ اول مرسل یعنی فی الحال بغیر کسی شرط کے آزاد کر دیا۔ دوم معلق یعنی اگر تو ایسا کرے یا میں ایسا کروں تو تو آزاد ہے۔ سوم اپنی موت کے بعد آزادی کو منسوب کرنا پھر ان میں سے ہر ایک بعوض ہوگا یا بے عوض۔ (عنایہ، فتح القدیر)

اعتاق کی شرعی حیثیت

اَلْاِعْتَاقُ تَصَرُّفٌ مَنْدُوْبٌ اِلَيْهِ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَيُّمَا مُسْلِمٍ اَعْتَقَ مُؤْمِنًا اَعْتَقَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ وَ لِهٰذَا اِسْتَحَبُّوْا اَنْ يُعْتِقَ الرَّجُلُ الْعَبْدَ وَالْمَرْاَةُ الْاَمَةَ لِيَتَحَقَّقَ مُقَابَلَةُ الْاَعْضَاءِ بِالْاَعْضَاءِ

ترجمہ......آزاد کرنا ایسا کام ہے جس کی طرف رغبت دی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان نے کسی مسلمان کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس

کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا عضو آگ سے آزاد کرتا ہے۔ اسی واسطے علماء نے اس بات کو پسند فرمایا ہے کہ مرد تو غلام آزاد کرے اور عورت ہو تو باندی آزاد کرے تا کہ سب اعضاء کا مقابلہ باہم متحقق ہو جائے۔

تشریح...... صاحب قدوری نے فرمایا غلام یا باندی کا آزاد کرنا شرعاً پسندیدہ امر ہے۔ اس کی تائید میں حضرت اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں **من اعتق رقبة مؤمنة اعتق الله بكل عضوٍ منها عضوا من اعضائه من النار حتى الفرج بالفرج** (ترمذی، از فتح القدیر) یعنی جس شخص نے کسی مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کا عضو آگ سے آزاد کرے گا۔ حتیٰ کہ عورت کی شرمگاہ، باندی کی شرمگاہ کے بدلے۔ اسی وجہ سے علماء زمانہ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ مرد غلام آزاد کرے اور عورت باندی آزاد کرے تا کہ تمام اعضاء کا مقابلہ باہم متحقق ہو جائے۔

کون آزاد کر سکتا ہے؟

قَالَ اَلْعِتْقُ يَصِحُّ مِنَ الْحُرِّ الْبَالِغِ الْعَاقِلِ فِيْ مِلْكِهٖ شَرَطَ الْحُرِّيَّةَ لِاَنَّ الْعِتْقَ لَايَصِحُّ اِلَّافِي الْمِلْكِ وَلَامِلْكَ لِلْمَمْلُوْكِ وَالْبُلُوْغَ لِاَنَّ الصَّبِيَّ لَيْسَ مِنْ اَهْلِهٖ لِكَوْنِهٖ ضَرَرًا ظَاهِرًا وَ لِهٰذَا لَايَمْلِكُ الْوَلِيُّ عَلَيْهِ وَالْعَقْلَ لِاَنَّ الْمَجْنُوْنَ لَيْسَ بِاَهْلٍ لِلتَّصَرُّفِ وَلِهٰذَا لَوْقَالَ الْبَالِغُ اَعْتَقْتُ وَاَنَا صَبِيٌّ فَالْقَوْلُ قَوْلُهٗ وَكَذَالَوْقَالَ الْمُعْتِقُ اَعْتَقْتُ وَ اَنَا مَجْنُوْنٌ وَجُنُوْنُهٗ كَانَ ظَاهِرًا لِوُجُوْدِ الْاِسْنَادِ اِلٰى حَالَةٍ مُنَافِيَةٍ وَكَذَالَوْقَالَ الصَّبِيُّ كُلُّ مَمْلُوْكٍ اَمْلِكُهٗ فَهُوَ حُرٌّ اِذَا احْتَلَمْتُ لَايَصِحُّ لِاَنَّهٗ لَيْسَ بِاَهْلٍ لِقَوْلٍ مُلْزِمٍ وَلَابُدَّاَنْ يَّكُوْنَ الْعَبْدُ فِيْ مِلْكِهٖ حَتّٰى لَوْاَعْتَقَ عَبْدَ غَيْرِهٖ لَايَنْفُذُ عِتْقُهٗ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَاعِتْقَ فِيْمَا لَايَمْلِكُهُ ابْنُ اٰدَمَ

ترجمہ...... قدوری نے فرمایا کہ آزاد کرنا عاقل بالغ آزاد آدمی سے اپنی ملک میں صحیح ہے۔ قدوری نے آزاد ہونے کی شرط لگائی اس لیے کہ آزاد کرنا صرف اپنی ملک میں صحیح ہوتا ہے اور مملوک کی کوئی ملک نہیں ہوتی اور بالغ ہونے کی (شرط اس لیے لگائی) کہ غیر بالغ کو آزاد کرنے کی لیاقت نہیں ہے۔ کیونکہ آزاد کرنا بظاہر ضرر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے نابالغ کا ولی بالغ کی طرف سے (آزاد کرنے کا) مالک نہیں ہے اور عاقل ہونے کی (شرط اس وجہ سے لگائی) کہ مجنون کو کسی تصرف کی لیاقت نہیں ہے اور اسی وجہ سے اگر بالغ نے کہا کہ میں نے (اس غلام کو) ایسی حالت میں آزاد کیا تھا کہ جب میں خود بچہ تھا تو اسی کا قول قبول ہوگا اور اسی طرح اگر آزاد کرنے والے نے کہا کہ میں نے (اس غلام کو) ایسی حالت میں آزاد کیا کہ میں مجنون تھا اور حال یہ کہ اس شخص کا جنون (لوگوں پر) ظاہر تھا۔ اس لیے کہ نسبت ایسی حالت کی طرف پائی گئی جو اعتاق کے منافی ہے ایسے ہی اگر بچہ نے کہا ہر مملوک جس کا میں مالک ہوں وہ اس وقت آزاد ہے جب میں بالغ ہو جاؤں (یہ) صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ بچہ ایسی بات کا اہل نہیں ہے۔ جو اس پر لازم کرنیوالی ہو اور ضروری ہے کہ غلام آزاد کرنے والے کی ملک میں ہو۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے دوسرے کا غلام آزاد کر دیا تو یہ نافذ نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدمی جس کا مالک نہ ہو، اس میں آزاد کرنا نہیں ہے۔

تشریح...... عبارت میں عتق سے مراد اعتاق (آزاد کرنا) ہے۔ قدوری نے صحتِ اعتاق کے واسطے چار شرطیں بیان کی ہیں۔ اول یہ کہ آزاد کرنے والا خود آزاد ہو۔ دوم یہ کہ آزاد کرنے والا عاقل ہو۔ سوم یہ کہ وہ بالغ ہو۔ چہارم یہ کہ غلام آزاد کرنے والے کی ملک میں ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ غلام آزاد کرنا صحیح نہیں ہوگا مگر آزاد عاقل بالغ کی طرف سے۔ بشرطیکہ غلام اس کی ملک میں ہو۔

آزاد کرنے والے کا خود آزاد ہونا اس لیے ضروری ہے کہ اعتاق (آزاد کرنا) صرف اپنی ملک میں صحیح ہوتا ہے اور جو خود مملوک ہو اس کی کوئی

ملک نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے مملوک کسی کو آزاد بھی نہیں کر سکتا ہے اور بالغ ہونا اس لیے شرط ہے کہ نابالغ میں آزاد کرنے کی لیاقت نہیں ہے۔ کیونکہ آزاد کرنا بظاہر ضرر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے نابالغ کے ولی اور وصی کو نابالغ کی طرف سے آزاد کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے اور عاقل ہونے کی شرط اس واسطے لگائی کہ دیوانے اور مجنون کو کسی تصرف میں لیاقت نہیں ہوتی اور چونکہ نابالغ تصرف کا اہل نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے اگر بالغ آدمی نے کہا کہ میں نے اپنے اس غلام کو ایسی حالت میں آزاد کیا تھا کہ جب میں خود نابالغ تھا تو اسی کا قول معتبر ہوگا اور غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے آزاد کرنے کو ایسی حالت کی طرف منسوب کیا ہے جو حالت (عدم بلوغ کی حالت) اعتاق کے منافی ہے۔ پس یہ قول اس کی طرف سے اعتاق صحیح سے انکار کرنا ہے اور قول منکر ہی کا قبول کیا جاتا ہے۔ اس لیے اس کا قول قبول ہوگا۔

اور چونکہ آزاد کرنے والے کا عاقل ہونا شرط ہے۔ اسی لئے اگر آزاد کرنے والے نے کہا کہ میں نے اس غلام کو ایسی حالت میں آزاد کیا کہ میں مجنون تھا اور حال یہ کہ اس شخص کا جنون لوگوں پر ظاہر تھا تو بھی اسی کا قول معتبر ہوگا۔ اس کی دلیل بھی یہی ہے کہ اس شخص نے اعتاق کو ایسی حالت کی طرف منسوب کیا جو حالت اعتاق کے منافی ہے۔ تو گویا یہ شخص اعتاق کا منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوتا ہے۔ اس لیے اس شخص کا قول معتبر ہوگا۔

اور اسی طرح آزاد کرنا صحیح نہیں ہوگا جبکہ نابالغ بچہ نے کہا کہ ہر مملوک جس کا میں مالک ہوں وہ اس وقت آزاد ہے جب میں بالغ ہو جاؤں۔ دلیل یہ ہے نابالغ بچہ کو یہ لیاقت نہیں ہے کہ ایسی بات کہے جو اس پر لازم کر دے۔ کیونکہ نابالغ کو ایسی باتیں کرنے سے شرعاً روکا گیا ہے۔ پھر یہ ضروری ہے کہ جس غلام کو آزاد کرنا چاہتا ہے وہ اس کی ملک میں ہو۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے دوسرے کا غلام آزاد کر دیا تو یہ نافذ نہ ہوگا۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اپنے نابالغ بچہ کے غلام کو آزاد کر سکتا ہے۔ مگر بالغ اولاد کے غلام کو آزاد کرنا درست نہیں ہے۔ جمہور کے مذہب پر دلیل حضور ﷺ کا فرمان **لا عتق فیما لا یملکہ ابن آدم** ہے۔ یعنی جس کا ابن آدم مالک نہ ہو اس کو آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر دوسرے کے غلام کو آزاد کیا تو یہ آزادی نافذ نہ ہوگی اور یہ نہیں کہا کہ صحیح نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ غیر مملوک کو آزاد کرنا صحیح تو ہے مگر نفاذ مالک کی اجازت سے ہوگا۔ بغیر مالک کی اجازت کے نفاذ نہ ہوگا۔

مولیٰ نے اپنے غلام یا باندی سے کہا انت حر او معتق او عتیق او محرر او قد حررتک او قد اعتقتک آزاد ہو جائے گا اگر چہ نیت نہ بھی کی ہو

وَ اِذَا قَالَ لِعَبْدِهٖ اَوْ اَمَتِهٖ اَنْتَ حُرٌّ اَوْ مُعْتَقٌ اَوْ عَتِيْقٌ اَوْ مُحَرَّرٌ اَوْ قَدْ حَرَّرْتُكَ اَوْ قَدْ اَعْتَقْتُكَ فَقَدْ عَتَقَ نَوىٰ بِهِ الْعِتْقَ اَوْ لَمْ يَنْوِ لِاَنَّ هٰذِهِ الْاَلْفَاظَ صَرِيْحٌ فِيْهِ لِاَنَّهَا مُسْتَعْمَلَةٌ فِيْهِ شَرْعًا وَعُرْفًا فَاَغْنٰى ذٰلِكَ عَنِ النِّيَّةِ وَالْوَضْعُ وَاِنْ كَانَ فِي الْاَخْبَارِ فَقَدْ جُعِلَ اِنْشَاءً فِي التَّصَرُّفَاتِ الشَّرْعِيَّةِ لِلْحَاجَةِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَالْبَيْعِ وَ غَيْرِهِمَا وَلَوْ قَالَ عَنَيْتُ بِهِ الْاَخْبَارَ الْبَاطِلَ اَوْ اَنَّهٗ حُرٌّ مِنَ الْعَمَلِ صُدِّقَ دِيَانَةً لِاَنَّهٗ يَحْتَمِلُهٗ وَلَا يُدَيَّنُ قَضَاءً لِاَنَّهٗ خِلَافُ الظَّاهِرِ

ترجمہ......اور اگر آقا نے اپنے غلام یا باندی سے کہا کہ تو آزاد ہے یا معتق ہے یا عتیق ہے یا محرر ہے یا میں نے تجھے آزاد کیا یا میں نے تجھے محرر کیا تو وہ آزاد ہو گیا۔ (خواہ) اس لفظ سے آزادی کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ کیونکہ یہ الفاظ آزاد کرنے کے معنی میں صریح ہیں۔ کیونکہ شرعاً اور عرفاً اس معنی میں مستعمل ہیں۔ پس صریح ہونا نیت سے بے نیاز کر دے گا اور ان الفاظ کی وضع اگر چہ اخبار میں ہے۔ لیکن ضرورت کے لیے تصرفات شرعیہ میں انشاء کے لیے بنا دیئے گئے ہیں۔ جیسا طلاق اور بیع وغیرہ میں ہے اور اگر اس نے کہا کہ میں نے ان الفاظ سے جھوٹی خبر کی نیت کی تھی۔ یا (کہا کہ میری یہ نیت تھی) کہ تو کام سے آزاد ہے تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ لفظ اس معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے اور قضاءً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر آقا نے اپنے غلام سے یا باندی سے کہا انت حرّ انت معتق یا انت عتیق یا انت محرر یا قد حررتك یا قد اعتقتك تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ خواہ ان الفاظ سے آقا نے آزاد کرنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ کیونکہ یہ الفاظ آزاد کرنے کے معنیٰ میں بالاتفاق صریح ہیں اور شرعاً اور عرفاً اس معنی میں مستعمل ہیں اور الفاظ صریحہ عمل کرنے میں نیت کے محتاج نہیں ہوتے۔ اس لیے ان لفاظ میں سے کسی لفظ کے ساتھ آزاد کرنا نیت کا محتاج نہیں ہوگا۔

اصل وضع میں یہ الفاظ اگرچہ اخبار کے معنی میں تھے مگر تصرفات شرعیہ میں ضرورت کی وجہ سے انشاء کر دیئے گئے ہیں۔ جیسے طلاق اور بیع وغیرہ میں ہے۔ مثلاً انت طالق اصل وضع کے اعتبار سے خبر ہے۔ مگر ضرورت کی وجہ سے اس کو انشاء کے معنی میں لے لیا گیا ہے اور اسی طرح بعت اور اشتریت اصل وضع میں خبر ہے مگر انشاء کے معنی کی طرف ضرورۃً نقل کر لیا گیا ہے۔

اور اگر آقا نے کہا کہ میں نے ان الفاظ سے جھوٹی خبر بیان کرنے کی نیت کی تھی۔ یا یہ کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ تو کام سے آزاد ہے میں تجھ سے کام نہیں لوں گا۔ تو دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ یہ الفاظ اصل وضع میں اس معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ البتہ قضاء تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ معنی خلاف ظاہر ہے اور خلاف ظاہر معنیٰ کی نیت قضاء معتبر نہیں ہوتی۔

مولیٰ نے غلام کو کہا یا حر یا عتیق آزاد ہو جائے گا

وَ لَوْ قَالَ لَهٗ يَاحُرُّ يَا عَتِيقُ يَعْتِقُ لِاَنَّهٗ نَدَاءٌ بِمَاهُوَ صَرِيْحٌ فِي الْعِتْقِ وَهُوَ لِاسْتِحْضَارِ الْمُنَادىٰ بِالْوَصْفِ الْمَذْكُوْرِ هٰذَا هُوَ حَقِيْقَتُهٗ فَيَقْتَضِيْ تَحَقُّقَ الْوَصْفِ فِيْهِ وَاَنَّهٗ يَثْبُتُ مِنْ جِهَتِهٖ فَيَقْتَضِيْ ثُبُوْتَهٗ تَصْدِيْقًا لَهٗ فِيْمَا اَخْبَرَ وَسَنُقَرِّرُهٗ مِنْ بَعْدُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالىٰ اِلَّا اِذَا سَمَّاهُ حُرًّا ثُمَّ نَادَاهُ يَاحُرُّ لِاَنَّ مُرَادَهُ الْاِعْلَامُ بِاِسْمِ عَلَمِهٖ وَهُوَ مَالَقَّبَهٗ بِهٖ وَلَوْ نَادَاهُ بِالْفَارِسِيَّةِ يَا آزَادُ وَ قَدْ لَقَّبَهٗ بِالْحُرِّ قَالُوْا يَعْتِقُ وَكَذَا عَكْسُهٗ لِاَنَّهٗ لَيْسَ بِنِدَاءٍ بِاِسْمِ عَلَمِهٖ فَيُعْتَبَرُ اِخْبَارًا عَنِ الْوَصْفِ

ترجمہ..... اور اگر مولیٰ نے مملوک سے کہا او آزاد یا اے عتیق تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ پکارنا ایسے لفظ کے ساتھ ہے۔ جو عتق میں صریح ہے اور ندا، منادیٰ کو وصف مذکور کے ساتھ حاضر کرنے کے لیے ہوتا ہے اور یہ منادیٰ کے حقیقی معنیٰ ہیں۔ پس تقاضا کرتا ہے کہ منادیٰ میں یہ وصف ثابت ہو اور یہ وصف پکارنے والے کی طرف سے ثابت ہو سکتا ہے تو مولیٰ کے قول کی تصدیق کے واسطے اس وصف کا ثابت ہونا لازم آیا اور ہم آئندہ انشاء اللہ اس کی تقریر کریں گے۔ لیکن اگر مولیٰ نے اس کا نام حر رکھا ہو۔ پھر اس کو پکارا کہ اے حر (تو آزاد نہ ہوگا) کیونکہ مولیٰ کی مراد یہ ہے کہ اس کے نام سے اس کو خبردار کرے۔ یعنی جو اس کا لقب رکھا ہے اور اگر اس کو فارسی میں پکارا کہ اے آزاد اور اس کا لقب حر رکھا تھا۔ تو مشائخ نے فرمایا کہ وہ آزاد ہو جائے گا اور اسی طرح اگر اس کے برعکس ہو کیونکہ یہ اس کے نام سے نداء نہیں ہے۔ پس اعتبار کیا جائے گا اخبار عن الوصف کا۔

تشریح..... مسئلہ! اگر مولیٰ نے مملوک سے کہا یا حر یا کہا عتیق تو وہ مملوک آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ پکارنا ایسے لفظ کے ساتھ ہے جو آزادی کے معنیٰ میں صریح ہے اور نداء کہتے ہیں منادیٰ کو وصف مذکور کے ساتھ حاضر کرنا۔ منادیٰ کے حقیقی معنیٰ یہی ہیں۔ پس منادیٰ اس میں وصف کے ثابت ہونے کا تقاضا کرے گا اور یہ وصف یعنی آزادی پکارنے والے کی طرف سے ثابت ہو سکتی ہے۔ پس مولیٰ کے قول کی تصدیق کے واسطے منادیٰ یعنی مملوک کے اندر اس وصف کا ثابت ہونا لازم آیا اور جب منادیٰ یعنی مملوک کے اندر وصف حریت ثابت ہو گیا تو مملوک اپنے مولیٰ کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر مولیٰ نے اپنے کسی غلام کا نام حر رکھا اور پھر اس کو یا حر کہہ کر پکارا تو یہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس وقت مولیٰ کا مقصود اس غلام میں

وصف حریت کو ثابت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے نام کے ساتھ اس کو پکارنا ہے۔ لہٰذا یہ کلام حریت کے لیے انشاء نہیں ہوگا اور اگر غلام کا نام حر رکھا اور فارسی زبان میں یا آزاد کہہ کر اس کو پکارا تو مشائخ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں آزاد ہو جائے گا اور اسی طرح اگر نام رکھا آزاد اور یا حر کہہ کر پکارا تو بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں اسکے نام کے ساتھ پکارنا نہیں پایا گیا۔ پس یہی خیال کیا جائے گا کہ مولیٰ نے اس غلام میں وصف ثابت کرنے کی خبر دی ہے اور مملوک کے اندر وصف حریت ثابت کرنے سے مملوک آزاد ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس صورت میں مملوک آزاد ہو جائے گا۔

مولیٰ نے کہا راسک حر او وجهك او رقبتك او بدنك یا اپنی باندی کو کہا فرجك حر آزاد ہو جائیں گے

وَكَذَا لَوْقَالَ رَاسُكَ حُرٌّ اَوْ وَجْهُكَ اَوْ رَقَبَتُكَ اَوْ بَدَنُكَ اَوْ قَالَ لِاَمَتِهٖ فَرْجُكِ حُرٌّ لِاَنَّ هٰذِهِ الْاَلْفَاظَ يُعَبَّرُ بِهَا عَنْ جَمِيْعِ الْبَدَنِ وَقَدْمَرَّ فِي الطَّلَاقِ وَاِنْ اَضَافَهُ اِلٰى جُزْءٍ شَائِعٍ يَقَعُ فِيْ ذٰلِكَ الْجُزْءِ وَسَيَاتِيْكَ الْاِخْتِلَافُ فِيْهِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ...... اور اسی طرح اگر (مملوک سے) کہا کہ تیرا سر آزاد ہے۔ یا تیرا چہرہ یا تیری گردن یا تیرا بدن (آزاد ہے) یا اپنی باندی سے کہا کہ تیری شرمگاہ آزاد ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ ایسے ہیں جن سے تمام بدن کی تعبیر ہوتی ہے اور کتاب الطلاق میں (یہ بیان) گذر چکا اور اگر آزاد کرنا جزء شائع کی طرف منسوب کیا تو اس جزء میں (آزادی) واقع ہو جائے گی اور اس میں جو اختلاف ہے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آتا ہے۔

تشریح...... مسئلہ! اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا راسک حر یا کہا وجہک حر یا رقبتک حر یا بدنک حر یا اپنی باندی سے کہا فرجک حر۔ تو ان تمام الفاظ سے مملوک آزاد ہو جائے گا۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تمام الفاظ ایسے ہیں جن سے پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے اور کتاب الطلاق میں یہ بیان گذر چکا ہے۔ ملاحظہ فرما لیا جائے اور اگر آزاد کرنا کسی جزء شائع یعنی تہائی، چوتھائی کی طرف منسوب کیا تو اولاً اس جز میں آزدی واقع ہوگی۔ پھر پورے بدن میں پھیل جائے گی۔ اس میں جو اختلاف امام صاحب اور صاحبین کے درمیان ہے۔ انشاء اللہ وہ قریب ہی میں آ رہا ہے۔

آزادی کی نسبت کی معین جزء کی طرف کی جس سے پورا بدن تعبیر نہیں کیا جاتا، حکم

وَاِنْ اَضَافَهُ اِلٰى جُزْءٍ مُعَيَّنٍ لَايُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْجُمْلَةِ كَالْيَدِ وَالرِّجْلِ لَايَقَعُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَالْكَلَامُ فِيْهِ كَالْكَلَامِ فِي الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ

ترجمہ...... اور اگر آزاد کرنا کسی معین جز کی طرف منسوب کیا جس سے پورا بدن تعبیر نہیں کیا جاتا ہے جیسے ہاتھ، پاؤں تو ہمارے نزدیک آزادی واقع نہیں ہوگی۔ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور اس میں کلام ایسا ہے جیسا طلاق میں اور اس کو ہم بیان کر چکے۔

تشریح...... مسئلہ! اگر آزاد کرنا کسی ایسے جز معین کی طرف منسوب کیا جائے جس سے پورے بدن کو تعبیر نہیں کیا جاتا۔ مثلاً ہاتھ کی طرف منسوب کیا یا پاؤں کی طرف تو اس صورت میں ہمارے نزدیک آزادی واقع نہیں ہوگی۔ البتہ امام شافعیؒ، امام زفرؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی آزادی واقع ہو جائے گی۔ اس بارے میں تفصیلی کلام باب ایقاع الطلاق میں بیان کیا جا چکا۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مولیٰ نے کہا لا ملك لي عليك اور اس سے آزاد کرنے کی نیت کی آزاد ہو جائے گا اگر نہیں کی آزاد نہیں ہوگا

وَلَوْقَالَ لَا مِلْكَ لِيْ عَلَيْكَ وَنَوىٰ بِهِ الْحُرِّيَّةَ عَتَقَ وَاِنْ لَّمْ يَنْوِلَمْ يَعْتِقْ لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ اَنَّهُ اَرَادَلَا مِلْكَ لِيْ عَلَيْكَ لِاَنِّيْ بِعْتُكَ وَيَحْتَمِلُ لِاَنِّيْ اَعْتَقْتُكَ فَلَا يَتَعَيَّنُ اَحَدُ هُمَا مُرَادًا اِلَّا بِالنِّيَّةِ

ترجمہ..... اور اگر (مملوک سے) کہا میری تجھ پر کوئی ملک نہیں ہے اور اس سے آزادی کی نیت کی تو آزاد ہو جائے گا اور اگر نیت نہ کی تو آزاد نہ ہو گا۔ اس لیے احتمال ہے کہ قائل کی مراد یہ ہو کہ میری تجھ پر کوئی ملک نہیں ہے۔ اس واسطے کہ میں نے تجھے بیچ ڈالا اور (یہ بھی) احتمال ہے کہ میں نے تجھ کو آزاد کر دیا۔ پس بغیر نیت کے کوئی احتمال متعین نہیں ہوگا۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا لا ملك لي عليك اور اس کلام سے آزاد کرنے کی نیت کی تو یہ مملوک آزاد ہو جائے گا اور اگر آزادی کی نیت نہیں کی تو آزادی واقع نہیں ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ یہ کلام الفاظِ کنایات میں سے ہے کیونکہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ میری ملک تجھ پر اس لیے نہیں کہ میں نے تجھے بیچ ڈالا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ملک اس واسطے نہیں کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا۔ پس ثابت ہوا کہ یہ کلام آزاد کرنے کے معنی میں صریح نہیں ہے بلکہ کنائی ہے اور لفظ کنائی عمل میں نیت کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کے بغیر نیت کے کوئی احتمال متعین نہیں ہوگا اور آزادی واقع نہیں ہوگی۔

عتق کے الفاظ کنائی کا حکم

قَالَ وَكَذَاكِنَايَاتُ الْعِتْقِ وَذٰلِكَ مِثْلُ قَوْلِهٖ خَرَجْتُ مِنْ مِلْكِيْ وَلَاسَبِيْلَ لِيْ عَلَيْكَ وَلَارِقَّ لِيْ عَلَيْكَ وَقَدْخَلَّيْتُ سَبِيْلَكَ لِاَنَّهُ يَحْتَمِلُ نَفْيَ السَّبِيْلِ وَالْخُرُوْجَ عَنِ الْمِلْكِ وَتَخْلِيَةَ السَّبِيْلِ بِالْبَيْعِ اَوِالْكِتَابَةِ كَمَايَحْتَمِلُ بِالْعِتْقِ فَلَابُدَّ مِنَ النِّيَّةِ وَكَذَاقَوْلُهٗ لِاَمَتِهٖ قَدْاَطْلَقْتُكِ لِاَنَّهٗ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهٖ خَلَّيْتُ سَبِيْلَكَ وَهُوَالْمَرْوِيُّ عَنْ اَبِيْ يُوْسُفَ بِخِلَافِ قَوْلِهٖ طَلَّقْتُكِ عَلٰى مَانُبَيِّنُ مِنْ بَعْدُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ..... قدوری نے کہا۔ یہی حال ہے کنایات عتق کا اور یہ جیسے مولیٰ کا قول تو میری ملک سے نکل گئی اور میرے واسطے تجھ پر کوئی راہ نہیں ہے اور میرے لئے تجھ پر رقیت نہیں ہے اور میں نے تیری راہ چھوڑ دی۔ کیونکہ احتمال ہے کہ بیع کرنے یا مکاتب کرنے سے راہ خالی کرنا اور ملک سے نکالنا (مراد ہو) اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ آزاد کرنے سے (ایسا کیا ہو) پس نیت ضروری ہے اور یونہی (اگر) مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا کہ میں نے تجھ کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ یہ خلیت سبیلک کے مرتبہ میں ہے اور یہی ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔ بخلاف اس کے (اگر) اس نے (باندی سے) کہا میں نے تجھے طلاق دے دی۔ چنانچہ ہم آئندہ انشاء اللہ بیان کریں گے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ یہی حال آزاد کرنے کے الفاظ کنایہ کا ہے۔ یعنی الفاظِ کنایہ سے اگر آزاد کرنے کی نیت کی ہے تو آزادی واقع ہو جائے گی ورنہ نہیں الفاظ کنایہ کی مثال جیسے اپنے غلام سے کہا تو میری ملک سے نکل گیا۔ یا باندی سے کہا تو میری ملک سے نکل گئی اور مثلاً کہا میرے واسطے تجھ پر کوئی راہ نہیں ہے۔ یا تجھ پر میری رقیت نہیں ہے۔ یا میں نے تیری راہ خالی کر دی، چھوڑ دی۔

دلیل یہ ہے کہ ان تمام الفاظ میں آزادی کے علاوہ دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے۔ کیونکہ جس طرح یہ معنی ہے کہ میں نے آزاد کر دیا۔ اس لیے تو میری ملک سے نکل گیا یا میرے آزاد کرنے کی وجہ سے میری ملک تجھ پر نہیں رہی وغیرہ ذالک۔ اسی طرح یہ بھی احتمال ہے کہ چونکہ میں نے تجھ کو بیچ ڈالا یا مکاتب کر دیا اس لیے تو میری ملک سے نکل گیا یا میری ملک تجھ پر نہیں رہی۔ پس ایک احتمال متعین کرنے کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے اور اگر نیت نہیں پائی گئی تو آزادی واقع نہیں ہوگی اور یوں ہی اگر اپنی باندی سے کہا کہ میں نے تجھ کو اطلاق کیا یعنی چھوڑ دیا تو بھی نیت ضروری ہے کیونکہ قد اطلقتك، خليت سبيلك کے مرتبہ میں ہے۔ یہی امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔ اسکے برخلاف اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا، میں نے تجھے طلاق دی تو اس صورت میں نیت کے باوجود آزادی ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ لفظ طلاق میں صریح ہے۔ اس لیے اس سے آزادی ثابت نہیں ہو گی۔ چنانچہ ہم آئندہ ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

مولیٰ نے کہا لا سلطان لی علیك اس سے آزاد کرنے کی نیت کی آزاد نہیں ہوگا

وَلَوْقَالَ لَاسُلْطَانَ لِيْ عَلَيْكَ وَنَوَى الْعِتْقَ لَمْ يَعْتِقْ لِاَنَّ السُّلْطَانَ عِبَارَةٌ عَنِ الْيَدِوَسُمِّيَ السُّلْطَانُ بِهٖ لِقِيَامِ يَدِهٖ وَقَدْيَبْقَى الْمِلْكُ دُوْنَ الْيَدِ كَمَافِي الْمُكَاتَبِ بِخِلَافِ قَوْلِهٖ لَا سَبِيْلَ لِيْ عَلَيْكَ لِاَنَّ نَفْيَهٗ مُطْلَقاً بِانْتِفَاءِ الْمِلْكِ لِاَنَّ لِلْمَوْلٰى عَلَى الْمُكَاتَبِ سَبِيْلًا فَلِهٰذَا يَحْتَمِلُ الْعِتْقَ

ترجمہ.....اور اگر (مولیٰ نے) کہا تجھ پر میری سلطنت نہیں ہے اور آزادی کی نیت کی تو آزاد نہ ہوگا۔ اس لیے کہ سلطنت سے مراد قبضہ ہے اور نام رکھا گیا بادشاہ کا سلطان۔ اس لیے کہ (مملکت پر) اس کا قبضہ ہے اور کبھی ملک باقی رہتی ہے نہ کہ قبضہ جیسے مکاتب میں ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے قول لا سبيل لی علیك کے۔ کیونکہ مطلقاً راہ کی نفی کرنا ملک کی نفی سے ہوتا ہے کیونکہ مکاتب پر مولیٰ کی راہ باقی رہتی ہے۔ اس لیے یہ آزادی کا احتمال رکھتا ہے۔

تشریح.....مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالک نے اپنے مملوک سے کہا لا سلطان لی علیك اور آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ سلطان سے مراد قبضہ ہے اور بادشاہ کو بھی سلطان اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا مملکت پر قبضہ ہوتا ہے۔ جس طرح چاہے تصرف کرے اور ملک اور قبضہ کے درمیان تلازم نہیں ہے۔ بلکہ ملکیت باقی رہتی ہے اور قبضہ نہیں رہتا جیسے مکاتب میں ہے۔ اس کے برخلاف اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا لا سبيل لی علیك اور آزادی کی نیت کی تو مملوک آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ بالکل سبیل (راہ) کی نفی کرنا جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ ملک نہ ہو اور چونکہ مکاتب پر مولیٰ کی راہ باقی رہتی ہے۔ اسی لیے لا سبيل لی علیك آزادی کا احتمال رکھتا ہے۔

فوائد.....مصنفؒ کی عبارت السلطان عبارة عن الید میں تسامح ہے۔ کیونکہ سلطان قبضہ کو نہیں کہتے۔ بلکہ صاحب قبضہ کو کہتے ہیں۔ (عینی شرح ہدایہ)

اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا هذا ابنی اور اس پر قائم رہا مملوک آزاد ہو جائے گا

وَلَوْ قَالَ هٰذَا اِبْنِيْ وَثَبَتَ عَلٰى ذٰلِكَ عُتِقَ وَمَعْنَى الْمَسْاَلَةِ اِذَاكَانَ يُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ وَاِذَاكَانَ لَايُوْلَدُ مِثْلُهٗ لِمِثْلِهٖ ذَكَرَهٗ بَعْدَ هٰذَا ثُمَّ اِنْ لَمْ يَكُنْ لِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ وَيَثْبُتُ نَسَبُهٗ مِنْهُ لِاَنَّ وِلَايَةَ الدَّعْوَةِ بِالْمِلْكِ ثَابِتَةٌ وَالْعَبْدُ مُحْتَاجٌ اِلَى النَّسَبِ فَيَثْبُتُ نَسَبُهٗ مِنْهُ وَاِذَا ثَبَتَ عُتِقَ لِاَنَّهٗ يَسْتَنِدُالنَّسَبُ اِلٰى وَقْتِ الْعُلُوْقِ وَاِنْ كَانَ لَهٗ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ لَايَثْبُتُ نَسَبُهٗ مِنْهُ لِلتَّعَذُّرِ وَيَعْتِقُ اِعْمَالًا لِلَّفْظِ فِيْ مَجَازِهٖ عِنْدَتَعَذُّرِاِعْمَالِهٖ بِحَقِيْقَتِهٖ وَوَجْهُ الْمَجَازِ نَذْكُرُهٗ مِنْ بَعْدُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

ترجمہ......اور اگر مولیٰ نے (اپنے مملوک کو) کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور اسی بات پر جمار ہا تو آزاد ہو جائے گا اور اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ غلام جب ایسا ہو کہ اس جیسا اس جیسے قائل سے پیدا ہو سکتا ہے اور اگر ایسا ہو کہ مولیٰ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ تو یہ مسئلہ اس کے بعد مذکور ہے۔ پھر اگر غلام کا کوئی نسب معروف نہ ہو تو مولیٰ سے اس کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ دعویٰ نسب کی ولایت مالک ہونے کی وجہ سے ثابت ہے اور غلام نسب کا محتاج بھی ہے۔ تو مولیٰ سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور جب نسب ثابت ہوا تو آزاد ہو گیا۔ کیونکہ نسب، نطفہ قرار پانے کے وقت کی طرف منسوب ہوگا اور اگر غلام کا نسب معروف ہے تو مولیٰ سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ (مولیٰ سے ثابت کرنا) متعذر ہے اور (یہ) غلام آزاد ہو جائے گا۔ تاکہ لفظ کا عمل معنی مجازی میں ہو جائے کیونکہ معنی حقیقی میں اس کا عمل متعذر ہے اور مجاز کی وجہ انشاء اللہ ہم بعد میں ذکر کریں گے۔

تشریح......صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ھٰذا ابنی اور اسی بات پر جمار ہا تو مملوک آزاد ہو جائے گا۔ علامہ بدرالدین عینی نے لکھا ہے کہ ثبت علیٰ ذلک کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ ینابیع میں مذکور ہے کہ اس بات پر جمے رہنا لازم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مبسوط میں یہ قید مذکور نہیں ہے۔ اور علامہ فخر الاسلام بزدوی نے فرمایا کہ اس بات پر جمار ہنا ثبوت نسب کے واسطے شرط ہے۔ آزادی کے واسطے شرط نہیں ہے۔ چنانچہ ہٰذا ابنی کہنے کے بعد اگر یہ کہا کہ میں نے غلط کہا یا مجھے وہم ہو گیا تھا تو یہ مملوک آزاد ہی رہے گا اور اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کی مراد یہ ہے کہ جس کو بیٹا کہا اس کی عمر اس قدر ہو کہ مولیٰ سے پیدا ہونا ممکن ہو اور اگر غلام ایسا ہے کہ مولیٰ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ مثلاً مولیٰ کی عمر بیس سال ہے اور غلام کی عمر پچیس سال تو یہ مسئلہ آئندہ آرہا ہے۔

پھر اگر اس غلام کا کوئی نسب معروف نہ ہو تو مولیٰ سے اس کا نسب بھی ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ نسب کا دعویٰ کرنے کی ولایت مولیٰ کے واسطے مالک ہونے کی وجہ سے ثابت ہے اور اس غلام کو نسب کی احتیاج بھی ہے تو مولیٰ سے نسب ثابت ہو جائے گا اور جب نسب ثابت ہوا تو آزاد بھی ہو گیا۔ کیونکہ نسب کی نسبت اس وقت کی طرف ہوگی جب سے نطفہ قرار پانے کے وقت سے نسب ثابت ہوا تو آزادی بھی اسی وقت سے ثابت ہو گی۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا من ملك ذا رحم محرم منه عتق عليه ۔

اور اگر اس غلام کا نسب معروف ہو تو مولیٰ سے اس کا نسب ثابت نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ غلام غیر سے ثابت النسب ہے۔ اس لیے مولیٰ سے ثابت کرنا ناممکن ہے۔ البتہ یہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ تاکہ لفظ کو اپنے معنی مجازی پر محمول کیا جائے۔ جبکہ حقیقی معنی نہیں بنتے ہیں اور مجاز اس طرح پر ہے کہ بیٹا ہونا آزادی کا سبب ہے۔ پس سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا اور سبب بول کر مسبب مراد لینا مجاز کا ایک طریقہ ہے۔ تفصیل آئندہ مسئلہ میں آرہی ہے۔

مولیٰ نے کہا ھذا مولای او یا مولای آزاد ہو جائے گا

وَ لَوْ قَالَ هٰذَا مَوْلَایَ اَوْ یَا مَوْلَایَ عتق اَمَّا الْاَوَّلُ فَلِاَنَّ اِسْمَ الْمَوْلٰی وَاِنْ کَانَ یَنْتَظِمُ النَّاصِرَ وَابْنَ الْعَمِّ وَالْمُوَالَاةَ فِی الدِّیْنِ وَالْاَعْلٰی وَالْاَسْفَلَ فِی الْعِتَاقَةِ اِلَّا اَنَّهٗ تَعَیَّنَ الْاَسْفَلُ فَصَارَ کَاسْمٍ خَاصٍّ لَهٗ وَهٰذَا لِاَنَّ الْمَوْلٰی لَایَسْتَنْصِرُ بِمَمْلُوْکِهٖ عَادَةً وَلِلْعَبْدِ نَسَبٌ مَعْرُوْفٌ فَانْتَفَی الْاَوَّلُ وَالثَّانِیْ وَالثَّالِثُ نَوْعُ مَجَازٍ وَالْکَلَامُ لِحَقِیْقَتِهٖ وَالْاِضَافَةُ اِلَی الْعَبْدِ تُنَافِیْ کَوْنَهٗ مُعْتِقًا فَتَعَیَّنَ الْمَوْلَی الْاَسْفَلُ فَالْتَحَقَ بِالصَّرِیْحِ وَکَذَا اِذَا قَالَ لِاَمَتِهٖ هٰذِهٖ مَوْلَاتِیْ لِمَا بَیَّنَّا وَلَوْ قَالَ عَنَیْتُ بِهِ الْمَوْلٰی فِی الدِّیْنِ اَوِ الْکِذْبَ یُصَدَّقُ فِیْمَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ اللّٰهِ تَعَالٰی لَایُصَدَّقُ فِی الْقَضَاءِ بِمُخَالَفَتِهِ الظَّاهِرَ وَاَمَّا الثَّانِیْ فَلِاَنَّهٗ لَمَّا تَعَیَّنَ الْاَسْفَلُ مُرَادًا اِلْتَحَقَ بِالصَّرِیْحِ وَبِالنِّدَاءِ بِاللَّفْظِ الصَّرِیْحِ یُعْتِقُ بِاَنْ قَالَ یَا حُرُّ یَا عَتِیْقُ فَکَذَا النِّدَاءُ بِهٰذَا اللَّفْظِ وَقَالَ زُفَرُ لَایَعْتِقُ فِی الثَّانِیْ لِاَنَّهٗ یَقْصِدُ بِهٖ

الْإِكْرَامُ بِمَنْزِلَةِ قَوْلِهِ يَاسَيِّدِيْ يَامَالِكِيْ قُلْنَا الْكَلَامُ لِحَقِيْقَتِهِ وَقَدْأَمْكَنَ الْعَمَلُ بِهِ بِخِلَافِ مَاذَكَرَهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيْهِ مَايُخْتَصُّ بِالْعِتْقِ فَكَانَ إِكْرَامًامَحْضًا

ترجمہ......اور اگر (مالک نے) کہا یہ میرا مولیٰ ہے۔ یا پکارا کہ اے مولیٰ تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ بہر حال اول تو اس لیے کہ لفظ مولیٰ اگر چہ مددگار، چچا زاد بھائی، دینی موالات، اعلیٰ (آزاد کرنے والا) اور اسفل فی العتاقہ (آزاد کیا ہوا) (سب کو) شامل ہے۔ مگر (یہاں) اسفل (آزاد کیا ہوا) کے معنی متعین ہیں۔ تو وہ اس کا اسم خاص ہو گیا یہ اس لیے کہ مولیٰ عادۃً اپنے مملوک سے مدد طلب نہیں کرتا ہے اور غلام کا نسب بھی معروف ہے۔ لہٰذا اول اور ثانی منتفی ہو گیا اور ثالث (دینی موالات کے معنی) میں ایک طرح کا مجاز ہے۔ حالانکہ کلام حقیقی معنی میں ہے اور غلام کی طرف نسبت کرنا، غلام کے معتق (آزاد کرنے والا) ہونے کے منافی ہے۔ پس مولیٰ اسفل (آزاد کیا ہوا) متعین ہو گیا۔ پس (یہ لفظ) صریح کے ساتھ لاحق ہو گیا۔

اور اسی طرح اگر باندی سے کہا کہ یہ میری موالات ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی اور اگر مالک نے کہا کہ میں نے اس کلام سے موالات فی الدین مراد لیا تھا یا جھوٹ (مراد لیا تھا) تو دیانۃً تصدیق ہو سکتی ہے۔ (مگر) قضاءً تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ (یہ) ظاہر کے خلاف ہے اور رہی دوسری صورت تو اس لیے کہ جب اسفل (آزاد کیا ہوا) مراد ہونا متعین ہو گیا تو (یہ لفظ بھی) صریح کے ساتھ لاحق ہو گیا اور صریح لفظ کے ساتھ ندا کرنے میں وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ بایں طور کہ کہا کہ اے حر یا اے عتیق تو ایسے ہی اس لفظ کے ساتھ ندا کرنے میں بھی (بغیر نیت کے آزاد ہو جائے گا) اور زفرؒ نے کہا کہ دوسری صورت میں آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے اکرام کرنا بھی مقصود ہوتا ہے اور (یہ) اس کے قول یاسیدی، یامالکی کے مرتبہ میں ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ کلام اپنے حقیقی معنی کے واسطے ہے اور حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ بخلاف اس کے جو زفرؒ نے بیان کیا۔ کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عتق کے ساتھ مختص ہو تو یہ محض اکرام ہو گیا۔

تشریح......صورتِ مسئلہ! اگر مالک نے اپنے غلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہٰذا مولایَ یا پکارتے ہوئے کہا یا مولایَ تو بغیر نیت کے غلام آزاد ہو جائے گا اور امام زفرؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے کہا کہ بغیر نیت کے آزاد نہیں ہوگا۔

پس اول یعنی ھٰذا مولائی کہنے کی صورت میں دلیل یہ ہے کہ لفظ مولیٰ اگر چہ متعدد معانی کے درمیان مشترک ہے۔ اس لیے کہ لفظ مولیٰ ناصر (مددگار) کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان الکافرین لا مولیٰ لھم (سورۂ محمد) ای لا ناصر لھم اور چچا زاد بھائی کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا و انی خفت الموالی من ورائی (سورہ مریم) یعنی مجھے اپنے مرنے کے بعد اپنے چچا زاد بھائیوں کا ڈر ہے اور دینی موالات کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے۔ موالات کی صورت یہ ہے کہ آزاد عاقل بالغ مسلمان کسی جانب سے کہے تو میرا مولیٰ ہے۔ اگر میں مر گیا تو، تو میرا وارث ہوگا اور اگر میں جنایت کروں تو تو میری عاقلہ ہو کر میری طرف سے تاوان دے گا۔ دوسرے نے کہا قبلت تو یہ قبول کرنے والا اس کا مولیٰ ہوگا اگر وہ مر جائے تو وارث ہوگا اور اگر وہ کوئی جنایت کرے تو تاوان دے گا اور لفظ مولیٰ معتق یعنی آزاد کرنے والے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور معتق یعنی آزاد کئے ہوئے کے معنی بھی آئے ہیں مگر یہاں صرف اسفل فی العتاقہ یعنی آزاد کردہ غلام کے معنی متعین ہیں پس لفظ مولیٰ آزاد کردہ غلام کے ساتھ اسم خاص کے مانند ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ لفظ مولیٰ آزاد کردہ غلام کے ساتھ کیوں خاص ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مولیٰ سے ناصر اور مددگار کے معنی مراد نہیں ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ مولیٰ عادۃً اپنے مملوک سے مدد طلب نہیں کرتا ہے اور چونکہ غلام کا نسب معروف و مشہور ہے۔ اس لیے لفظ مولیٰ کو یہاں چچا زاد بھائی کے معنی پر محمول کرنا بھی درست نہیں ہے اور دینی موالات مجازی معنی ہیں۔ کیونکہ مولیٰ مشتق ہے ولی سے جس کے معنی قریب ہونے کے ہیں اور وہ آدمی جن میں سے ایک مشرق کا رہنے والا ہے اور دوسرا مغرب کا ان میں کوئی قریب نہیں ہے نہ حقیقتاً قرب ہے نہ نسب کے اعتبار سے اور نہ مکان کے اعتبار سے۔ پس دینی

قرب متعین ہو گیا۔ حاصل یہ کہ دینی موالات مجازی معنی ہیں۔ حالانکہ یہاں گفتگو حقیقی معنی میں ہے۔ اس لیے یہ معنی بھی مراد نہیں ہوں گے اور چونکہ اس شخص نے غلام کو مولیٰ کہا ہے۔ اس لیے مولیٰ آزاد کرنے والے کے معنی میں بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نسبت الی العبد اس کے معتق ہونے کے منافی ہے۔ پس جب ان میں سے کوئی معنی مراد نہیں ہیں تو آزاد کیے ہوئے کے معنی متعین ہو گئے اور لفظ مولیٰ آزاد کردہ غلام کے معنی میں صریح کے مانند ہے اور لفظ صریح نیت کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے هٰذا مولائی کلام سے بغیر نیت کے غلام آزاد ہو جائے گا اور اسی طرح اگر اپنی باندی کو هٰذه مولاتی کہا تو بھی بغیر نیت کے آزاد ہو جائے گی۔ دلیل وہی ہے جو ہم هٰذا مولای کے تحت بیان کر چکے۔

اور اگر مالک نے دعویٰ کیا کہ میری مراد یہ تھی کہ میرے ساتھ اس کو دینی موالات ہے یا میں نے جھوٹ کہا تھا۔ تو اس صورت میں دیانۃً اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ مگر قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ مراد ظاہر کے خلاف ہے اور ظاہر کے خلاف کی نیت دیانۃً معتبر ہوتی ہے مگر قضاءً معتبر نہیں ہوتی۔

اور رہی دوسری صورت یعنی جبکہ اس نے کہا یا مولائی اے میرے مولیٰ تو اس صورت میں غلام کے آزاد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب لفظ مولیٰ سے آزاد کردہ غلام کے معنی مراد ہیں تو یہ لفظ بھی اس معنی میں صریح کے مانند ہو گیا اور صریح لفظ سے ندا کرنے میں وہ آزاد ہو جاتا تھا۔ مثلاً کہا اے حر یا اے عتیق تو اسی طرح یا مولیٰ کہہ کر پکارنے میں بھی بغیر نیت کے آزاد ہو جائے گا۔

اور حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ اس دوسری صورت یعنی یا مولای کہنے میں آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے تعظیم و تکریم کرنا بھی مقصود ہوتا ہے۔ جیسے یوں کہے کہ اے میرے سید اے میرے مالک لیکن ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ کلام اپنے حقیقی معنی کے واسطے ہے اور یہاں حقیقی معنی پر عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ اس وجہ سے مجازی معنی مراد نہیں لیا جائے گا۔ بخلاف اس کے جو امام زفرؒ سے منقول ہے۔ یعنی یا سیدی اور یا مالکی میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جو آزادی پر دلالت کرے۔ لہٰذا اس میں اکرام محض ہوگا اور اکرام محض سے آزادی حاصل نہیں ہوتی۔

مولیٰ نے کہا یا ابنی او یا اخی آزاد نہیں ہوگا

وَ لَوْقَالَ يَـاابْنِىْ اَوْيَااَخِىْ لَمْ يَعْتِقْ لِاَنَّ النِّدَاءَ لِاَعْلَامِ الْمُنَادٰى اِلَّااَنَّهٗ اِذَا كَانَ بِوَصْفٍ يُمْكِنُ اِثْبَاتُهٗ مِنْ جِهَتِهٖ كَانَ لِتَحْقِيْقِ ذٰلِكَ الْوَصْفِ فِى الْمُنَادٰى اِسْتِحْضَارًا لَهٗ بِالْوَصْفِ الْمَخْصُوْصِ كَمَافِىْ قَوْلِهٖ يَاحُرُّعَلٰى مَابَيَّنَّاهُ وَاِذَاكَانَ النِّدَاءُ بِوَصْفٍ لَايُمْكِنُ اِثْبَاتُهٗ مِنْ جِهَتِهٖ كَانَ لِلْاَعْلَامِ الْمُجَرَّدِدُوْنَ تَحْقِيْقِ الْوَصْفِ فِيْهِ لِتَعَذُّرِهٖ وَالْبُنُوَّةُ لَايُمْكِنُ اِثْبَاتُهَا حَالَةَ النِّدَاءِ مِنْ جِهَتِهٖ لِاَنَّهٗ لَوِانْخَلَقَ مِنْ مَاءِ غَيْرِهٖ لَايَكُوْنُ اِبْنَالَهٗ بِهٰذَاالنِّدَاءِ فَكَانَ لِمُجَرَّدِ الْاِعْلَامِ وَيُرْوٰى عَنْ اَبِىْ حَنِيْفَةَ شَاذًّا اَنَّهٗ يَعْتِقُ فِيْهِمَا وَالْاِعْتِمَادُ عَلَى الظَّاهِرِ

ترجمہ...... اور اگر مولیٰ نے کہا اے میرے بیٹے یا اے میرے بھائی تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ پکارنا تو منادیٰ کو آگاہ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ مگر جب وہ ایسے وصف کے ساتھ ہو۔ جس کا ثابت کرنا پکارنے والے کی طرف سے ممکن ہے تو منادیٰ میں اس وصف کا ثابت کرنا قرار دیا جائے گا تاکہ وصف خاص کے ساتھ منادیٰ کو حاضر کیا جائے۔ جیسا کہ اس کے قول یا حر میں ہے۔ چنانچہ ہم اس کو بیان کر چکے اور جب پکارنا ایسے وصف کے ساتھ ہو جس کا ثابت کرنا پکارنے والے کی طرف سے ناممکن ہے تو یہ پکارنا محض آگاہ کرنے کے لیے ہوگا اور اس میں یہ وصف ثابت کرنے کی لئے نہیں ہوگا۔ کیونکہ (یہ وصف ثابت کرنا) متعذر ہے اور بیٹا ہونا (ایسا وصف ہے کہ) پکارنے کی حالت میں پکارنے والے کی طرف سے اس کا ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ غیر کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے تو اس پکارنے سے اس کا بیٹا نہ ہوگا۔ پس (یہ پکارنا) محض آگاہ کرنے کے لیے ہوگا اور ابوحنیفہؒ سے شاذ روایت یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں آزاد ہو جائے گا۔ (مگر) اعتماد ظاہر الروایۃ پر ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے مملوک سے کہا یا ابنی یا کہا یا اخی تو وہ مملوک آزاد نہیں ہوگا اور سابق میں گذر چکا کہ اگر مالک نے اپنے غلام کو یا حر کہہ کر پکارا تو یہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پکارنا جب ایسے وصف کے ساتھ ہو جس کا ثابت کرنا پکارنے والے کی طرف سے ممکن ہے۔ تو منادیٰ میں اس وصف کا ثابت کرنا قرار دیا جائے گا۔ یعنی یہ کہا جائے گا پکارنے والے نے منادیٰ میں اس وصف کو ثابت کیا ہے۔ تا کہ منادیٰ کو اسی خاص وصف کے ساتھ اپنے سامنے حاضر کرے۔ جیسے کہا کہ یا حر یعنی اے آزاد۔ پس حریت (آزادی) ایسا وصف ہے جس کا ثابت کرنا پکارنے والے کی طرف سے ممکن ہے۔ لہٰذا یہ کہا جائے گا کہ مولیٰ نے منادیٰ یعنی غلام میں وصف حریت ثابت کیا ہے تا کہ وہ غلام اس وصف خاص کے ساتھ مولیٰ کے سامنے حاضر ہو اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق سابق میں گذر چکی اور جب پکارنا ایسے وصف کے ساتھ ہو جس کا ثابت کرنا پکارنے والے کی طرف سے ناممکن ہے تو یہ پکارنا محض منادیٰ کو آگاہ کرنے کے لیے ہوگا اور منادیٰ میں یہ وصف ثابت کرنا مقصود نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ وصف ثابت کرنا ممکن نہیں ہے اور مسئلہ مذکورہ میں بیٹا ہونا ایسا وصف ہے کہ پکارنے کی حالت میں پکارنے والے کی طرف سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ اگر وہ غیر کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ تو یہ غلام اس پکارنے سے پکارنے والے کا بیٹا نہیں ہوسکتا۔ پس یہ پکارنا محض آگاہ کرنے کے واسطے ہے یہ حکم ظاہر الروایۃ کے مطابق ہے اور امام ابوحنیفہؒ سے حسن کے واسطے سے ایک شاذ روایت یہ ہے کہ دونوں صورتوں یعنی یا ابنی اور یا اخی میں وہ آزاد ہو جائے گا۔

حاصل یہ کہ آزادی بذریعہ ندا تین لفظوں سے واقع ہو جاتی ہے۔ یا حر، یا عتیق، یا مولای۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور حسن کی روایت میں پانچ لفظوں سے بذریعہ نداء آزادی واقع ہو جائے گی۔ مذکورہ تین الفاظ اور یا ابنی اور یا اخی مگر اعتماد ظاہر الروایۃ پر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

مولیٰ نے کہا یا ابن آزاد نہیں ہوگا

وَلَوْ قَالَ يَا ابْنُ لَا يَعْتِقُ لِاَنَّ الْاَمْرَ كَمَا اَخْبَرَ فَاِنَّهُ ابْنُ اَبِيهِ وَكَذَا اِذَا قَالَ يَا بُنَيَّ اَوْ يَا بُنَيَّةُ لِاَنَّهُ تَصْغِيرُ لِلْابْنِ وَ الْبِنْتِ مِنْ غَيْرِ اِضَافَةٍ وَالْاَمْرُ كَمَا اَخْبَرَ

ترجمہ..... اور اگر کہا کہ اے بیٹے تو غلام آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ بات یہی ہے جو اس نے بیان کی اس لیے کہ یہ غلام اپنے باپ کا بیٹا ہے اور اسی طرح اگر کہا اے چھوٹے سے لڑکے یا اے چھوٹی سی لڑکی۔ کیونکہ یہ ابن اور بنت کی تصغیر ہے۔ (اپنی طرف) اضافت کیے بغیر اور بات یہی ہے جو اس نے کہی۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا یا ابن ضمہ کے ساتھ یائے متکلم کی طرف اضافت کیئے بغیر تو وہ غلام آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ مولیٰ اپنی خبر میں صادق ہے۔ اس لیے کہ یہ غلام اپنے باپ کا بیٹا ہے اور اسی طرح اگر کہا کہ یا بنی یا کہا بنیۃ تو اس صورت میں بھی آزادی واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس شخص نے بیٹا یا بیٹی تصغیر کے طور پر کہا ہے اور اپنی طرف اضافت نہیں کی ہے اور بات یہی ہے جو اس نے کہی۔ کیونکہ تصغیر کبھی شفقت اور ترحم کے لیے لائی جاتی ہے۔

مولیٰ نے ایسے غلام کو جس کے مثل مولیٰ سے نہیں پیدا ہوسکتا هذا ابنی کہا، اقوال فقہاء

وَ اِنْ قَالَ لِغُلَامٍ لَا يُوْلَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هٰذَا ابْنِيْ عَتَقَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَا يَعْتِقُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لَهُمْ اَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِيْقَتِهِ فَيُرَدُّ وَيَلْغُوْ كَقَوْلِهِ اَعْتَقْتُكَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ اَوْ قَبْلَ اَنْ تُخْلَقَ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ كَلَامٌ مُحَالٌ بِحَقِيْقَتِهِ لٰكِنَّهُ صَحِيْحٌ بِمَجَازِهِ لِاَنَّهُ اِخْبَارٌ عَنْ حُرِّيَّتِهِ مِنْ حِيْنَ مِلْكِهِ وَهٰذَا لِاَنَّ الْبُنُوَّةَ فِي الْمَمْلُوْكِ سَبَبٌ

لِحُرِّيَّتِهٖ اَمَّا اِجْمَاعًا اَوْ صِلَةً لِلْقَرَابَةِ وَاِطْلَاقِ السَّبَبِ وَ اِرَادَةِ الْمُسَبَّبِ مُسْتَجَازٌ فِي اللُّغَةِ تَجَوُّزًا وَلِاَنَّ الْحُرِّيَّةَ لَازِمَةٌ لِلْبُنُوَّةِ فِي الْمَمْلُوْكِ وَالْمُشَابَهَةُ فِيْ وَصْفٍ لَازِمٍ مِنْ طُرُقِ الْمَجَازِ عَلٰى مَاعُرِفَ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ تَحَرُّزًا عَنِ الْاِلْغَاءِ بِخِلَافِ مَا اسْتَشْهَدَ بِهٖ لِاَنَّهٗ لَاوَجْهَ لَهٗ فِي الْمَجَازِ فَتَعَيَّنَ الْاِلْغَاءُ وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ لِغَيْرِهٖ قَطَعْتُ يَدَكَ فَاَخْرَجَهُمَا صَحِيْحَتَيْنِ حَيْثُ لَمْ يُجْعَلْ مَجَازًا عَنِ الْاِقْرَارِ بِالْمَالِ وَالْتِزَامِهٖ وَاِنْ كَانَ الْقَطْعُ سَبَبٌ لِوُجُوْبِ الْمَالِ لِاَنَّ الْقَطْعَ خَطَاءً سَبَبٌ لِوُجُوْبِ مَالٍ مَخْصُوْصٍ وَ هُوَ الْاَرْشُ وَاَنَّهٗ يُخَالِفُ مُطْلَقَ الْمَالِ فِي الْوَصْفِ حَتّٰى وَجَبَ عَلَى الْعَاقِلَةِ فِيْ سَنَتَيْنِ وَلَايُمْكِنُ اِثْبَاتُهٗ بِدُوْنِ الْقَطْعِ وَمَا اَمْكَنَ اِثْبَاتُهٗ فَالْقَطْعُ لَيْسَ بِسَبَبٍ لَهٗ اَمَّا الْحُرِّيَّةُ لَا تَخْتَلِفُ ذَاتًا وَ حُكْمًا فَاَمْكَنَ جَعْلُهٗ مَجَازًا عَنْهُ

ترجمہ..... اور اگر ایسے غلام کو جس کے مثل اس سے پیدا نہیں ہو سکتا ہے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک آزاد ہو جائے گا اور صاحبین نے کہا کہ آزاد نہیں ہوگا اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے (اور) ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اپنے حقیقی معنی کے ساتھ محال ہے تو مردود اور لغو ہو جائے گا۔ جیسے اس کا قول کہ میں نے تجھے اپنے پیدا ہونے سے پہلے یا تیرے پیدا ہونے سے پہلے آزاد کر دیا تھا اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے (اگرچہ) محال ہے۔ لیکن مجازی معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔ کیونکہ یہ اس کے مالک ہونے کے وقت سے اس کے آزاد ہونے کی خبر دینا ہے اور یہ اس لیے کہ مملوک کا بیٹا ہونا اس کی آزادی کا سبب ہے۔ یا اجماع کی وجہ سے یا صلہ قرابت کی وجہ سے اور سبب بول کر مسبب مراد لینا لغت میں مجاز ہے اور اس لیے کہ مملوک میں بیٹا ہونے کے لیے آزادی لازم ہے اور وصفِ لازم میں تشبیہ دینا، مجاز کے طریقوں میں سے (ایک طریقہ) ہے۔ جیسا کہ (اصول میں) معلوم ہو چکا۔ تو کلام کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ بخلاف اس مسئلہ کے کہ جس سے صاحبین اور امام شافعیؒ نے شہادت پیش کی ہے۔ کیونکہ اسمیں کوئی طریقہ مجاز کا نہیں ہے تو اس کا لغو ہونا متعین ہو گیا اور یہ بخلاف اس کے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے (غلطی) سے تیرا ہاتھ کاٹ دیا۔ پس اس نے اپنے دونوں ہاتھ تندرست نکال کر دکھلا دیئے تو اس قول کو اقرار بالمال اور التزامِ مال سے مجاز قرار نہیں دیا جائے گا۔ اگرچہ خطاء ہاتھ کاٹنا مال مخصوص یعنی ارش (جرمانہ) واجب ہونے کا سبب ہے اور یہ مطلق مال کے ساتھ ایک وصف میں مخالف ہے۔ حتیٰ کہ جرمانہ عاقلہ (مددگار برادری) پر دو سال میں واجب ہوتا ہے اور اس جرمانہ کا ثابت کرنا بغیر ہاتھ کاٹے ممکن نہیں ہے۔ اور جس کا ثابت کرنا ممکن ہے تو قطع (ہاتھ کاٹنا) اس کا سبب نہیں ہے اور رہی آزادی تو وہ ذات اور حکم میں مختلف نہیں ہے تو بیٹا کہہ کر مجازاً آزادی مراد لینا ممکن ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو کہا ھٰذا ابنی درانحالیکہ وہ غلام عمر میں اپنے مولیٰ سے بڑا ہے۔ یعنی اس جیسے غلام کا اس جیسے مولیٰ سے پیدا ہونا ناممکن ہے تو اس صورت میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ غلام آزاد ہو جائے گا اور صاحبینؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آزاد نہیں ہوگا۔ صاحبینؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کلام کا حقیقی معنی پر محمول کرنا محال ہے۔ لہٰذا یہ کلام مردود اور لغو ہوگا۔ جیسے یہ کہنا کہ میں نے تجھے اپنے پیدا ہونے سے پہلے یا تیرے پیدا ہونے سے پہلے آزاد کر دیا تھا تو یہ کلام لغو ہے۔ اسی طرح اپنے سے زیادہ عمر والے کو ھٰذا ابنی کہنا بھی لغو ہوگا۔ رہا یہ اعتراض کہ اور اس کلام کو معنی حقیقی یعنی بنوت پر محمول کرنا محال ہے۔ تو معنی مجازی یعنی حریت پر محمول کیا جائے اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر معنی حقیقی پر عمل کرنا محال ہو تو معنی مجازی بھی ثابت نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ مجاز حقیقت کا خلیفہ ہوتا ہے۔ پس جب اصل یعنی حقیقت پر حکم لگانا ممکن نہیں ہے تو خلیفہ پر بھی حکم لگانا ممکن نہیں ہوگا اور جب حقیقت اور مجاز دونوں ممکن الحکم نہیں ہیں تو یہ کلام لغو ہوگا اور ظاہر ہے کہ کلام لغو ہونے کی صورت میں آزادی واقع نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ کلام اگرچہ اپنے حقیقی معنی (بنوت) کے اعتبار سے محال ہے لیکن مجازی معنی (حریت) کے اعتبار سے صحیح ہے۔ کیونکہ مولیٰ نے اس بات کی خبر دی ہے کہ جب سے میں اس غلام کا مالک ہوا ہوں۔ یہ آزاد ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ مملوک کا بیٹا ہونا اس کی آزادی کا سبب ہے۔ یعنی مملوک کے واسطے بیٹا ہونے کا ثبوت اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ آزاد ہو۔ حاصل یہ کہ بیٹا ہونا آزادی کا سبب ہے یا تو دلیل اجماع کی وجہ سے یا صلہ قرابت کی وجہ سے۔ اس لیے کہ بنوت صلہ رحمی کو واجب کرتا ہے اور آزادی صلہ ہے۔ پس بنوت (بیٹا ہونا) آزادی کو واجب کرتا ہے۔ پس یہاں سبب یعنی بنوت بول کر مسبب یعنی آزادی مراد لی گئی ہے اور سبب بول کر مسبب مراد لینا مجاز ہے۔ اس وجہ سے یہ کلام اپنے مجازی معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مملوک میں بیٹا ہونے کے واسطے آزادی لازم ہے کیونکہ بیٹا اپنے باپ کا مملوک نہیں ہو سکتا۔ پس بیٹا ہونا ملزوم اور آزادی اس کا لازم ہوا اور وصف لازم کے ساتھ تشبیہ دینا بھی ایک قسم کا مجاز ہے۔ لہٰذا کلام کو لغو ہونے سے بچانے کے لیے معنی مجازی پر محمول کیا جائے گا۔ ملزوم یعنی هٰذا ابنی سے اس کا لازم یعنی هٰذا حر مراد لیا جائے گا۔ اسکے برخلاف وہ مسئلہ جس کو صاحبین اور امام شافعیؒ نے شہادت میں پیش کیا ہے۔ یعنی اعتقتك قبل ان اخلق یا قبل ان تخلق اس کو شہادت میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ پیدا ہونے سے پہلے آزادی ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اس کلام میں مجاز کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کلام لغو ہوگا اور قابل استشہاد نہیں ہوگا۔

و هٰذا بخلاف ما اذا قال لغیره سے اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ ملزوم بول کر لازم مراد لینا مجاز ہے اور کلام اگر حقیقی معنی کے اعتبار سے محال ہو تو مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے ایک مسئلہ میں اس اصول پر عمل نہیں کیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں نے دھوکے سے تیرا ہاتھ کاٹ دیا ہے۔ پس اس نے اپنے دونوں ہاتھ صحیح سالم نکال کر دکھلا دیئے۔ اس کا یہ کلام مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہا جاتا کہ اس نے ایک ہاتھ کے تاوان کی مقدار اپنے اوپر مال لازم کیا ہے۔ حالانکہ خطاءً ہاتھ کاٹنا مال واجب ہونے کا سبب ہے۔ پس سبب یعنی قطعت یدك بول کر مسبب یعنی وجوب مال مراد لینا چاہئے تھا۔ جیسا کہ هٰذا ابنی بول کر هٰذا حر مراد لیا گیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ خطاءً ہاتھ کاٹنا ایک خاص قسم کے مال یعنی ارش (جرمانہ) واجب ہونے کا سبب ہوتا ہے نہ کہ مطلق مال واجب ہونے کا سبب اور یہ مال مخصوص (ارش) ایک وصف میں مطلق مال کے مخالف ہے۔ چنانچہ یہ مال مخصوص یعنی ارش عاقلہ (مددگار برادری) پر دو سال میں واجب ہوتا ہے اور مطلق مال میں یہ بات نہیں ہے اور یہ مال مخصوص جو عاقلہ پر واجب ہوتا ہے۔ اس کا ثابت کرنا بغیر ہاتھ کاٹے ممکن نہیں ہے اور مال مطلق یعنی اقرار قرضہ جس کا ثابت کرنا ممکن ہے مگر ہاتھ کاٹنا اس کا سبب نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ اس صورت میں حقیقت اور مجاز دونوں متعذر ہیں۔ حقیقت کا متعذر ہونا تو ظاہر ہے اس لیے کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ تندرست اور صحیح ہے اور مجاز اس لیے متعذر ہے کہ خطا سے ہاتھ کاٹنا ملزوم اور ارش اس کا لازم ہے اور ارش ملزوم اور ہاتھ کاٹنا اس کا لازم ہے اور لازم یعنی ہاتھ کاٹنا باطل ہے۔ لہٰذا ملزوم یعنی ارش (جرمانہ) بھی باطل ہوگا اور رہی غلام کے مسئلہ میں آزادی تو وہ ذات و حکم میں مختلف نہیں ہے۔ لہٰذا بیٹا کہہ کر مجازاً آزادی مراد لینا ممکن ہے۔

مولیٰ نے کہا هٰذا ابی و امی اور اس جیسا ان سے پیدا نہیں ہوسکتا

وَ لَوْ قَالَ هٰذَا اَبِیْ وَاُمِّیْ وَمِثْلُهٗ لَا یُوْلَدُ لِمِثْلِهٖ فَهُوَ عَلٰی هٰذَا الْخِلَافِ لِمَا بَیَّنَّا وَلَوْقَالَ لِصَبِیٍّ صَغِیْرٍ هٰذَا جَدِّیْ قِیْلَ هُوَعَلَی الْخِلَافِ وَقِیْلَ لَا یَعْتِقُ بِالْاِجْمَاعِ لِاَنَّ هٰذَا الْکَلَامَ لَامُوْجِبَ لَهٗ فِی الْمِلْكِ اِلَّا بِوَاسِطَةٍ وَهُوَالْاَبُ وَهِیَ غَیْرُ ثَابِتَةٍ فِیْ کَلَامٍ فَتَعَذَّرَ اَنْ یُجْعَلَ مَجَازًا عَنِ الْمُوْجِبِ بِخِلَافِ الْاُبُوَّةِ وَالْبُنُوَّةِ لِاَنَّ

لَهُمَا مُوْجِبًا فِي الْمِلْكِ مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَلَوْقَالَ هٰذَا اَخِيْ لَايَعْتِقُ فِيْ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَعَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ يَعْتِقُ وَوَجْهُ الرِّوَايَتَيْنِ مَابَيَّنَّاه وَلَوْقَالَ لِعَبْدِهٖ هٰذَا اِبْنَتِيْ فَقَدْ قِيْلَ عَلَى الْخِلَافِ وَقَدْقِيْلَ هُوَبِالْاِجْمَاعِ لِاَنَّ الْمُشَارَ اِلَيْهِ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْمُسَمّٰى فَتَعَلَّقَ الْحُكْمُ بِالْمُسَمّٰى وَهُوَمَعْدُوْمٌ فَلَايُعْتَبَرُ وَقَدْ حَقَّقْنَاهُ فِي النِّكَاحِ

ترجمہ......اور اگر (ایسے غلام کو یا لونڈی کو) جس سے یہ خود پیدا نہیں ہوسکتا ہے کہا کہ یہ میرا باپ ہے۔ یا (یہ) میری ماں ہے۔ تو بھی یہی اختلاف ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے اور اگر مالک نے کسی چھوٹے بچے کو کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو کہا گیا کہ یہ بھی اسی اختلاف پر ہے اور کہا گیا کہ بالاتفاق آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ مملوک میں اس کلام سے کوئی بات لازم نہیں آتی مگر باپ کے واسطے سے اور واسطہ اس کلام میں ثابت نہیں ہے۔ تو یہ بات محال ہے کہ اس کلام کو مجازاً آزادی کا موجب قرار دیا جائے۔ برخلاف باپ ہونے اور بیٹا ہونے کے اس لیے ان دونوں باتوں میں مملوک میں بغیر کسی واسطہ کے آزادی کا موجب ہے اور اگر کہا کہ یہ میرا بھائی ہے تو ظاہر الروایۃ میں آزاد نہ ہوگا اور ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ آزاد ہو جائے گا اور دونوں روایتوں کی وجہ ہم بیان کر چکے اور اگر اپنے غلام کو کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو کہا گیا کہ (یہ بھی) مختلف فیہ ہے اور کہا گیا کہ مجمع علیہ ہے۔ کیونکہ مشار الیہ مسمیٰ کی جنس سے نہیں ہے۔ پس حکم کا تعلق مسمیٰ سے ہوگا۔ حالانکہ وہ معدوم ہے۔ تو کلام معتبر نہیں ہوگا اور ہم اس کو کتاب النکاح میں ثابت کر چکے ہیں۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے ایسے غلام کو یا باندی کو جس سے یہ خود پیدا نہیں ہوسکتا ہے کہا کہ یہ میرا باپ ہے یا یہ میری ماں ہے۔ حالانکہ یہ دونوں عمر میں اس سے چھوٹے ہیں یا برابر یا ایک دو سال بڑے ہیں تو بھی یہی اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کلام سے آزادی واقع ہو جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک آزادی واقع نہیں ہوگی۔ فریقین کے دلائل سابق میں گذر چکے ہیں۔

اور اگر مولیٰ نے اپنے غلاموں میں سے کسی نابالغ بچہ کو کہا کہ یہ میرا دادا ہے تو اس صورت میں بعض مشائخ نے کہا کہ اس میں بھی اختلاف مذکور جاری ہے اور بعض نے کہا کہ اختلاف نہیں ہے بلکہ بالاتفاق آزاد نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ مملوک میں اس کلام سے کوئی بات لازم نہیں آتی مگر باپ کے واسطے سے۔ یعنی جب باپ کے واسطے سے لیا جائے تب دادا کا حق ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ مولیٰ کے کلام میں اس واسطہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تو یہ بات محال ہوگئی کہ اس کلام کو مجازاً آزادی کا موجب ٹھہرایا جائے۔ برخلاف اس قول کے کہ یہ میرا باپ ہے یا یہ میرا بیٹا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں مملوک میں بغیر کسی واسطہ کے آزادی واجب کرتی ہیں اور اگر مالک نے غلام کو کہا کہ یہ میرا بھائی ہے تو ظاہر الروایۃ کے حکم کے مطابق آزاد نہ ہوگا اور ابوحنیفہؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ آزاد ہو جائے گا اور دونوں روایتوں کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ آزادی کی روایت کی وجہ لان البنوة فی المملوك سبب الحرية سے اور عدم عتق کی وجہ لان هٰذا الكلام لا موجب لهٗ في الملك الا بواسطة سے بیان کی گئی ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے اور اگر اپنے غلام سے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے تو بعض کا خیال ہے کہ یہ صورت بھی امام صاحب اور صاحبین کے درمیان مختلف فیہ ہے اور بعض نے کہا کہ اس صورت میں بالاتفاق غلام آزاد نہ ہوگا۔ آزاد نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ باب المہر میں فان تزوج امرأة علىٰ هٰذا الدن من الخل فاذا هو خمر مسئلہ کے تحت گذر چکا کہ اگر مشار الیہ مسمیٰ کی جنس سے نہ ہو تو حکم کا تعلق مسمیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور چونکہ انسان میں مذکر اور مؤنث اختلاف مقاصد کی وجہ سے دو مختلف جنسیں ہیں۔ اس لیے اس مسئلہ میں غلام جو مشار الیہ ہے اور لڑکی جو مسمیٰ ہے دونوں کی جنس میں اختلاف ہے اور اختلاف جنس کی صورت میں حکم مسمیٰ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ حالانکہ اس مسئلہ میں مسمیٰ یعنی لڑکی معدوم ہے۔ لہٰذا یہ کلام غیر معتبر ہوگا نہ حقیقتاً معتبر ہوگا اور نہ مجازاً۔ پس جب یہ کلام بالکل ہی غیر معتبر ہوا تو اس سے غلام بھی آزاد نہ ہوگا۔

مولیٰ نے باندی کو کہا انت طالق او بائن او تخمری اور اس سے آزاد کرنے کی نیت کی آزاد نہیں ہوگا، امام شافعی کا نقطہ نظر

وَ اِنْ قَالَ لِاَمَتِهٖ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْبَائِنٌ اَوْتَخَمَّرِیْ وَنَوٰی بِهِ الْعِتْقَ لَمْ تَعْتِقْ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ تَعْتِقُ اِذَانَوٰی وَكَذَا عَلٰی هٰذَا الْخِلَافِ سَائِرُ اَلْفَاظِ الصَّرِيْحِ وَالْكِنَايَةِ عَلٰی مَاقَالَ مَشَايِخُهُمْ لَهٗ اَنَّهٗ مَا يَحْتَمِلُهٗ لَفْظُهٗ لِاَنَّ بَيْنَ الْمِلْكَيْنِ مُوَافَقَةً اِذْكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِلْكُ الْعَيْنِ اَمَّامِلْكُ الْيَمِيْنِ فَظَاهِرٌ وَكَذَامِلْكُ النِّكَاحِ فِیْ حُكْمِ مِلْكِ الْعَيْنِ حَتّٰی كَانَ التَّابِيْدُ مِنْ شَرْطِهٖ وَ التَّاقِيْتُ مُبْطِلًالَهٗ وَعَمَلُ اللَّفْظَيْنِ فِیْ اِسْقَاطِ مَاهُوَحَقُّهٗ وَ هُوَالْمِلْكُ وَلِهٰذَا يَصِحُّ التَّعْلِيْقُ فِيْهِ بِالشَّرْطِ اَمَّاالْاَحْكَامُ تَثْبُتُ بِسَبَبٍ سَابِقٍ وَهُوَكَوْنُهٗ مُكَلَّفًا وَلِهٰذَا يَصْلُحُ لَفْظَةُ الْعِتْقِ وَالتَّحْرِيْرِ كِنَايَةً عَنِ الطَّلَاقِ فَكَذَاعَكْسُهٗ وَلَنَا اَنَّهٗ نَوٰی مَالَا يَحْتَمِلُهٗ لَفْظُهٗ لِاَنَّ الْاِعْتَاقَ لُغَةً اِثْبَاتُ الْقُوَّةِ وَالطَّلَاقُ رَفْعُ الْقَيْدِ وَهٰذَا لِاَنَّ الْعَبْدَاُلْحِقَ بِالْجَمَادَاتِ وَبِالْاِعْتَاقِ يَحْيٰی فَيَقْدِرُ وَلَاكَذٰلِكَ الْمَنْكُوْحَةُ فَاِنَّهَا قَادِرَةٌ اِلَّااَنَّ قَيْدَالنِّكَاحِ مَانِعٌ وَ بِالطَّلَاقِ يَرْتَفِعُ الْمَانِعُ فَيَظْهَرُ الْقُوَّةُ وَلَاخِفَاءَ اَنَّ الْاَوَّلَ اَقْوٰی وَلِاَنَّ مِلْكَ الْيَمِيْنِ فَوْقَ مِلْكِ النِّكَاحِ فَكَانَ اِسْقَاطُهٗ اَقْوٰی وَ اللَّفْظُ يَصْلُحُ مَجَازًا عَمَّاهُوَدُوْنَ حَقِيْقَتِهٖ لَاعَمَّاهُوَ فَوْقَهٗ فَلِهٰذَا امْتَنَعَ فِی الْمُتَنَازَعِ فِيْهِ وَانْسَاغَ فِیْ عَكْسِهٖ

ترجمہ..... اور اگر مالک نے اپنی باندی سے کہا کہ تو طالقہ ہے یا بائنہ ہے یا اوڑھ اوڑھنی اور اس سے آزاد کرنے کی نیت کی تو وہ آزاد نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ نے کہا کہ وہ آزاد ہو جائے گی۔ اگر مولیٰ نیت کرے اور دوسرے تمام الفاظ طلاق صریح اور کنایہ میں بھی یہی اختلاف ہے جیسا کہ مشائخ شافعیہ نے بیان کیا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے ایسے معنی کی نیت کی ہے جس کا یہ لفظ احتمال رکھتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں ملکوں کے درمیان موافقت ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک ملک ذاتی ہے۔ (چنانچہ) ملک یمین (میں یہ بات) ظاہر ہے اور اسی طرح ملک نکاح بھی ملک ذات کے حکم میں ہے۔ حتیٰ کہ نکاح کی شرط یہ ہے کہ ہمیشہ کے واسطے ہو اور وقت کی تعیین اس کو باطل کرنے والی ہے اور دونوں لفظوں کا عمل یہ ہے کہ اس کا حق یعنی ملک ساقط کر دے اور اسی واسطے آزاد کرنے کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہوتا ہے۔ بہر حال احکام تو وہ سبب سابق کے ساتھ ثابت ہو جاتے ہیں اور وہ اس کا مکلّف ہوتا ہے اور چونکہ لفظ عتق اور تحریر طلاق کا کنایہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اس کا برعکس صحیح ہوگا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسے معنی مراد لیئے جس کا لفظ احتمال نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ لغت میں اعتاق قوت دینا ہے اور طلاق بیڑی کھول دینا ہے اور یہ اس لیے کہ غلام جمادات کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے اور آزاد کرنے کی وجہ سے زندہ ہو کر قدرت وقوت پاتا ہے اور منکوحہ کا یہ حال نہیں ہے کیونکہ وہ (ہر تصرف پر) قادر ہے۔ لیکن نکاح کی قید روکتی ہے اور طلاق کی وجہ سے مانع مرتفع ہو جاتا ہے۔ تو اس کی قوت ظاہر ہو جائے گی اور کوئی خفا نہیں کہ اول اقویٰ ہے اور اس لیے کہ ملک یمین، ملکِ نکاح سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا اس کو ساقط کرنا بھی زیادہ قوی ہوگا اور لفظ اپنی حقیقت سے کمتر کے لیے مجاز ہو سکتا ہے۔ نہ کہ اس کے لیے جو اس سے بڑھ کر ہے۔ پس اسی وجہ سے متنازع فیہ میں ممتنع ہوگا اور اس کے برعکس میں جائز ہوگا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا انت طلاق، یا انت بائن یا تخمری یعنی اوڑھنی سے اپنا منہ ڈھک اور اس سے آزاد کرنے کی نیت کی تو وہ باندی آزاد نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر نیت کرے تو آزاد ہو جائے گی۔ یہی اختلاف تمام الفاظ طلاق میں ہے۔ خواہ صریح ہوں یا کنایہ ہوں۔ جیسا کہ مشائخ شافعیہ نے بیان کیا ہے۔ مثلاً اپنی باندی سے کہے انتِ مطلقة، طلقتكِ، تقنی، اغربی، انت

بریة، انت خلة وغیرہ وغیرہ امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک میں احناف کے ساتھ ہیں اور ایک میں شوافع کے ساتھ ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل ...... یہ ہے کہ مولیٰ نے اپنے کلام سے ایسے معنی مراد لیے ہیں جن کو اس کا کلام محتمل ہے۔ کیونکہ ملکِ رقبہ اور ملکِ نکاح کے درمیان باہم موافقت ہے اور موافقت اس طور پر ہے کہ ان دونوں میں ہر ایک ملک عین (ذاتی) ہے۔ چنانچہ ملک رقبہ میں ملک عین کا ہونا ظاہر و باہر ہے اور رہی ملکِ نکاح سو وہ بھی ملک عین کے حکم میں ہے۔ حتیٰ کہ نکاح کی شرط یہ ہے کہ ہمیشہ کے واسطے نیت کرے۔ جیسا کہ عقد بیع میں تابید (ہیشگی) شرط ہے اور اگر نکاح وقت معین تک کے لیے ہو تو باطل ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ملکِ نکاح شرعاً ملک عین کے حکم میں ہے۔

و عمل اللفظین ...... سے ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اعتاق (آزاد کرنا) نام ہے۔ غلام کے اندر قوت ثابت کرنے کا۔ چنانچہ اعتاق سے وہ احکام ثابت ہو جاتے ہیں جو اعتاق سے پہلے ثابت نہیں تھے۔ مثلاً آزادی کے بعد غلام بیع اور شراء کا مالک ہو جاتا ہے۔ شہادت اور قضاء کا اہل ہو جاتا ہے اور اس کو حق ولایت حاصل ہو جاتے ہیں اور یہی معنی ہیں قوتِ شرعیہ کے اور طلاق اسقاطِ محض کا نام ہے۔ یعنی طلاق کے ذریعہ صرف شوہر کی ملک نکاح ساقط ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ اعتاق، اثباتِ قوت کا نام ہے اور طلاق اسقاطِ محض کا۔ اس وجہ سے ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے۔ لہٰذا الفاظ طلاق سے مجازاً اور کنایۃً اعتاق مراد لینا کیسے درست ہوگا۔

امام شافعیؒ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ دونوں لفظ یعنی لفظ طلاق اور عتاق میں سے ہر ایک کا عمل یہ ہے کہ اس کا حق ساقط کر دے۔ یعنی ملک زائل کر دے۔ پس جس طرح لفظ طلاق سے ملک نکاح زائل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لفظ عتاق سے ملک رقبہ زائل ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ اعتاق بھی طلاق کی طرح اسقاط ہے اور چونکہ اعتاق اسقاط ہے۔ اسی لیے اعتاق کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے۔ جیسا کہ طلاق کو شرط پر معلق کرنا صحیح ہے۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ طلاق اور اعتاق کے درمیان مناسبت موجود ہے اور جب مناسبت موجود ہے تو الفاظ طلاق کو آزاد کرنے کے معنی میں مجازاً استعمال کیا جا سکتا ہے اور رہا احکام کا ثابت ہونا تو وہ سبب سابق کے ساتھ ہوتا ہے۔ یعنی آدمی کا مکلف عاقل بالغ آزاد ہونا۔ یعنی احکام کا ثبوت آدمیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مگر رقیت ثبوتِ احکام کے لیے مانع تھی۔ پس اعتاق کی وجہ سے جب مانع زائل ہو گیا تو اسی سبب سابق یعنی آدمیت کی وجہ سے احکام ثابت ہوں گے۔ پس ثابت ہوا کہ اعتاق اثباتِ قوت کا نام نہیں بلکہ طلاق کی طرح اسقاط کا نام ہے۔ پس چونکہ الفاظ طلاق اور الفاظ عتاق میں مناسبت ہے۔ اس لیے جس طرح الفاظ عتاق سے طلاق مراد لینا مجازاً درست ہے۔ اسی طرح الفاظ طلاق سے آزاد کرنے کے معنی مراد لینا بھی صحیح ہوگا۔ یعنی جس طرح کسی نے اپنی بیوی سے انت حرة کہا اور طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی باندی سے انت طالق کہے اور آزاد کرنے کی نیت کرے تو وہ آزاد ہو جائے گی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مولیٰ نے انت طالق یا بائن یا دوسرے الفاظ طلاق سے ایسے معنی مراد لیے ہیں۔ جس معنی کا احتمال ہی لفظ نہیں رکھتے ہیں۔ یعنی طلاق اور عتاق کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ لغت میں اعتاق کے معنی قوت دینا ہے اور طلاق کے معنی قیدِ نکاحی کو اٹھا دینا ہے اور اعتاق کے معنی اثباتِ قوت کے اس لیے ہیں کہ جو آدمی مملوک اور غلام ہو گیا۔ وہ بمنزلہ جمادات کے ہو جاتا ہے اور آزاد کرنے کی وجہ سے زندہ ہو کر قدرت و قوت پاتا ہے اور منکوحہ عورت کا یہ حال نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ ہر تصرف پر قادر ہے۔ مگر قید نکاحی اس کو تصرف کرنے سے روکتی ہے۔ پس جب اس کو طلاق دے دی۔ تو یہ مانع دور ہو گیا اور مانع دور ہونے سے اس کی قوت ظاہر ہو جائے گی اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اعتاق اقویٰ ہے اور طلاق ادنیٰ ہے اور قاعدہ ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے لیے مستعار نہیں لیا جاتا۔ اس لیے لفظ طلاق مجازاً آزاد کرنے کے معنی میں مستعمل نہیں ہوگا اور یہ بھی دلیل ہے کہ ملک رقبہ بہ نسبت ملک نکاح کے بڑھی ہوئی ہے۔ کیونکہ ملک یمین، ملک نکاح کو مستلزم ہوتا ہے مگر ملک نکاح ملک یمین کو مستلزم نہیں ہوتا۔ پس جب ملک یمین اقویٰ ہے تو اس کو ساقط کرنا بھی اقویٰ ہوگا کیونکہ جو چیز اقویٰ ہوتی ہے اس کا اسقاط بھی اقویٰ ہوتا ہے اور لفظ اپنی حقیقت سے کمتر کے لیے مجاز ہو سکتا ہے۔ مگر اپنی حقیقت سے برتر کے لیے مجاز نہیں ہو سکتا۔ پس ثابت ہو گیا کہ مسئلہ مختلف فیہ میں انت طالق

بول کر مجازاً آزادی مراد نہیں لی جاسکتی ہے۔ البتہ اس کا برعکس جائز ہے۔ یعنی بیوی کو انت حرۃ کہہ کر مجازاً طلاق مراد لی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم

مولیٰ نے اپنے غلام کو کہا انت مثل الحر آزاد نہیں ہوگا

وَاِذَا قَالَ لِعَبْدِهٖ اَنْتَ مِثْلُ الْحُرِّ لَمْ يَعْتِقْ لِاَنَّ الْمِثْلَ يُسْتَعْمَلُ لِلْمُشَارَكَةِ فِيْ بَعْضِ الْمَعْنٰى عُرْفًا فَوَقَعَ الشَّكُّ فِي الْحُرِّيَّةِ وَلَوْ قَالَ مَا اَنْتَ اِلَّا حُرٌّ عَتَقَ لِاَنَّ الْاِسْتِثْنَاءَ مِنَ النَّفْيِ اِثْبَاتٌ عَلٰى وَجْهِ التَّاكِيْدِ كَمَا فِيْ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ وَ لَوْ قَالَ رَاْسُكَ رَاْسُ حُرٍّ لَا يَعْتِقُ لِاَنَّهٗ تَشْبِيْهٌ بِحَذْفِ حَرْفِهٖ وَلَوْ قَالَ رَاْسُكَ رَاْسٌ حُرٌّ عَتَقَ لِاَنَّهٗ اِثْبَاتُ الْحُرِّيَّةِ فِيْهِ اِذِ الرَّاْسُ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنْ جَمِيْعِ الْبَدَنِ

ترجمہ...... اور اگر اپنے غلام سے کہا تو آزاد کے مثل ہے تو آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ لفظ مثل عرفاً بعض معانی میں مشارکت کے واسطے آتا ہے۔ تو (اس کے) آزاد ہونے میں شک ہوگیا اور اگر کہا کہ تو نہیں ہے مگر آزاد تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ نفی سے استثناء کرنا تاکید کے طور پر اثبات ہو جاتا ہے۔ جیسے کلمہ شہادت میں ہے اور اگر کہا کہ تیرا سر آزاد کا سر ہے تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ حرف تشبیہ حذف کرنے کے ساتھ یہ تشبیہ ہے اور اگر کہا کہ تیرا سر آزاد سر ہے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ کہنا اپنے غلام میں آزادی ثابت کرنا ہے۔ اس لیے کہ سر کے ساتھ تمام بدن تعبیر کیا جاتا ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ! اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا انت مثل الحر تو غلام آزاد نہ ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ لفظ مثل عرف عام میں بعض اوصاف میں مشترک ہونے کے واسطے آتا ہے۔ پس معلوم نہیں کہ غلام کو آزاد کے ساتھ کس وصف میں تشبیہ دی گئی ہے۔ اس وجہ سے آزاد ہونے میں شک ہوگیا اور شک کی وجہ سے آزادی واقع نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے اس کلام سے غلام آزاد نہیں ہوگا۔ صاحب عنایہ نے فرمایا ہے کہ مصنفؒ کی عبارت کے مطلق ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صورت میں غلام آزاد نہیں ہوگا۔ خواہ آزاد کرنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اور مبسوط میں مذکور ہے کہ اگر نیت نہیں کی ہے تب تو آزاد نہیں ہوگا۔ لیکن اگر آزاد کرنے کی نیت کی ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ آزادی کا واقع نہ ہونا شک کی وجہ سے تھا۔ مگر جب آزاد کرنے کی نیت کر لی تو شک زائل ہوگیا۔

اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا ما انت الاحر تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ نفی سے استثناء کرنا تاکید کے طور پر اثبات ہے جیسے کلمۂ شہادت لا الٰہ الا اللہ میں ہے۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ہی الوہیت والا ہے۔ اسی طرح ما انت الاحر کے معنی ہیں کہ تو ضرور آزاد ہے اور اگر مولیٰ نے کہا راسك راس حر اضافت کے ساتھ تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ حرف تشبیہ حذف کرنے کے ساتھ یہ تشبیہ ہے۔ اصل عبارت تھی راسك كراس حر اور پہلے مسئلہ انت مثل الحر میں گذر چکا کہ غلام آزاد نہیں ہوگا۔ حالانکہ تشبیہ موجود ہے۔ پس ایسے ہی اس مسئلہ میں بھی آزاد نہیں ہوگا۔

اور اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا راسك راسٌ حر ترکیب توصیفی کے ساتھ تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں راس کے اندر آزادی ثابت کی گئی ہے اور راس ان اعضاء انسانی میں سے ہے جس کے ساتھ پورے بدن کو تعبیر کیا جاتا ہے اور سابق میں یہ ضابطہ بیان ہو چکا کہ جس عضو سے پورا بدن تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی طرف اگر آزدی منسوب کی جائے تو پورا غلام آزاد ہو جاتا ہے جیسا کہ طلاق میں ہے۔

من ملك ذا رحم محرم منه عتق عليه

فَصْلٌ وَمَنْ مَلَكَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ عَتَقَ عَلَيْهِ وَهٰذَا اللَّفْظُ مَرْوِيٌّ عَنِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ مَلَكَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ فَهُوَ حُرٌّ وَ اللَّفْظُ بِعُمُوْمِهٖ يَنْتَظِمُ كُلَّ قَرَابَةٍ مُؤَبَّدَةٍ بِالْمَحْرَمِيَّةِ وِلَادًا اَوْ غَيْرَهٗ

وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي غَيْرِهِ لَهُ اَنَّ ثُبُوْتَ الْعِتْقِ مِنْ غَيْرِ مَرْضَاةِ الْمَالِكِ يَنْفِيْهِ الْقِيَاسُ اَوْلَا يَقْتَضِيْهِ وَالْاِخْوَةُ وَمَا يُضَاهِيْهَا نَازِلَةٌ عَنْ قَرَابَةِ الْوِلَادِ فَامْتَنَعَ الْاِلْحَاقُ وَالْاِسْتِدْلَالُ وَلِهٰذَا اِمْتَنَعَ التَّكَاتُبُ عَلَى الْمُكَاتَبِ فِيْ غَيْرِ الْوِلَادِ وَلَمْ يَمْتَنِعْ فِيْهِ وَلَنَا مَارَوَيْنَا وَلِاَنَّهُ مَلَكَ قَرِيْبَهُ قَرَابَةً مُؤَثِّرَةً فِي الْمَحْرَمِيَّةِ فَيَعْتِقُ عَلَيْهِ وَهٰذَا هُوَ الْمُؤَثِّرُ فِي الْاَصْلِ وَالْوِلَادُ مُلْغًى لِاَ نَّهَا هِيَ الَّتِيْ يُفْتَرَضُ وَصْلُهَا وَيُحْرَمُ قَطْعُهَا حَتّٰى وَجَبَتِ النَّفَقَةُ وَحَرُمَ النِّكَاحُ وَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا اِذَا كَانَ الْمَالِكُ مُسْلِمًا اَوْ كَافِرًا فِيْ دَارِ الْاِسْلَامِ لِعُمُوْمِ الْعِلَّةِ وَالْمُكَاتَبُ اِذَا اشْتَرٰى اَخَاهُ وَمَنْ يَجْرِيْ مَجْرَاهُ لَايَتَكَاتَبُ عَلَيْهِ لِاَنَّهُ لَيْسَ لَهُ مِلْكٌ تَامٌّ يَقْدِرُهُ عَلَى الْاِعْتَاقِ وَالْاِفْتِرَاضُ عِنْدَ الْقُدْرَةِ بِخِلَافِ الْوِلَادِ لِاَنَّ الْعِتْقَ فِيْهِ مِنْ مَقَاصِدِ الْكِتَابَةِ فَامْتَنَعَ الْبَيْعُ فَيَعْتِقُ تَحْقِيْقًا لِمَقْصُوْدِ الْعَقْدِ عَنْ اَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّهُ يَتَكَاتَبُ عَلَى الْاَخِ اَيْضًا وَهُوَ قَوْلُهُمَا قُلْنَا اَنْ نَّمْنَعَ وَهٰذَا بِخِلَافِ مَا اِذَا مَلَكَ اِبْنَةَ عَمِّهِ وَهِيَ اُخْتُهُ مِنَ الرَّضَاعِ لِاَنَّ الْمَحْرَمِيَّةَ مَاثَبَتَ بِالْقَرَابَةِ وَالصَّبِيُّ جُعِلَ اَهْلًا لِهٰذَا الْعِتْقِ وَكَذَا الْمَجْنُوْنُ حَتّٰى عَتَقَ الْقَرِيْبُ عَلَيْهِمَا عِنْدَ الْمِلْكِ لِاَنَّهُ تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْعَبْدِ فَشَابَهَ النَّفَقَةَ

ترجمہ......اور جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور یہ لفظ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ جو شخص کسی ذی رحم محرم کا مالک ہو تو وہ آزاد ہے اور (یہ) اپنے عموم کی وجہ سے ہر ایسے قرابتی کو شامل ہوگا جس کی محرمیت ابدی اور دائمی ہو۔ (خواہ) بطریق ولادت ہو یا دوسرے طریقہ سے ہو اور امام شافعیؒ غیر ولاد میں ہمارے مخالف ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مالک کی مرضی کے بغیر آزاد ہو جانے کی قیاس نفی کرتا ہے۔ یا قیاس اس کا تقاضا نہیں کرتا ہے، اور بھائی ہونے اور اس کے مانند (کی قرابت) قرابت ولاد سے کمتر ہے۔ پس لاحق کرنا اور استدلال کرنا ممتنع ہو گیا اور اسی وجہ سے غیر ولاد میں مکاتب پر تکاتب ممتنع ہے اور قرابت ولاد میں (یہ بات) ممتنع نہیں ہے۔

اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے اور اس لیے کہ وہ اپنے ایسے قریبی کا مالک ہوا جس کی قرابت دائمی محرمیت میں مؤثر ہے۔ تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور دراصل یہی مؤثر ہے اور ولادت ملغی (غیر مؤثر) ہے۔ اس لیے قرابت محرمیت ہی ایسی چیز ہے جس کا ملانا فرض ہے اور اس کا توڑنا حرام ہے۔ حتیٰ کہ نفقہ واجب ہوتا اور نکاح حرام ہوتا ہے اور ان دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے کہ مالک مکان مسلمان ہو یا دارالاسلام میں کافر ہو۔ کیونکہ علت عام ہے اور مکاتب نے اگر اپنے بھائی کو یا اس کے مانند (چچا و ماموں وغیرہ) کو خریدا تو وہ مکاتب پر مکاتب نہ ہوگا۔ کیونکہ مکاتب کے واسطے ملک تام نہیں ہے۔ جو اس کو آزاد کرنے پر قدرت دے دے اور (مسئلہ) قدرت کے وقت مفروض ہے۔ بخلاف ولادت کے، کیونکہ کتابت کے مقاصد میں سے اس کی آزادی بھی ہے۔ لہٰذا بیع ممتنع ہے۔ پس وہ آزاد ہو جائے گا۔ تاکہ عقد کتابت کا مقصود ثابت ہو اور ابو حنیفہؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ مکاتب پر اس کا بھائی بھی مکاتب ہو جاتا ہے اور یہی صاحبین کا قول ہے تو ہم کو یہ بھی اختیار ہے کہ ہم (بھائی کے مکاتب نہ ہو جانے کو) منع کریں اور یہ برخلاف اس صورت کے کہ جب آدمی اپنی پھوپھی کی بیٹی کا مالک ہوا۔ حالانکہ وہ اس کی رضاعی بہن ہے۔ کیونکہ یہ محرمیت قرابت کی وجہ سے ثابت نہیں ہے اور بچہ کو بھی اس آزادی کا اہل قرار دیا گیا ہے اور یہ مجنوں کا حکم ہے حتیٰ کہ قریبی شخص ان دونوں پر انکے مالک ہوتے ہی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس آزادی کے ساتھ بندے کا حق متعلق ہو گیا ہے۔

تشریح......مصنفؒ نے سابق میں اعتاق اختیاری کو بیان فرمایا ہے۔ اب اس فصل میں اس اعتاق کو بیان کریں گے جو بغیر اختیار کے ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی قرابتی کو خریدنا اور وہ غلام جو مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالسلام میں آ گیا۔

امام قدوریؒ نے مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا تو وہ ذی رحم محرم اس پر آزاد ہو جائے گا۔ قدوری کی یہ عبارت

آنحضرت ﷺ سے مروی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا من ملك ذا رحم محرم منه فهو حر قدوری نے جو الفاظ حدیث ذکر کیے ہیں ان کو امام نسائی نے ابن عمر ؓ سے روایت کیا ہے اور فهو حر الفاظ کے ساتھ جو حدیث صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے اس کو اصحاب سنن اربعہ نے حضرت سمرہؓ سے روایت کیا ہے۔ حدیث میں دو لفظ رحم اور محرم قابل ذکر ہیں۔ رحم درحقیقت ماں کے پیٹ میں بچہ کے واسطے ظرف ہوتا ہے۔ پھر بجہت ولاد، قرابت اور تعلق کا نام رحم رکھا گیا اور اسی سے ذوالرحم ہے اور محرم یہ ہے کہ اگر ایک مرد ہو اور دوسری عورت تو ان کے درمیان نکاح جائز نہ ہو۔ (عنایہ) حدیث کے الفاظ عام ہیں جو ہر ایسے قرابتدار کو شامل ہیں جس کے ساتھ دائمی حرمت ہو۔ خواہ ولادت کے طریقہ پر ہو یا بغیر ولادت کے طریقہ سے ہو۔ ولادت کی صورت یہ ہے کہ بیٹا یا بیٹی اپنے والدین یا دادا دادی کی مالک ہوئی یا یہ لوگ اپنے بیٹے، بیٹی یا پوتے پوتی کے مالک ہوئے اور غیر ولاد کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی، بہن یا ان کی اولاد کا مالک ہوا یا اس کے برعکس ہو۔

حضرت امام شافعیؒ قرابتِ غیر ولادت میں ہمارے خلاف ہیں۔ یعنی اگر ایسے قریبی محرم کا مالک ہو، جس سے ولادت کی قرابت نہیں ہے۔ تو وہ امام شافعیؒ کے نزدیک آزاد نہیں ہوتا اور ہمارے نزدیک آزاد ہو جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل ..... یہ ہے کہ مالک کی مرضی کے بغیر آزادی کا ثابت ہونا خلاف قیاس ہے یا مقتضی قیاس کے خلاف ہے اور جو چیز خلافِ قیاس ہوتی ہے۔ اس پر دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جاتا اور اسی طرح جو چیز مقتضیٰ قیاس کے خلاف ہو اس کے ساتھ دوسری چیز کو قیاس نہیں کیا جاتا اور اسی طرح جو چیز مقتضیٰ قیاس کے خلاف ہو اس کے ساتھ دوسری چیز اس وقت لاحق کی جاسکتی ہے۔ جبکہ ملحق من كل وجهٍ ملحق به کے ہم معنی ہو۔ حالانکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ بھائی ہونے کی یا اس کے مانند چچا اور ماموں ہونے کی قرابت، قرابتِ ولادت سے ادنیٰ اور کمتر ہے۔ پس اس عدم مساوات کی وجہ سے قرابت غیر ولاد یعنی بھائی وغیرہ ہونے کی قرابت کو قرابتِ ولادت کے ساتھ لاحق کرنا یا دلالت النص کے ذریعہ استدلال کرنا ممتنع ہے۔ اسی فرق کی وجہ سے اگر مکاتب نے اپنے بھائی یا اس کے مانند کسی غیر ولادی قرابتدار کو خریدا یا کسی اور وجہ سے مالک ہو گیا تو وہ اس کا مکاتب نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر مکاتب اپنے باپ یا بیٹے کا مالک ہو جائے تو وہ بھی مکاتب ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ قرابت غیر ولاد کو قرابت ولاد پر قیاس کرنا ممتنع ہے۔

ہماری دلیل اول تو وہ حدیث ہے جو ہم نے روایت کی ہے یعنی من ملك ذا رحم محرم منه عتق عليه چونکہ یہ حدیث مطلق ہے۔ اس لیے قرابت ولاد اور قرابت غیر ولاد دونوں کو شامل ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جب وہ شخص اپنے قریبی کا مالک ہوا، جس کی قرابت دائمی حرمت میں مؤثر ہے تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا اور اصل یعنی قرابتِ ولاد میں قرابتِ محرمیت ہی مؤثر ہے اور ولاد کا کچھ اثر نہیں ہے۔ حاصل یہ ... رع علیہ السلام نے اس قرابت کا اعتبار کیا ہے جو دائمی حرمت میں مؤثر ہے۔ چنانچہ فرمایا من ملك ذا رحم محرم منه عتق عليه ۔ رحم سے مراد قرابت اور محرم سے مراد حرمتِ نکاح ہے۔ گویا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ایسے قریب کا مالک ہو گیا جس سے نکاح دائمی طور پر حرام ہے تو وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ خواہ ولادت کا تعلق پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ پس ثابت ہو گیا کہ قرابت ولد میں بھی آزادی ثابت ہونے میں قریب محرم کا مالک ہونا ہی مؤثر ہے اور آزادی واقع ہونے میں قرابتِ ولاد کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کیونکہ قرابت محرمیت ہی ایسی چیز ہے کہ جس کا وصل (ملانا) فرض ہے اور اس کا قطع (توڑنا) حرام ہے۔ حتیٰ کہ قریب محرم کا نفقہ واجب ہوتا ہے اور اس سے نکاح حرام ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ دارالاسلام میں مالک مسلمان ہو یا کافر ہو۔ دونوں صورتوں میں ملک قریب کی وجہ سے مملوک آزاد ہو جائے گا۔ اسی طرح مملوک آزاد ہو یا کافر۔ کیونکہ قرابت محرمہ کی علت عام ہے۔ دارالاسلام کی قید اس لیے ذکر کی ہے کہ مسلمان نے اگر اپنے حربی غلام کو دارالحرب میں آزاد کیا تو وہ اس پر آزاد نہیں ہوگا۔ اسی طرح حربی مرد اگر دارالحرب میں اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا تو وہ اس پر آزاد

نہیں ہوگا۔ (عنایہ)

والمکاتب اذا اشتراہ اخاہ و من یجری مجراہ جواب ہے امام شافعیؒ کے استدلال **و لهٰذا امتنع التکاتب علی المکاتب فی غیر الولاد** کا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اولاً تو ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کہ اگر مکاتب نے اپنے بھائی کو یا اس کے مانند چچا، ماموں وغیرہ کو خریدا تو وہ مکاتب کے ساتھ مکاتب نہ ہوگا۔ بلکہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ مکاتب نے ...... اگر اپنے بھائی وغیرہ کو یعنی غیر ولادی قربتدار کو خریدا تو جس کو خریدا ہے وہ بھی مکاتب کے ساتھ مکاتب ہو جائے گا اور اگر اس کو تسلیم کر لیں تو مکاتب نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مکاتب کو کوئی پوری ملکیت حاصل نہیں ہوتی جو اس کو آزاد کرنے پر قدرت دیدے کیونکہ مکاتب پر جب تک ایک درہم باقی ہے وہ غلام ہی رہے گا اور جو شخص آزاد کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اس پر کوئی آزاد نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ مسئلہ اس وقت فرض کیا گیا ہے جبکہ آزاد کرنے کی پوری قدرت ہو۔ لیکن اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ واقعی اگر یہ بات ہے تو قرابت ولاد بھی اس پر آزاد نہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ تو بخلاف الولاد سے مصنف ہدایہ نے اسی کا جواب دیا ہے۔

حاصل جواب یہ ہے کہ آزادی قرابتِ ولاد میں مقصود کتابت ہے۔ کیونکہ جب اپنے آپ کو آزاد کرنا مقصود کتابت ہے تو قرابتِ ولاد کو آزد کرنا بھی مقاصد کتابت میں سے ہوگا۔ اس لیے کہ انسان جس طرح اپنے مملوک ہونے سے عار اور شرم محسوس کرتا ہے۔ اسی طرح والد اور ولد کے مملوک ہونے سے بھی عار محسوس کرتا ہے۔ پس جب قرابت ولاد کا آزاد کرنا مقصود کتابت ہے، تو مکاتب نے اگر اپنے ولادی قرابتدار باپ وغیرہ کو خریدا تو وہ بھی مکاتب ہوگا اور اس کی بیع ممتنع ہوگی اور جب مکاتب بدل کتابت ادا کر کے آزاد ہوگا تو وہ بھی آزاد ہو جائے گا۔ تاکہ کتابت کا مقصود ثابت ہو۔

اور رہی قرابت غیر ولاد بھائی وغیرہ کی آزادی تو وہ کتابت کے مقاصد میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح باپ اور بیٹے کے مملوک ہونے سے عار ہوتی ہے بھائی کے مملوک ہونے سے عار نہیں ہوتی۔ (عنایہ، عینی)

جواب کے شروع میں بھی ذکر کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ مکاتب پر اس کا بھائی بھی مکاتب ہو جاتا ہے اور یہی صاحبین کا قول ہے۔ لہٰذا امام شافعیؒ نے جو امتناع بیان کیا تھا۔ ہمیں وہی تسلیم نہیں۔ کیونکہ ہم اس کو ممتنع نہیں جانتے ہیں۔

و هٰذا بخلاف ما اذا ملك ابنة عمه سے بھی ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ذی رحم محرم کا مالک ہونا علت ہے اس کے آزاد ہونے کی اس شخص پر جو اس کا مالک ہوا ہے تو چچا کی بیٹی جو اس کی رضاعی بہن بھی ہے اس کو اپنے چچا کے بیٹے پر آزاد ہو جانا چاہئے اگر وہ اس کو خرید لے۔ حالانکہ آزاد نہیں ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ محرمیت سے وہ محرمیت مراد ہے جس میں قرابت مؤثر ہو اور یہ ایسا نہیں ہے کیونکہ محرمیت رضاعت کی وجہ سے ہے نہ کہ قرابت کی وجہ سے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر بچہ یا مجنون اپنے کسی قریبی محرم کا مالک ہوا تو وہ بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس آزادی کیساتھ بندے کا حق متعلق ہو گیا اور علت یعنی ذورحم محرم کا مالک ہونا بھی پایا گیا اس لئے وہ آزاد ہو جائے گا، پس نفقہ کے مشابہ ہو گیا یعنی جیسے قریب محرم محتاج کا نفقہ بچہ اور مجنون کے مال میں واجب ہوتا ہے۔ ایسے ہی اگر یہ کسی ذورحم محرم کے مالک ہوں تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

جس نے غلام اللہ کے لیے دیا، شیطان کے لیے دیا، بت کے لیے آزاد کیا آزاد ہو جائے گا

وَمَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا لِوَجْهِ اللهِ تَعَالٰی اَوْ لِلشَّيْطَانِ اَوْ لِلصَّنَمِ عَتَقَ لِوُجُوْدِ رُكْنِ الْاِعْتَاقِ مِنْ اَهْلِهٖ فِيْ مَحَلِّهٖ وَوَصْفُ الْقُرْبَةِ فِي اللَّفْظِ الْاَوَّلِ زِيَادَةٌ فَلَايَخْتَلُّ الْعِتْقُ بِعَدَمِهٖ فِي اللَّفْظَيْنِ الْاٰخَرَيْنِ

ترجمہ...... اور جس شخص نے اپنے غلام کو اللہ کی خوشنودی (حاصل کرنے کے واسطے) آزاد کیا یا شیطان کے واسطے یا بت کے واسطے تو غلام (بہر صورت) آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ آزاد کرنے کا رکن اس کے اہل سے اس کے محل میں پایا گیا اور لفظ اول میں قربت (لوجہ اللہ) کا ذکر زیادتی ہے۔

پس بعد والے دونوں لفظوں میں اس کے نہ ہونے سے خلل واقع نہیں ہوگا۔

تشریح...... مسئلہ! جس شخص نے اپنے غلام کو اللہ کے واسطے آزاد کیا یا شیطان کے واسطے یا بت کے واسطے آزاد کیا تو غلام بہر صورت آزاد ہو جائے گا۔ دلیل یہ کہ رکن اعتاق یعنی لفظ اعتاق اس کے اہل سے اور اس کے محل میں پایا گیا۔ کیونکہ آزاد کرنے والا خود آزاد عاقل بالغ اور غلام کا مالک ہے اور غلام اس کا مملوک ہے اور پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ کے واسطے کہنا ضروری نہیں بلکہ ایک زائد چیز ہے۔ لہٰذا شیطان یا بت کی صورت میں اس کا نہ ہونا کچھ مضر نہیں ہے۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں آزاد کرنے والا گنہگار ہوگا۔ اگر چہ غلام آزاد ہو جائیگا۔ کیونکہ شیطان اور بت کی صورت میں زیادہ سے زیادہ قرابت اور ثواب کی نفی ہوتی ہے۔ مگر قرابت کی نفی آزادی کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

مکرہ اور سکران کا عتق واقع ہو جاتا ہے

وَ عِتْقُ الْمُكْرَهِ وَالسَّكْرَانِ وَاقِعٌ لِصُدُوْرِ الرُّكْنِ مِنَ الْاَهْلِ فِي الْمَحَلِّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ مِنْ قَبْلُ

ترجمہ...... اور جس شخص کو غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا۔ (اس کا) آزاد کرنا اور نشہ سے مست آدمی کا آزاد کرنا واقع ہے۔ کیونکہ آزاد کرنے کا رکن اپنے اہل سے محل میں صادر ہوا ہے۔ جیسے طلاق میں ہے اور ہم اسی کو سابق میں بیان کر چکے ہیں۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنا غلام آزاد کرنے پر مجبور کیا گیا۔ پس اس نے آزاد کیا یا نشہ سے مست آدمی نے اپنا غلام آزاد کیا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ آزاد کرنے کا رکن بھی اس کے اہل یعنی عاقل بالغ سے صادر ہوا ہے اور منسوب بھی محل کی طرف کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ غلام عبد مملوک ہے۔ جیسا کہ کتاب الطلاق میں یہ مسئلہ بالتفصیل بیان ہو چکا ہے۔

عتق کو ملک یا شرط کی طرف مضاف کیا عتق صحیح ہے

وَ اِنْ اَضَافَ الْعِتْقَ اِلٰى مِلْكٍ اَوْ شَرْطٍ صَحَّ كَمَا فِي الطَّلَاقِ اَمَّا الْاِضَافَةُ اِلَى الْمِلْكِ فَفِيْهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِيْ كِتَابِ الطَّلَاقِ وَاَمَّا التَّعْلِيْقُ بِالشَّرْطِ فَلِاَنَّهٗ اِسْقَاطٌ فَيَجْرِيْ فِيْهِ التَّعْلِيْقُ بِخِلَافِ التَّمْلِيْكَاتِ عَلٰى مَاعُرِفَ فِيْ مَوْضِعِهٖ

ترجمہ...... اور اگر کسی شخص نے آزادی کو مالک ہونے کی طرف منسوب کیا تو صحیح ہے۔ جیسے طلاق میں (صحیح) ہے۔ لیکن ملک کی طرف نسبت کرنے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے اور ہم اسکو کتاب الطلاق میں بیان کر چکے اور شرط پر معلق کرنا اس لیے جائز ہے کہ آزاد کرنا، اسقاط ہے تو اس میں تعلیق شرط جاری ہو سکتی ہے۔ برخلاف تملیکات کے۔ چنانچہ (اصول فقہ میں) اپنے موقع پر معلوم ہو چکا۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے آزادی کو ملکیت کی طرف منسوب کیا مثلاً کہا ان ملکتك فانت حر (اگر میں تیرا مالک ہوں تو تو آزاد ہے) یا شرط کی طرف نسبت کی۔ مثلاً کہا ان دخلت الدار فانت حر (اگر تو گھر میں داخل ہوا تو تو آزاد ہے) تو یہ صحیح ہے۔ جیسے طلاق کو ملک یا شرط کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔ لیکن ملک کی طرف نسبت کرنے میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ یعنی ان کے نزدیک آزادی واقع نہیں ہوتی اور ہمارے نزدیک واقع ہو جاتی ہے اور یہ مسئلہ بالتفصیل کتاب الطلاق میں آچکا ہے اور آزادی کو شرط پر معلق کرنا اس لیے جائز ہے کہ آزاد کرنا بالقصد اسقاط ہے۔ اگر چہ ضمناً اثبات قوت ہے اور چونکہ اسقاطات کو شرط پر معلق کرنا جائز ہے۔ اس لیے آزاد کرنے کو بھی معلق کرنا درست ہوگا۔ اس

کے برخلاف تملیکات یعنی جن صورتوں میں مالک کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں ان کو شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ اصول فقہ میں اپنے موقع پر معلوم ہو چکا ہے۔

حربی کا غلام دارالاسلام مسلمان ہو کر آ گیا آزاد ہو جائے گا

وَ اِذَاخَرَجَ عَبْدُالْحَرْبِيِّ اِلَيْنَا مُسْلِمًاعَتَقَ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ عَبِيْدِ الطَّائِفِ حِيْنَ خَرَجُوْا اِلَيْهِ مُسْلِمِيْنَ هُمْ عُتَقَاءُ اللهِ وَلِاَنَّهٗ اَحْرَزَ نَفْسَهٗ وَ هُوَ مُسْلِمٌ وَلَااِسْتِرْقَاقَ عَلَى الْمُسْلِمِ اِبْتِدَاءً

ترجمہ......اور جب کسی حربی کافر کا غلام مسلمان ہو کر ہمارے یہاں (دارالاسلام میں) چلا آیا تو وہ آزاد ہو گیا۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے طائف کے غلاموں کو جب مسلمان ہو کر آنحضرت ﷺ کے حضور میں چلے آئے تھے۔ فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کیے ہوئے ہیں اور اس لیے کہ اس غلام نے اپنی جان کو ایسی حالت میں محفوظ کر لیا کہ وہ مسلمان ہے اور ابتداء کسی مسلمان پر غلامی نہیں ہو سکتی ہے۔

تشریح......مسئلہ! اگر حربی کافر کا غلام مسلمان ہو کر دارالاسلام میں آ گیا تو وہ آزاد ہو گا۔ دلیل یہ ہے کہ جس وقت طائف کے غلام جن کی تعداد ۲۳ تھی۔ مسلمان ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آقا ﷺ نے فرمایا ھم عتقاء اللہ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کیے ہوئے ہیں اور دوسری دلیل یہ ہے کہ اس غلام نے بحالت اسلام اپنے آپ کو دارالاسلام میں محفوظ کیا ہے اور ابتداء کسی مسلمان کو غلام نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ آزاد ہو گا۔

حاملہ باندی کو آزاد کیا حمل آزاد ہو جائے گا

وَاِنْ اَعْتَقَ حَامِلًا عَتَقَ حَمْلُهَا تَبْعًا لَهَا اِذْهُوَمُتَّصِلٌ بِهَاوَلَوْ اَعْتَقَ الْحَمْلَ خَاصَّةً عَتَقَ دُوْنَهَالِاَنَّهٗ لَاوَجْهَ اِلَى اِعْتَاقِهَا مَقْصُوْدًالِعَدَمِ الْاِضَافَةِ اِلَيْهَا وَلَااِلَيْهِ تَبْعًالِمَافِيْهِ مِنْ قَلْبِ الْمَوْضُوْعِ ثُمَّ اِعْتَاقُ الْحَمْلِ صَحِيْحٌ وَلَايَصِحُّ بَيْعُهٗ وَهِبَتُهٗ لِاَنَّ التَّسْلِيْمَ نَفْسَهٗ شَرْطٌ فِى الْهِبَةِ وَالْقُدْرَةُ عَلَيْهِ فِى الْبَيْعِ وَلَمْ يُوْجَدْ ذٰلِكَ بِالْاِضَافَةِ اِلَى الْجَنِيْنِ وَشَيْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِى الْاِعْتَاقِ فَافْتَرَقَا

ترجمہ......اور اگر کسی نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو باندی کے تابع ہو کر اس کا حمل بھی آزاد ہو گا۔ کیونکہ وہ اپنی ماں کے ساتھ متصل ہے اور اگر اس نے فقط حمل کو آزاد کیا تو صرف حمل ہی آزاد ہو گا نہ کہ باندی۔ کیونکہ باندی کو آزاد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (نہ) قصداً اس لیے کہ باندی کی طرف اضافت نہیں ہے اور نہ تبعاً کیونکہ اس میں قلب موضوع ہے۔ پھر حمل کا آزاد کرنا صحیح ہے اور (آئندہ) اس کا بیچنا یا ہبہ کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ کیونکہ ہبہ میں خود اس کی ذات کا سپرد کرنا واجب ہوتا ہے اور بیع میں سپردگی کی قدرت شرط ہے اور یہ بات نہیں پائی گئی پیٹ کے بچہ کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے اور آزاد کرنے میں ان میں سے کوئی چیز شرط نہیں ہے تو دونوں جدا ہو گئے۔

تشریح......مسئلہ یہ ہے کہ اگر مالک نے اپنی حاملہ باندی کو آزاد کیا تو باندی کے تابع ہو کر اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ حمل باندی کا ایک جزء ہے۔ جیسے دوسرے اجزاء پس جس طرح باندی آزاد کرنے سے اس کے دوسرے تمام اجزاء و اعضاء آزاد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کا حمل بھی آزاد ہو جائے گا۔

اور اگر صرف حمل کو آزاد کیا ہے تو فقط حمل آزاد ہو گا۔ اس کی ملک یعنی باندی آزاد نہیں ہو گی۔ دلیل یہ ہے کہ باندی کو آزاد کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ باندی کو آزاد کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ باندی کی آزادی بالقصد ہو۔ دوم یہ کہ باندی کی آزادی اس کے حمل کے

تابع ہوکر ہو۔ مگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہیں ہیں کہ اس میں قلب موضوع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حمل جو تابع ہے وہ متبوع ہو جائے گا اور اس کی ماں جو متبوع ہے وہ تابع ہو جائے گی۔

پھر واضح ہو کہ حمل کو آزاد کرنا درست ہے۔ مگر اس کا بیچنا یا ہبہ کرنا درست نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ ہبہ میں شیء موہوب کا سپرد کرنا واجب ہوتا ہے اور بیع میں سپرد کرنے پر قادر ہونا شرط ہے اور یہاں جنین (پیٹ کے بچے) کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے ان دونوں باتوں میں کوئی بات ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ پیٹ کے بچہ کو نہ سپرد کرنا ممکن ہے اور نہ سپرد کرنے پر قدرت حاصل ہے۔ اس لیے نہ جنین کو بیچا جا سکتا ہے اور نہ ہبہ کیا جا سکتا اور چونکہ آزاد کرنے میں ان میں سے کوئی بات شرط نہیں ہے۔ اس لیے جنین یعنی حمل کو آزاد کیا جا سکتا ہے۔ پس آزاد کرنے اور بیع و ہبہ میں فرق واضح ہو گیا۔

حمل کو مال پر آزاد کیا آزادی صحیح ہے اور مال واجب نہیں ہوگا

وَ لَوْ اَعْتَقَ الْحَمْلَ عَلٰى مَالٍ صَحَّ وَلَايَجِبُ الْمَالُ اِذْلَا وَجْهَ اِلَى اِلْزَامِ الْمَالِ عَلَى الْجَنِيْنِ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ عَلَيْهِ وَلَا اِلَى اِلْزَامِهِ الْاُمَّ لِاَنَّهٗ فِىْ حَقِّ الْعِتْقِ نَفْسٌ عَلٰى حِدَةٍ وَ اشْتِرَاطُ بَدْلِ الْعِتْقِ عَلٰى غَيْرِ الْمُعْتَقِ لَايَجُوْزُ عَلٰى مَامَرَّ فِى الْخُلْعِ وَ اِنَّمَا يُعْرَفُ قِيَامُ الْحَبَلِ وَقْتَ الْعِتْقِ اِذَاجَاءَتْ بِهٖ لِاَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ اَشْهُرٍ مِنْهُ لِاَنَّهٗ اَدْنٰى مُدَّةِ الْحَمْلِ

ترجمہ..... اور اگر (باندی کے) حمل کو کسی قدر مال پر آزاد کیا۔ تو (آزاد کرنا) صحیح ہے اور مال واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ پیٹ کے بچے پر مال لازم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر کسی کی ولایت نہیں ہے اور اس کی ماں پر بھی مال لازم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ آزادی کے حق میں (بچہ) ایک علیحدہ جان ہے اور آزادی کا بدلہ معتق (جس کو آزاد کیا گیا) کے علاوہ پر لازم کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ خلع میں بیان ہو چکا اور آزاد کرنے کے وقت حمل موجود ہونا جب ہی معلوم ہوگا کہ آزاد کرنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم میں پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ حمل کی ادنیٰ مدت یہی ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر حمل کو مال کی ایک مقدار پر آزاد کیا تو یہ آزاد کرنا صحیح ہے لیکن مال واجب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ مال واجب کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو خود اس جنین یعنی پیٹ کے بچہ پر مال واجب کیا جائے گا اور یا اس بچہ کی ماں پر واجب کریں گے مگر دونوں صورتیں باطل ہیں۔ اول تو اس لیے کہ جنین پر کسی کو ولایت حاصل نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر مال لازم کرنے کی کوئی صورت نہیں اور دوسری صورت اس لیے باطل ہے کہ جنین آزادی کے حق میں علیحدہ ایک جان ہے اور آزادی کا بدلہ غیر معتق پر واجب کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ خلع میں بیان ہو چکا۔ علامہ بدر الدین عینیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حوالہ غیر مفید ہے۔ اس لیے کہ شارحین کو یہ بیان خلع میں نہیں ملا ہے۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ مصنفؒ نے کفایۃ المنتہی کے باب الخلع میں ذکر کیا ہو اور یہاں اسی کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ کفایۃ المنتہی اس کتاب سے پہلے کی تصنیف ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ آزاد کرنے کے وقت حمل موجود ہونا جب ہی معلوم ہوگا کہ آزاد کرنے کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو۔ کیونکہ حمل کی ادنیٰ مدت یہی ہے۔

باندی کا مولیٰ سے بیٹا آزاد ہے

قَالَ وَوَلَدُ الْاَمَةِ مِنْ مَوْلَاهَا حُرٌّ لِاَنَّهٗ مَخْلُوْقٌ مِنْ مَائِهٖ فَيَعْتِقُ عَلَيْهِ هٰذَا هُوَ الْاَصْلُ وَلَا مُعَارِضَ لَهٗ فِيْهِ لِاَنَّ وَلَدَ الْاَمَةِ لِمَوْلَاهَا

ترجمہ..... قدوری نے فرمایا کہ باندی کی جو اولاد اس کے مولیٰ سے پیدا ہو وہ آزاد ہے۔ اس لیے کہ وہ مولیٰ کے نطفہ سے ہے تو اس پر آزاد ہوگا۔

یہی اصل ہے اور بچہ کے بارے میں کوئی چیز معارض نہیں ہے۔ کیونکہ باندی کا بچہ باندی کے مولیٰ کا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ باندی کی اولاد جو اس کے مالک سے پیدا ہوئی ہو وہ آزاد ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ یہ بچہ مولیٰ کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے اور جو بچہ مولیٰ کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بچہ آزاد ہوگا اور یہی اصل ہے کہ بچہ صاحبِ ماء کا ہوتا ہے اور اس بچہ میں کوئی چیز معارض بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ باندی کا پانی اس کے مولیٰ کا مملوک ہوتا ہے۔ پس دونوں پانی مولیٰ کے ہوں گے۔ یعنی باندی کا نطفہ اور خود اس کا نطفہ دونوں اسی کے ہوں گے۔

باندی کا بچہ اس کے شوہر سے مملوک ہے

وَوَلَدُ هَامِنْ زَوْجِهَا مَمْلُوْكٌ لِسَيِّدِهَا لِتَرَجُّحِ جَانِبِ الْاُمِّ بِاعْتِبَارِ الْحِضَانَةِ اَوِ الْاِسْتِهْلَاكِ مَائِهٖ بِمَائِهَا وَالْمُنَافَاةُ مُتَحَقِّقَةٌ وَالزَّوْجُ قَدْرَضِيَ بِهٖ بِخِلَافِ وَلَدِالْمَغْرُوْرِ لِاَنَّ الْوَالِدَمَارَضِيَ بِهٖ

ترجمہ..... اور اگر باندی کا بچہ اس کے شوہر سے پیدا ہوا ہو تو وہ باندی کے مالک کا مملوک ہوگا۔ اس لیے کہ ماں کی جانب راجح ہے۔ پرورش کے اعتبار سے یا اس لیے کہ شوہر کا نطفہ اس باندی کے نطفہ میں مل کر ہلاک ہوگیا اور منافات ثابت ہے اور شوہر اس بات پر راضی ہوگیا۔ برخلاف اس شخص کے بچے کے جس کو دھوکا دیا گیا۔ کیونکہ وہ اس بات پر راضی نہیں ہوا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر باندی کا بچہ اس کے شوہر سے پیدا ہو۔ تو وہ باندی کے مالک کا مملوک ہوگا۔ دلیل یہ ہے کہ یہاں تعارض موجود ہے کیونکہ منافات ثابت ہے اور منافات اس لیے ثابت ہے کہ بچہ ماں اور باپ دونوں کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں اگر ماں کی جانب کا اعتبار کیا جائے تو بچہ باندی کے مولیٰ کا مملوک ہوگا اور اگر باپ کی جانب کا اعتبار کیا جائے تو بچہ باندی یعنی اس کی ماں کے مولیٰ کا مملوک نہ ہوگا۔ پس چونکہ دونوں صورتوں میں منافات متحقق ہوگئی ہے۔ اس لیے ترجیح کی راہ اختیار کریں گے اور چند وجوہ سے ترجیح ماں کی جانب کو حاصل ہے۔ اول تو اس لیے کہ پرورش کا حق ماں کو ہے۔ دوم یہ کہ شوہر کا نطفہ اپنی جگہ برقرار نہیں ہے۔ بلکہ منتقل ہوکر بیوی کے رحم میں آگیا۔ سوم یہ کہ جب تک ماں کے پیٹ میں بصورتِ جنین ہے تو یہ حسًا اور شرعًا بمنزلہ عورت کے عضو کے ہے۔ جیسے اس کا ہاتھ اور پاؤں عضو ہے۔ حسًا تو اس لیے ہے کہ جنین اپنی ماں کے سانس لینے سے سانس لیتا ہے اور اس کے منتقل ہونے سے منتقل ہوجاتا ہے حتیٰ کہ ولادت کے وقت قینچی سے کاٹ کر اس کی ماں سے جدا کیا جاتا ہے اور شرعًا اس لیے بمنزلہ عضو کے ہے کہ باندی کے آزاد ہونے سے جنین یعنی اس کے پیٹ کا بچہ بھی آزاد ہوجاتا۔ چہارم یہ کہ بچہ حقیقتًا اور حکمًا دونوں طرح ماں کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور باپ کے نطفہ سے صرف حکمًا پیدا ہوا ہے۔ پس ان وجوہ ترجیح کی وجہ ماں کی جانب کو ترجیح دی گئی اور ماں کی جانب کو ترجیح کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ماں جس کی مملوک ہے اس کا بچہ بھی اسی کا مملوک ہوگا۔

والزوج قد رضی به سے سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں شوہر کو ضرر پہنچتا ہے کہ اس کا بچہ دوسرے کا مملوک ہوا۔ جواب یہ ہے کہ شوہر اپنے بچہ کو مملوک بنانے پر بذاتِ خود راضی ہوگیا ہے۔ کیونکہ اس نے باندی کے ساتھ نکاح کرنے کا اقدام کیا۔ درانحالیکہ اس کو معلوم ہے کہ اس باندی سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس کے مولیٰ کا مملوک ہوگا۔ برخلاف اس شخص کے جس کو دھوکا دیا گیا کہ یہ عورت آزاد ہے حالانکہ وہ باندی تھی تو اس کا بچہ مملوک نہیں ہوگا۔ بلکہ آزاد ہوگا۔ لیکن اس کو قیمت دینا پڑے گی۔ کیونکہ اس بات پر راضی نہیں تھا کہ میری اولاد کسی کی مملوک ہو۔

صورت یہ ہے کہ ایک عورت نے خالد سے کہا کہ میں آزاد ہوں۔ مجھ سے نکاح کرلے۔ پس خالد نے اس کے چکر میں آکر نکاح کیا اور اولاد پیدا ہوئی حالانکہ یہ عورت حامد کی باندی تھی۔ اس نے اس کو مع اولاد کے گرفتار کیا تو اولاد حامد کی مملوک نہ ہوگی۔ کیونکہ خالد اس بات پر راضی نہ تھا کہ غیر کی باندی سے نکاح کرے تاکہ جو اولاد ہو وہ غیر کی مملوک ہو۔ مگر خالد، حامد کو اس کے بچہ کی قیمت دے گا تاکہ دونوں کی رعایت ملحوظ رہے

آزاد عورت کا بچہ آزاد ہے

وَوَلَدُ الْحُرَّةِ حُرٌّ عَلٰی كُلِّ حَالٍ لِاَنَّ جَانِبَهَا رَاجِحٌ فَيَتْبَعُهَا فِيْ وَصْفِ الْحُرِّيَّةِ كَمَا يَتْبَعُهَا فِي الْمَمْلُوْكِيَّةِ وَالْمَرْقُوْقِيَّةِ وَالتَّدْبِيْرِ وَاُمِّيَّةِ الْوَلَدِ وَالْكِتَابَةِ

ترجمہ...... اور آزاد عورت کا بچہ بہر حال آزاد ہوتا ہے۔ کیونکہ عورت کی جانب راجح ہے۔ پس بچہ بھی آزادی کی صفت میں اسی کا تابع ہوگا۔ جیسے مملوکیت، مرقوقیت، مدبرہ، ام ولد اور مکاتبہ ہونے کی صفت میں ہے۔

تشریح...... مسئلہ یہ ہے کہ آزاد عورت کا بچہ ہر حال میں آزاد ہوتا ہے۔ خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ دلیل یہ ہے کہ سابق میں گذر چکا کہ عورت کی جانب کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس وجہ سے بچہ بھی آزاد ہونے میں اسی کا تابع ہوگا۔ یعنی ماں کے آزاد ہونے سے بچہ بھی آزاد ہوگا۔ جیسا کہ ماں کے مملوک اور مرقوق ہونے سے بچہ بھی مملوک اور رقیق ہوگا۔ اسی طرح اگر مولیٰ نے اپنی ام ولد کا کسی مرد سے نکاح کر دیا تو اس مرد سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ بھی اپنی ماں کے حکم میں ہوگا اور ایسے ہی اگر مولیٰ نے اپنی مدبرہ کا کسی مرد سے نکاح کیا یا اپنی مکاتبہ کا نکاح کیا تو بچہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا عینی شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ علامہ کاکیؒ نے فرمایا کہ مملوکیت اور مرقوقیت دونوں کو اس لیے ذکر کیا کہ ان دونوں میں تغایر ہے۔ کیونکہ مدبر اور ام ولد میں ملک کامل ہوتی ہے اور رقیت ناقص اور مکاتب میں ملک ناقص ہوتی ہے اور رقیت کامل۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جمیل احمد عفی عنہ

باب العبد يعتق بعضه

ترجمہ...... (یہ) باب ایسے غلام (کے بیان میں) ہے، جس کا کچھ حصہ آزاد کیا گیا ہو

شرح...... جب مصنفؒ پورے غلام کو آزاد کرنے کے بیان سے فراغت پا چکے تو اب اس باب میں غلام کے کچھ حصہ کو آزاد کرنے کی صورتیں ان فرمائیں گے اور چونکہ پورے غلام کو آزاد کرنا متفق علیہ ہے۔ اور اس کے کچھ حصہ کو آزاد کرنا مختلف فیہ ہے۔ اس لیے پورے غلام کو آزاد کرنے کے احکام پہلے بیان فرمائے اور بعض غلام کو آزاد کرنے کے احکام بعد میں ذکر کر رہے ہیں۔

مولیٰ نے غلام کے بعض حصے کو آزاد کیا کتنی مقدار آزاد ہوگا، اقوالِ فقہاء

اِذَا عَتَقَ الْمَوْلٰی بَعْضَ عَبْدِهٖ عَتَقَ ذَالِكَ الْقَدْرُ وَيَسْعٰی فِيْ بَقِيَّةِ قِيْمَتِهٖ لِمَوْلَاهُ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا يَعْتِقُ كُلُّهٗ ضْلُهٗ اَنَّ الْاِعْتَاقَ يَتَجَزّٰی عِنْدَهٗ فَيَقْتَصِرُ عَلٰی مَا اَعْتَقَ وَعِنْدَهُمَا لَا يَتَجَزّٰی وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ فَاِضَافَتُهٗ اِلٰی عْضٍ كَاِضَافَتِهٖ اِلَی الْكُلِّ فَلِهٰذَا يَعْتِقُ كُلُّهٗ لَهُمْ اَنَّ الْاِعْتَاقَ اِثْبَاتُ الْعِتْقِ وَهُوَ قُوَّةٌ حُكْمِيَّةٌ وَاِثْبَاتُهَا بِاِزَالَةِ دِهَا وَهُوَ الرِّقُّ الَّذِيْ هُوَ ضُعْفٌ حُكْمِيٌّ وَهُمَا لَا يَتَجَزَّيَانِ فَصَارَ كَالطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ وَ سْتِيْلَادِ وَلِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْاِعْتَاقَ اِثْبَاتُ الْعِتْقِ بِاِزَالَةِ اَوْ هُوَ اِزَالَةُ الْمِلْكِ لِاَنَّ الْمِلْكَ حَقُّهٗ وَ الرِّقُّ حَقُّ شَرْعٍ اَوْ حَقُّ الْعَامَّةِ وَ حُكْمُ التَّصَرُّفِ مَا يَدْخُلُ تَحْتَ وَلَايَةِ الْمُتَصَرِّفِ وَهُوَ اِزَالَةُ حَقِّهٖ لَا حَقِّ غَيْرِهٖ وَالْاَصْلُ التَّصَرُّفَ يَقْتَصِرُ عَلٰی مَوْضِعِ الْاِضَافَةِ وَالتَّعَدِّيْ اِلٰی مَا وَرَاءِ ضَرُوْرَةَ عَدَمِ التَّجَزِّيْ وَالْمِلْكُ مُتَجَزٍّ كَمَا فِي يْعِ وَالْهِبَةِ فَيَبْقٰی عَلَی الْاَصْلِ وَ تَجِبُ السِّعَايَةُ لِاِحْتِبَاسِ مَالِيَّةِ الْبَعْضِ عِنْدَ الْعَبْدِ وَالْمُسْتَسْعٰی بِمَنْزِلَةِ

الْمُكَاتَبِ عِنْدَهُ لِاَنَّ الْإِضَافَةَ اِلَى الْبَعْضِ تُوْجِبُ ثُبُوْتَ الْمَالِكِيَّةِ فِيْ كُلِّهٖ وَ بَقَاءُ الْمِلْكِ فِيْ بَعْضِهٖ يَمْنَعُهُ فَعَمِلْنَا بِالدَّلِيْلَيْنِ بِاِنْزَالِهٖ مُكَاتَبًا اِذْهُوَ مَالِكٌ يَدًا لَارَقَبَةً وَالسِّعَايَةُ كَبَدَلِ الْكِتَابَةِ فَلَهُ اَنْ يَّسْتَسْعِيَهُ وَلَهُ خِيَارُ اَنْ يَّعْتِقَهُ لِاَنَّ الْمُكَاتَبَ قَابِلٌ لِلْاِعْتَاقِ غَيْرَ اَنَّهُ اِذَا عَجَزَ لَايُرَدُّ اِلَى الرِّقِّ لِاَنَّهُ اِسْقَاطٌ لَااِلٰى اَحَدٍ فَلَايَقْبَلُ الْفَسْخَ بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ الْمَقْصُوْدَةِ لِاَنَّهُ عَقْدٌ يُقَالُ وَيُفْسَخُ وَلَيْسَ فِي الطَّلَاقِ وَالْعَفْوِ عَنِ الْقِصَاصِ حَالَةٌ مُتَوَسِّطَةٌ فَاَثْبَتْنَاهُ فِي الْكُلِّ تَرْجِيْحًا لِلْمُحَرَّمِ وَالْاِسْتِيْلَادُ مُتَجَزٍّ عِنْدَهُ حَتّٰى لَوِاسْتَوْلَدَ نَصِيْبَهُ مِنْ مُدَبَّرَةٍ يَقْتَصِرُ عَلَيْهِ وَفِي الْقِنَّةِ لَمَّاضَمِنَ نَصِيْبَ صَاحِبِهٖ بِالْاِفْسَادِ مِلْكَه بِالضَّمَانِ فَكَمُلَ الْاِسْتِيْلَادُ

ترجمہ..... اگر مولیٰ نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسی قدر حصہ آزاد ہوگا اور باقی کی قیمت کمائی کر کے اپنے مولیٰ کو دے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں تو جس قدر آزاد کیا اسی پر منحصر رہے گا اور صاحبین کے نزدیک ٹکڑے نہیں ہو سکتے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ لہٰذا پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔ صاحبین اور شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق (کے معنی) عتق کو ثابت کرنا ہے اور وہ قوت حکمیہ ہے اور اس وقت کا ثابت کرنا اس کی ضد کو دور کرنے سے ہوگا اور اس کی ضد وہ رقیت ہے۔ جو حکمی کمزوری ہے اور ان دونوں کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ پس (یہ ایسا) ہو گیا۔ جیسے طلاق دینا اور قصاص سے معاف کرنا اور ام ولد بنانا اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق (کے معنی ہیں) عتق ثابت کرنا، ملک کو دور کر کے یا اعتاق ملک دور کرنا ہے۔ کیونکہ ملک آزاد کرنے والے کا حق ہے اور رقیت حق شرعی یا بندوں کا حق ہے اور تصرف کا حکم اسی قدر رہتا ہے۔ جتنا کہ تصرف کرنے والے کی ولایت میں ہے اور وہ اپنے حق کو دور کرنا ہے نہ کہ اپنے غیر کا حق اور اصل بات یہ ہے کہ تصرف اسی جگہ تک رہتا ہے جہاں تک اس کی نسبت کی گئی اور اس جگہ سے علاوہ کی طرف تجاوز کرنا عدمِ تجزی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور ملک متجزی ہے جیسے بیع اور ہبہ میں۔ پس اعتاق کا تصرف بھی اپنی اصل پر رہے گا اور کمائی کرنا واجب ہے۔ اس لیے کہ باقی ٹکڑے کی مالیت اس غلام کے پاس رکی ہوئی ہے اور مستسعیٰ (جس غلام پر کمائی کر کے ادا کرنا واجب ہو) امام صاحبؒ کے نزدیک بمنزلہ مکاتب کے ہے کیونکہ آزاد کرنے کی نسبت غلام کے کسی جزء کی طرف کرنا (غلام کے واسطے) پورے غلام میں ملکیت ثابت ہونے کو واجب کرتی ہے اور کسی ٹکڑے میں (مولیٰ) کی ملک کا باقی رہنا اس کے لیے مانع ہے۔ پس ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کیا کہ اس غلام کو مکاتب قرار دیا۔ اس واسطے کہ وہ اپنی کمائی کا مالک ہے اور اپنی ذات کا مالک نہیں ہے اور سعایہ (کمائی) بدل کتابت کے مانند ہے۔ تو مولیٰ کو یہ اختیار ہے کہ اس سے کمائی کرا کر (باقی قیمت وصول کرے) اور یہ بھی اختیار ہے کہ اس کو آزاد کر دے۔ کیونکہ مکاتب آزاد کیے جانے کے قابل ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ جب (یہ غلام) عاجز ہو گیا، تو رقیت کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ کیونکہ (اس سے) مکاتبت ساقط کرنا لا الیٰ احد ہے۔ تو فسخ کو قبول نہیں کرے گا۔ بخلاف کتابتِ مقصودہ کے، کیونکہ یہ ایک عقد ہے۔ اس کا اقالہ بھی ہو سکتا ہے اور فسخ بھی ہو سکتا ہے اور طلاق اور عفو عن القصاص میں کوئی درمیانی حالت نہیں ہے تو ہم نے طلاق یا عفو کو کل میں ثابت کر دیا۔ محرم کو (مبیح پر) ترجیح دیتے ہوئے اور ام ولد بنانا امام صاحبؒ کے نزدیک ٹکڑے ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی مدبرہ باندی میں سے اپنے حصہ کو ام ولد بنایا تو اسی حصہ تک رہے گا اور محض مملوکہ باندی میں (ایسا ہوا تو) جب اس نے اپنے شریک کے حصہ کا تاوان اس وجہ سے دیا کہ اس کی ملک فاسد کر دی ہے تو تاوان دینے سے پوری باندی کا مالک ہو گیا تو استیلاد پورا ہو گیا۔

تشریح..... صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کا کچھ حصہ آزاد کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اسی قدر حصہ آزاد ہوگا اور باقی کی قیمت کما کر اپنے مولیٰ کو دے گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ پورا غلام آزاد ہو جائے گا اور اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا مولیٰ نے جس قدر آزاد کیا اسی قدر آزاد ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں اور یہی امام شافعیؒ قول ہے۔ لیکن امام شافعیؒ صاحبین کے ساتھ اس صورت میں ہیں۔ جبکہ مالک ایک ہو۔ یا اگر مالک دو ہوں تو ان میں سے جو آزاد کرنے والا ہے،

مالدار ہو اور اگر عبد مشترک ہے یعنی غلام کے دو مالک ہیں اور ان میں سے جس نے اپنا حصہ آزاد کیا وہ مفلس ہے تو اس صورت میں امام شافعیؒ کے نزدیک ساکت کی ملک سابقہ حالت پر باقی رہے گی۔ حتی کہ اس کے واسطے اپنے حصہ کو بیچنا اور ہبہ کرنا درست ہے۔ بہر حال صاحبین کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے اور جس چیز کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے اس کو اس کے ایک حصہ اور جز کی طرف منسوب کرنا ایسا ہے جیسا کہ کل کی طرف منسوب کرنا۔ پس اعتاق کو غلام کے کسی حصہ کی طرف منسوب کرنا کل کی طرف منسوب کرنا ہوا۔ اس لیے اس صورت میں پورا غلام آزاد ہو جائے گا۔

صاحب میزان نے فرمایا کہ اعتاق کے متجزی اور ٹکڑے ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ آزاد کرنے والے کا قول متجزی ہوتا ہے یا اس کا حکم متجزی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں محال ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اعتاق کا حکم قبول کرنے میں محل متجزی ہوتا ہے۔ یعنی اگر نصف غلام آزاد کیا تو آزادی نصف غلام میں ثابت ہوگی اور دوسرے نصف میں ثابت نہیں ہوگی۔

امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ اگر آدھا غلام آزاد کیا گیا۔ تو رقیت پورے غلام سے زائل ہوگی یا نہیں۔ پس امام صاحب کے نزدیک رقیت زائل نہیں ہوگی۔ بلکہ پورا غلام رقیق رہے گا۔ البتہ آزادی کی مقدار غلام سے مولیٰ کی ملک زائل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک پورے غلام سے رقیت زائل ہو جاتی ہے۔

صاحبین اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق کے معنی عتق کو ثابت کرنا ہے اور عتق قوت حکمیہ کا نام ہے۔ یعنی شریعت کے حکم میں اس کو تصرفات کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ اعتاق قوت حکمیہ کے ثابت کرنے کا نام ہے اور اس قوت حاصل کا ثابت کرنا اس طرح ہوتا ہے کہ جو چیز اس کی ضد ہے۔ اس کو دور کر دے اور اس کی ضد رقیت ہے یعنی مملوکیت جو کہ حکمی کمزوری ہے اور ان دونوں چیزوں یعنی قوت حکمی (عتق) اور ضعف حکمی (رقیت) کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اعتاق کے ٹکڑے بھی نہیں ہو سکتے ہیں۔ پس اعتاق عدم تجزی میں ایسا ہو گیا جیسے طلاق دینا قصاص سے معاف کرنا ام ولد بنانا مثلاً یہ نہیں ہو سکتا کہ آدھی عورت کو طلاق دے اور آدھی کو نہیں اور آدھا قصاص معاف کرے اور آدھا نہیں اور اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ آدھی باندی کو ام ولد بنا دے اور آدھی کو نہیں۔ پس جس طرح ان میں سے بالاتفاق کسی کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے اسی طرح اعتاق کے ٹکڑے بھی نہیں ہو سکتے ہیں۔

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اعتاق کے معنی ملک دور کرنے کے ذریعہ عتق ثابت کرنا ہے۔ یا اعتاق اسی ملک دور کرنے کا نام ہے کیونکہ ملک آزاد کرنے والے کا حق ہے اور رقیت شریعت کا حق ہے۔ کیونکہ کافر نے جب عبد اللہ، خدا کا غلام ہونے سے انکار کیا تو اللہ نے اس کو اس طرح رلہ دیا کہ اپنے بندے کا غلام بنایا۔ یا رقیت عام لوگوں کا حق ہے۔ کیونکہ مجاہدین جس طرح رقیق کے علاوہ سامان کو تقسیم کرتے ہیں اسی طرح رقیق ی تقسیم کریں گے اور تصرف کا حکم اسی قدر رہتا ہے جتنا کہ تصرف کرنے والے کے قابو میں ہے اور وہ یہی ہے کہ اپنا حق دور کرے، نہ کہ غیر کا حق ، مولیٰ صرف ملک دور کر سکتا ہے نہ کہ رقیت اور ملک متجزی ہے۔ لہٰذا اعتاق بھی متجزی ہوگا اور بات دراصل یہ ہے کہ تصرف اسی جگہ تک رہتا ہے۔ ں اسکی نسبت کی گئی ہو اور اس جگہ سے علاوہ کی طرف تجاوز کرنا اسی ضرورت سے ہو سکتا ہے کہ اس کی تجزی نہ ہو سکے اور یہاں ملک جو مولیٰ کا حق سکی تجزی ہو سکتی ہے۔ جیسے بیع اور ہبہ میں ظاہر ہے یعنی مثلاً آدھا غلام بیچا یا ہبہ کیا، تو بالاتفاق جائز ہے۔ پس اعتاق کا تصرف بھی اپنی اصل پر گا۔ یعنی اگر آدھا آزاد کیا تو جائز ہے۔ آدھا ہی آزاد ہوگا۔

ور رہا غلام پر باقی حصہ کے لیے کمائی واجب ہونا، تو اس وجہ سے ہے کہ باقی ٹکڑے کی مالیت اس غلام کے پاس رکی ہوئی ہے۔ لہٰذا اس سے ، جائے اور جس غلام پر کمائی کر کے ادا کرنا واجب ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بمنزلہ مکاتب کے ہے۔ کیونکہ جب اعتاق کی نسبت غلام زء کی طرف کی گئی تو باعتبار عتق کے لازم آیا کہ پورے غلام میں اس کو ملکیت حاصل ہو۔ یعنی غلام اپنی پوری ذات کا مالک ہو جائے۔ اس متجزی نہیں ہوتا ہے اور مولیٰ کی ملک کا کسی ٹکڑے میں باقی رہنا باعتبار رقیت کے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ پوری ذات کا مالک نہ ہو۔

کیونکہ رقیت بھی متجزی نہیں ہوتی ہے۔ حاصل یہ کہ یہاں دو باتیں جمع ہوگئیں۔ ایک یہ کہ غلام اپنی پوری ذات کا مالک نہ ہو۔ دوم یہ کہ غلام کی پوری ذات میں مولیٰ کی ملک باقی رہے اور چونکہ دونوں دلیلوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اس لیے ہم نے دونوں دلیلوں پر عمل کیا اور اس غلام کو مکاتب ٹھہرایا۔ اس لیے کہ مکاتب یداً مالک ہوتا ہے اور رقبۃً مملوک ہوتا ہے۔ پس ایسے ہی یہ بھی اپنی کمائی کا مالک ہے اور اپنی ذات کا مالک نہیں ہے اور جب مستسعیٰ مکاتب کے مانند ہے تو اس کی کمائی بدل کتابت کے مانند ہوگی۔ لہٰذا مولیٰ کو یہ اختیار رہا کہ اس سے کمائی کرا کر باقی قیمت وصول کرے اور یہ بھی اختیار ہے کہ چاہے اس کو آزاد کردے کیونکہ مکاتب بھی اس قابل ہوتا ہے کہ مولیٰ اس کو آزاد کردے۔

لیکن یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ مستسعیٰ اگر مکاتب کے مرتبہ میں ہے تو جس طرح مکاتب بدل کتابت سے عاجز ہونے کی صورت میں رقیق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مستسعیٰ اگر کمائی سے عاجز ہو جائے تو اس کو بھی رقیق ہو جانا چاہئے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جبکہ یہ غلام جس کا ایک جزء آزاد ہو اس پر کمائی واجب ہوئی۔ اگر کمائی سے عاجز ہو جائے تو اسے رقیق نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں میں اتنا فرق ہے کہ اگر مکاتب اداءِ مال سے عاجز ہو تو وہ رقیق کر دیا جاتا ہے اور یہ غلام اگر کمائی سے عاجز ہو جائے تو رقیق نہیں کہا جا سکتا۔ وجہ فرق یہ ہے کہ غلام آزاد کرنا اسقاط لاالی احد ہے۔ یعنی اس سے ملکیت ساقط کرنا لاالی احد ہے اور اسقاط لاالی احد میں معاوضہ کے معنی نہیں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ معاوضہ دو آدمیوں کے درمیان متحقق ہوتا ہے اور یہاں صرف ایک آدمی ہے یعنی آزاد کرنے والا۔ پس جب اس صورت میں معاوضہ کے معنی نہیں پائے گئے تو یہ فسخ کے قابل بھی نہیں ہے۔

اس کے برخلاف کتابت کہ بالارادہ غلام سے ایک معاملہ کیا تو یہ اسقاط عن المولیٰ الی المکاتب ہوگا۔ بایں طور کہ مولیٰ نے مکاتب کو بدل کتابت حاصل کرنے کی قدرت دی ہے۔ لہٰذا کتابت میں معاوضہ کے معنی موجود ہیں اور جب معاوضہ کے معنی موجود ہیں تو کتابت کا اقالہ بھی کیا جا سکتا ہے اور فسخ بھی کیا جا سکتا ہے۔

ولیس فی الطلاق ......الخ سے صاحبین اور امام شافعیؒ کے قیاس **فصار کالطلاق والعفو عن القصاص والاستیلاد** کا جواب ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اعتاق کو طلاق اور عفو عن القصاص پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ طلاق اور نکاح کے درمیان یا قصاص اور عفو کے درمیان کوئی درمیانی حالت نہیں ہے۔ جیسا آزادی اور مملوکیت کے درمیان میں کتابت کی حالت تھی کہ کتابت اپنی ذات سے مملوکیت ہے اور اپنی کمائی اور تصرفات کی راہ سے آزادی ہے۔ پس جب نکاح اور طلاق کے درمیان ایسی حالت نہیں ہے تو جس نے نصف عورت کو طلاق دی تو یہ نصف طلاق کی وجہ سے حرام ہوا اور دوسرا نصف نکاح کی وجہ سے حلال ہوا اور اصول فقہ میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ اگر حلال و حرام جمع ہو جائیں تو حرام کو حلال پر ترجیح دے کر پوری عورت کو حرام قرار دیا جائے گا تا کہ احتیاط پر عمل ہو سکے۔ اسی طرح عفو میں ہے کہ جب آدھا قصاص معاف کیا، تو معاف کر دینے کی وجہ سے یہ آدھا قصاص حرام ہو گیا اور دوسرا آدھا حلال ہے۔ پس حرام کو حلال پر ترجیح دے کر کہا جائے گا کہ پورا قصاص معاف ہو گیا اور اب قصاص لینا حرام ہے اور وہ استیلاد پر قیاس کرنا تو یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ استیلاد یعنی ام ولد بنانا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک متجزی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اعتاق متجزی ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی مدبرہ باندی میں سے اپنے حصہ کو ام ولد بنایا تو اسی حصہ تک رہے گا اور محض مملوکہ باندی میں ایسا ہوا۔ تو جب اس نے ا۔ شریک جو تاوان اس وجہ سے دے دیا کہ اس کی ملک فاسد کر دی ہے۔ تو تاوان دینے سے پوری باندی کا مالک ہو گیا۔ پس استیلاد بھی پورا ہو گیا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ زید و خالد کے درمیان ایک باندی مشترک ہے اور اس کے بچہ پیدا ہوا اور زید نے دعویٰ کیا کہ میرے نطفہ سے ہے تو باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔ لیکن اس نے خالد کے حصہ میں فساد ڈال دیا۔ کیونکہ ام ولد بمنزلہ آزاد کے ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کو بیچنا جا ہے۔ اس لیے زید پر واجب ہوگا کہ خالد کے حصہ کا تاوان دے اور جب تاوان دے کر وہ پوری باندی کا مالک ہو گیا تو وہ باندی پوری اس کی ا ... استیلاد کرے۔ تو وہ پوری ام ولد ہو جاتی ہے اور اگر یہ مشترکہ باندی دونوں کی مدبرہ ہو یعنی دونوں نے

تو ہمارے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ تو اس مسئلہ میں جس نے اس کے بچہ کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی کا حصہ ام ولد رہے گا اور باقی حصہ مدبرہ رہے گا۔ پس ثابت ہوا کہ استیلاد کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ (عینی)

غلام دو شرکاء کے درمیان مشترک ہو ایک نے اپنے حصے کو آزاد کر دیا آزاد ہو جائے گا دوسرے کے حصہ کا کیا ہوگا

وَ اِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ شَرِيْكَيْنِ فَاَعْتَقَ اَحَدُ هُمَا نَصِيْبَهٗ عَتَقَ فَاِنْ كَانَ مُوْسِرًا فَشَرِيْكُهٗ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ ضَمَّنَ شَرِيْكَهٗ قِيْمَةَ نَصِيْبِهٖ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ فَاِنْ ضَمَّنَ رَجَعَ الْمُعْتِقُ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ وَاِنْ اَعْتَقَ اَوِاسْتَسْعٰى فَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا وَاِنْ كَانَ الْمُعْتِقُ مُعْسِرًا فَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَالْوَلَاءُ بَيْنَهُمَا فِي الْوَجْهَيْنِ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا لَيْسَ لَهٗ اِلَّا الضَّمَانُ مَعَ الْيَسَارِ وَالسِّعَايَةُ مَعَ الْاِعْسَارِ وَلَا يَرْجِعُ الْمُعْتِقُ عَلَى الْعَبْدِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ

ترجمہ......اور اگر ایک غلام دو شریکوں میں (مشترک) ہو۔ پس ان دونوں میں سے ایک نے اپنا حصہ آزاد کیا۔ تو اس کا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ پھر اگر آزاد کرنے والا خوشحال ہو۔ تو اس کے شریک کو اختیار ہے کہ چاہے اپنا حصہ بھی آزاد کر دے اور چاہے اپنے شریک (آزاد کرنے والے) سے اپنے حصہ کی قیمت کا تاوان لے اور چاہے غلام سے کمائی کرا کے (وصول کر لے) پھر اگر اس نے (آزاد کرنے والے سے قیمت) تاوان لی تو آزاد کرنے والا غلام سے رجوع کرے گا اور اس غلام کی ولاء اسی آزاد کرنے والے کی ہوگی اور اگر شریک نے اپنا حصہ بھی آزاد کر دیا یا غلام سے کمائی کرا کے وصول کر لے تو اس کی ولاء ان دونوں میں مشترک ہوگی اور اگر آزاد کرنے والا تنگدست ہو تو شریک کو یہی اختیار ہے کہ چاہے (اپنا حصہ) آزاد کر دے اور چاہے غلام سے کمائی کرا لے اور ان دونوں صورتوں میں اس کی ولاء ان دونوں شریکوں میں مشترک ہوگی اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ شریک کو صرف یہی اختیار ہے کہ (اگر آزاد کرنے والا) مالدار ہو تو اس سے تاوان لے لے اور وہ آزاد کرنے والا غلام سے واپس نہیں لے سکتا اور (اگر آزاد کرنے والا) تنگدست ہو تو (غلام سے) کمائی کرا لے اور ولاء فقط آزاد کرنے والے کے واسطے ہوگی۔

تشریح......صورتِ مسئلہ واضح ہے اور دلائل کے لیے اگلی سطریں ملاحظہ کیجئے۔

مذکورہ مسئلہ کی دو اصل

وَ هٰذِهِ الْمَسْاَلَةُ تَبْتَنِيْ عَلٰى حَرْفَيْنِ اَحَدُ هُمَا تَجَزِّى الْاِعْتَاقِ وَعَدَمُهٗ عَلٰى مَابَيَّنَّاهُ وَ الثَّانِيْ اَنَّ يَسَارَ الْمُعْتِقِ لَا يَمْنَعُ سِعَايَةَ الْعَبْدِ عِنْدَهٗ وَعِنْدَهُمَا يَمْنَعُ لَهُمَا فِي الثَّانِيْ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الرَّجُلِ يَعْتِقُ نَصِيْبَهٗ اِنْ كَانَ غَنِيًّا ضَمِنَ وَاِنْ كَانَ فَقِيْرًا سَعٰى فِيْ حِصَّةِ الْاٰخَرِ قَسَمَ وَالْقِسْمَةُ تُنَافِي الشِّرْكَةَ وَلَهٗ اَنَّهٗ اِحْتَبَسَتْ مَالِيَّةُ نَصِيْبِهٖ عِنْدَ الْعَبْدِ فَلَهٗ اَنْ يَّضْمَنَهٗ كَمَا اِذَا هَبَّتِ الرِّيْحُ بِثَوْبِ اِنْسَانٍ وَاَلْقَتْهُ فِيْ صِبْغِ غَيْرِهٖ حَتّٰى اِنْصَبَغَ بِهٖ فَعَلٰى صَاحِبِ الثَّوْبِ قِيْمَةُ صِبْغِ الْاٰخَرِ مُوْسِرًا كَانَ اَوْمُعْسِرًا لِمَا قُلْنَا فَكَذَا ههُنَا اِلَّا اَنَّ الْعَبْدَ فَقِيْرٌ فَيَسْتَسْعِيْهِ ثُمَّ الْمُعْتَبَرُ يَسَارُ التَّيْسِيْرِ وَهُوَ اَنْ يَّمْلِكَ مِنَ الْمَالِ قَدْرَ قِيْمَةِ نَصِيْبِ الْاٰخَرِ لَا يَسَارُ الْغِنَاءِ لِاَنَّ بِهٖ يَعْتَدِلُ النَّظْرُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ بِتَحْقِيْقِ مَاقَصَدَهُ الْمُعْتِقُ مِنَ الْقُرْبَةِ وَاِيْصَالُ بَدَلِ حَقِّ السَّاكِتِ اِلَيْهِ

ترجمہ......اور یہ مسئلہ دو اصلوں پرمبنی ہے اول یہ کہ اعتاق کا متجزی ہونا اور متجزی نہ ہونا جیسا کہ ہم بیان کر چکے اور اصل دوم یہ کہ آزاد کرنے والے کا خوشحال ہونا امام صاحبؒ کے نزدیک غلام کی کمائی کرنے سے مانع نہیں ہے اور صاحبین کی دلیل حضور ﷺ کا قول ہے ایسے شخص کے حق میں جو اپنا حصہ آزاد کر دے۔ (یوں فرمایا کہ) اگر یہ آزاد کرنے والا مالدار ہو تو ضامن ہوگا اور اگر فقیر ہو تو دوسرے کے حصہ کے واسطے کمائی کرے گا۔ (اس حدیث میں حضور ﷺ نے) بٹوارہ پر دیا۔ اور بٹوارہ شرکت کے منافی ہے اور امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک کے حصہ کی مالیت اس غلام کے پاس رک گئی تو شریک کو اختیار ہے کہ اس سے تاوان لے لے۔ جیسے ہوا کسی آدمی کا کپڑا اڑا لے گئی اور اس کو دوسرے کے رنگ (کے کونڈے) میں ڈال دیا چنانچہ کپڑا رنگین ہو گیا، تو کپڑے کے مالک پر دوسرے کے رنگ کی قیمت واجب ہے۔ (خواہ) خوشحال ہو یا مفلس ہو۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ پس ایسا ہی حکم یہاں ہے۔ مگر یہ کہ غلام (اگر) فقیر ہو تو وہ غلام سے کمائی کرائے۔ پھر خوشحالی سے مراد یسار تیسیر ہے۔ یعنی اتنے مال کا مالک ہو کہ شریک کے حصہ کی قیمت ادا کر سکے اور یسار (غناء مراد) نہیں ہے۔ کیونکہ تیسیر کی وجہ سے دونوں جانب کی رعایت اعتدال پر رہتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ آزاد کرنے والے نے چاہا یعنی تقرب اور ثواب وہ اس کو حاصل ہو جائے گا اور ساکت کو اپنا حق پہنچ جائے گا۔

تشریح......صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ یعنی آزاد کرنے والے کا اپنے شریک کو ضمان ادا کرنے کے بعد غلام سے واپس لینا یا نہ لینا دو اصلوں پر مبنی ہے۔ اصل اول یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ ہم اول باب میں بیان کر چکے اور اصل دوم یہ ہے کہ جب آزاد کرنے والا خوشحال ہو تو اس کی خوشحالی امام صاحبؒ کے نزدیک غلام کی کمائی کرنے سے مانع نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک مانع ہے۔ اصل اول کے دلائل سابق میں گذر چکے۔

اور اصل دوم میں صاحبینؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قیاس کا مقتضیٰ دو امروں میں سے ایک ہے۔ ایک تو یہ آزاد کرنے والا مالدار ہو یا تنگدست۔ دونوں صورتوں میں آزاد کرنے والے پر اپنے شریک کے واسطے ضمان واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے حصہ کو آزاد کرنے کی وجہ سے اپنے شریک کے حصہ کو خراب کر ڈالا۔ اس لیے کہ اس کے واسطے اپنی ملک کو برقرار رکھنا اور اپنے حصہ میں تصرف کرنا متعذر ہو گیا ہے اور ضمان افساد مالداری اور مفلسی کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتا ہے۔

دوسرا امر یہ کہ آزاد کرنے والے پر بالکل ضمان واجب نہ ہو۔ کیونکہ آزاد کرنے والے نے اپنے حصہ میں تصرف کیا ہے اور اپنی ملک میں تصرف کرنے والا نہ متعدی ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر ضمان واجب ہوتا۔ اگرچہ اس کے تصرف کا ضرر دوسرے کی ملک تک متجاوز ہو جائے۔ جیسے کسی نے اپنی زمین میں کھیت کاٹنے کے بعد باقی ماندہ گھاس، پھونس جلایا۔ لیکن اس سے پڑوسی کی ملک میں سے بھی کچھ جل گیا تو اس پر اس پڑوسی کے واسطے کچھ ضمان واجب نہیں ہوگا۔ یہ دونوں قیاس چونکہ متضاد ہیں۔ اس لیے صاحبینؒ نے ان دونوں کو چھوڑ کر اس حدیث پر عمل کیا۔ جس کو ائمہ صحاح ستہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ یعنی حضور اقدس ﷺ نے ایسے شخص کے حق میں جو اپنا حصہ آزاد کر دے یوں ارشاد فرمایا ان کان غنیا و ان کان فقیرا سعی فی حصة الاخر۔ اگر یہ آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اپنے شریک کے حصہ کا ضمان ہوگا اور اگر فقیر ہو تو شریک کے حصہ کے واسطے غلام کمائی کرے اس حدیث میں اللہ کے پاک رسول ﷺ نے تقسیم فرما دی اور تقسیم شرکت کے منافی ہے یعنی اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو یہ صرف ضامن ہوگا اور غلام پر سعایہ یعنی کمائی نہیں رکھی اور اگر فقیر ہو تو غلام پر صرف کمائی ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے والے کا خوشحال ہونا غلام کی کمائی کرنے سے مانع ہے۔ (عنایہ)

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک کے حصہ کی مالیت اس غلام کے پاس رک گئی تو شریک کو اختیار ہے کہ اس سے اپنے مال کا ضمان لے لے۔ یعنی غلام سے کمائی کرائے اور یہ ایسا ہے جیسے کسی آدمی کا کپڑا ہوا اڑا لے گئی اور دوسرے کے رنگ کے کونڈے میں ڈالا۔ چنانچہ کپڑا رنگین ہو گیا۔ یعنی کپڑے میں رنگ جذب ہو گیا تو کپڑے کے مالک پر واجب ہے کہ دوسرے کے رنگ کی قیمت ادا کرے۔ خواہ یہ صاحب ثوب خوشحال

ہو یا مفلس ہو کیونکہ کپڑے والے کے پاس اس کا رنگ رک گیا ہے تو اس کو تاوان لینا جائز ہے۔ پس ایسا ہی حکم یہاں ہے۔ لیکن اتنی بات ہے کہ اگر غلام بالکل فقیر ہو تو وہ غلام سے کمائی کرا کے وصول کر لے۔

اور صاحبین کی پیش کردہ حدیث کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بطور شرط کے تقسیم فرمائی ہے۔ یعنی سعایہ کو آزاد کرنے والے کی مفلسی پر معلق کیا ہے اور یہ عدم فقر کے وقت استسعاء یعنی کمائی کرانے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ جس چیز کو شرط پر معلق کیا جائے وجود شرط کے وقت اس کا موجود ہونا تو ضروری ہے لیکن عدم شرط کے وقت اس کا معدوم ہونا ضروری نہیں ہے۔ مثلاً کسی نے اپنے غلام سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوا تو، تو آزاد ہے۔ پس گھر میں داخل ہونے کی صورت میں غلام یقیناً آزاد ہو جائے گا۔ لیکن داخل نہ ہونے کی صورت میں آزاد نہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ آزاد ہو سکتا ہے بایں طور کہ مولیٰ اس سے انت حر بغیر کسی شرط کے کہہ دے۔ پس اسی طرح اس مسئلہ میں بھی آزاد کرنے والے کی مالداری کے باوجود غلام سے کمائی کرائی جا سکتی ہے۔ واضح ہو کہ آزاد کرنے والا جس پر تاوان واجب ہوتا ہے۔ اسکے مالدار ہونے میں یسار تیسیر معتبر ہے۔ نہ کہ یسار غناء اور یسار تیسیر یہ ہے کہ اتنے مال کا مالک ہو کہ شریک کے حصہ کی قیمت اداء کر سکے اور یہ مقدار اس کے کپڑوں اور اس کے عیال کے خرچہ سے فاضل ہو۔ یہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی کے قائل امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں اور بعض مشائخ نے حرمانِ نصاب کا اعتبار کیا ہے۔ لیکن پسندیدہ مسلک وہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یسار تیسیر یعنی آسانی سے قیمت دینے کا لحاظ رکھنے میں دونوں کی رعایت کی جاتی ہے۔ کیونکہ آزاد کرنے والے نے جو چاہا یعنی ثواب اور تقرب الی اللہ آزاد کرنے کی وجہ سے وہ اس کو حاصل ہو جائے گا اور اس کے شریک ساکت کو اپنا حق پہنچ جائے گا۔

صاحبین کے قول آزاد ہونے کی وجہ

ثُمَّ التَّخْرِيْجُ عَلٰى قَوْلِهِمَا ظَاهِرٌ فَعَدَمُ رُجُوْعِ الْمُعْتِقِ بِمَاضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِعَدَمِ السِّعَايَةِ فِي حَالَةِ الْيَسَارِ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ لِاَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ لِعَدَمِ التَّجَزِّيْ وَاَمَّا التَّخْرِيْجُ عَلٰى قَوْلِهِ فَخِيَارُ الْإِعْتَاقِ لِقِيَامِ مِلْكِهِ فِي الْبَاقِيْ اِذِالْإِعْتَاقِ يَتَجَزَّىٰ عِنْدَهُ وَالتَّضْمِيْنُ لِاَنَّ الْمُعْتِقَ جَانٍ عَلَيْهِ بِاِفْسَادِ نَصِيْبِهِ حَيْثُ اِمْتَنَعَ عَلَيْهِ الْبَيْعُ وَالْهِبَةُ وَ نَحْوُ ذٰلِكَ مِمَّاسِوَى الْإِعْتَاقِ وَتَوَابِعِهِ وَالْإِسْتِسْعَاءُ لِمَابَيَّنَّا وَيَرْجِعُ الْمُعْتِقُ بِمَا ضَمِنَ عَلَى الْعَبْدِ لِاَنَّهُ قَامَ مَقَامَ السَّاكِتِ بِاَدَاءِ الضَّمَانِ وَقَدْكَانَ لَهُ ذٰلِكَ بِالْإِسْتِسْعَاءِ فَكَذٰلِكَ لِلْمُعْتِقِ وَلِاَنَّهُ مِلْكُهُ بِاَدَاءِ الضَّمَانِ ضِمْنًا فَيَصِيْرُ كَاَنَّ الْكُلَّ لَهُ وَقَدْاَعْتَقَ بَعْضَهُ فَلَهُ اَنْ يَّعْتِقَ الْبَاقِيَ اَوْيَسْتَسْعِيَ اِنْ شَاءَ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ فِيْ هٰذَاالْوَجْهِ لِاَنَّ الْعِتْقَ كُلَّهُ مِنْ جِهَتِهِ حَيْثُ مِلْكِهِ بِاَدَاءِ الضَّمَانِ

ترجمہ...... پھر صاحبین کے قول پر تخریج (حکم نکالنا) ظاہر ہے۔ پس آزاد کرنے والے کا غلام سے مالِ ضمان واپس نہ لینا اس لیے ہے کہ خوشحالی کی حالت میں غلام پر سعایہ واجب نہیں ہے اور ولاء آزاد کرنے والے کے واسطے ہے۔ کیونکہ پوری آزادی آزاد کرنے والے کی طرف سے ہے۔ اس لیے کہ (آزادی) متجزی نہیں ہوتی اور رہا امام صاحبؒ کے قول پر تخریج کرنا، سو (شریک کو اپنا حصہ) آزاد کرنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ باقی میں اس کی ملک قائم ہے۔ کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک اعتاق کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اور تاوان لینے کا (حق) اس لیے ہے کہ آزاد کرنے والا (اپنے) شریک کے حصہ کو خراب کرنے کی وجہ سے۔ اس پر ظلم کرنے والا ہے۔ چنانچہ اس پر سوائے آزاد کرنے اور اس کے توابع اور کمائی کرا لینے کے بیچنا اور ہبہ کرنا وغیرہ ممتنع ہے۔ اصل دلیل کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اور آزاد کرنے والا تاوان کی رقم غلام سے واپس لے گا۔ کیونکہ آزاد کرنے والا تاوان دے کر ساکت کے قائم مقام ہو گیا اور ساکت کو یہ اختیار تھا کہ غلام سے کمائی کرائے۔ پس ایسے ہی آزاد کرنے والے کو بھی یہ اختیار ہو گا اور اس وجہ

سے کہ آزاد کرنے والا ادائے ضمان کی وجہ سے ضمناً اس غلام کا مالک ہو گیا۔ تو ایسا ہو جائے گا۔ گویا پورا غلام اسی کا ہے۔ حال یہ کہ اس نے اس کا ایک جزء آزاد کیا ہے۔ تو اس کا اختیار ہے کہ باقی کو آزاد کر دے یا اگر چاہے تو کمائی کرا کے قیمت لے لے اور اس صورت میں ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ کیونکہ پورے غلام کی آزادی اسی کی طرف سے ہوئی۔ کیونکہ اداء ضمان کی وجہ سے وہ پورے غلام کا مالک ہو گیا۔

تشریح ...... صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہ مسئلہ چونکہ دو اصلوں پر مبنی ہے۔ اس لیے اس مسئلہ میں دونوں اصلوں کی بناء پر حکم نکالا گیا ہے۔ پس صاحبین کے قول پر اس مسئلہ کی تخریج ظاہر ہے۔ یعنی صاحبین نے جو اصل اختیار کیئے ان سے ان کا حکم نکالنا ظاہر ہے۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک چونکہ اعتاق ٹکڑے نہیں ہو سکتا۔ اس لئے پورا غلام آزاد ہو گا اور چونکہ آزاد کرنے والے کا خوشحال ہونا غلام کی کمائی کرنے سے مانع ہے۔ اس لیے شریک کے واسطے اس پر ضمان واجب ہو گا اور کمائی کرنا منتفی ہو گا اور آزاد کرنے والا مال تاوان کو غلام سے اس لیے نہیں لے سکتا کہ جب خوشحالی کی صورت میں اس نے تاوان دیا۔ تو اس حالت میں غلام پر کمائی کرنی واجب نہیں تھی۔ جیسا کہ اصل ثانی سے معلوم ہوا اور ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہوگی۔ کیونکہ پورے غلام کا آزاد ہونا اسی کی طرف سے متحقق ہوا ہے۔ اس لیے کہ اعتاق متجزی نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اصل اول سے معلوم ہوا۔

اور رہا امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ان حکموں کا نکالنا تو وہ اس طرح ہے کہ دوسرے شریک کو بھی اپنا حصہ آزاد کرنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ اپنے حصہ میں اس کی ملک موجود ہے۔ اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعتاق متجزی ہو سکتا ہے اور اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ آزاد کرنے والے سے اپنے حصہ کا تاوان لے لے۔ اس لیے کہ آزاد کرنے والے نے اس کے حصہ پر ظلم کیا کہ اسکا حصہ فاسد کر دیا۔ کیونکہ سوائے آزاد کرنے اور اس کے توابع یعنی مدبر یا مکاتب کرنے یا اس سے کمائی کرا لینے کے۔ اس کو یہ قدرت نہ رہی کہ اپنے حصہ کو فروخت یا ہبہ وغیرہ کر سکے۔ چنانچہ ہم اس کو بیان کر چکے۔ رہا یہ کہ آزاد کرنے والے نے جو تاوان دیا اس کو غلام سے واپس لے سکتا ہے۔ اس وجہ سے کہ جب اس نے اپنے شریک کو تاوان ادا کر دیا۔ تو وہ شریک کا قائم مقام ہو گیا اور شریک کو یہ اختیار تھا کہ غلام سے کمائی کرائے تو آزاد کرنے والے کو بھی یہ اختیار ہو گا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ آزاد کرنے والا اداء ضمان کی وجہ سے اس غلام کا ضمناً مالک ہو گیا۔ اگر چہ وہ صریحی ملکیت کے قابل نہیں ہے تو ایسا ہو گیا کہ گویا پورا غلام اسی کا ہے اور حال یہ ہے کہ اس نے اس کا ایک جزء آزاد کیا ہے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے باقی بھی آزاد کر دے اور چاہے کمائی کرا کے قیمت لے لے۔ پھر تاوان ادا کرنے کی صورت میں آزاد کنندہ کو اس غلام کی پوری ولاء ملے گی کیونکہ پورا غلام آزاد کرنا۔ اس کی طرف سے ہوا۔ اس لیے کہ اداء ضمان کی وجہ سے وہ پورے غلام کا مالک ہو گیا۔

معتق کے معسر ہونے کی صورت میں مسئلہ

وَ فِیْ حَالِ اِعْسَارِ الْمُعْتِقِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ لِبَقَاءِ مِلْکِہٖ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعٰی لِمَابَیَّنَّا وَالْوَلَاءُ لَہٗ فِی الْوَجْھَیْنِ لِاَنَّ الْعِتْقَ مِنْ جِھَتِہٖ وَلَایَرْجِعُ الْمُسْتَسْعٰی عَلَی الْمُعْتِقِ بِمَا اَدّٰی بِاِجْمَاعٍ بَیْنَنَا لِاَنَّہٗ یَسْعٰی الْفَکَاکَ رَقَبَتِہٖ وَ لَایَقْضِیْ دَیْنًا عَلَی الْمُعْتِقِ اِذْلَاشَیْءَ عَلَیْہِ لِعُسْرَتِہٖ بِخِلَافِ الْمَرْھُوْنِ اِذَا اَعْتَقَہُ الرَّاھِنُ الْمُعْسِرُ لِاَنَّہٗ یَسْعٰی فِیْ رَقَبَتِہٖ قَدْفُکَّتْ اَوْیَقْضِیْ دَیْنًا عَلَی الرَّاھِنِ فَلِھٰذَا یَرْجِعُ عَلَیْہِ وَقَوْلُ الشَّافِعِیِّ فِی الْمُوْسِرِ کَقَوْلِھِمَا وَقَالَ فِی الْمُعْسِرِ یَبْقٰی نَصِیْبُ السَّاکِتِ عَلٰی مِلْکِہٖ یُبَاعُ وَ یُوْھَبُ لِاَنَّہٗ لَاوَجْہَ اِلٰی تَضْمِیْنِ الشَّرِیْکِ لِاِعْسَارِہٖ وَلَااِلَی السِّعَایَۃِ لِاَنَّ الْعَبْدَلَیْسَ بِجَانٍ وَلَارَاضٍ بِہٖ وَلَااِلٰی اِعْتَاقِ الْکُلِّ لِلْاِضْرَارِ بِالسَّاکِتِ فَتَعَیَّنَ مَاعَیَّنَّاہُ قُلْنَا اِلَی الْاِسْتِسْعَاءِ سَبِیْلٌ لِاَنَّہٗ لَایَفْتَقِرُ اِلَی الْجِنَایَۃِ بَلْ یَبْتَنِیْ عَلٰی اِحْتِبَاسِ الْمَالِیَّۃِ فَلَایُصَارُ اِلَی الْجَمْعِ بَیْنَ الْقُوَّۃِ الْمُوْجِبَۃِ لِلْمَالِکِیَّۃِ وَالضُّعْفُ السَّالِبُ لَھَافِیْ شَخْصٍ وَاحِدٍ

ترجمہ......اور آزاد کرنے والے کے افلاس کی صورت میں اگر چاہے (اپنا حصہ) آزاد کردے۔ اس لیے کہ اس کی ملکیت باقی ہے اور چاہے تو کمائی کرالے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی ہے اور دونوں صورتوں میں شریک ساکت کو (اس کے حصہ کی) ولاء ملے گی۔ کیونکہ آزاد ہونا اسی کی طرف سے ہے اور جس سے کمائی کرائی گئی ہے (غلام) وہ اس ادا کیے ہوئے مال کو اپنے آزاد کرنے والے سے نہیں لے سکتا۔ (اس میں) امام صاحب اور صاحبین کا اتفاق ہے۔ اس لیے کہ غلام تو اپنی گردن آزاد کرنے کے واسطے کمائی کرتا ہے اور ایسا قرضہ ادا نہیں کرتا جو آزاد کرنے والے پر ہو۔ کیونکہ آزاد کرنے والے پر اس کی تنگدستی کی وجہ سے کچھ لازم نہیں ہے۔ بخلاف اس غلام کے جو رہن ہو۔ جبکہ اس کو تنگدست راہن نے آزاد کر دیا۔ اس لیے کہ غلام اپنی گردن کے لیے کمائی کرتا ہے۔ حالانکہ (اس کی گردن) چھوٹ گئی تھی۔ یا اس نے ایسا قرضہ ادا کیا جو راہن پر تھا۔ لہٰذا راہن سے واپس لے گا اور امام شافعیؒ کا قول مالدار کے بارے میں صاحبین کے قول کے مانند ہے اور تنگدست کی صورت میں امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ساکت کا حصہ اس کی ملک پر باقی رہے گا۔ اس کو بیچا بھی جاسکتا ہے اور ہبہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ آزاد کرنے والے کی تنگدستی کی وجہ سے شریک کو یہ اختیار نہیں کہ اس سے ضمان لے اور نہ غلام سے کمائی کرانے کا اختیار ہے کیونکہ غلام نہ ظلم کرنے والا ہے اور نہ آزادی پر راضی ہے اور پورے غلام کو آزاد کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ (اس میں) ساکت کا ضرر ہے۔ پس جو کچھ ہم نے متعین کیا وہ متعین ہو گیا۔ ہم اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ (شریک کی) مالیت (اس غلام کے پاس) رکی ہوئی ہے۔ پس ایک ہی غلام میں دونوں باتیں یعنی قوت جو مالکیت کا سبب ہے اور ضعف جو اس قوت کو سلب کرنے والا ہے، جمع نہ ہوں گی۔

تشریح......ماقبل کی تمام تفصیل اس وقت تھی جبکہ آزاد کرنے والا خوشحال ہو اور اگر آزاد کرنے والا مفلس ہو تو شریک ساکت کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو اپنا حصہ آزاد کردے۔ کیونکہ اس کی ملکیت باقی ہے اور چاہے غلام سے کمائی کرالے۔ کیونکہ اس کے حصہ کی مالیت غلام کے پاس رکی ہوئی ہے اور جس صورت میں شریک ساکت نے غلام سے کمائی کرائی ہے۔ غلام اس مال کو اپنے آزاد کرنے والے سے نہیں لے سکتا۔ اس حکم میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین دونوں متفق ہیں۔ کیونکہ غلام تو اپنی گردن آزاد کرنے کے لیے کمائی کرتا ہے اور ایسا قرضہ ادا نہیں کرتا جو آزاد کرنے والے پر ہو۔ کیونکہ آزاد کرنے والے کی مفلسی کی وجہ سے اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ برخلاف اس غلام کے جو رہن ہو اور راہن نے اس کو آزاد کر دیا۔ حالانکہ راہن مرتہن کا قرضہ تنگدستی کی وجہ سے ادا نہیں کر سکتا ہے۔ تو غلام اپنی قیمت کما کر مرتہن کو دے گا اور پھر راہن سے واپس لے گا اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام نے اپنی قیمت کے واسطے کمائی کی ہے۔ حالانکہ اس کی گردن چھوٹ گئی تھی۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس نے ایسا قرضہ ادا کیا ہے جو راہن پر تھا۔ اس لیے یہ غلام راہن سے واپس لے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا خوشحال ہے تو اس میں امام شافعیؒ کا قول صاحبین کے قول کے مانند ہے۔ لیکن آزاد کرنے والا مفلس ہو تو امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ شریک ساکت کا حصہ اس کی ملک پر باقی رہے گا۔ خواہ وہ اپنا حصہ فروخت کرے خواہ ہبہ کرے۔ یعنی اس کے حصہ میں اس کی پوری ملکیت باقی رہے گی۔ کیونکہ شریک ساکت نہ تو آزاد کرنے والے کو اپنے حصہ کا ضامن بنا سکتا ہے۔ کیونکہ آزاد کرنے والا تنگدست اور مفلس ہے اور نہ غلام سے کمائی کرانے کا اختیار کیونکہ غلام نے کوئی ظلم نہیں کیا اور نہ وہ آزاد کیے جانے پر راضی ہوا۔ کیونکہ رضامندی بغیر علم کے متحقق نہیں ہوتی اور یہاں مولیٰ نے بغیر غلام کے علم کے اس کو آزاد کیا ہے۔ لہٰذا غلام کی رضامندی بھی نہیں پائی گئی اور اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ پورے غلام کو آزاد قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس میں شریک ساکت کا ضرر ہے۔ لہٰذا جو ہم نے بیان کیا ہے وہی متعین ہے۔ یعنی شریک ساکت اپنے حصہ کا مالک ہے۔ چنانچہ وہ اس کو بیچ بھی سکتا ہے اور ہبہ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہوگا کہ شریک ساکت کو غلام سے کمائی کرانے کی راہ موجود ہے۔ کیونکہ کمائی کرانے کے لیے اس کی ضرورت نہیں کہ غلام نے کوئی ظلم اور جرم کیا ہو۔ بلکہ وہ تو اس بناء پر ہے کہ شریک ساکت کی مالیت اس غلام کے پاس رکی ہوئی ہے تو جب کمائی کرانا ممکن ہے تو ایک ہی غلام میں دونوں باتیں جمع نہ ہوں گی۔ یعنی غلام میں

آزاد ہونے کی وجہ سے مالک ہونے کی قوت ہے اور باقی حصہ آزاد نہ ہونے کی وجہ سے یہ قوت نہیں ہے۔

فائدہ..... ولاء، واو کے فتحہ کے ساتھ، وہ میراث جو آزاد کردہ غلام سے یا عقد موالات کی وجہ سے حاصل ہو۔ (مصباح اللغات)

اگر دو شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی پر غلام آزاد کرنے کی گواہی دی تو غلام ان دونوں میں سے ہر ایک کے حصے میں کمائی کرے گا خواہ دونوں خوشحال ہوں یا مفلس

قَالَ وَلَوْشَهِدَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنَ الشَّرِيْكَيْنِ عَلٰى صَاحِبِهٖ بِالْعِتْقِ سَعَى الْعَبْدُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيْ نَصِيْبِهٖ مُوْسِرَيْنِ كَانَا اَوْمُعْسِرَيْنِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَكَذَا اِذَا كَانَ اَحَدُهُمَا مُوْسِرًا وَالْاٰخَرُ مُعْسِرًا لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَزْعَمُ اَنَّ صَاحِبَهٗ اَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ فَصَارَ مُكَاتَبًا فِيْ زَعْمِهٖ عِنْدَهٗ وَحُرِّمَ عَلَيْهِ الْاِسْتِرْقَاقُ فَيُصَدَّقُ فِيْ حَقِّ نَفْسِهٖ فَيُمْنَعُ مِنْ اِسْتِرْقَاقِهٖ وَيَسْتَسْعِيْهِ لِاَنَّاتَيَقَّنَّا بِحَقِّ الْاِسْتِسْعَاءِ كَاذِبًا كَانَ اَوْصَادِقًا لِاَنَّهٗ مُكَاتَبُهٗ اَوْمَمْلُوْكُهٗ فَلِهٰذَا يَسْتَسْعِيَانِهٖ وَلَا يَخْتَلِفُ ذٰلِكَ بِالْيَسَارِ وَالْاِعْسَارِ لِاَنَّ حَقَّهٗ فِي الْحَالَيْنِ فِيْ اَحَدِشَيْئَيْنِ لِاَنَّ يَسَارَالْمُعْتِقِ لَايَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهٗ وَقَدْ تَعَذَّرَ التَّضْمِيْنُ لِاِنْكَارِالشَّرِيْكِ فَتَعَيَّنَ الْاٰخَرُ وَهُوَالسِّعَايَةُ وَالْوَلَاءُ لَهُمَا لِاَنَّ كُلًّامِنْهُمَا يَقُوْلُ عَتَقَ نَصِيْبُ صَاحِبِيْ عَلَيْهِ بِاِعْتَاقِهٖ وَوَلَاؤُهٗ لَهٗ وَعَتَقَ نَصِيْبِيْ بِالسِّعَايَةِ وَوَلَاءُهٗ لِيْ وَقَالَ اَبُوْيُوْسُفَ وَمُحَمَّدٌ اِنْ كَانَا مُوْسِرَيْنِ فَلَاسِعَايَةَ عَلَيْهِ لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَبْرَأُعَنْ سِعَايَتِهٖ بِدَعْوَى الضَّمَانِ عَلٰى صَاحِبِهٖ لِاَنَّ يَسَارَالْمُعْتِقِ يَمْنَعُ السِّعَايَةَ عِنْدَهُمَا اِلَّااَنَّ الدَّعْوٰى لَمْ تَثْبُتْ لِاِنْكَارِالْاٰخَرِ وَالْبَرَاءَةُ عَنِ السِّعَايَةِ قَدْتَثْبُتُ لِاِقْرَارِهٖ عَلٰى نَفْسِهٖ وَاِنْ كَانَا مُعْسِرَيْنِ سَعٰى لَهُمَا لِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَدَّعِي السِّعَايَةَ عَلَيْهِ صَادِقًاكَانَ اَوْكَاذِبًاعَلٰى مَابَيَّنَّاهُ اِذِ الْمُعْتِقُ مُعْسِرٌ وَاِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا مُوْسِرًا وَالْاٰخَرُ مُعْسِرًاسَعٰى لِلْمُوْسِرِمِنْهُمَا لِاَنَّهٗ لَايَدَّعِي الضَّمَانَ عَلٰى صَاحِبِهٖ لِاِعْسَارِهٖ وَاِنَّمَا يَدَّعِيْ عَلَيْهِ السِّعَايَةَ وَلَايَتَبَرَّأُعَنْهُ وَلَايَسْعٰى لِلْمُعْسِرِمِنْهُمَا لِاَنَّهٗ يَدَّعِي الضَّمَانَ عَلٰى صَاحِبِهٖ لِيَسَارِهٖ فَيَكُوْنُ مُبْرِئًا لِلْعَبْدِعَنِ السِّعَايَةِ وَالْوَلَاءُ مَوْقُوْفٌ فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ عِنْدَهُمَالِاَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يحيله عَلٰى صَاحِبِهٖ وَهُوَ يتبرأ عَنْهُ فَيَبْقٰى مَوْقُوْفًا اِلٰى اَنْ يَّتَّفِقَا عَلٰى اِعْتَاقِ اَحَدِهِمَا

ترجمہ..... قدوری نے فرمایا کہ اگر دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی پر (غلام) آزاد کرنے کی گواہی دی۔ تو غلام ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس کے حصہ میں کمائی کرے گا۔ خواہ دونوں خوشحال ہوں یا مفلس ہوں۔ (یہ) ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور یوں ہی اگر ان دونوں میں سے ایک مالدار ہو اور دوسرا تنگدست ہو۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک گمان کرتا ہے کہ اسکے ساتھی نے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا ہے تو اس کے گمان کے مطابق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک (یہ غلام) مکاتب ہو گیا اور اس پر اس غلام کو رقیق بنانا حرام ہو گیا۔ پس اس کے حق میں تصدیق کی جائیگی۔ لہٰذا غلام کو رقیق بنانے سے اس کو منع کیا جائے گا اور اس غلام سے کمائی کرائے کیونکہ ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کو کمائی کرانے کا حق حاصل ہے۔ خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ کیونکہ یہ غلام اس کا مکاتب ہے۔ یا مملوک ہے۔ لہٰذا دونوں میں سے ہر ایک اس سے کمائی کرا سکتا ہے اور یہ حکم خوشحالی اور تنگدستی کی وجہ سے مختلف نہ ہوگا۔ کیونکہ مولیٰ کا حق دونوں صورتوں میں دو باتوں میں سے ایک ہے۔ کیونکہ آزاد کرنے والے کی خوشحالی امام

صاحب کے نزدیک مانع سعایہ نہیں ہے اور شریک کے انکار کی وجہ سے تاوان لینا متعذر ہے تو دوسری بات متعین ہوگئی۔ یعنی غلام سے کمائی کرانا اور اس غلام کی ولاء دونوں شریکوں کی ہوگی۔ اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک کہتا ہے کہ دوسرے کا حصہ اس کے آزاد کرنے سے آزاد ہوا اور اس کی ولاء میری ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر دونوں شریک خوشحال ہوں تو غلام پر کمائی واجب نہیں ہے۔ کیونکہ شریکین میں سے ہر ایک اس غلام کو کمائی سے بری کرتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اپنے شریک پر ضمان کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک آزاد کرنے والے کا مالدار ہونا غلام کو کمائی کرنے سے منع کرتا ہے۔ مگر یہ کہ دوسرے کے انکار کی وجہ سے دعویٰ ثابت نہیں ہوا اور غلام کا کمائی سے بری ہونا ثابت ہوگیا۔ اس لیے کہ اس کا اقرار اپنی ذات پر لازم ہے اور اگر دونوں شریک تنگدست ہوں تو غلام دونوں کے واسطے کمائی کرے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک شریک اس غلام پر کمائی کا مدعی ہے۔ خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے۔ کیونکہ آزاد کرنے والا مفلس ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک مالدار اور دوسرا تنگدست ہو تو مالدار کے واسطے کمائی کرے۔ کیونکہ وہ اپنے شریک پر اس کی مفلسی کی وجہ سے تاوان کا دعویٰ نہیں کرتا ہے۔ بلکہ غلام پر کمائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ پس غلام اس سے بری نہ ہوگا اور مفلس شریک کے واسطے غلام بھی کمائی نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے شریک پر اس کی مالداری کی وجہ سے ضمان کا دعویٰ کرتا ہے۔ پس مفلس شریک غلام کو کمائی سے بری کر دینے والا ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ان سب صورتوں میں اس غلام کی ولاء موقوف رہے گی۔ اس لیے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اس کی ولاء کو دوسرے پر ڈالتا ہے اور دوسرا اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ پس اس کی ولاء موقوف رہے گی۔ یہاں تک کہ دونوں شریک کسی ایک کے آزاد کرنے پر اتفاق کریں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دونوں شریکوں میں سے ہر ایک نے دوسرے پر یہ اقرار کیا کہ اس نے غلام کو آزاد کیا ہے۔ تو اس صورت میں غلام پر واجب ہے کہ ہر ایک کے حصہ کی قیمت کما کر ادا کرے۔ خواہ وہ دونوں خوشحال ہوں یا تنگ دست ہوں۔ یہ حضرت امام صاحبؒ کا مذہب ہے اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ دونوں میں سے ایک مالدار اور دوسرا مفلس ہو۔ دلیل یہ ہے کہ دونوں شریکوں میں سے ہر ایک کا خیال یہ ہے کہ اس کے دوسرے شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا ہے۔ لہٰذا اسکے خیال کے مطابق یہ غلام مکاتب ہوگیا۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اب اس پر اس غلام کو رقیق بنانا حرام ہوگیا۔ پس شریک کا گمان اگر چہ دوسرے شریک کے حق میں صحیح نہ ہو لیکن خود اسکے حق میں تصدیق کی جائیگی۔ اس وجہ سے اس کو منع کیا جائے گا کہ وہ اس غلام کو رقیق نہ بنائے بلکہ اس سے کمائی کرالے۔ کیونکہ ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کو کمائی کرانے کا حق ہے۔ خواہ وہ اپنے قول میں سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ کیونکہ اگر یہ شخص اپنے قول میں سچا ہے تو غلام مکاتب ہوگیا۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اب اس پر اس غلام کو رقیق بنانا حرام ہوگیا۔ پس شریک کا گمان اگر چہ دوسرے شریک کے حق میں صحیح نہ ہو لیکن خود اس کے حق میں تصدیق کی جائے گی۔ اس وجہ سے اس کو منع کیا جائے گا کہ وہ اس غلام کو رقیق نہ بنائے بلکہ اس سے کمائی کرالے کیونکہ ہم کو یہ یقین ہے کہ اس کا کمائی کرانے کا حق ہے۔ خواہ وہ اپنے قول میں سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ کیونکہ اگر یہ شخص اپنے قول میں سچا ہے تو غلام مکاتب ہوگا اور گر جھوٹا ہے تو غلام مملوک ہوگا اور مملوک کی کمائی اسکے مولیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ پس اس وجہ سے غلام مکاتب ہے یا مملوک بہر حال دونوں شریکوں میں سے ہر ایک اس سے کمائی کرا سکتا ہے اور یہ حکم خوشحالی یا تنگدستی کی وجہ سے مختلف نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا حق جس نے دوسرے شریک پر اپنے حصہ کو آزاد کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ دونوں صورتوں میں دو باتوں میں سے ایک ہے۔ یعنی خوشحالی کی صورت میں تاوان لینا یا کمائی کرانا۔ کیونکہ آزاد کرنے والے کی خوشحالی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس بات سے نہیں روکتی کہ غلام سے کمائی کرائے اور یہاں تاوان لینا ناممکن ہے۔ کیونکہ یہ شریک آزاد کرنے سے منکر ہے بلکہ الٹا مدعی ہے کہ اس کے شریک نے غلام آزاد کیا ہے۔ پس جب تاوان لینا ناممکن ہوگیا تو دوسری بات رہ گئی یعنی یہی اختیار رہا کہ غلام سے کمائی کرائے اور اس غلام کی ولاء دونوں شریکوں کی ہوگی کیونکہ دونوں میں سے ہر شریک کہتا ہے کہ دوسرے کا حصہ اس کے آزاد کرنے سے آزاد ہوا۔ جس کی ولاء اسی کی ہے اور میرا حصہ کمائی کر دینے سے آزاد ہوا اور اس مسئلہ میں صاحبین نے فرمایا کہ اگر دونوں شریک خوشحال ہوں تو غلام پر کمائی واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ہر شریک اس غلام کو کمائی سے بری کرتا ہے اس لیے کہ اپنے شریک پر تاوان کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک جب آزاد کرنے والا خوشحال ہو تو غلام پر سعایت لازم نہیں ہوتی۔ مگر اس کا

دعویٰ اپنے شریک پر اس وجہ سے ثابت نہ ہوا کہ وہ انکار کرتا ہے اور غلام کا کمائی سے بری ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ اس کا اقرار اپنی ذات پر لازم ہے۔

اور اگر دونوں شریک مفلس ہوں تو غلام دونوں کے واسطے کمائی کرے کیونکہ ہر ایک شریک اس غلام پر کمائی کا مدعی ہے۔ خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ کیونکہ غلام پر کمائی واجب ہونا یقینی ہے اس لیے کہ آزاد کرنے والا مفلس ہے اور اگر دونوں میں سے ایک خوشحال ہو اور دوسرا مفلس ہو تو غلام خوشحال کے واسطے کمائی کرے کیونکہ وہ اپنے شریک پر اس کی تنگدستی کی وجہ سے ضمان کا دعویٰ نہیں کرتا ہے۔ بلکہ غلام پر کمائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ لہٰذا غلام کمائی کرنے سے بری نہ ہوگا اور مفلس شریک کے لیے غلام بھی کمائی نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے شریک پر تاوان کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس کا شریک خوشحال ہے۔ پس مفلس نے غلام کو کمائی کرنے سے بری کر دیا اور صاحبین کے نزدیک اس غلام کی ولاء تمام صورتوں میں موقوف رہے گی۔ کیونکہ ہر ایک اس کے آزاد کرنے کو دوسرے پر ڈالتا ہے اور دوسرا اس سے انکار کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس کی ولاء موقوف رہے گی۔ یہاں تک کہ دونوں شریک کسی ایک کے آزاد کرنے پر اتفاق کریں۔ پس جس پر اتفاق ہو جائے گا غلام کی ولاء اسی کی ہوگی۔

اگر دو شریکوں میں سے ایک نے کہا ان لم یدخل فلان هذا الدار غدا فهو حر اور دوسرے نے کہا ان دخل فهو حر کل گذر گیا اور یہ معلوم نہیں داخل ہوا یا نہیں نصف آزاد ہو جائے گا اور نصف میں دونوں کے لیے سعی کرے گا، اقوال فقہاء

وَ لَوْ قَالَ اَحَدُ الشَّرِيْكَيْنِ اِنْ لَّمْ يَدْخُلْ فُلَانٌ هٰذِهِ الدَّارَ غَدًا فَهُوَ حُرٌّ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنْ دَخَلَ فَهُوَ حُرٌّ فَمَضَى الْغَدُ وَلَا يَدْرِىْ دَخَلَ اَمْ لَا عَتَقَ النِّصْفُ وَسَعٰى لَهُمَا فِى النِّصْفِ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَاَبِىْ يُوْسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَسْعٰى فِىْ جَمِيْعِ قِيْمَتِهٖ لِاَنَّ الْمَقْضِىَّ عَلَيْهِ بِسُقُوْطِ السِّعَايَةِ مَجْهُوْلٌ وَلَا يُمْكِنُ الْقَضَاءُ عَلَى الْمَجْهُوْلِ فَصَارَ كَمَا اِذَا قَالَ لِغَيْرِهٖ لَكَ عَلٰى اَحَدِنَا اَلْفُ دِرْهَمٍ فَاِنَّهٗ لَا يَقْضِىْ بِشَىْءٍ لِلْجَهَالَةِ كَذَا هٰذَا وَلَهُمَا اَنَّا تَيَقَّنَّا بِسُقُوْطِ نِصْفِ السِّعَايَةِ لِاَنَّ اَحَدَهُمَا حَانِثٌ بِيَقِيْنٍ وَمَعَ التَّيَقُّنِ بِسُقُوْطِ النِّصْفِ كَيْفَ يَقْضِىْ بِوُجُوْبِ الْكُلِّ وَالْجَهَالَةُ تَرْتَفِعُ بِالشُّيُوْعِ وَالتوزيع كَمَا اِذَا اَعْتَقَ اَحَدَ عَبْدَيْهِ لَا بِعَيْنِهٖ اَوْ بِعَيْنِهٖ وَنَسِيَهٗ وَمَاتَ قَبْلَ التَّذَكُّرِ اَوِ الْبَيَانِ ويتاتى التفريع فِيْهِ عَلٰى اَنَّ الْيَسَارَ هَلْ يَمْنَعُ السِّعَايَةَ اَوْ لَا يَمْنَعُهَا عَلَى الْاِخْتِلَافِ الَّذِىْ سَبَقَ

ترجمہ...... اور اگر دونوں شریکوں میں سے ایک نے کہا کہ اگر کل آئندہ فلاں شخص اس گھر میں نہ ہوا تو یہ غلام آزاد ہے اور دوسرے نے کہا کہ اگر (اس گھر میں) داخل ہوا تو یہ غلام آزاد ہے۔ پس کل آئندہ گذر گیا اور یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ وہ فلاں اس گھر میں داخل ہوا ہے یا نہیں تو آدھا غلام آزاد ہو جائیگا اور آدھے غلام کی (قیمت) کیواسطے دونوں کے لیے کمائی کرے گا اور یہ ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

اور امام محمدؒ نے کہا کہ پوری قیمت کے واسطے کمائی کرے گا۔ اس لیے کہ جس پر کمائی کے ساقط ہونے کا حکم دیا جائے گا وہ مجہول (غیر معلوم) ہے اور قضاء علی المجہول ممکن ہی نہیں ہے۔ پس ایسا ہو گیا جیسے کسی نے دوسرے سے کہا تیرے ہزار درہم ہم میں سے کسی ایک شخص پر ہیں۔ تو مجہول ہونے کی وجہ سے کوئی حکم نہیں دیا جائے گا۔ ایسا ہی یہاں ہے اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ہم کو آدھی سعایت ساقط ہونے کا یقین ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ایک یقیناً حانث ہے اور آدھی سعایہ ساقط ہونے کے یقین کے باوجود کل کے واجب ہونے کا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے اور جہالت (دونوں پر) پھیلانے اور منقسم کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔ جیسے کسی نے اپنے دونوں غلاموں میں سے ایک غیر معین کو آزاد کیا یا معین کر کے آزاد کیا اور جس کو معین کیا تھا اس کو بھول گیا۔ پھر یاد کرنے سے پہلے یا بیان کرنے سے پہلے مر گیا اور مسئلہ میں تفریع اس بنیاد پر ہے کہ خوشحالی سعایہ کو منع کرتی ہے یا

منع نہیں کرتی۔اسی اختلاف پر جو سابق میں بیان ہوا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک غلام دو آقاؤں کے درمیان مشترک ہو۔ پھر ان دونوں شریکوں میں سے ایک نے کہا ان لم یدخل فلان هذه الدار غداً فهو حر اور دوسرے شریک نے کہا ان دخل فلان هذه الدار فهو حر پھر کل کا روز گذر گیا اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ فلاں اس گھر میں داخل ہوا یا داخل نہیں ہوا۔ تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ نصف غلام آزاد ہو گیا اور نصف کی قیمت ادا کرنے کے لیے غلام دونوں شریکوں کے واسطے کمائی کرے گا یہ شیخین کا مذہب ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ غلام پوری قیمت کے واسطے کمائی کرے گا بشرطیکہ وہ دونوں شریک مفلس ہوں اور اگر دونوں خوشحال ہیں تو کسی کے واسطے کمائی نہیں کرے گا اور اگر ایک خوشحال اور دوسرا مفلس ہو تو خوشحال کے لیے نصف قیمت میں کمائی کرے گا اور مفلس کے واسطے کمائی نہ کرے۔

امام محمدؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ جس شخص پر یہ حکم دیا گیا کہ اس کی سعایت ساقط ہے۔ اسکے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ وہ کون شخص ہے اور جو شخص معلوم نہ ہو اس پر حکم لگانا ممکن ہی نہیں ہے۔ پس یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی نے دوسرے سے کہا "ہم میں سے کسی ایک پر تیرے ایک ہزار درہم ہیں"۔ پس جس شخص پر ہزار درہم ہیں۔ اس کے مجہول ہونے کی وجہ سے کچھ حکم نہ دیا جائے گا۔ ایسا ہی یہاں ہے۔

اور شیخین کی دلیل..... یہ ہے کہ ہم کو نصف سعایہ ساقط ہونے کا یقین ہے۔ کیونکہ دونوں شریکوں میں سے ایک بالیقین حانث ہے۔ یعنی دخول دار یا عدم دخول دار۔ ان دونوں میں سے ایک شرط یقیناً پائی گئی اور جب ایک شرط پائی گئی تو نصف غلام یقینی طور پر آزاد ہو گا اور جو نصف آزاد ہو گیا اس کی قیمت کا سعایہ بھی ساقط ہو گیا۔ پس جب یقین کے ساتھ نصف قیمت کے بارے میں کمائی کرنا ساقط ہو گیا تو پوری قیمت کے سعایہ کے وجوب کا فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ غلام اپنی نصف قیمت کما کر دونوں شریکوں کو ادا کرے گا۔

والجهالة ترتفع سے امام محمدؒ کی دلیل..... کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ مقضی علیہ (جس پر سعایہ کے ساقط ہونے کا حکم کیا جائے) بلاشبہ مجہول ہے۔ لیکن جب اس نصف کو جو آزاد ہو گیا دونوں پر پھیلا دیا اور اس کو دونوں حصوں پر تقسیم کر دیا تو دونوں مولیٰ مقضی علیہ ہو گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ دونوں کو مقضی علیہ بنانے میں کوئی حاجت نہیں ہے۔ پس جب جہالت دور ہو گئی تو غلام نصف قیمت کے واسطے کمائی کرے گا اور وہ نصف قیمت دونوں شریکوں کے واسطے ہو گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے اپنے دو غلاموں میں سے ایک غیر معین کو آزاد کیا یا ایک معین کو آزاد کیا۔ مگر وہ اس متعین کردہ غلام کو بھول گیا اور یاد کرنے سے پہلے یا بیان کرنے سے پہلے مر گیا۔ تو ان دونوں غلاموں میں سے ہر ایک کا آدھا آزاد ہو جائے گا اور دونوں غلاموں میں سے ہر ایک اپنے آدھے حصہ کے واسطے کمائی کرے گا اور اس صورت میں تفریع اس بات پر کہ مالدار ہونا سعایہ کے لیے مانع ہے یا نہیں۔ اس میں وہی اختلاف ہے جو سابق میں گذر چکا۔ یعنی امام صاحب کے نزدیک ممنوع نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک ممنوع ہے۔

دو شخصوں نے دو غلاموں پر قسم اٹھائی ان دونوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کے واسطے، ان دونوں غلاموں میں سے کوئی بھی آزاد نہیں ہو گا

وَ لَوْ حَلَفَا عَلٰی عَبْدَیْنِ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِاَ حَدِ هِمَا لَمْ یَعْتِقْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا لِاَنَّ الْمُقْضِیَّ عَلَیْهِ بِالْعِتْقِ مَجْهُوْلٌ وَ کَذٰلِكَ الْمُقْضِیُّ لَهٗ فَتَفَاحَشَتِ الْجَهَالَةُ فَامْتَنَعَ الْقَضَاءُ وَفِی الْعَبْدِالْوَاحِدِالْمُقْضِیِّ بِهٖ مَعْلُوْمٌ فَغَلَبَ الْمَعْلُوْمُ الْمَجْهُوْلَ

ترجمہ..... اگر دو شخصوں نے دو غلاموں پر قسم کھائی ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک کے واسطے تو ان دونوں میں سے کوئی آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ جس پر آزاد ہونے کا حکم لگایا گیا وہ مجہول ہے اور ایسے ہی مقضی لہٗ (غلام بھی مجہول ہے) تو جہالت بہت بڑھ گئی۔ پس قضاء ممتنع ہوگئی اور ایک غلام میں مقضی بہ معلوم ہے۔ پس معلوم مجہول پر غالب آیا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں میں سے ہر ایک کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ غلام ہے۔ پس ان میں سے ایک نے کہا ان دخل زید ھذہ الدار غداً فعبدی حر اور دوسرے نے کہا ان لم یدخل زید ھذہ الدار غداً فعبدی حر پھر کل کا دن گذر گیا اور یہ دریافت نہ ہوسکا کہ زید گھر میں داخل ہوا یا داخل نہیں ہوا تو اس صورت میں کوئی غلام آزاد نہ ہوگا اور یہ حکم متفق علیہ ہے۔ دلیل یہ ہے کہ جس مولیٰ پر یہ حکم دیا جائے کہ اس کا غلام آزاد ہوا ہے۔ وہ مجہول ہے اور اسی طرح جو غلام آزاد ہوا ہے وہ بھی مجہول ہے۔ تو یہاں جہالت فاحشہ پائی گئی۔ پس اس جہالت فاحشہ کی وجہ سے قاضی کچھ حکم نہیں دے سکتا اور اگر ایک غلام میں یہ کلام ہوتا تو وہ غلام معلوم تھا۔ صرف یہ مجہول تھا کہ کس شریک پر یہ حکم ہو۔ لہٰذا اس صورت میں معلوم کو مجہول پر غالب کر کے قاضی حکم دے دیتا ہے۔

جب دو آدمیوں نے انہی میں سے ایک کے بیٹے کو خریدا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا

وَ اِذَا اشْتَرَى الرَّجُلَانِ اِبْنَ اَحَدِهِمَا عَتَقَ نَصِيْبُ الْاَبِ لِاَنَّهُ مَلَكَ شِقْصَ قَرِيْبِهٖ وَشِرَاءُهٗ اِعْتَاقٌ عَلٰى مَامَرَّ وَلَاضِمَانَ عَلَيْهِ عَلِمَ الْاٰخَرُ اَنَّهُ اِبْنُ شَرِيْكِهٖ اَوْلَمْ يَعْلَمْ وَكَذٰلِكَ اِذَا وَرِثَاهُ وَالشَّرِيْكُ بِالْخِيَارِ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَ نَصِيْبَهٗ وَاِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَى الْعَبْدَ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا فِي الشِّرَاءِ يَضْمَنُ الْاَبُ نِصْفَ قِيْمَتِهٖ اِنْ كَانَ مُوْسِرًا وَاِنْ كَانَ مُعْسِرًا سَعَى الْاِبْنُ فِيْ نِصْفِ قِيْمَتِهٖ لِشَرِيْكِ اَبِيْهِ وَعَلٰى هٰذَا الْخِلَافِ اِذَامَلَكَاهُ بِهِبَةٍ اَوْصَدَقَةٍ اَوْوَصِيَّةٍ وَعَلٰى هٰذَا اِذَااشْتَرَاهُ رَجُلَانِ وَاَحَدُهُمَا قَدْحَلَفَ بِعِتْقِهٖ اِنِ اشْتَرٰى نِصْفَهٗ لَهُمَا اَنَّهٗ اَبْطَلَ نَصِيْبَ صَاحِبِهٖ بِالْاِعْتَاقِ لِاَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيْبِ اِعْتَاقٌ وَصَارَ كَمَا اِذَاكَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ اَجْنَبِيَّيْنِ فَاَعْتَقَ اَحَدُهُمَا نَصِيْبَهٗ وَلَهٗ اَنَّهٗ رَضِيَ بِاِفْسَادِ نَصِيْبِهٖ فَلَايَضْمَنُهٗ كَمَا اِذَا اَذِنَ لَهٗ بِاِعْتَاقِ نَصِيْبِهٖ صَرِيْحًا وَدَلَالَةُ ذٰلِكَ اَنَّهٗ شَارَكَهٗ فِيْمَا هُوَعِلَّةُ الْعِتْقِ وَهُوَالشِّرَاءُ لِاَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيْبِ اِعْتَاقٌ حَتّٰى يَخْرُجَ بِهٖ عَنْ عهدة الْكَفَّارَةِ عِنْدَنَاوَهٰذَاضَمَانُ اِفْسَادٍفِيْ ظَاهِرِ قَوْلِهِمَا حَتّٰى يَخْتَلِفَ بِالْيَسَارِ وَالْاِعْسَارِفَيَسْقُطُ بِالرِّضَاءِ وَلَايَخْتَلِفُ الْجَوَابُ بَيْنَ الْعِلْمِ وَعَدَمِهٖ وَهُوَظَاهِرُالرِّوَايَةِ عَنْهُ لِاَنَّ الْحُكْمَ يُدَارُعَلَى السَّبَبِ كَمَا اِذَاقَالَ لِغَيْرِهٖ كُلْ هٰذَا الطَّعَامَ وَهُوَمَمْلُوْكٌ لِلْاٰمِرِوَلَا يَعْلَمُ الْاٰمِرُبِمِلْكِهٖ

ترجمہ..... اور اگر دونوں آدمیوں نے خریدا (ایسا غلام کہ) وہ ان دونوں میں سے ایک کا بیٹا ہے تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے قریب کے حصہ کا مالک ہوگیا اور اس کا خریدنا اعتاق ہے۔ جیسا کہ گذر چکا اور باپ پر تاوان واجب نہ ہوگا۔ (خواہ) دوسرا جانتا ہو کہ وہ اس کے شریک کا بیٹا ہے۔ یا نہ جانتا ہو اور اسی طرح اگر دونوں نے یہ غلام میراث میں پایا ہو اور شریک کو یہ اختیار ہے کہ چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے غلام سے کمائی کرائے اور یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ خریدنے کی صورت میں باپ اگر مالدار ہو تو باپ اس کی نصف قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر مفلس ہے تو بیٹا اپنی نصف قیمت میں اپنے باپ کے شریک کے لیے کمائی کرے گا اور یہی اختلاف اس وقت ہے جبکہ دونوں اس غلام کے مالک ہوئے بطور ہبہ کے یا بطور صدقہ کے یا بطور وصیت کے اور یہی اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس کو دو مردوں نے خریدا۔ حالانکہ ایک

نے یہ قسم کھائی تھی کہ اگر میں اس غلام کا آدھا خریدوں تو وہ آزاد ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ باپ نے آزاد کر کے اپنے ساتھی کا حصہ باطل کر دیا۔ کیونکہ قریب کا خریدنا آزاد کرنا ہوتا ہے اور ایسا ہو گیا جیسے غلام دو اجنبیوں کے درمیان مشترک ہو۔ پس ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریک اپنا حصہ خراب ہونے پر راضی ہو گیا تھا۔ اس لیے باپ سے تاوان نہیں لے سکتا ہے۔ جیسا کہ جب اس کو اپنا حصہ آزاد کرنے کی صراحۃً اجازت دے دی اور اس رضامندی کی دلیل یہ ہے کہ شریک نے باپ کے ساتھ ایسی چیز میں شرکت کی، جو آزاد ہو جانے کی علت ہے۔ یعنی خریداری۔ کیونکہ قریب کو خریدنا آزاد کرنا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے نزدیک شراءِ قریب کی وجہ سے کفارہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے گا اور صاحبین کے ظاہری قول میں یہ خراب دینے کا تاوان ہے۔ حتیٰ کہ خوشحالی اور تنگدستی کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے۔ پس رضامندی کی وجہ سے (تاوان) ساقط ہو جائے گا اور حکم علم اور عدم علم کی صورت میں مختلف نہیں ہوگا اور یہی امام صاحب سے ظاہر الروایۃ ہے۔ کیونکہ حکم کا مدار تو علت پر ہے۔ جیسے کسی نے دوسرے سے کہا کہ یہ طعام کھالے۔ حالانکہ یہ آمر کا مملوک ہے اور آمر کو اپنی ملک کا علم نہیں ہے۔

تشریح ..... صورت مسئلہ، اگر باپ اور ایک دوسرے شخص نے مل کر اپنا بیٹا خریدا تو باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے قرابتدار کے جز کا مالک ہوا اور قرابتی کو خریدنا آزاد کرنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ **فصل من ملك ذا رحم محرم** میں گذر چکا ہے اور باپ پر ضمان واجب نہ ہوگا۔ خواہ شریک جانتا ہو کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا نہ جانتا ہو اور یہی حکم اس وقت ہے جبکہ ان دونوں غلاموں نے یہ غلام میراث میں پایا ہو۔ یعنی باپ کا حصہ آزاد ہو جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کے بیٹے کو خریدا۔ پھر یہ عورت مر گئی اور اس نے اپنا شوہر اور بھائی چھوڑا۔ تو اس غلام کا نصف شوہر کے لیے ہوگا اور وہ اس پر آزاد ہو جائے گا۔ پھر باپ کے علاوہ دوسرے شریک کو یہ اختیار ہے کہ چاہے اپنا حصہ آزاد کر دے اور چاہے غلام سے کمائی کرا کے اپنی قیمت لے لے۔ یہ حضرت امام اعظمؒ کا قول ہے۔

اور صاحبین نے کہا میراث کی صورت میں تو وہی حکم ہے۔ لیکن خریدنے کی صورت میں اگر باپ خوشحال ہو تو بیٹے کی آدھی قیمت کا شریک کے لیے ضامن ہوگا اور اگر باپ مفلس ہو تو بیٹا آدھی قیمت اس کو کمائی کر کے ادا کرے اور یہی اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ باپ اور دوسرا شخص اس غلام کا مالک بطور ہبہ ہوا ہے۔ بایں طور کہ کسی شخص نے ان دونوں کے واسطے اس غلام کی وصیت کی ہو اور یہی اختلاف اس صورت میں ہے کہ دو مردوں نے اس کو خریدا۔ حالانکہ ایک نے یہ قسم کھائی تھی۔ کہ اگر میں اس غلام کا آدھا خریدوں تو وہ آزاد ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل ..... یہ ہے کہ باپ نے اپنا حصہ آزاد کر کے اپنے ساتھی کا حصہ باطل کر دیا۔ کیونکہ قریبی عزیز کا خریدنا آزاد کرنا ہوتا ہے اور یہ ایسی صورت ہو گئی جیسے ایک غلام دو اجنبی آدمیوں کے درمیان مشترک ہو۔ پھر ان میں سے ایک اپنا حصہ آزاد کر دے۔ پس چونکہ صاحبین کے نزدیک اعتاق متجزی نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر آزاد کرنے والا خوشحال ہے تو اپنے ساتھی کے حصہ کا ضامن ہوگا اور اگر مفلس ہے تو غلام کمائی کر کے نصف قیمت ادا کرے گا۔

اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ..... یہ ہے کہ شریکِ آخر اپنا حصہ خراب ہونے پر راضی ہو گیا تھا اور رضامندی کے ساتھ ظلم جمع نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ باپ سے تاوان نہیں لے سکتا ہے۔ جیسے ایک شریک دوسرے شریک کو اس کا حصہ آزاد کرنے کی اجازت صریح دیدے اور شریکِ آخر کی اپنے حصہ کے خراب ہونے پر رضامندی کی دلیل یہ ہے کہ شریک نے غلام کے باپ کے ساتھ ایسی چیز میں شرکت کی ہے جو آزاد ہو جانے کی علت ہے۔ یعنی خریداری میں کیونکہ قریبی عزیز کو خریدنا، آزاد کرنا ہوتا ہے۔

اس عبارت میں تسامح ہے۔ وہ یہ کہ مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ شراءِ قریب علت عتق ہے۔ حالانکہ شراءِ قریب ملک کی علت ہے اور ملک علت عتق ہے۔ پس شراءِ قریب عتق کی علت نہیں بلکہ علت العلت ہے۔ مگر اس تسامح کا جواب یہ ہوگا کہ حکم جس طرح علت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح علت العلت کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قریبی عزیز کو خریدنے سے وہ آزاد ہو جائے گا۔ چنانچہ اگر اس پر

کفارہ کا غلام ہوتو قریبی عزیز کو خریدنے سے ہمارے نزدیک کفارہ ادا ہو جائے گا اور صاحبین کا ظاہری قول یہ ہے کہ یہ ضمان افساد ہے نہ کہ ضمان تملک حتیٰ کہ یسار اور اعسار کی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔ پس جب شریک اس خراب ہونے پر راضی ہو تو ضمان ساقط ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ شریک کو معلوم ہو کہ یہ اس کا بیٹا ہے یا معلوم نہ ہو دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے اور یہ حکم امام ابوحنیفہؒ سے ظاہر الروایۃ ہے۔ کیونکہ حکم کا مدار علت پر ہے۔ جیسے کسی نے دوسرے سے کہا کہ یہ کھانا کھالے۔ حالانکہ یہ کھانا آمر کی ملک ہے اور آمر کو اس کا علم بھی نہیں تھا کہ یہ کھانا میرا مملوک ہے۔ پس مامور نے وہ کھانا کھالیا تو مامور آمر کے لیے کسی چیز کا ضامن نہیں ہوگا۔ اگرچہ آمر اس پر راضی نہیں ہے اور راضی نہ ہونے کی دلیل یہ ہے اس کو علم نہیں ہے۔

اجنبی نے نصف خریدا پھر باپ نے دوسرے نصف کو خریدا حالانکہ باپ خوشحال ہے اجنبی کو خیار ہے اگر چاہے باپ کو ضامن ٹھہرائے

وَ اِنْ بَدَأَ الْاَجْنَبِیُّ فَاشْتَرٰی نِصْفَهٗ ثُمَّ اشْتَرَی الْاَبُ نِصْفَهُ الْاٰخَرَ وَ هُوَ مُوْسِرٌ فَا لْاَجْنَبِیُّ بِالْخِیَارِ اِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْاَبَ لِاَنَّهٗ مَارَضِیَ بِاِفْسَادِ نَصِیْبِهٖ وَ اِنْ شَاءَ اِسْتَسْعَی الْاِ بْنَ فِیْ نِصْفِ قِیْمَتِهٖ لِاحْتِبَاسِ مَالِیَّتِهٖ عِنْدَهٗ وَ هٰذَا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ لِاَنَّ یَسَارَ الْمُعْتِقِ لَایَمْنَعُ السِّعَایَةَ عِنْدَهٗ وَ قَالَا لَا خِیَارَ لَهٗ وَ یَضْمَنُ الْاَبُ نِصْفَ قِیْمَتِهٖ لِاَنَّ یَسَارَ الْمُعْتِقِ یَمْنَعُ السِّعَایَةَ عِنْدَهُمَا

ترجمہ...... اور اگر پہلے اجنبی نے اس غلام کے نصف کو خریدا۔ پھر باپ نے اس کے نصف آخر کو خریدا۔ حالانکہ اسکا باپ مالدار ہے۔ تو اجنبی کو اختیار ہے چاہے باپ سے تاوان لے۔ کیونکہ وہ اپنا حصہ خراب ہونے پر راضی نہیں ہوا اور چاہے بیٹے سے اس کی نصف قیمت کے واسطے کمائی کرائے۔ کیونکہ بیٹے کے پاس اس کی مالیت رکی ہوئی ہے اور یہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اس لیے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک آزاد کرنے والے کی خوشحالی سے غلام کا سعی کرنا ممتنع نہیں ہوتا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ سعی کرانے کا اختیار نہیں ہے بلکہ باپ اسکی نصف قیمت کا تاوان دے گا۔ اس لیے کہ صاحبین کے نزدیک آزاد کرنے والے کا خوشحال ہونا مانع سعایہ ہے۔

تشریح...... صورت مسئلہ یہ ہے کہ پہلے ایک اجنبی نے غلام کا نصف خریدا۔ پھر اس کے باپ نے اس کے نصف آخر کو خرید لیا۔ درانحالیکہ غلام کا یہ باپ خوشحال ہے۔ تو اس صورت میں اجنبی شخص کو یہ اختیار ہے کہ وہ غلام کے باپ سے اپنے نصف حصہ کا تاوان لے لے۔ کیونکہ یہ اجنبی اپنا حصہ بگاڑنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوا اور چاہے بیٹے (غلام) سے اس کی نصف قیمت کمائی کرا کے وصول کر لے۔ کیونکہ اس غلام کے پاس اس کی مالیت رکی ہوئی ہے یہ مذہب امام اعظمؒ کا ہے۔ اس لیے کہ امام صاحب کے نزدیک آزاد کرنے والے کا مالدار ہونا مانع سعایہ نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اجنبی کو غلام سے کمائی کرانے کا اختیار نہیں ہے بلکہ اس کی نصف قیمت کا باپ کو ضامن بنائے گا۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک یسار معتق مانع سعایہ ہے۔

جس شخص نے اپنے بیٹے کا نصف خریدا اور وہ خوشحال ہے اس پر ضمان ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَمَنِ اشْتَرٰی نِصْفَ اِبْنِهٖ وَهُوَمُوْسِرٌ فَلَا ضَمَانَ عَلَیْهِ عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ وَقَالَا یَضْمَنُ اِذَا کَانَ مُوْسِرًا وَمَعْنَاهُ اِذَا اشْتَرٰی نِصْفَهٗ مِمَّنْ یَمْلِکُ کُلَّهٗ فَلَایَضْمَنُ لِبَائِعِهٖ شَیْئًا عِنْدَهٗ وَالْوَجْهُ قَدْذَکَرْنَاهُ

ترجمہ......اور جس نے اپنا بیٹا خریدا، حالانکہ وہ مالدار ہے، تو ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر ضمان نہیں ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ ضامن ہوگا۔ بشرطیکہ وہ خوشحال ہو۔ اس مسئلہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جو شخص اس کے پورے بیٹے کا مالک تھا اس سے باپ نے آدھا خریدا تو امام صاحب کے نزدیک بائع کے واسطے کچھ ضامن نہ ہوگا اور اس کی وجہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح......امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ ایک شخص پورے غلام کا مالک ہے۔ اس سے اس غلام کے باپ نے نصف خرید لیا۔ درانحالیکہ وہ مالدار ہے۔ تو امام صاحبؒ کے نزدیک بائع کے واسطے باپ پر تاوان واجب نہیں ہوگا اور صاحبین نے فرمایا کہ باپ بائع کے واسطے نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔ بشرطیکہ باپ مالدار ہو۔ دلیلیں سابق میں گذر چکی ہیں۔

ایک غلام تین آدمیوں میں مشترک تھا ایک نے مدبر بنایا اور وہ خوشحال تھا پھر دوسرے نے آزاد کیا وہ بھی خوشحال ہے پھر تاوان چاہا ساکت کے لیے اختیار ہے کہ مدبر کرنے والے کو رقیق کی تہائی قیمت کا ضامن ٹھہرائے اور آزاد کرنے والے کو ضامن نہ بنائے

وَ اِذَا كَانَ الْعَبْدُ بَيْنَ ثَلٰثَةِ نَفَرٍ فَدَبَّرَ اَحَدُهُمْ وَهُوَ مُوْسِرٌ ثُمَّ اَعْتَقَهُ الْاٰخَرُ وَ هُوَ مُوْسِرٌ فَاَرَادُوا الضَّمَانَ فَلِلسَّاكِتِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ ثُلُثَ قِيْمَتِهٖ قِنًّا وَلَا يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ وَلِلْمُدَبِّرِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ ثُلُثَ قِيْمَتِهٖ مُدَبَّرًا وَلَا يُضَمِّنُهُ الثُّلُثَ الَّذِىْ ضَمِنَ وَهٰذَا عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا الْعَبْدُ كُلُّهٗ لِلَّذِىْ دَبَّرَهٗ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَيَضْمَنُ ثُلُثَىْ قِيْمَتِهٖ لِشَرِيْكَيْهِ مُوْسِرًا كَانَ اَوْ مُعْسِرًا

ترجمہ......اور اگر ایک غلام تین آدمیوں کے درمیان (مشترک) ہو۔ پس ان میں سے ایک نے اسکو مدبر کر دیا۔ حالانکہ یہ شخص خوشحال ہے۔ پھر دوسرے نے اس کو آزاد کر دیا اور یہ بھی خوشحال ہے۔ پھر انہوں نے تاوان چاہا۔ تو خاموش رہنے والے کو اختیار ہے کہ وہ مدبر کرنے والے کو خالص رقیق کی تہائی قیمت کا ضامن بنائے اور آزاد کرنے والے کو ضامن نہ بنائے اور مدبر کرنے والے کو یہ اختیار ہے کہ آزاد کرنے والے سے اس غلام کی تہائی قیمت بحساب مدبر ہونے کے تاوان لے اور نہ ضامن بنائے اس کو اس تہائی کا جس کا وہ خود ضامن ہوا اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ پورا غلام اسی شخص کا ہے جس نے اس کو سب سے پہلے مدبر کر دیا تھا اور مدبر کرنے والا اس کی دو تہائی قیمت اپنے دونوں شریکوں کو تاوان دے گا خواہ وہ خوشحال ہوں یا تنگدست ہو۔

تشریح......صورتِ مسئلہ سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ مدبر کی قیمت شریعت کی نظر میں رقیق (غلام محض) کی قیمت کا دو تہائی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر غلام کی قیمت ۲۷ دینار ہوں تو مدبر کی قیمت ۱۸ دینار ہوں گے۔

اب صورتِ مسئلہ پر نظر ڈالئے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک غلام تین شخصوں کے درمیان مشترک ہو۔ پھر ان میں سے ایک نے اس کو مدبر کر دیا۔ حالانکہ یہ مدبر کرنے والا شریک خوشحال ہے۔ پھر دوسرے شریک نے اس کو آزاد کر دیا اور یہ بھی خوشحال ہے۔ پھر خاموش رہنے والے اور مدبر کرنے والے شریک نے تاوان چاہا تو ساکت کو اختیار ہے کہ وہ مدبر کرنے والے شریک کو رقیق محض کی تہائی قیمت کا ضامن بنا دے اور آزاد کرنے والے کو ضامن نہیں بنائے گا اور مدبر کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ آزاد کرنے والے سے مدبر کی تہائی قیمت تاوان لے لے اور جس تہائی قیمت کا وہ ساکت کے لیے ضامن ہوا تھا وہ آزاد کرنے والے سے نہیں لے سکتا ہے۔ مثلاً غلام خالص کی قیمت ۲۷ دینار ہیں تو مدبر کی قیمت اس کی دو تہائی یعنی ۱۸ دینار ہوں گے۔ پس مدبر کی قیمت کا ایک تہائی ۶ دینار ہوئے اور غلام خالص کی قیمت کا ایک تہائی ۹ دینار ہیں۔ پس حاصل یہ ہوا کہ

مدبر کرنے والا شریک آزاد کرنے والے سے ۶ دینار تاوان لے سکتا ہے اور ۹ ر دینار بطور تاوان نہیں لے سکتا اور یہ قول حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور صاحبین نے کہا کہ پورا غلام اسی شخص کا ہے۔ جس نے اس کو سب سے پہلے مدبر کر دیا تھا اور بعد میں آزاد کرنا باطل ہے اور مدبر کرنے والا اس کی دو تہائی قیمت اپنے دو شریکوں کو تاوان دے گا۔ خواہ یہ مدبر کرنے والا خوشحال ہو یا مفلس۔

تدبیر تجزی کو قبول کرتی ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَ اَصْلُ هٰذَا اَنَّ التَّدْبِيْرَ يَتَجَزّٰى عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ خِلَا فًالَهُمَا كَا لْاِ عْتَاقِ لِاَنَّهُ شُعْبَةٌ مِنْ شُعَبِهٖ فَيَكُوْنُ مُعْتَبَرًا بِهٖ وَلَمَّا كَانَ مُتَجَزِّيًا عِنْدَهٗ اِقْتَصَرَ عَلٰى نَصِيْبِهٖ وَقَدْ اَفْسَدَ بِالتَّدْبِيْرِ نَصِيْبَ الْاٰخَرِيْنَ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَنْ يُدَبِّرَ نَصِيْبَهٗ اَوْيُعْتِقَ اَوْيُكَاتِبَ اَوْيُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ اَوْيَسْتَسْعِىَ الْعَبْدَ اَوْيَتْرُكَهٗ عَلٰى حَالِهٖ لِاَنَّ نَصِيْبَهٗ بَاقٍ عَلٰى مِلْكِهٖ فَاسِدًا بِاِفْسَادِ شَرِيْكِهٖ حَيْثُ سَدَّ عَلَيْهِ طُرُقَ الْاِنْتِفَاعِ بِهٖ بَيْعًا وَهِبَةً عَلٰى مَامَرَّ فَاِذَا اخْتَارَ اَحَدُ هُمَا الْعِتْقَ تَعَيَّنَ حَقُّهٗ فِيْهِ وَسَقَطَ اِخْتِيَارُ غَيْرِهٖ فَتَوَجَّهَ لِلسَّاكِتِ سَبَبًا ضَمَانٍ تَدْبِيْرِ الْمُدَبِّرِ وَاِعْتَاقُ هٰذَا الْمُعْتِقِ غَيْرَ اَنَّ لَهٗ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُدَبِّرَ لِيَكُوْنَ الضَّمَانُ ضَمَانَ مُعَاوَضَةٍ اِذْهُوَ الْاَصْلُ حَتّٰى جُعِلَ الْغَصْبُ ضَمَانَ مُعَاوَضَةٍ عَلٰى اَصْلِنَا وَاَمْكَنَ ذٰلِكَ فِى التَّدْبِيْرِ لِكَوْنِهٖ قَابِلًا لِلنَّقْلِ مِنْ مِلْكٍ اِلٰى مِلْكٍ وَقْتَ التَّدْبِيْرِ وَلَا يُمْكِنُ ذٰلِكَ فِى الْاِعْتَاقِ لِاَنَّهٗ عِنْدَ ذٰلِكَ مُكَاتَبٌ اَوْحُرٌّ عَلٰى اِخْتِلَافِ الْاَصْلَيْنِ وَلَابُدَّ مِنْ رِضَاءِ الْمُكَاتَبِ بِفَسْخِهٖ حَتّٰى يَقْبَلَ الْاِنْتِقَالَ فَلِهٰذَا يُضَمِّنُ الْمُدَبِّرَ ثُمَّ لِلْمُدَبِّرِ اَنْ يُضَمِّنَ الْمُعْتِقَ ثُلُثَ قِيْمَتِهٖ مُدَبَّرًا لِاَنَّهٗ اَفْسَدَ عَلَيْهِ نَصِيْبَهٗ مُدَبَّرًا وَالضَّمَانُ يَتَقَدَّرُ بِقِيْمَةِ الْمُتْلَفِ وَقِيْمَةُ الْمُدَبَّرِ ثُلُثَا قِيْمَتِهٖ قِنًّا عَلٰى مَاقَالُوْا وَلَا يُضَمِّنُهٗ قِيْمَةَ مَامَلَكَهٗ بِالضَّمَانِ مِنْ جِهَةِ السَّاكِتِ لِاَنَّ مِلْكَهٗ ثَبَتَ مُسْتَنِدًا وَهٰذَا ثَابِتٌ مِنْ وَجْهٍ دُوْنَ وَجْهٍ فَلَا يَظْهَرُ فِىْ حَقِّ التَّضْمِيْنِ وَالْوَلَاءُ بَيْنَ الْمُعْتِقِ وَ الْمُدَبِّرِ اَثْلَاثًا ثُلُثَاهُ لِلْمُدَبِّرِ وَالثُّلُثُ لِلْمُعْتِقِ لِاَنَّ الْعَبْدَ عَتَقَ عَلٰى مِلْكِهِمَا عَلٰى هٰذَا الْمِقْدَارِ وَاِذَالَمْ يَكُنِ التَّدْبِيْرُ مُتَجَزِّيًا عِنْدَهُمَا صَارَ كُلُّهٗ مُدَبَّرًا لِلْمُدَبِّرِ وَقَدْ اَفْسَدَ نَصِيْبَ شَرِيْكَيْهِ لِمَا بَيَّنَّا فَيُضَمِّنُهٗ وَلَا يَخْتَلِفُ بِالْيَسَارِ وَالْاِعْسَارِ لِاَنَّهٗ ضَمَانُ تَمَلُّكٍ فَاَشْبَهَ الْاِسْتِيْلَادَ بِخِلَافِ الْاِعْتَاقِ لِاَنَّهٗ ضَمَانُ جِنَايَةٍ وَالْوَلَاءُ كُلُّهٗ لِلْمُدَبِّرِ وَهٰذَا ظَاهِرٌ

ترجمہ..... اور اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدبر کرنا بھی ٹکڑے ہوتا ہے۔ صاحبین کا اختلاف ہے۔ جیسے آزاد کرنا کیونکہ مدبر کرنا بھی آزاد کرنے کی ایک شاخ ہے۔ تو آزاد کرنے پر اس کا قیاس ہوگا اور جب مدبر کرنا ٹکڑے ہو سکتا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک تو اسی کے حصہ پر منحصر رہے گا اور مدبر کرنے والے نے دوسروں کا حصہ خراب کر دیا تو ان دونوں میں سے ایک کو یہ اختیار ہے کہ اپنا حصہ مدبر کرے یا آزاد کرے یا مکاتب کرے یا مدبر کرنے والے سے تاوان لے۔ یا غلام سے کمائی کرا لے۔ یا اسی حال پر چھوڑ دے۔ کیونکہ ہر ایک کا حصہ اس کی ملک پر باقی ہے۔ (مگر) شریک کے فاسد کرنے سے ملک فاسد ہے کیونکہ مدبر کرنے والے نے بیع اور ہبہ کے طور پر غلام سے فائدہ اٹھانا مسدود کر دیا۔ چنانچہ بیان ہو چکا۔ پھر جب ان دونوں میں سے ایک نے آزاد کرنے کو اختیار کیا تو آزاد کرنے میں اس کا حق متعین ہو گیا اور اس کے علاوہ کا اختیار ساقط ہو گیا۔ پس ساکت کے لیے ضمان کے دو سبب پیدا ہوئے۔

۱۔ مدبر کرنے والے کا مدبر کرنا۔ ۲۔ اور اس آزاد کرنے والے کا آزاد کرنا۔

مگر یہ کہ اس کو مدبر کرنے والے سے تاوان لینے کا اختیار ہے تا کہ تاوان، تاوانِ معاوضہ ہو جائے۔ اس لیے کہ یہی اصل ہے حتیٰ کہ ہمارے

اصول پر ضمان غصب کو بھی ضمان معاوضہ ٹھہرایا گیا ہے اور مدبر کرنے میں یہ ممکن ہے کیونکہ مدبر کرتے وقت مدبر غلام اس قابل ہوتا ہے کہ ایک ملک سے دوسری ملک میں جاوے اور آزاد کرنے میں یہ بات ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ آزاد کرنے کے وقت یہ غلام مکاتب ہے یا آزاد ہے۔ علی اختلاف الاصلین اور مکاتب کا عقد فسخ کرنے کیواسطے مکاتب کی رضامندی ضروری ہے تاکہ انتقال کو قبول کرے۔ پس اسی وجہ سے ساکت مدبر کرنے والے سے تاوان لے گا پھر مدبر کرنے والے کو اختیار ہے کہ آزاد کرنے والے سے غلام کی تہائی قیمت بحساب مدبر ہونے کے (وصول کرے) کیونکہ اس نے اس کا حصہ مدبر ہونے کی حالت میں خراب کیا ہے اور ضمان کا اندازہ متلف (تلف کی ہوئی چیز) کے ساتھ لگایا جائے گا اور مدبر کی قیمت غلام محض کی دو تہائی قیمت ہے۔ جیسا کہ مشائخ نے کہا اور جو قیمت اس کو شریک ساکت کے حصہ کی دینا پڑتی وہ آزاد کرنے والے سے واپس نہیں لے سکتا۔ کیونکہ ساکت کو تاوان دے کر اس کے حصہ کا مالک اپنے مدبر کرنے کے وقت سے قرار پایا اور یہ من وجہ ثابت ہے نہ کہ من وجہ۔ پس یہ ملک ضامن کرنے کے حق میں ظاہر نہیں ہوگی۔ یعنی دو تہائی مدبر کرنے والے کی اور ایک تہائی آزاد کرنے والے کی ہوگی۔ کیونکہ غلام ان دونوں کی ملک پر اس مقدار پر آزاد ہوا ہے اور چونکہ صاحبین کے نزدیک مدبر کرنا متجزی نہیں ہے تو پورا غلام مدبر کرنے والے کے واسطے مدبر ہوگا اور اس نے اپنے دونوں شریکوں کا حصہ خراب کرڈالا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا تو ان دونوں کے حصہ کا ضامن ہوگا اور یہ ضمان خوشحالی اور مفلسی کی وجہ سے مختلف نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ضمان تو ملک حاصل کرنے کا معاوضہ ہے۔ تو استیلاد کے مشابہ ہوگیا۔ بخلاف آزاد کرنے کے۔ کیونکہ یہ ایک جرم کا تاوان ہے اور ولاء پوری کی پوری مدبر کرنے والے کے واسطے ہوگی اور یہ امر ظاہر ہے۔

تشریح......صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک مدبر کرنا متجزی ہوتا ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک متجزی نہیں ہوتا۔ جیسے آزاد کرنے میں اختلاف ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک اعتاق متجزی ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک متجزی نہیں ہوتا۔

دلیل یہ ہے کہ مدبر کرنا۔ آزاد کرنے کی ایک شاخ ہے۔ لہٰذا آزاد کرنے پر اس کا قیاس بھی ہوگا اور جب امام صاحب کے نزدیک مدبر کرنا متجزی ہوسکتا ہے تو وہ صرف مدبر کرنے والے کے حصہ تک رہے گا اور چونکہ مدبر کرنے والے نے دوسرے دو شریکوں کا حصہ بگاڑ دیا تو باقی دو شریکوں میں سے ہر ایک کو اختیارات حاصل ہوئے کہ چاہیں اپنا حصہ آزاد کریں یا مدبر کریں یا مکاتب کریں یا مدبر کرنے والے سے تاوان لیں۔ یا غلام سے کمائی کرالیں۔ یا اسی حال پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ ہر ایک کا حصہ اسکی ملک میں باقی ہے۔ مگر شریک کے بگاڑنے سے ملک فاسد ہے۔ کیونکہ مدبر کرنے والے نے بیع وہبہ کے طور پر فائدہ اٹھانا مسدود کردیا۔ چنانچہ سابقہ مسئلہ میں بیان ہو چکا۔ پھر جب مدبر کرنے والے کے علاوہ دوسرے دو شریکوں میں سے ایک نے یہ اختیار کیا کہ اس کو آزاد کردیا۔ تو یہی آزاد کرنا اس کا حق ہوگیا اور دوسرے اختیارات، سعایہ، کتابت اور تضمین وغیرہ اس کے ساقط ہوگئے۔

اور تیسرا شریک جو بالکل خاموش ہے۔ اسی کے واسطے تاوان لینے کے دو سبب پیدا ہوئے اول شریک اول کا مدبر کرنا۔ دوم دوسرے شریک کا آزاد کرنا۔ مگر بات یہ ہے کہ اس کو مدبر کرنے والے سے ضمان لینے کا اختیار ہے اور آزاد کرتے والے سے تاوان لینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ تاکہ یہ ضمان، ضمانِ معاوضہ ہوجائے۔ کیونکہ ضمان میں، ضمانِ معاوضہ ہی اصل ہے اور ضمان معاوضہ اس لئے اصل ہے کہ ضمان اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ شیء مضمون ضامن کی ملک ہوجائے اور یہ بات صرف ضمان معاوضہ میں ہوسکتی ہے نہ کہ ضمان جنایت اور ضمان اتلاف میں اور مدبر کرنے والے سے جو ضمان لیا جاتا ہے۔ وہ ضمان معاوضہ ہوتا ہے اس لیے ساکت صرف مدبر کرنے والے سے ضمان لے سکتا ہے اور چونکہ ضمان معاوضہ اصل ہے۔ اسی لیے ہمارے قاعدے کے مطابق کسی کا مال غصب کر لینے کا تاوان بھی، تاوان معاوضہ مقرر کیا گیا ہے اور ایسا تاوان لینا، مدبر کرنے والے سے ممکن بھی ہے۔ کیونکہ مدبر غلام ایسا غلام ہوتا ہے کہ ایک ملک سے دوسری ملک کی طرف منتقل ہوجائے اور اعتاق میں یہ بات ممکن نہیں ہے کیونکہ آزاد کرنے کے وقت یہ غلام امام ابوحنیفہؒ کی اصل پر مکاتب ہوگیا اور صاحبین کی اصل پر وہ آزاد ہوگیا۔ پھر عقد کتابت فسخ کرنے کے واسطے مکاتب کی رضامندی ضروری ہے تاکہ وہ قابل انتقال ہو۔ پس معلوم ہوا کہ مدبر کرنے والے سے ہی تاوان لینا بتاوان معاوضہ ہے۔ پس شریک ساکت اس سے اپنا تاوان

لے لے گا۔ پھر مدبر کرنے والے کو اختیار ہے کہ آزاد کرنے والے سے غلام کی تہائی قیمت بحساب مدبر ہونے کے وصول کرے۔ کیونکہ اس نے اس کا حصہ مدبر ہونے کی حالت کا بگاڑا ہے اور ضمان کا اندازہ اسی حساب سے ہوتا ہے۔ جس قیمت کا اصل تلف کیا ہو اور مدبر کی قیمت غلام محض کی قیمت سے دو تہائی ہوتی ہے۔ یعنی غلام محض کی قیمت سے ایک تہائی کم ہے۔ جیسا کہ مشائخ نے بیان کیا ہے اور جو قیمت مدبر کو شریک ساکت کے حصہ کی دینا پڑی وہ آزاد کرنے والے سے واپس نہیں لے سکتا کیونکہ شریک ساکت کو تاوان دے کر اس کے حصہ کا مالک اپنے مدبر کرنے کے وقت سے قرار پایا۔ لیکن یہ ملکیت تاوان دینے کی وجہ سے ثابت ہے۔ اصلی حالت کی وجہ سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مکاتبت اس قابل نہیں ہے کہ آزاد کرنے والے سے اس کا تاوان وصول کرے۔ اس لیے اس حصہ کا تاوان نہیں لے سکتا۔

اور اس حالت میں غلام کی ولاء آزاد کرنے والے اور مدبر کرنے والے دونوں میں تین تہائی مشترک ہوگی۔ یعنی دو تہائی مدبر کرنے والے کی اور ایک تہائی آزاد کرنے والے کی ہوگی۔ کیونکہ غلام کا آزاد ہونا انہیں دونوں کی ملکیت پر اسی انداز پر واقع ہوا ہے۔

اور صاحبین کی اصل پر تفریع یہ ہے کہ جب مدبر کرنا ان کے نزدیک متجزی نہیں ہوسکتا تو جوں ہی مدبر کرنے والے نے مدبر کیا۔ پورا غلام اس کا مدبر ہو گیا اور اس نے اپنے دونوں شریکوں کا حصہ خراب کر دیا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا تو ان کے واسطے ضامن ہوگا اور یہ ضمانت خوشحالی اور تنگدستی کی وجہ سے مختلف نہ ہوگی۔ یعنی دونوں حالتوں میں ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ ضمان تو ملک حاصل کرنے کا معاوضہ ہے تو استیلاد کے مشابہ ہو گیا۔ یعنی جیسے دو شریکوں میں ایک نے مشترک باندی کے بچہ کا دعویٰ کیا تو دوسرے کو باندی کی نصف قیمت ادا کرنی ہوگی۔ بخلاف آزاد کرنے کے کیونکہ وہ ایک جرم کا تاوان ہے اور رہی ولاء تو وہ پوری اسی مدبر کرنے والے کی ہوگی اور یہ امر ظاہر ہے۔

ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک ہے ہر ایک نے گمان کیا کہ وہ ام ولد ہے دوسرے شریک کی اور دوسرے شریک نے انکار کیا تو ایک روز وہ توقف کرے اور ایک روز دوسرے شریک منکر کے لیے خدمت کرے، اقوال فقہاء

وَاِذَا كَانَتْ جَارِيَةٌ بَيْنَ رَجُلَيْنِ زَعَمَ اَحَدُهُمَا اَنَّهَا اُمُّ وَلَدٍ لِصَاحِبِهٖ وَاَنْكَرَ ذٰلِكَ الْاٰخَرُ فَهِيَ مَوْقُوْفَةٌ يَوْمًا وَ يَوْمًا تَخْدِمُ لِلْمُنْكِرِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا اِنْ شَاءَ الْمُنْكِرُ اِسْتَسْعَى الْجَارِيَةَ فِيْ نِصْفِ قِيْمَتِهَا ثُمَّ تَكُوْنُ حُرَّةً لَاسَبِيْلَ عَلَيْهَا لَهُمَا اَنَّهٗ لَمَّا لَمْ يُصَدِّقْهُ صَاحِبُهٗ اِنْقَلَبَ اِقْرَارُ الْمُقِرِّ عَلَيْهِ كَاَنَّهٗ اِسْتَوْلَدَهَا فَصَارَ كَمَا اِذَا اَقَرَّ الْمُشْتَرِيْ عَلَى الْبَائِعِ اَنَّهٗ اَعْتَقَ الْمَبِيْعَ قَبْلَ الْبَيْعِ يُجْعَلُ كَاَنَّهٗ اَعْتَقَ كَذَا هٰذَا فَيَمْتَنِعُ الْخِدْمَةُ وَنَصِيْبُ الْمُنْكِرِ عَلٰى مِلْكِهٖ فِي الْحُكْمِ فَيَخْرُجُ اِلَى الْاِعْتَاقِ بِالسِّعَايَةِ كَاُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ اِذَا اَسْلَمَتْ وَ لِاَبِيْ حَنِيْفَةَ اَنَّ الْمُقِرَّ لَوْ صُدِّقَ كَانَتِ الْخِدْمَةُ كُلُّهَا لِلْمُنْكِرِ وَلَوْ كَذَبَ كَانَ لَهٗ نِصْفُ الْخِدْمَةِ فَيَثْبُتُ مَا هُوَ الْمُتَيَقَّنُ بِهٖ وَهُوَ النِّصْفُ وَلَا خِدْمَةَ لِلشَّرِيْكِ الشَّاهِدِ وَلَا اِسْتِسْعَاءَ لِاَنَّهٗ يتبرأ عَنْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ بِدَعْوَى الْاِسْتِيْلَادِ وَالضَّمَانِ وَالْاِقْرَارُ باموميةِ الولدِ يَتَضَمَّنُ الْاِقْرَارَ بِالنَّسَبِ وَهٰذَا اَمْرٌ لَازِمٌ وَلَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ فَلَا يُمْكِنُ اَنْ يُجْعَلَ الْمُقِرُّ كَالْمُسْتَوْلِدِ

ترجمہ ...... اور اگر ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک ہو۔ ان دونوں میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ اس کے شریک کی ام ولد ہے اور دوسرے نے اس سے انکار کیا تو وہ ایک روز توقف کرے اور ایک روز شریک منکر کی خدمت کرے۔ (یہ) ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے کہا کہ شریک منکر (کو اختیار) ہے کہ چاہے باندی سے اس کی نصف قیمت میں کمائی کرائے۔ پھر وہ آزاد ہوگی۔ اس پر کوئی راہ نہیں ہے۔

اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب اقرار کرنے والے شریک کی اس کے دوسرے ساتھی نے تصدیق نہ کی۔ تو مقر کا اقرار خود اسی پر لوٹ آیا۔

گویا اس نے اس باندی کو ام ولد بنایا ہے تو یہ ایسی صورت ہو گئی جیسے مشتری نے بائع پر اقرار کیا کہ بائع نے بیع سے پہلے اس مبیع کو آزاد کر دیا ہے۔ اس کو ایسا قرار دیا جائے گا گویا مشتری نے خود آزاد کیا ہے۔ ایسا ہی حکم یہاں ہوگا۔ پس (مقر کے واسطے) خدمت لینا ممنوع ہے اور منکر کا حصہ حکم ظاہر میں اس کی ملکیت پر (باقی) ہے۔ پس آزاد کرنے کے واسطے کمائی کے ذریعہ تخریج کی جائے گی۔ جیسے نصرانی کی ام ولد جبکہ وہ مسلمان ہو گئی ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اگر مقر کے قول کی تصدیق کی جاتی تو شریک منکر کے واسطے (باندی کی) پوری خدمت ہو جاتی اور جب اس کی تکذیب کی گئی تو منکر کے واسطے آدھی خدمت ہوئی۔ پس جو بات یقینی ہے یعنی نصف خدمت وہی ثابت ہوگی اور شریک ہونے اور ضمان کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے ان سب سے بری ہے اور ام ولد ہونے کا اقرار اقرار بالنسبت کو شامل ہے اور یہ امر لازم ہے۔ رد کرنے سے رد نہیں ہوگا۔ پس یہ ممکن نہیں کہ مقر کو ام ولد بنانے والے کے مانند قرار دیا جائے۔

تشریح......صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک باندی دو آدمیوں میں مشترک ہو، ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ یہ دوسرے کی ام ولد ہے اور دوسرے شریک نے اس سے انکار کیا۔ تو یہ باندی ایک روز توقف کرے۔ یعنی کسی کی خدمت نہ کرے اور دوسرے روز شریک منکر کی خدمت کرے۔ یہ مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ منکر اگر چاہے تو اس باندی سے نصف قیمت کمائی کرا کے وصول کر لے۔ پس اگر باندی نے اپنی نصف قیمت کمائی کر کے شریک منکر کو ادا کر دی تو یہ باندی آزاد ہو جائے گی اور اقرار کرنے والے شریک کی اس پر کوئی راہ نہیں رہے گی۔ یعنی شریک مقر اس سے کچھ نہیں لے سکتا۔

صاحبینؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ جب اقرار کرنے والے شریک کی دوسرے شریک نے تصدیق نہیں کی۔ تو مقر کا اقرار خود اسی کے اوپر لوٹ آیا۔ گو خود اس نے اس باندی کو ام ولد بنایا ہے۔ پس یہ ایسی صورت ہو گئی جیسے مشتری نے اقرار کیا کہ بائع عقد کرنے سے پہلے ہی اس مبیع (غلام) کو آزاد کر چکا ہے۔ درانحالیکہ بائع اس سے منکر ہے تو اس صورت میں یہ غلام مشتری کی جانب سے آزاد ہوگا کیونکہ بائع نے انکار کرنے کی وجہ سے مشتری کا اقرار خود اسی پر لوٹ آیا۔ اسی طرح یہاں ہوگا۔ پس جب مقر کا اقرار اسی کے اوپر لوٹ آیا تو اسی کے واسطے خدمت لینا ممتنع ہو گیا۔ کیونکہ یہ باندی اس کے خیال کے مطابق دوسرے کی ام ولد ہے اور منکر کا حصہ حکم ظاہر میں اسی کی ملکیت پر باقی ہے۔ پس آزاد ہونے کے واسطے یہی ہوگا کہ باندی سے مزدوری کرائی جائے۔ جیسے نصرانی کی ام ولد اگر مسلمان ہو گئی تو اس سے مزدوری کرائی جائے گی۔ یعنی مسلمان ام ولد پر نصرانی کی ملک نہیں رہ سکتی۔ بلکہ اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ قیمت ادا کر کے آزاد ہو جائے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل...... یہ ہے کہ اقرار کرنے والا شریک اگر اپنے اقرار میں سچا ہوتا تو شریک منکر کے واسطے باندی کی پوری خدمت ہو جاتی۔ کیونکہ بقول مقر کے یہ اس کی ام ولد ہے اور اگر مقر کو جھوٹا قرار دیا جائے تو شریک منکر کے واسطے نصف خدمت ہوگی۔ کیونکہ یہ باندی دونوں میں مشترک ہے۔ پس نصف خدمت، جو یقینی ہے شریک منکر کے واسطے ثابت ہوگی اور شریک مقر کے لیے کوئی خدمت نہ ہوگی۔ لہٰذا یہ باندی ایک روز شریک منکر کی خدمت کرے گی اور ایک روز توقف کرے گی۔ یعنی کسی کی خدمت نہ کرے گی اور شریک مقر اس سے کمائی کرانے کا حقدار بھی نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے شریکِ منکر کی ام ولد ہو جانے اور اس پر اپنا تاوان واجب ہو جانے کا دعویٰ کیا تو باندی کی خدمت اور کمائی سب سے بری ہو گیا۔

والاقرار بامومية الولد...... سے صاحبین کے قول کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ام ولد ہونے کا اقرار بچہ کے نسب کے اقرار کو شامل ہے اور یہ اقرار یا نسب امر لازم ہے۔ چنانچہ رد کرنے سے رد نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا یہ امکان باقی نہیں رہا کہ شریک مقر کو ام ولد بنانے والا قرار دیا جائے۔ جیسے صاحبین نے قرار دیا ہے۔

دو آدمیوں میں ام ولد مشترک ہو ایک نے اپنا حصہ آزاد کر دیا اس حال میں کہ وہ موسر ہے اس پر ضمان ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَاِنْ كَانَتْ اُمُّ وَلَدٍ بَيْنَهُمَا فَاَعْتَقَهَا اَحَدُهُمَا وَهُوَ مُوْسِرٌ فَلَاضَمَانَ عَلَيْهِ عِنْدَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَقَالَا يَضْمَنُ نِصْفَ قِيْمَتِهَا لِاَنَّ مَالِيَّةَ اُمِّ الْوَلَدِ غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ عِنْدَهُ وَمُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُمَا وَ عَلٰى هٰذَا الْاَصْلِ تَبْتَنِىْ عِدَّةٌ مِنَ الْمَسَائِلِ اَوْرَدْنَاهَا فِىْ كِفَايَةِ الْمُنْتَهِىْ وَجْهُ قَوْلِهِمَا اَنَّهَا مُنْتَفَعٌ بِهَا وَطْيًا وَاِجَارَةً وَاسْتِخْدَامًا وَهٰذَا هُوَ دَلَالَةُ التَّقَوُّمِ وَبِامْتِنَاعِ بَيْعِهَا لَايَسْقُطُ تَقَوُّمُهَا كَمَا فِى الْمُدَبَّرِ اَلَاتَرٰى اَنَّ اُمَّ وَلَدِ النَّصْرَانِىِّ اِذَااَسْلَمَتْ عَلَيْهَا السِّعَايَةُ وَهٰذَا اٰيَةُ التَّقَوُّمِ غَيْرَ اَنَّ قِيْمَتَهَا ثُلُثُ قِيْمَتِهَا قِنَّةً عَلٰى مَا قَالُوْا لِفَوَاتِ مَنْفَعَةِ الْبَيْعِ وَالسِّعَايَةِ بَعْدَ الْمَوْتِ بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ لِاَنَّ الْفَائِتَ مَنْفَعَةُ الْبَيْعِ اَمَّا السِّعَايَةُ وَالْاِسْتِخْدَامُ فَبَاقِيَانِ وَلِاَبِىْ حَنِيْفَةَ اَنَّ التَّقَوُّمَ بِالْاِحْرَازِ وَهِىَ مُحْرَزَةٌ لِلنَّسَبِ لَالِلتَّقَوُّمِ وَالْاِحْرَازُ لِلتَّقَوُّمِ تَابِعٌ وَلِهٰذَا لَاتَسْعٰى لِغَرِيْمٍ وَلَالِوَارِثٍ بِخِلَافِ الْمُدَبَّرِ وَهٰذَا لِاَنَّ السَّبَبَ فِيْهَا مُتَحَقِّقٌ فِى الْحَالِ وَهُوَ الْجُزْئِيَّةُ الثَّابِتَةُ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ عَلٰى مَا عُرِفَ فِىْ حُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ اِلَّا اَنَّهُ لَمْ يَظْهَرْ عَمَلُهُ فِىْ حَقِّ الْمِلْكِ ضَرُوْرَةَ الْاِنْتِفَاعِ فَعَمَلَ السَّبَبُ فِىْ اِسْقَاطِ التَّقَوُّمِ وَ فِى الْمُدَبَّرِ يَنْعَقِدُ السَّبَبُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَامْتِنَاعِ الْبَيْعِ فِيْهِ لِتَحَقُّقِ مَقْصُوْدِهٖ فَافْتَرَقَا وَفِىْ اُمِّ وَلَدِ النَّصْرَانِىِّ قَضَيْنَا بِمُكَاتَبَتِهَا عَلَيْهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَبَدَلُ الْكِتَابَةِ لَايَفْتَقِرُ وُجُوْبُهٗ اِلَى التَّقَوُّمِ

ترجمہ ..... اور اگر ام ولد دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو۔ پھر ان دونوں میں سے ایک نے اس کو آزاد کیا۔ درانحالیکہ وہ خوشحال ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر ضمان واجب نہیں ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا اس کی آدھی قیمت کا ضامن بنائے۔ اس لیے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک ام ولد کی مالیت غیر متقوم ہے اور صاحبین کے نزدیک متقوم ہے اور اسی اصل پر چند مسائل مبنی ہیں جن کو ہم نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کیا ہے اور صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ام ولد سے نفع اٹھانا بطور وطی و اجارہ کے اور بطریق خدمت لینے کے جائز ہے اور یہ متقوم ہونے کی علامت ہے اور اس کی بیع ممتنع ہونے سے اس کا متقوم ہونا ساقط نہیں ہوتا ہے جیسا کہ مدبر میں ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ نصرانی کی ام ولد اگر مسلمان ہوگئی تو اس پر سعایہ واجب ہے اور یہ علامت ہے متقوم ہونے کی۔ مگر یہ کہ ام ولد کی قیمت (بہ نسبت) خالص باندی کے تہائی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشائخ نے کہا ہے کیونکہ فروخت کرنے اور موت کے بعد کمائی کرانے کی منفعت فوت ہوگئی ہے۔ بخلاف مدبر کے۔ اس لئے کہ (اس سے) منفعت بیع فوت ہوئی ہے۔ رہا کمائی کرانا اور خدمت لینا تو دونوں باقی ہیں اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ متقوم ہونا احراز کی وجہ سے ہوتا ہے اور ام ولد نسب کے لیے محرز ہوتی ہے نہ کہ تقوم کے لیے اور تقوم کے لئے احراز تابع ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ کسی قرض خواہ یا وارث کے لیے کمائی نہیں کرتی ہے۔ بخلاف مدبر کے اور یہ اس لیے کہ سبب ام ولد میں فی الحال متحقق ہے اور وہ جزئیت ہے۔ جو بچہ کے واسطے ثابت ہے۔ جیسا کہ حرمت مصاہرت میں معلوم ہو چکا ہے۔ مگر یہ کہ انتفاع کی وجہ سے ملک کے حق میں اس کا عمل ظاہر نہیں ہوا۔ پس سبب کا اثر تقوم ساقط ہونے میں ہے اور مدبر میں موت کے بعد سبب منعقد ہوتا ہے اور مدبر کی بیع کا ممتنع ہونا مقصود کے متحقق ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس دونوں میں فرق ہوگیا اور نصرانی کی ام ولد میں ہم نے اس کے مکاتبہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ تاکہ دونوں طرف سے ضرر دور ہو جائے اور بدل کتابت کا واجب ہونا تقوم کا محتاج نہیں ہوتا ہے۔

تشریح ..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی۔ پھر اس سے بچہ پیدا ہوا۔ جس کا دونوں شریکوں نے دعویٰ کیا۔ حتیٰ کہ دونوں سے نسب ثابت ہوگیا اور وہ دونوں کی ام ولد ہوگئی پھر ایک نے اس کو آزاد کر دیا درانحالیکہ یہ خوشحال بھی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس

پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک آزاد کرنے والا ام ولد کی نصف قیمت اپنے دوسرے شریک کو دے گا۔ بنیادِ اختلاف یہ ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ام ولد مال غیر متقوم ہے اور صاحبین کے نزدیک مال متقوم ہے۔ اسی اصل پر بہت سے مسائل مبنی ہیں جن کو کفایۃ المنتہی میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً شریکین میں سے اگر ایک مر گیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک دوسرے شریک کے لیے ام ولد سعی نہیں کرے گی اور صاحبین کے نزدیک سعی کرے گی۔ صاحبینؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ ام ولد منتفع بہا ہے۔ چنانچہ مولیٰ کے لیے اپنی ام ولد سے وطی کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اجارہ پر دینا جائز ہے اور اس سے خدمت لینا بھی جائز ہے اور یہ باتیں بغیر ملک یمین کے نہیں ہو سکتیں اور ملک یمین بغیر مال متقوم کے ممکن نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ام ولد مال متقوم ہے۔

وبـا متنـا ع بيعهـا سے سوال کا جواب ہے۔ **سوال:** یہ ہے کہ ام ولد کی بیع ممنوع ہے اور اس کی بیع کا ممنوع ہونا دلیل ہے عدم تقوم کی۔ پس معلوم ہوا کہ ام ولد غیر متقوم ہے۔ **جواب:** ام ولد کی بیع کے ممنوع ہونے سے اس کا مال متقوم ہونا ساقط نہیں ہوتا ہے۔ جیسے مدبر کی بیع ممنوع ہے حالانکہ مدبر مال متقوم ہے۔ چنانچہ آپ غور کیجئے کہ نصرانی کی ام ولد اگر مسلمان ہوگئی، تو اس پر کمائی کر کے قیمت ادا کرنا بالاتفاق واجب ہے اور ام ولد پر کمائی کا واجب ہونا اس کے متقوم ہونے کی علامت ہے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ام ولد کی قیمت محض باندی کی قیمت کا ایک تہائی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشائخ نے کہا۔ دلیل یہ ہے کہ اس سے فروخت کرنے اور موت کے بعد کمائی کرانے کی منفعت فوت ہوگئی ہے۔ بخلاف مدبر کے کہ اس سے صرف بیچنے کی منفعت فوت ہوئی ہے۔ رہا کمائی کرانا اور خدمت لینا۔ سو یہ دونوں باقی ہیں۔ چنانچہ مولیٰ کے مرنے کے بعد مولیٰ کے قرضخواہوں کے واسطے کمائی کرے گا اور مولیٰ کی موت تک اس کی خدمت بھی کرے گا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قیمت اس چیز کی لگائی جاتی ہے جو مالداری کے لیے اپنے قبضہ میں محفوظ کی جائے۔ حالانکہ ام ولد صرف نسب کے واسطے رکھی جاتی ہے اور مالداری کے واسطے نہیں رکھی جاتی۔ یعنی مالداری کے لیے رکھنا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ نسب مقصود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولیٰ کی موت کے بعد وہ کسی قرض خواہ یا وارث کے واسطے کمائی نہیں کرتی ہے۔ برخلاف مدبر کے کیونکہ مدبر نسبت کے واسطے نہیں رکھا جاتا ہے۔ بلکہ مالداری کے لیے رکھا جاتا ہے۔ پس مدبر اور ام ولد میں فرق ہے اور وجہ فرق یہ ہے کہ ام ولد میں سبب فی الحال موجود ہے۔ یعنی مولیٰ اور ام ولد کے درمیان جزئیت کا علاقہ بچہ کے واسطے سے ثابت ہے۔ جیسا کہ حرمت مصاہرت کے ذیل میں گذر چکا (ہاں) اتنی بات ضرور ہے کہ اس سبب (جزئیت) کا اثر ملکیت زائل ہونے کے بارے میں ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ ابھی ام ولد سے مولیٰ کو نفع حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی اگر وہ ابھی ملک میں نہ رہے بلکہ آزاد ہو جائے تو حلت جاتی رہے گی۔ اس لیے ابھی سبب کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ ہاں قیمت کا اندازہ ساقط ہونے میں سبب کا اثر کچھ نہیں ہوا۔ ہاں قیمت کا اندازہ ساقط ہونے میں سبب کا اثر ہو گیا اور مدبر میں بھی فی الحال سبب موجود نہیں۔ بلکہ موت کے بعد پیدا ہوگا اور مدبر کا فروخت کرنا اس لیے ممتنع ہے تا کہ مدبر کرنے کا مقصود حاصل ہو۔ پس ام ولد اور مدبر میں فرق ظاہر ہو گیا۔

اور رہا نصرانی کی ام ولد کا مسئلہ تو ہم نے یہ حکم دیا ہے کہ نصرانی کی طرف سے وہ مکاتبہ ہوگئی۔ یعنی نصرانی پر یہ بات لازم کر دی گئی تا کہ ام ولد اور نصرانی دونوں کو کچھ ضرر نہ ہو اور بدلِ کتابت اس کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ کسی مال متقوم کے مقابلہ میں ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

اللّٰھم تقبلہ بفضلك یا ارحم الراحمین

جمیل احمد سکروڈھوی (سہارن پور)
۲۵ / ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ